پچھل پیری........ایک پُراسرار اور خوفناک ناول
دیوالی
ایم اے راحت
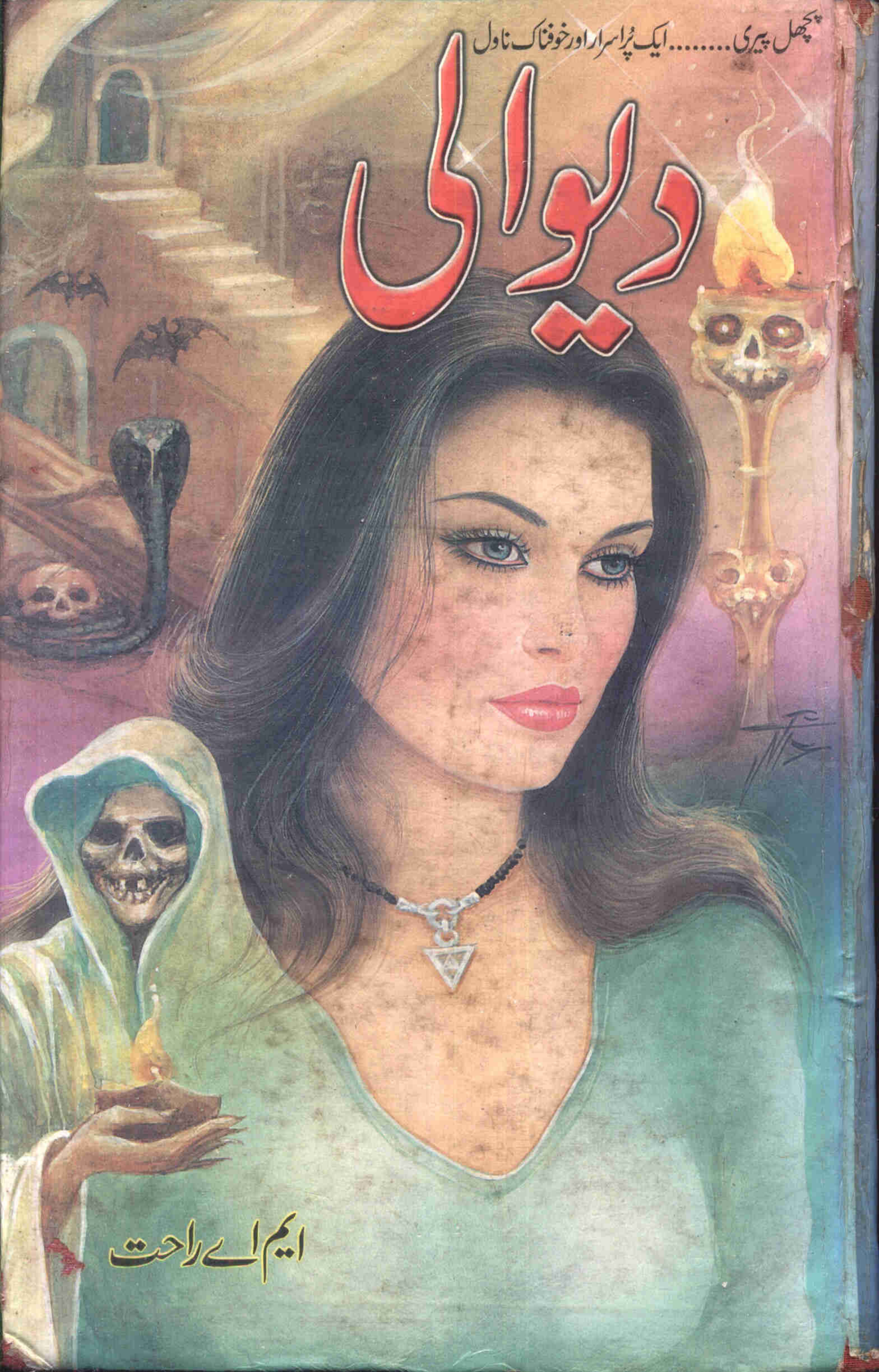
آواگون کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک ہندو ناری کے جنم جنم کی عجیب کہانی۔

اس کا نام دیوالی تھا۔ وہ جہاں جاتی خوشیوں کے چراغ جل جاتے۔

وہ الٹے پیروں والی تھی لیکن اُس کے نصیب الٹے نہیں تھے۔

وہ عتاب زدہ تھی۔ دیوتا اس سے ناراض تھے۔

اس کے ہر جنم کے ساتھ جنم لینے والی دشمن جان کون تھی؟

لونا چماری اگر کنواری لڑکی کے خون سے غسل کر لیتی تو؟

وہ کال نگر کے کایا جال میں پھنس گئی تھی۔ کال نگر کیا تھا؟

اسے معافی حاصل کرنے کے لیے کشٹ کے سات پُل پار کرنے تھے۔

ڈاکٹر مورتی دیوی نے گردن ہلا کر معائنہ ختم کیا اور پھر راجی کو دیکھ کر بولی۔ ''ساتھ جو آئے ہیں وہ تمہارے پتی ہیں؟''

''جی ڈاکٹر جی۔''

''ہوں...... آؤ باہر آؤ......'' ڈاکٹر مورتی نے گھمبیر لہجے میں کہا اور معائنے کے کمرے کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ راج وتی بھی اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔ ساتھ کے کمرے میں نندکشور گردن لٹکائے بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گیا، ڈاکٹر مورتی نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر سیدھی سادی راجی کو بھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بولی۔

''جاگیرتی داس جی آپ کو کیسے جانتے ہیں؟''

''میں ان کے دفتر میں کام کرتا ہوں ڈاکٹر صاحب۔''

''کیا کام کرتے ہیں؟''

''اکاؤنٹینٹ ہوں۔''

''ٹھیک، پھر تو بڑے اہم آدمی ہیں آپ...... جاگیرتی داس میرے جیجا جی ہیں، انہوں نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ آپ اپنی دھرم پتنی کے ساتھ آ رہے ہیں۔ آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔''

''وہ میرے مالک ہیں۔ بڑے دیالو ہیں، بھگوان آپ دونوں کو سکھی رکھے۔''

''آپ کی دھرم پتنی بالکل ٹھیک ہیں۔ بچہ بھی ٹھیک ہے۔ یہ پانچواں مہینہ ہے۔ ایک بات میں خاص طور سے آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔''

''جی......!'' نندکشور انکساری سے بولا۔

''ان کا تھوڑا سا بلڈ پریشر ہائی ہے لیکن یہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ بعض خواتین کا ان حالات میں بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش ہو جاتی ہے تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن اس دوران انہیں کوئی ذہنی ٹینشن نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ذہنی ٹینشن ان کے

لئے اور بچے کے لئے نقصان دہ ہوگی۔ بس خاص طور سے اس کا خیال رکھا جائے۔''

''جی۔'' نند کشور نے آہستہ سے کہا۔

''آپ باہر جائیے ریسپشنسٹ سے ایک مہینے بعد کی تاریخ لے لیجئے۔ ایک مہینے کے بعد آپ کو انہیں پھر یہاں لانا ہے۔ میں تو پندرہ دن کے بعد کا وقت لیتی آپ سے، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ کی مسز گاؤں میں رہتی ہیں۔''

''جی۔ ہمارا اصل گاؤں ڈھول پور ہے۔''

''اچھا اچھا...... جاگیرتی داس بھی تو شاید ڈھول پور ہی کے رہنے والے ہیں۔''

''جی ڈاکٹر صاحب! ہمارے پُرکھوں کے تعلقات ہیں جاگیرتی صاحب سے۔ اب بھگوان نے انہیں بہت بڑا مرتبہ دے دیا ہے۔ سب آپس کے ساتھی ہی تھے لیکن جاگیرتی صاحب آج بھی ویسے ہی ہمدرد اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔''

''میرے جیجا جو ہیں۔'' ڈاکٹر مورتی دیوی نے مسکرا کر کہا پھر بولی۔ ''جائیے آپ ریسپشنسٹ سے ٹائم لے لیجئے اور ادائیگی وغیرہ بھی اسے ہی کر دیجئے گا۔'' ڈاکٹر نے اپنا مطلب بھی بیان کر دیا اور نند کشور باہر نکل آیا۔ ریسپشنسٹ لڑکی نے اسے رجسٹر میں دیکھ کر تاریخ اور وقت بتایا۔ نند کشور نے اسے معائنہ فیس ادا کی اور پھر باہر نکل آیا۔ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر اس نے کہا۔

''آؤ...... تھوڑی دیر باہر بیٹھتے ہیں۔ بس میں تو تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا اور گھر میں مجھے رکنا نہیں ہے، کیونکہ فوراً ہی واپس آ کر دفتر کے کچھ کام دیکھنے ہیں۔ آڈیٹر آڈٹ کے لئے آ رہے ہیں یہ ذمہ داری میری ہی ہوتی ہے۔'' راج وتی نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔ نند کشور اسے لے کر باہر نکل آیا اور پھر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ اسپتال کے بڑے سے لان کے ایک گوشے میں کچھ بینچ خالی پڑے تھے۔ نند کشور راج وتی کو لے کر انہی بینچوں کی طرف چل پڑا تاکہ وہاں بیٹھ کر بات چیت کی جا سکے۔

نند کشور ڈھول پور کا رہنے والا تھا۔ کل تین بھائی تھے بہن کوئی نہیں تھی۔ سب سے بڑے کا نام دھرم کشور، اس سے چھوٹا سندر کشور اور تیسرا خود نند کشور تھا۔ دھرم کشور اور سندر کشور کی شادی ہو چکی تھی۔ دھرم کشور کی دھرم پتنی کا نام ارملا تھا سندر کشور کی دھرم پتنی کا نام سشما اور نند کشور کی دھرم پتنی کا نام راج وتی۔ راج وتی بہت سیدھی سادی اور معصوم سی لڑکی تھی۔ جب کہ ارملا اور سشما گن کی پکی تھیں، لیکن شکنتلا دیوی نے ان کے سارے گنوں کو

گھن لگا دیا تھا اور ایک نہیں چلنے دی تھی۔ اس کی بھی خاص وجہ یہ تھی کہ بیٹے قبضے میں تھے اور وہ ماں کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اکثر اس سلسلے میں بیویوں سے جھڑپ ہو جایا کرتی تھی۔ ارملا کہتی۔

''یہ اچھی بات ہے، آپ کہتے ہو کہ آپ کی ماتا جی آپ کے پتاجی پر حاوی تھیں اور ماتا جی کے سامنے پتاجی کی ایک نہیں چلتی تھی تو پھر ہمارا کیا دوش ہے کہ ہمیں چکی کے پاٹ میں پیس کر رکھ دیا گیا۔ ارے اچھی ہو یا بری ہر وقت سننے کو ملتی ہے۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے آپ اپنا سورگ بنا رہے ہو۔ ہمیں کیوں نرکھ میں ڈال دیا ہے۔''

''شرم کرو۔ ارملا کچھ شرم کرو۔ ہر طرح سے تو تمہارا خیال کیا جاتا ہے۔ کون سے نرکھ کی بات کر رہی ہو؟ تمہارا اپنا گھر کیا سورگ ہی سورگ ہے۔ وہاں پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''کبھی کبھی ہوتا ہے ہر وقت نہیں ہوتا۔'' ارملا ہاتھ نچا کر کہتی۔

''اچھا بابا اچھا، ٹھیک ہے۔ اب کیا کیا جائے بڑی ہیں ہماری ماتا ہیں۔ عادت کی کچی ہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے میں تو تمہارا خیال رکھتا ہوں۔''

''ہوں...... خیال رکھتے ہیں، واقعی خیال رکھتے ہیں۔'' ارملا دیوی کہتی۔ تقریباً اسی طرح کے الفاظ سشما کے بھی ہوتے اور بے چارے سندر کشور کو سشما سے وہی کچھ سننا پڑتیں، لیکن بہر حال زندگی گزر رہی تھی۔ باقی رہ گیا نند کشور اور اس کی دھرم پتنی راج وتی۔ تو راج وتی نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی اور اس کی وجہ اس کی معصوم فطرت تھی۔ پھر نند کشور گھر میں ہوتا بھی نہیں تھا۔ وہ گاؤں سے تھوڑے فاصلے پر شہر میں نوکری کرتا تھا۔ جاگیرتی داس ڈھول پور کا ہی رہنے والا تھا اور اس نے شہر میں ایک فرم بنائی تھی۔ جب نند کشور کی ملازمت کا مسئلہ آیا تو جاگیرتی داس نے کمال مہربانی سے کام لیتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ اس کی فرم میں آ جائے۔ نند کشور نے بی کام کیا تھا جاگیرتی داس نے اسے اپنی فرم میں اکاؤنٹینٹ کی جگہ دے دی اور نند کشور نے پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی اس ملازمت کو سنبھال لیا تھا۔ جاگیرتی داس کو اس پر بڑا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اکاؤنٹس کے معاملات ہوتے ہی بھروسے اور اعتماد کے ہی ہیں لیکن نند کشور نے اپنی فطرت وشرافت سے کام لیتے ہوئے اسے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے بیوی کے لئے کسی ڈاکٹر کی ضرورت پڑی۔ تو جاگیرتی داس نے اپنی سالی مورتی کو اس سلسلے میں ہدایت دی کہ وہ جس آدمی کو بھیج رہا ہے اسے ہر طرح کی سہولت دی جائے۔

نند کشور سے بڑا سندر کشور تھا۔ سندر نے وہیں ڈھول پور میں ہی پرچون کی دکان ڈالی

ہوئی تھی ۔ چنانچہ وہ وہیں رہتا تھا اور خود دھرم کشور بھی جاگیردار کے ہاں منشی کا کام کرتا تھا۔ ڈھول پور میں ان کا آبائی مکان تھا جو کافی لمبا چوڑا تھا اور اس خاندان کی تین پشتیں وہیں گزر چکی تھیں ۔

شکنتلا دیوی کے پتی مہا دیو کا انتقال ہو چکا تھا اور شکنتلا دیوی نے بچوں پر بڑی محنت کی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ بچے بھی ان کا دل و جان سے احترام کرتے تھے ۔ حالانکہ وہ انتہائی بدمزاج اور اکھڑ قسم کی خاتون تھیں، کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھیں ۔ جو منہ میں آیا بس شروع ہو گئیں ۔ بہوئیں باقی تو خیر گزارہ کر لیتیں لیکن جب اولادوں کا مسئلہ آیا تو شکنتلا دیوی نے کچھ زیادہ ہی ہنگامہ آرائی کر دی ۔

''پوتا ہونا چاہیے میرے ہاں، پوتیاں برداشت نہیں کروں گی ۔ ارے ہاں ہمیشہ سے پوتے کی آرزو میں جیتی رہی ہوں ۔ تم کان کھول کر سن لو ساری کی ساری، پوتا ہونا چاہیے میرے ہاں ۔'' اب یہ الگ بات ہے کہ سب سے پہلی بہو ارملا کے ہاں جب اولاد ہوئی تو وہ بیٹی تھی ۔ سشما بھی اس کا پیچھا کر رہی تھی ۔ چنانچہ دوسری بیٹی سشما کے ہاں ہو گئی ۔ شکنتلا دیوی نے تو پہلی ہی بیٹی پر بڑا شور کیا تھا ۔ بہت ہنگامہ کیا تھا اور یہ ہنگامہ پانچ، چھ مہینے تک جاری رہا اور انہوں نے ارملا کا ناک میں دم کر دیا ۔ ارملا روہانسی ہو جاتی تھی، لیکن ظاہر ہے کسی کے بس کی بات نہیں تھی ۔

پھر اس وقت ارملا کی مصیبت کچھ کم ہو گئی جب سشما کے ہاں بھی ولادت کے آثار ہوئے ۔ شکنتلا دیوی نے کہا ۔ ''دیکھ سشما! میں تجھے بتائے دیتی ہوں پوتا لوں گی تجھ سے اور اگر تو نے بھی ارملا کی نقل کی تو سمجھ لینا اچھا نہیں ہوگا ۔'' سشما انہیں ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ پوتا پیدا کرنے کی ترکیب کیا ہو سکتی ہے اور پھر جب اس کے ہاں بھی بیٹی ہی ہوئی تو شکنتلا دیوی نے وہ ہنگامہ کیا کہ سب پڑوسی بھی دانتوں میں زبان لے کر رہ گئے ۔ بیٹوں نے بہت کچھ سمجھایا لیکن شکنتلا دیوی بھلا کہاں سمجھنے والی تھیں ۔ خدا خدا کر کے یہ بیٹی بھی برداشت کی گئی اور اب راج وتی کی باری تھی ۔ غالباً راج وتی کا بلڈ پریشر بھی اسی وجہ سے زیادہ ہو گیا تھا ۔ بہرحال یہ ساری باتیں ہوتی رہیں نند کشور بیوی کو باہر لے آیا اور بولا ۔

''ہاں بھئی ...... اصل میں اب کیا کیا جائے ۔ جس جگہ میں رہتا ہوں وہاں تو تمہیں لے جایا نہیں جا سکتا، چار افراد رہتے ہیں مل کر ایک کمرے میں ۔ یہ بات تو تمہیں معلوم ہے ہی ۔''

''ہاں ٹھیک ہے ۔''

''کیا بات ہے تمہارا چہرہ اترا اترا کیوں ہے؟''

''نند کشور! میں بہت پریشان ہوں ۔'' راج وتی نے کہا ۔

''راجی! دیکھو ڈاکٹر صاحب نے کیا کہا ہے تمہیں معلوم ہے ۔''

''مجھے تو معلوم ہے لیکن میرا کیا دوش ہے مجھے یہ بتاؤ؟ ماتا جی دن رات یہی کہتی رہتی ہیں کہ اگر پوتا نہ ہوا تو تو ......''

''ایک بات کہوں تم سے، پوتا ہو یا پوتی سب بھگوان کی دین ہوتی ہے ۔ ماتا جی کی عادت ہی ایسی ہے ۔ کوئی کیا کرے اور پھر انہوں نے میری بھابیوں کا کیا بگاڑ لیا جو تمہارا بگاڑیں گی ۔ جو کہتی ہیں کہنے دو ۔ میں تو تم سے کچھ نہیں کہتا ۔'' راج وتی گردن ہلا کر خاموش ہو گئی تھی ۔

نجانے کیوں دونوں جٹھانیوں نے راج وتی کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا تھا ۔ بس کوئی اندرونی معاملہ ہی معلوم ہوتا تھا ۔ وجہ یہ تھی کہ راج وتی ان دونوں سے زیادہ خوبصورت تھی اور یہی کیفیت نند کشور کی تھی ۔ بڑے دونوں بھائیوں کا رنگ پکا تھا اور ان کے نقوش بھی غیر دلکش تھے ۔ ارملا اور سشما بھی واجبی سی شکل وصورت کی مالک تھیں نند کشور کا رنگ ضرورت سے زیادہ سفید اور نقوش دونوں بھائیوں سے بہت اچھے تھے ۔ ہو سکتا ہے بات اس قدر آگے نہ بڑھتی، لیکن ایک بار کوئی تقریب تھی بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے ۔ رندالی سے شکنتلا دیوی کی ایک رشتے کی بہن آئی ہوئی تھیں ۔ بڑی منہ پھٹ اور بدتمیز قسم کی تھیں ۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ رشتہ ایک بڑے گھر میں ہو گیا تھا اور کھاتی پیتی زندگی گزار رہی تھی ۔ بہت عرصے کے بعد آئی تھی بھری محفل میں کہنے لگی ۔

''شکنتلا! تُو ہے بڑی تیز، پہلی بات تو میری سمجھ میں یہ ہی نہیں آئی کہ دو بیٹے تُو نے کالے پیلے پیدا کیے ۔ یہ تیسرا پتہ نہیں کیسے گورا چٹا پیدا ہو گیا ۔ پر تُو نے ایک بڑا کام کیا ۔ دونوں کلوؤں کے لئے کالی ماتائیں لے آئی اور وہ جو گورا چٹا تھا اس کے لئے تُو نے بہو بھی ایسی ہی تلاش کی ہے ۔''

دوسرے تو خیر کیا ہی برا مانتے ۔ مگر ارملا اور سشما جل کر کباب ہو گئیں اس کے بعد بھی ایک دو واقعات ایسے ہوئے جن میں راج وتی کی خوبصورتی اور ان دونوں کے بھدے نقوش کے تذکرے آئے ۔ قدرتی بات تھی کہ دونوں نے راجی سے جلنا شروع کر دیا ۔ آپس میں ان کی خوب گھلتی ملتی تھی ۔ راجی کو ہمیشہ الگ الگ ہی رکھا جاتا تھا ۔ اب

اس وقت جب راجی ماں بننے والی تھی تب بھی دونوں بھاوجوں کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا نہیں تھا۔ دنیا دکھاوے کے لئے اس کی مزاج پرسی کرلیا کرتی تھیں۔ وہ بھی شوہروں کے کہنے پر۔ ورنہ یہ تو ایک روایتی بات ہے کہ عورت ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے۔

بہرحال راجی خوف کے اس ماحول میں وقت گزارتی رہی۔ ڈاکٹر لاکھ کہیں کہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر مطمئن رکھا جائے، لیکن اندر کا خوف بڑی مشکل سے کم ہوتا ہے۔ یہ خوف سب سے زیادہ جان لیوا تھا کہ بیٹی پیدا ہوگی یا بیٹا! اور آخری دنوں میں تو حالت کافی خراب ہوگئی۔ بلڈ پریشر حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا اور ڈاکٹروں نے سخت تشویش کا اظہار کیا تھا۔

''ضرور کوئی ایسی بات ہے جو انہیں پریشان کررہی ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر بلڈ پریشر پر کنٹرول نہ رکھا گیا تو کنڈیشن خراب ہوسکتی ہے۔''

''بس ڈاکٹر صاحب! یہ خود ہی پاگل پن کا شکار ہے۔ ورنہ کوئی بات تو نہیں ہے۔''

''انہیں سمجھائیے۔ ان کا یہ پاگل پن ان کی جان بھی لے سکتا ہے۔'' ڈاکٹر مورتی نے پریشان لہجے میں کہا۔ کیفیت کچھ ایسی ہی ہوگئی تھی راج وتی کی لیکن راج وتی جب بھی کبھی شکنتلا دیوی کی صورت دیکھتی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتیں۔ بھگوان جانے کیا ہوگا اگر بیٹی پیدا ہوگئی تو شکنتلا دیوی تو کچا چبا جائیں گی۔

بہرحال کوئی کچھ بھی کہتا وہ اپنی کیفیت پر قابو نہیں پاسکی نتیجہ یہ ہوا کہ کیس بگڑ گیا اور لینے کے دینے پڑ گئے۔ ہنگامی طور پر ہسپتال پہنچایا گیا۔ مورتی دیوی بری طرح پریشان ہوگئی تھی۔ اس نے وہی الفاظ پھر کہے۔''میں نے کہا تھا نا کہ اگر دل ودماغ پر قابو نہ رکھا گیا تو حالات خراب ہوسکتے ہیں بچے پر بھی اثر پڑے گا۔''

''اب کیا ہوگا ڈاکٹر صاحب؟''

''کچھ نہیں، ہم کوشش کرتے ہیں آگے جو بھگوان کی مرضی۔'' ڈاکٹر مورتی نے کہا۔

پنڈت جاگیرتی داس جو ڈاکٹر مورتی کے بہنوئی تھے۔ بہت ہی نرم دل اور نیک فطرت کے انسان تھے انہوں نے خاص طور سے اسپتال آکر مورتی سے کہا۔''مورتی! بات اصل میں یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لئے دل میں ایک بہت بڑا مقام بنالیتے ہیں۔ یہ شخص انتہائی شریف اور ایماندار آدمی ہے۔ بہرحال ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق ہی اسے تنخواہ دے سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اگر اس کی بیوی کے سلسلے میں کچھ اخراجات زیادہ ہوجائیں تو میں ان کی ادائیگی کردوں گا۔ ذرا بے چاری کا خیال کرو۔''

''نہیں جیجاجی۔ اخراجات کی بات نہیں ہے بس گھریلو معاملات ہوتے ہیں۔ نند کشور جی کی ماتاجی بے حد کٹھور (سنگدل۔ سخت) ہیں۔ سنا ہے انہی کی وجہ سے یہ سارے معاملات بگڑے ہیں۔''

''بس جی عورت کو کیسے سدھارا جاسکتا ہے ابھی تک تو اس کی کوئی ترکیب نہیں ہوسکی۔''

مورتی ہنسنے لگی تھی۔ پھر وہ بولی۔''مگر میری دیدی تو سدھری ہوئی ہیں کیا کہتے ہیں آپ جیجاجی۔'' بات ہنسی میں اڑ گئی، لیکن بے چاری راج وتی پوری طرح شکار ہوئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وقت سے پہلے اس کا آپریشن کرنا پڑا اور تقدیر کا کوئی کیا کرسکتا ہے وہ بات ہوئی جس نے اسے دہشت زدہ کررکھا تھا۔ بیٹی پیدا ہوئی اس کے ہاں۔ شکنتلا دیوی کے گھرانے کی تیسری لڑکی۔ اس کے علاوہ جو بدقسمتی راج وتی کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ اس پیچیدہ آپریشن کے بعد وہ مزید ماں بننے کی صلاحیت کھو بیٹھی تھی۔ یہ بات ڈاکٹر مورتی نے نند کشور کو بتادی لیکن اس سے بھی زیادہ ہولناک بات جو تھی، وہ یہ تھی کہ بچی کے دونوں پاؤں پیچھے کی جانب مڑے ہوئے تھے۔ ایڑیاں آگے تھیں اور پنجے پیچھے۔ ہندو دھرم میں یہ تو بڑی ہی خوفناک بات تھی اور ایسے مڑے ہوئے پاؤں والیوں کو عام طور سے چڑیل یا پچھل پیری ہی سمجھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر مورتی کو اس دوسرے سانحے پر خود بھی افسوس ہوا تھا۔

بہرحال بڑی مشکل سے نند کشور کو بتایا گیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اس کے مالک نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

''دیکھو نند کشور! یہ سب بھگوان کی لیلا ہے جو کچھ کرتا ہے بھگوان ہی کرتا ہے۔ ہم تم تو بے بس ہیں، کیا کریں کیا نہ کریں۔ اپنے آپ کو حوصلہ دو کٹھن سمے ہے تمہارے اوپر۔ ہمت سے اور حوصلے سے کام نہیں لوگے تو سب کچھ بگڑ جائے گا۔ جیون بار بار نہیں ملتا۔ اکیلی تمہاری بیٹی ہی ایسی نہیں ہے۔ ہزاروں معذور بچے سنسار میں نظر آتے ہیں۔''

''ڈاکٹر مورتی یہ کیسے ہوا۔''

''بچی کے دونوں پاؤں مضبوط ہیں ان پر پولیو کے اثرات نہیں ہیں۔ بس آپ اسی طرح سمجھ لیجئے جیسے دوسر والے بچے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اصل میں یہ جڑواں ہوتے ہیں لیکن بدن الگ الگ نہیں ہوتے، چھ چھ ٹانگوں والے جانور پیدا ہوجاتے ہیں۔ عجیب الخلقت بچے پیدا ہونے کی مختلف وجوہات ہیں، لیکن سات سال کی عمر کے بعد اس بچی کے پیروں کا آپریشن کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ جس انداز میں اس کے دونوں پاؤں بالکل پیچھے کی طرف

مڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کوئی ماہر ڈاکٹر ہی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کی سرجری ہوسکتی ہے یا نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہوسکتا ہے سات سال کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔'' نندکشور کے باس نے نندکشور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''نندکشور! اگر بھگوان نے مجھے جیون دیا تو سات سال کے بعد جب تم اس کا آپریشن کراؤ گے تو اس کے سارے اخراجات میں کروں گا۔ اپنا دل چھوٹا مت کرو۔ اب سب کچھ بھگوان کی مرضی پر چھوڑ دو۔'' نندکشور نے افسردگی سے گردن ہلا دی تھی۔

اور پھر سب سے پہلے اس نے اپنے دونوں بھائیوں کو اس بارے میں اطلاع دی۔ چونکہ راج وتی کو گاؤں سے شہر لاکر ڈلیوری کرائی گئی تھی۔ اس لئے ابھی دونوں بھابیوں یا ساس کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ بہرحال سندر اور دھرم کشور بیویوں کے دباؤ میں ضرور تھے لیکن بھائی کے دشمن نہیں تھے۔ دونوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا اور نندکشور کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''نندو! جو کچھ ہوا ہے نا اس میں نہ تیرا قصور ہے نہ کسی اور کا اور نہ ہی بے چاری راجی کا۔ ماتا جی کا مسئلہ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بکے جھکے بغیر چھوڑیں گی نہیں، اب کے ایک کام کر تُو کہ......''

''جی بھیا جی۔ میں تو بہت نروس ہو رہا ہوں۔'' نندکشور نے کہا۔

''بس یہی کر اس کے سوا چارہ کار نہیں ہوگا وہ یہ کہ تُو سخت ہو جا۔ اگر ماتا جی کچھ کہیں اس بارے میں تو بگڑ جانا اور کہنا کہ تجھے بیٹی ہی کی خواہش تھی۔ بس اس سلسلے میں ماتا جی کی نہ چلنے دینا پھر سمجھ لینا کہ سارے معاملے حل ہو گئے اور اگر تُو نے کہیں سچا پن دکھایا تو سمجھ لے کہ ماتا جی جینا حرام کر دیں گی۔ ماں ہیں وہ ہماری پر کیا کیا جائے اب انہیں منع تو نہیں کر سکتے ان کے کسی عمل سے۔''

بہرحال سب نے سمجھایا اور پھر دونوں بھابیاں اسے دیکھنے آ گئیں۔ یہ تو پتہ چل چکا تھا کہ بیٹی ہوئی ہے مگر اس سے آگے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہسپتال پہنچیں کیونکہ بڑا آپریشن ہوا تھا اس لئے راج وتی کو ابھی ہسپتال ہی میں رکھا جانا تھا دونوں ہسپتال پہنچ گئیں اور پھر راج وتی کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ دونوں کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ راجی نے ان دونوں کو دیکھ کر ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ سشما کہنے لگی۔

''بدھائی ہو راج وتی! تم بھی ایک بیٹی کی ماں بن گئیں۔'' راج وتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ افسردگی سے گردن ہلا دی اور پھر ارملا نے کہا۔

''اری سشما ذرا بچی کو گود میں تو اٹھا آخر تائی ہیں ہم اس کی، گلے میں مالا پہنانی ہے۔'' ارملا آگے بڑھی اور پالنے سے اس نے بچی کو گود میں اٹھا لیا۔ وہ موٹے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی اور اس کے پاؤں بھی ڈھکے ہوئے تھے۔ اس لئے فوری طور پر کسی کو کچھ نہ پتا چل سکا بلکہ اس کا رنگ و روپ اور اس کے انتہائی حسین نقش و نگار دیکھ کر ارملا کے تن بدن میں چنگاریاں سی سلگنے لگیں۔ کیونکہ ان کے شوہروں کے رنگ کالے تھے اور خود وہ بھی بھدے نقوش کی مالک تھیں کوئی خاص شکل و صورت نہیں تھی ان کی بس انسان کی بچیاں تھیں، لیکن جس طرح نندکشور اور راج وتی خوبصورت رنگ و روپ اور نقوش کی مالک تھی اسی طرح ان کی بیٹی بھی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ وہ ان دونوں سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔

بہرحال دکھ کا ایک مرحلہ نکل آیا تھا چلو یہ تو اچھا ہوا تھا کہ بیٹی ہوئی تھی اس کی۔ راج وتی کو گھر میں برتری نہیں حاصل ہوسکی تھی لیکن یہ بھی ایک برتری تھی کہ اس کی بیٹی انتہائی خوبصورت تھی۔ ارملا نے بچی سشما کی گود میں دے دی اور سشما ناک چڑھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہے تو سندر، اپنے ماتا پتا کی طرح چلو اور کچھ نہیں تو ہماری ساس جی نے بھی اپنے جیون میں کوئی کارنامہ سرانجام دے دیا۔ ایک بیٹا ہی ڈھنگ کا پیدا کر لیا۔ باقی دونوں تو نگوڑے۔''

''مالا تو ڈالو گلے میں۔''

''اسے کتنے بھاری کپڑے میں لپیٹ رکھا ہے۔ ذرا نکالو تو سہی۔'' سشما نے کہا اور راج وتی کے حلق سے ایک سسکی سی نکل گئی۔ اب یہ راز بھی فاش ہونے کو ہے۔ اس نے دل میں سوچا، لیکن ایسے راز، راز کہاں رہتے ہیں ارملا نے خود ہی بچی کے بدن سے کپڑا کھولا اور اسے ایک خاص انداز سے اپنی گود میں پکڑا۔ سشما نے وہ مالا نکالی جو دونوں بھاوجوں نے احتیاطاً اور اخلاقاً بنائی تھی۔ شوہروں کا حکم تھا، لیکن پھر اچانک ہی سشما کی نگاہ اس کے پیروں پر پڑی اور اس نے حیرت سے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور پھر ایک دم بولی۔

''بھابی جی ذرا...... بھابی جی ذرا...... اس کے پیر دیکھئے بھابی جی ذرا......'' اس وقت ارملا کی نگاہ اس کے پیروں پر پڑی اور بچی اس کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔ اس نے جلدی سے اسے راج وتی کے پاس بیڈ پر لٹا دیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی ٹانگیں دیکھنے لگی۔ پھر اس کے منہ سے خوف بھری آواز نکلی۔

"ہے بھگوان یہ کیا ہے۔" راج وتی کو پتہ تھا کہ یہ سب کچھ ہونے والا تھا وہ بری طرح نروس تھی لیکن کر بھی کیا سکتی تھی۔ دونوں اس کے پیروں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگیں۔ پھر ارملا نے کہا۔

"پچھل پیری۔"

"ہائے رام یہ کیا ہو گیا۔ یہ تو دیکھو بھابی جی! دیکھو تو ذرا دونوں پاؤں بالکل پیچھے ہیں۔"

"ہاں ری مجھے تو پسینہ آ گیا ہے چکر آ رہے ہیں مجھے۔" راج وتی آنکھیں بند کیے لیٹی رہی دونوں اسی طرح کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر سشما نے راج وتی سے کہا۔

"راجی! یہ اس کے پیر کیسے ہیں تو نے دیکھے۔" راج وتی نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ ارملا کہنے لگی۔

"چلو ذرا ڈاکٹر صاحب سے پوچھیں۔ ارے کوئی ہے۔" دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں راج وتی آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ ارملا کو ایک اسٹاف نرس مل گئی۔ جس کی ڈیوٹی اس کمرے میں تھی۔

"سنو...... سنو...... میری بات سنو۔" ارملا بولی تو نرس اس کے پاس آ گئی۔

"ہاں کہیے کیا بات ہے۔"

"وہ اس کمرے میں تمہاری ڈیوٹی ہے نا۔"

"ہاں۔"

"وہ بچی کے پاؤں...... اس بچی کے پاؤں کیسے ہیں تم نے دیکھے۔"

"بس جی بھگوان کی لیلا ہے۔ بے چاری کے پاؤں پیچھے مڑے ہوئے ہیں۔ ایسی ہی پیدا ہوئی ہے۔ ہے بھگوان! یہ تو بڑی منحوس بات ہے۔" نرس تو یہ کہہ کر چلی گئی لیکن ارملا اور سشما کمرے سے باہر کھڑے ہو کر تبصرہ آرائی کرنے لگیں۔

"ایسے پیر تو چڑیلوں کے ہوتے ہیں۔"

"چڑیل ہی پیدا ہوئی ہے۔"

"مگر اب ہو گا کیا بھابی جی۔"

"تماشہ۔"

"کیا مطلب۔"

"کڑوا کریلا اور پھر نیم چڑھا، ہماری ساسو ماں بڑی خوش ہوں گی اپنی اس پوتی کو

دیکھ کر۔"

"خبر تو پہنچ چکی ہے ان کے پاس، کمرے میں گھسی ہوئی ہیں باہر نہیں نکلیں۔"

"ہاں۔ اب یہ دوسری خبر ان تک کون پہنچائے گا۔"

"ایک بات کہوں تم سے۔" ارملا نے کہا۔

"ہاں بولو۔"

"تھوڑی سی بیوقوف ہو تم یہ بات اس لئے کہہ رہی ہوں میں۔"

"کیا بھابی جی۔"

"خود مت کہنا شکنتلا دیوی سے، وہ یہ سوچیں گی کہ ہم لوگ خوش ہو رہے ہیں اور اگر انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تو پھر ان کی ہمدردیاں راجی کے ساتھ ہو جائیں گی۔ خاموشی اختیار کرو بات تو انہیں معلوم ہونی ہی ہے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہو۔"

"عقل کی بات بتا رہی ہوں تمہیں، چپ لگا جانا اور ویسے بھی اب زیادہ باتیں مت کرو اس سلسلے میں۔"

"مگر بھابی جی! کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"کیسی گڑبڑ۔"

"میرا مطلب ہے۔ کیسی عجیب وغریب بات ہے یہ۔ کیا یہ لڑکی اپنے پیروں پر چل سکے گی۔"

"ساری باتیں بھگوان ہی جانے ہم کیا بتا سکتے ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد دونوں واپس کمرے میں آ گئیں۔ اپنے فیصلے کے مطابق اب انہوں نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ آخر کار راج وتی کو اسپتال سے چھٹی تو ملنی ہی تھی۔ چنانچہ کشورا سے گھر لے گیا۔ ابھی تک شکنتلا دیوی نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ نند کشور بھی چوروں کی طرح وقت گزار رہا تھا۔ اول تو ایک بار صرف گاؤں گیا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں بھی لگا رہتا تھا اسپتال میں بیوی کی دیکھ بھال بھی کرنا تھی۔ جب راج وتی کی اسپتال سے چھٹی ہوئی تو اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"نندو! گھر واپس جا رہے ہیں ہم۔"

"ہاں تو پھر۔"

"جو کچھ میرے ساتھ ہو گا تمہیں معلوم ہے۔"

"ایک ہفتے کی چھٹی لے لی ہے میں نے، تمہارے ساتھ رہوں گا میں، کسی بات کی چنتا نہ کرنا سب ٹھیک کرلوں گا۔" نندکشور نے اس دوران خود بھی بہت کچھ سوچا تھا ماں کی عادت معلوم تھی۔ بدتمیزی تو خیران سے نہیں کی جاسکتی تھی، لیکن یہ فیصلہ کرلیا تھا اس نے کہ اپنا رویہ ضرور سخت کرے گا۔ چاہے کوئی ناراض ہی کیوں نہ ہوجائے۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے دل میں بھی شکنتلا دیوی کا خوف تھا۔ باقی ساری باتیں تو اس نے عارضی طور پر نظرانداز کردی تھیں۔ حسین بچی کا چہرہ دیکھ کر اس میں زندگی کی لہر دوڑتی تھی۔ ہاں پیروں کی طرف نگاہیں جاتی تھیں تو دل کو شدید دکھ کا احساس ہوتا تھا، لیکن بھگوان کے معاملات میں کوئی کیسے دخل دے سکتا ہے۔ راج وتی کو لے کر گاؤں واپس پہنچ گیا۔ راج وتی بچی کو گود میں لیے ہوئے سہمے سہمے قدموں سے وسیع وعریض گھر میں داخل ہوئی تھی اور نندکشور اسے لیے ہوئے شکنتلا دیوی کے کمرے کی جانب چل پڑا تھا۔ شکنتلا دیوی کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اندر بیٹھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نندکشور اندر داخل ہوا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ راج وتی کو دیکھا پھر اس کی گود میں ننھی سی بچی کو۔ پتہ نہیں دل میں کیا دیا تھی کہ دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ ابھی تک بچی کا کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا۔ راج وتی نے بچی کو شکنتلا دیوی کی آغوش میں دے دیا اور شکنتلا دیوی اسے دیکھنے لگیں پھر آہستہ سے بولیں۔

"ہے بھگوان! تیری مرضی ہے کوئی کیا کرسکتا ہے تُو نے میرے جیون میں یہ خوشی نہیں لکھی تیری مہربانی۔ کیا کہہ سکتی ہوں اور کیا کرسکتی ہوں میں۔ بہوئیں تو نکلی ہی نکمی بیٹے بھی ایسے ہی۔ ٹھیک ہے بھگوان...... ٹھیک بھگوان۔ کیا نام رکھا تم نے اس کا۔"

"لیجئے ماتا جی! بھلا ہمیں کیا ادیکار ہے کہ ہم اس کا کوئی نام رکھیں۔ نام تو آپ ہی رکھیں گی اس کا۔"

"ہم نے سوچ لیا ہے نام اس کا۔" دروازے سے ارملا کی آواز سنائی دی اور دونوں اندر داخل ہوگئیں۔

"دیکھا تم نے۔ جو تم نے کیا وہ اس نے بھی کیا۔ کیا نام سوچا ہے تم نے اس کا۔"

"دیوالی آئی ہے گھر میں ماتا جی! چاند کی طرح روشن ہے۔ کیوں نہ ہم اس کا نام دیوالی رکھ دیں۔"

"ارے نام تو اچھا ہے کیوں نندکشور۔"

"میں نے کہا نا ماتا جی۔ یہ ادیکار تو آپ کو ہے جو بھی آپ کا من چاہے رکھ دیں۔"

"ٹھیک ہے اس کا نام دیوالی طے ہوگیا۔"

"یہ بھی تو بڑی سندر ماتا جی۔" سشما نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں تمہاری کالی کلوٹی بیٹیوں سے تو اچھی ہے۔" شکنتلا دیوی بغیر سوچے سمجھے سب کچھ کہہ دیا کرتی تھیں۔

"ہاں۔ ماتا جی، میری بیٹیاں کالی کلوٹیاں ہیں یہ بھی تو ہماری ہی ہے۔ پر ذرا اس کے پیر دیکھ لیں آپ۔" ارملا جو کالی کلوٹی کے نام پر جل بھن گئی تھی۔ زیادہ دیر برداشت نہ کرسکی۔

"کیوں پیروں کو کیا ہوگیا۔" شکنتلا دیوی نے کہا اور بچی کے پیروں پر سے لپٹا ہوا کپڑا ہٹا دیا پھر دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے دہشت زدہ آواز نکل گئی۔

"ہائے رام۔" یہ کہہ کر انہوں نے جلدی سے بچی کو برابر پڑے ہوئے پلنگ پر پٹخ دیا۔

"یہ...... یہ...... یہ کیا مذاق ہے۔" نندکشور بھابیوں کی شیطنت سے واقف تھا، لیکن ظاہر ہے بھابیاں تھیں عزت بھی کرتا تھا کہنے لگا۔

"ان کا مذاق نہیں ہے۔ یہ بھگوان کی کرنی کا مذاق اڑا رہی ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"م...... مگر...... یہ پپ...... پیر...... پیر، ارے یہ کیا ہوگیا اس کے پیروں کو۔"

"ہو نہیں گیا ماتا جی! ایسی ہی پیدا ہوئی ہے۔"

"ہائے رام یہ تو پچھل پیری ہے چڑیل ہے یہ تو۔ ارے یہ نیا کھیل شروع ہوگیا ہمارے گھر میں۔"

"ہاں ماتا جی! یہ نیا کھیل شروع ہوا ہے لیکن ایک بات کہوں آپ سے۔ یہ نیا کھیل ابھی اور اسی وقت ختم ہوجانا چاہیے۔ یہ بات آپ کان کھول کر سن لیجئے آپ ہی نہیں بھابی جی۔ میں آپ سے بھی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں اگر دوبارہ یہ بات اس انداز میں کہی گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"ارے واہ بھیا واہ، ہم نے کیا کہہ دیا۔ وہی بات کہ بندر کی بلا طبیلے کے سر ہم نے کیا کہہ دیا ایسا آخر۔"

"آپ مسلسل میری بچی کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ جیسی بھی ہے بھگوان کی دین ہے۔ میرے لئے ہے آپ لوگ بالکل چنتا نہ کریں۔ آپ اسے نہ چھوئیں نہ دیکھیں۔ آپ کا کچھ

نہیں بگڑے گا میرا یہ آپ سے وعدہ ہے، لیکن اگر آپ نے میری بچی کا مذاق اڑایا تو آپ یہ بات سمجھ لیجئے کہ میرے اور آپ کے درمیان دشمنی چل پڑے گی اور ماتا جی! آپ نے جس طرح میری بچی کو پھینک دیا ہے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا ہے۔ جیون بھر میں آپ کے سامنے سر جھکا کر رہا ہوں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انسان اولاد کے معاملے میں بڑا خود غرض ہو جاتا ہے۔ آپ جس دن مجھے کہیں گی میں یہ گھر چھوڑ دوں گا اور راج وتی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا جس دن بھی آپ مجھے حکم دیں گی، اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن باقی جو کچھ میں نے کہا ہے۔ آپ لوگ سب اپنے اپنے دماغ میں رکھیئے۔ آؤ راج وتی۔'' نند کشور نے بچی کو اٹھا کر کندھے سے لگایا۔ راج وتی کا ہاتھ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

شکنتلا دیوی کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ ٹکر ٹکر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ارملا اور سشما دونوں ہی نے کی، ایک ساتھ ہی بولی تھیں۔ ''لیجئے ماتا جی! بھلا اس میں ہمارا کیا دوش ہے؟ لیکن یہ سب تو سنا ہے کرنی کے پھل ہوتے ہیں۔''

''ایک منٹ...... ایک منٹ...... ایک منٹ۔'' شکنتلا دیوی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور دونوں ایک ساتھ خاموش ہوگئیں۔ ''سنو تم دونوں، جو تم ہو میرے لئے سو وہ ہے۔ ٹھیک کہتا ہے وہ۔ اولاد کے مسئلے میں کسی کا دل دکھانے کی اجازت کسی کو نہیں ہونی چاہیے اور تم دونوں کو تو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ دل ہی دل میں تم جتنی خوش ہو مجھے پتہ ہے لیکن تم ایک بات سمجھ لو وہ جو کچھ کہہ کر گیا ہے۔ تمہیں اس کے لئے احتیاط برتنا ہوگی۔ ناپسند آئی تمہیں اس کی بچی۔ اپنے کمرے میں رہو اسے چھونے کی کوشش مت کرو لیکن اگر کبھی کسی نے اس کے سامنے کوئی زبان کھولی تو اب میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا زندگی حرام کر دوں گی تمہاری۔ جینا مشکل کر دوں گی۔ تم مجھے جانتی ہی ہو۔ میں بالکل نہیں چاہتی کہ میرا بچہ گھر سے باہر جائے۔ سمجھ لیا تم نے۔''

''جی ماتا جی۔'' ساس جلادھی اور بیٹوں کے بارے میں وہ جانتی تھیں کہ ماں کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ذرا مشکل ہو جائے گی انہیں سنبھالنا مشکل کام ہے دونوں گردن لٹکائے کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔

☆======☆======☆

نند کشور کی سختی کام آئی تھی اور حقیقت یہی تھی کہ نند کشور اب دبنے کی پوزیشن میں نہیں

تھا۔ ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ دونوں بھابیوں کے مزاج کو بھی سمجھتا تھا۔ ماں کی طبیعت بھی جانتا تھا اب یہ تو مناسب نہیں تھا کہ اپنا سورگ کمانے کے لئے دوسرے کا جیون نرکھ بنا دیا جائے۔ راج وتی کے لئے بھی تحفظ ضروری تھا۔ ورنہ وہ سیدھی سادی عورت زندہ نہ رہ پاتی یہ لوگ اسے کچوکے دے دے کر مار دیتے۔

بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ سب سے بڑا دکھ نند کشور کو اس بات کا تھا کہ حالات کے تحت راج وتی آئندہ ماں بننے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وقت اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور زمین کے سینے پر ہر کردار ہر گھر کی کہانی بدلتی رہتی ہے۔ سشما کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور وہ گھر کی سرتاج بن گئی۔ ارملا بھلا کس طرح پیچھے رہتی اس نے بھی بیٹے کو جنم دے دیا اور سشما کی برتری ختم کر دی۔ پھر اس کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہو گیا لیکن سشما ہی جیت گئی۔ تین بیٹوں کے بعد چوتھی بیٹی پیدا ہوئی اور اس کے پانچ بچے ہو گئے۔ ارملا کا ایک ہی بیٹا اور دو بیٹیاں مزید ہوئیں اور وہ چار بچوں کی ماں بن گئی۔ بچے برق رفتاری سے بڑے ہو رہے تھے لیکن نصیب تو نصیب ہی ہوتے ہیں۔ راج وتی کے ہاں اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ماں باپ کو اس کا شدید غم بھی تھا لیکن کیا کر سکتے تھے۔ البتہ ارملا اور سشما کی اولادوں میں ایک بھی اتنی حسین لڑکی نہیں تھی۔ جتنی دیوالی، جسے پیار سے دیپو کہا جاتا تھا، تھی......

اس قدر بے مثال حسن کی مالک کہ دیکھنے والی آنکھ اس پر نہ ٹکے چہرے سے شوخیاں پھوٹتی تھیں۔ آنکھوں میں ایک ایسی پُراسرار کشش تھی جسے دیکھ کر دیکھنے والا اس کے بارے میں سوچتا ہی رہ جائے۔ ابھی زیادہ عمر نہیں ہوئی تھی لیکن وجود کی دلکشی جنگلی بیل کی طرح بڑھتی جا رہی تھی۔ سب کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔ خاص طور سے سشما اور ارملا، ادھر وہ بچیاں جو اس سے بڑی تھیں وہ جوان ہو گئی تھیں خاص طور سے کسم اور کانتا جو سشما اور ارملا کی پہلی بیٹیاں تھیں۔ دیوالی سے بہت زیادہ جلتی تھیں اور ماں باپ نے بھی شروع ہی سے حسد اور جلن کی بناء پر انہیں دیوالی سے دور ہی رکھا تھا اس کی پشت پر اسے چڑیل، چڑیل ہی کہا جاتا تھا اور مائیں بیٹیوں اور بیٹوں کو سبق دیتی تھیں کہ اس الٹے پیروں والی سے بچ کر رہنا، جادوگرنی لگتی ہے پوری کی پوری۔ اکثر یہ باتیں اب بھی سننے کو مل جاتی تھیں کہ تم دیکھ لینا سشما ایک دن عجیب گل کھلے گا اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ راج وتی کے پیٹ سے ایک چڑیل نے جنم لیا ہے۔

ابھی تک دیوالی کسی کے لئے مشکل نہیں ثابت ہوئی تھی۔ اس نے کسی کو کوئی نقصان

نہیں پہنچایا تھا البتہ اس قدر ذہین اور اعلیٰ حیثیت کی مالک تھی وہ کہ لوگ زیادہ تر اس کی تعریفیں ہی کیا کرتے تھے۔ ماں باپ تو بے چارے سیدھے سادے تھے، لیکن جب دیپو خود سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تو اس نے سب سے پہلے اپنے لئے بہت سے بندوبست کیے تھے۔ ایسے لباس پہنتی تھی جو پیروں کو ڈھک لیا کرتے تھے اور یہ اس کا مخصوص انداز بن گیا تھا۔ جو اچھی طرح جانتے تھے انہیں تو معلوم تھا کہ اس ڈیزائن کے کپڑے وہ کیوں پہنتی تھی۔ جو نہیں واقف تھے وہ یہ سوچتے تھے کہ دیپو نے لباس کا ایک نیا انداز اختیار کیا ہے۔

بہرحال پیروں پر کسی کسی کی نگاہ جاتی ہے۔ چہرے پر نگاہ پڑنے کے بعد اگر بہت ہی سرکش نگاہیں ہوئیں تو چہرے سے نیچے اتر جاتی تھیں ورنہ چہرہ ہی اس قدر پُرسحر تھا کہ نگاہوں کو اپنے جال میں جکڑ لیتا تھا اور اگر کسی نے اس کے بعد کا سفر کیا تو اس کے بعد ہوش وحواس ہی کھو بیٹھتا۔ دیپو جوان ہوتی رہی البتہ اس سے پہلے کچھ دردانگیز واقعات ہو چکے تھے۔ مثلاً اس وقت جب وہ چھ سال کی تھی تو اچانک جاگیرتی داس ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ جاگیرتی داس ایک انسان دوست آدمی تھے۔ دیوالی کی پیدائش کے وقت انہوں نے یہ پیشکش کر دی تھی کہ جب وہ سات سال کی ہو جائے گی۔ تو وہ اپنے اخراجات میں سے دیوالی کا آپریشن کروائیں گے۔ بے چارے نندکشور کے حالات تو ایسے نہیں تھے کہ وہ ہزاروں روپے خرچ کر سکتا۔ بس گھر کے اخراجات ہی چل رہے تھے اور ویسے بھی باقی دونوں بھائیوں کی مالی حالت بھی پتلی تھی۔ دھرم کشور اور سندر کشور بھائی اور بھاوج سے منحرف نہیں تھے لیکن اب تو وہ بھی بہت سے بچوں کے باپ بن گئے تھے۔ اخراجات اتنے ہو جاتے تھے کہ مہینے کے آخری دنوں میں بس فاقہ کشی نہیں ہوتی تھی، باقی سب کچھ ہو جاتا تھا۔

چنانچہ جاگیرتی داس کی موت کے بعد نندکشور پر غم واندوہ کا غلبہ ہوا تھا اور اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ''لے بھئی راج وتی! یہ سہارا بھی ہاتھ سے گیا ایک آس تھی ایک امید تھی کہ شاید ہماری دیوالی آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے۔ مگر اب یہ سہارا ختم ہو گیا۔ جاگیرتی داس کے دو بیٹے ہیں لیکن دونوں نکمے ہیں۔ مجھے تو اب یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ کمپنی کا نظام بھی سنبھال سکیں گے یا نہیں۔ مجھ سے زیادہ انہیں کون جان سکتا ہے۔ کسی کام کے نہیں ہیں سسرے دونوں، دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

''آپریشن پر کتنے پیسے خرچ ہوں گے۔''

''ڈاکٹر مورتی سے بات کی تھی میں نے، بہت اچھی ہے وہ بھی بے چاری خود بھی افسردہ تھی۔ کہہ رہی تھی پچاس ساٹھ ہزار روپے تک لگ جائیں گے۔ اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہم تو اپنے آپ کو بیچ کر بھی یہ سب نہیں کر سکتے۔''

''ہاں۔ جو بھگوان کی مرضی بہرحال اس کی مایا ہے اس نے کیا سوچا ہے وہ جانتا ہے۔'' بات ختم ہو گئی تھی اور نندکشور کا یہ خدشہ درست ہی نکلا۔ جاگیرتی داس کے دونوں بیٹے فرم کو نہیں چلا سکے۔ اچھے باپ کے برے بیٹے تھے۔ عیاشی میں زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے بعد فرم ختم ہو گئی اور بہت سے لوگ بے کار ہو گئے۔ نندکشور کو بھی دوسری نوکری تلاش کرنے میں بہت مشکل پیش آئی تھی۔ اتنی تنخواہ کی نوکری نہ مل سکی جتنی جاگیرتی داس دیا کرتے تھے۔

چنانچہ کم پیسوں پر ہی گزارہ کرنا پڑا اور حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ ادھر گھر کے دوسرے لوگوں کے بھی حالات ٹھیک نہیں تھے۔ بس گزارے والی بات تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ گھر اپنا تھا اور گھر بھی گھر ہی نہیں اتنا بڑا ایریا تھا کہ اس میں حویلی بنائی جا سکتی تھی۔ پُرکھوں کا چھوڑا ہوا تھا۔ بس یہی غنیمت تھا کہ عورتیں جیسی بھی ہوں لیکن بھائیوں نے بنائے رکھی تھی۔ شکنتلا دیوی ابھی تک ساٹھی اور پاٹھی تھیں اچھی صحت کی مالک ہر طرح سے چاق و چوبند بہوؤں پر پوری طرح حکمران۔ ان کا رویہ تینوں کے ساتھ یکساں ہی رہتا تھا۔ دیپو کو دیکھتیں تو انہیں بھی افسوس ہوتا تھا۔ اب تو اس سے محبت بھی ہو گئی تھی۔ یہ دادی کا ہی دم تھا کہ دیپو ٹھیک زندگی گزار رہی تھی۔ کسم اور کانتا کو بھی سختی میں رکھا جاتا تھا کہ دیپو ان کی بہن ہے لیکن جب بھی ان دونوں کو موقع ملتا وہ اس کا مذاق اڑانے سے نہ چوکتیں۔ پھر ایک اور حادثہ ہو گیا۔ جو انتہائی دردناک تھا اور جس کی وجہ سے صورتِ حال بے حد بھیانک ہو گئی۔ اچانک ہی نندکشور پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ جاگیرتی داس کی موت کے بعد جس طرح زندگی کی گاڑی دھکیلنی پڑ رہی تھی۔ اس نے نندکشور کو بجھا دیا تھا۔ بیٹی بالکل ٹھیک ٹھاک چلتی تھی اور اگر کوئی اس کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو اٹھا کر ہی دیکھتا، تب ہی پتہ چلتا کہ وہ الٹے قدموں والی ہے۔ ورنہ اس کے انداز میں کہیں کوئی لغزش یا لچک نہیں پائی جاتی تھی۔ پیروں کی ایڑیاں سامنے تھیں پنجے پیچھے لیکن اس کی چال دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دلکش چال کے پیچھے کیسے قدم ہوں گے۔

بہرحال وہ حادثہ بڑا ہی دلدوز تھا۔ علاج معالجے کی تھوڑی بہت کوششیں ہوئیں اور راج وتی کے پاس جو تھوڑے بہت زیور تھے وہ فروخت ہو گئے۔ نندکشور کی زندگی تو بچ گئی، لیکن اس کے بعد جس بدترین دور کا آغاز ہوا وہ بہت ہی دکھ بھرا تھا۔ شکنتلا دیوی ماں تھیں جو

کچھ کر سکتی تھیں کر رہی تھیں، لیکن بیٹوں کی آمدنی بھی بہت زیادہ نہیں تھی۔ سندر اور دھرم بھائی سے منحرف نہیں تھے، لیکن حقیقتوں کو چھپایا بھی تو نہیں جا سکتا۔ حالات میں کشیدگی پیدا ہونے لگی۔ یہاں ارملا اور سشما نے ساس سے تعاون نہیں کیا۔

''دیکھیں ماتا جی! ہمارے بھی بچے ہیں، ان کا بھی مستقبل ہے۔ ہمیں ان کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ ہماری بھی بیٹیاں ہیں۔ آپ خود سوچئے کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ بھلا بتائیے گزارہ کیسے ہوتا ہے یہ بات تو آپ کو بھی معلوم ہے۔ ہم آپ کی ساری باتیں مان سکتے ہیں مگر یہ بتائیے یہ بات کیسے مانیں کہاں سے مانیں ..... پائی پائی دانتوں سے پکڑ کر خرچ کرنا پڑتی ہے۔''

''ارے تو گھر سے نکال کر پھینک دو بدنصیبوں کو۔ آخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ دھرم، سندر تم کیا کہتے ہو۔''

''نہیں ماتا جی، بھائی بھاوج ہیں، بھتیجی ہے کیسے نکال پھینکیں۔ سب فاقے کریں گے تو وہ بھی فاقے کریں گے۔ سب کھائیں گے تو وہ بھی کھائیں گے۔'' دونوں بھائیوں نے جواب دیا۔

''بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔''

''میرے من میں ایک ترکیب ہے۔'' سشما نے سوچ سمجھے منصوبے کے تحت کہا۔

''کیا تجویز ہے بتا دو وہ بھی۔''

''دیکھیں ماتا جی! گھر کے دو تین کام باہر کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ صفائی ستھرائی، کپڑے دھونا، برتن دھونا، ہزار بارہ سو ان میں چلے جاتے ہیں۔ جاتے ہیں کہ نہیں۔''

''ہاں جاتے ہیں اور اس لئے جاتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ورنہ اسی گھر کی صفائی میں اکیلی کیا کرتی تھی۔''

''ماتا جی! وہ پرانی بات ہے اور پھر اتنے بچے بھی نہیں تھے، آپ کے ہاں تو تین بیٹے تھے صرف، اور یہاں بھگوان کی کرپا سے بچوں کا ریوڑ ہے۔ جدھر نکل جاتے ہیں لوگ کہتے ہیں کسی اسکول کی چھٹی ہو گئی۔ ماتا جی۔ میری ایک تجویز ہے آپ ذرا غور سے سنیں۔ ٹھنڈے دل سے سنیں۔''

''ہاں بولو۔''

''راج وتی کی تو ایک ہی بیٹی ہے اور وہ بھی جوان ہے۔ ان ماں بیٹیوں کو گھر کی صفائی ستھرائی پر کیوں نہ لگایا جائے اور پھر باقی کام کرنے والوں کو چھٹی دے دی جائے۔''

''ارے بھگوان تمہارا بھلا کرے کیسی سنگدلی کی باتیں کرتی ہو۔''

''آپ ذرا غور کر لیں ماتا جی! جذباتی بن کر نہ سوچیں ہم تو اپنے بچوں کو سنبھالتے ہیں راج دیوی تو کچھ بھی نہیں کرتی اس کے اوپر کیا ذمہ داری ہے۔''

''تم کیا کہتے ہو۔'' شکنتلا دیوی نے بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ معاملہ ایسا ہے ماتا جی! کہ ہم کچھ نہیں بولنا چاہتے۔ گھر تو ویسے سب ہی کا ہے آپ دیکھ لیں اگر راج وتی تیار ہو جاتی ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجبور نہ کریں اسے۔'' شکنتلا دیوی نے کسی قدر افسوس بھرے لہجے میں راج وتی سے کہا۔

''راجی! دیکھو بیٹا برا مت ماننا۔ نند کشور نے جیون بھر کچھ نہیں کیا۔ چار پیسے جمع کر لیتا کچھ محنت مزدوری کر لیتا تو آج اتنا برا وقت نہ پڑتا۔ میرا بیٹا ہے وہ بھی میری اولاد ہے۔ یہ سب کچھ کہتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگتا لیکن تم خود بتاؤ کہ یہ لوگ اسے کہاں سے کھلائیں۔ ان کے خود اپنے اتنے بال بچے ہیں۔ ایک ترکیب آئی ہے من میں اور وہ بھی میرے نہیں. بلکہ ارملا اور سشما نے کہا ہے۔ گھر کے سارے کام کاج تم کر لیا کرو اور کام کرنے والیوں کو ہم ہٹا دیتے ہیں۔ ہزار بارہ سو کی بچت ہو جائے گی۔ وہ پیسے تمہارے کام آئیں گے مطلب یہ کہ تمہارا حصہ ہو جائے گا گھر کے اخراجات میں۔'' راج وتی نے سوچے سمجھے بغیر فوراً ہی کہا۔

''ٹھیک ہے ماتا جی! آج سے گھر کے سارے کام میں کروں گی۔''

''اکیلی نہیں۔ دیوالی کو بھی اپنے ساتھ میں لگا لینا۔''

''ہاں ماتا جی! آپ چنتا نہ کریں۔''

''ذرا نند کشور کو سنبھال لینا مرد جذباتی ہوتا ہے۔ الٹی سیدھی نہ سوچے۔''

''آپ چنتا نہ کریں۔'' اور بہرحال راج وتی نے اتنا ضرور کیا کہ بڑے اچھے انداز میں نند کشور کو بتایا کہ اس نے تجویز دی ہے کہ گھر میں کام کرنے والیوں کو ہٹا دیا جائے۔ اس طرح تھوڑی سی بچت ہو جائے گی اور کوئی یہ بھی نہیں کہے گا کہ ہم مفت کا کھا رہے ہیں۔ نند کشور غم آلود نگاہوں سے راج وتی کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

بہرحال اب راج وتی مشین بن گئی تھی۔ اس پہاڑ سے گھر کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن دیوالی بھی اس کا ساتھ دیتی تھی اور اس طرح اسے اور فائدے ہو گئے تھے گھر کے کام کاج میں پوری طرح حصہ لینے سے بدن اور کھلتا جا رہا تھا ادھر لڑکیاں اور لڑکے عام طور سے اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور دیوالی نے خود اپنے کانوں سے درجنوں بار اپنے

لئے چڑیل، پچھل پیری اور الٹے قدموں والی کے الفاظ سنے تھے لیکن وہ صرف ''ہوں'' کر کے رہ جاتی تھی اور اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔

بہر حال یہ سارے معاملے چلتے رہے کسم اور کانتا پڑھ بھی رہی تھیں۔ دیوالی نے بھی پڑھا تھا لیکن اس وقت تک جب تک باپ کے حالات بہتر تھے اس کی باقاعدہ تعلیم تو رک گئی تھی لیکن اپنی ذہانت اور بے مثال شخصیت سے اس نے پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور حیرت انگیز طور پر علم حاصل کرتی جا رہی تھی۔ پھر ایک بار ایک واقعہ پیش آیا۔ کسم کی کچھ سہیلیاں جو دوسرے شہر چلی گئی تھیں اور ان لوگوں سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ کسم سے ملنے کے لئے آئیں۔ ہوا یوں تھا کہ یہ خاندان پہلے اسی گاؤں میں رہتا تھا۔ اس خاندان کا سربراہ ملک سے باہر تھا اس کے حالات کچھ بہتر ہوئے تو اس نے شہر میں کسی کاروبار کی بنیاد ڈالی اور تقدیر نے اس کا ساتھ دیا۔ کاروبار بڑھتا چلا گیا اور وہ لوگ اپنے خاندان سمیت شہر چلے گئے۔ لڑکے بھی تھے لڑکیاں بھی تھیں۔ کسم سے اتنے گہرے تعلقات تھے کہ وہ اس سے ملنے کے لئے شہر سے آئے۔ پانچ افراد تھے تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔ کسم اور کانتا نے بڑا شاندار بندوبست کیا تھا ان کے لئے۔ گھر میں ٹھہرانے کے لئے تو جگہ کی کوئی کمی نہیں تھی۔ پُرکھے درجن بھر کمرے بنا گئے تھے۔ جن میں سے چند ہی استعمال میں ہوا کرتے تھے۔ باقی ایسے ہی رہنے دیئے گئے تھے۔ وسیع و عریض احاطہ جہاں سینکڑوں لوگ سما سکیں۔ مہمان آ گئے۔ قیام یہیں پر تھا انہیں رہنے کے لئے جگہ دے دی گئی۔ ہنسی مذاق ڈھول دھپا تفریحی ماحول پیدا ہو گیا اور خوب اچھا وقت گزرنے لگا۔ دیوالی اور راج وتی اب گھر کے معزز لوگوں میں نہیں رہے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ سب کا رویہ ملازموں جیسا ہی ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ خود شکنتلا دیوی بھی اسی کی عادی ہو گئی تھیں۔

چنانچہ مہمانوں سے ان کا کوئی تعارف نہیں ہو سکا تھا۔ نند کشور بھی بے چارہ مفلوج ایک گوشے میں پڑا رہتا تھا۔ بہر حال خوب ہنگامہ آرائی جاری تھی کہ اچانک ہی کانتا کو ایک شرارت سوجھی۔ لڑکیاں لڑکے خوب ہنگامے کر رہے تھے۔ گاؤں کے کھیتوں میں گھس کر چنے کا ساگ توڑ توڑ کر نمک مرچ کے ساتھ کھایا جاتا تھا۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھائے جاتے تھے۔ یہ لوگ شہر چلے گئے تھے۔ سارے کے سارے یہیں کے رہنے والے نہیں تھے۔ لڑکوں میں گھنشام اور ونیش شہری باشندے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پریتی بھی انہی دونوں کی بہن تھی صرف نیشا اور ریتو کسم اور کانتا کی دوست تھیں۔ باقی افراد ان دونوں کے ساتھ آئے تھے۔ گاؤں کی زندگی سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک دن پہلے ہی باتیں کرتے ہوئے گھنشام نے کسم سے کہا تھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم لوگ ایک حسین ترین زندگی گزار رہی ہو۔ شہری زندگی میں تو بس ہنگامے ہی ہنگامے ہیں۔ جتنا پُرسکون یہ گاؤں ہے شہر اتنا پُرسکون نہیں ہوتا۔''

''جب کہ ہمیں شہری زندگی اچھی لگتی ہے۔'' کسم نے کہا۔

''ہاں یہ انسانی فطرت ہے۔ جسے جو حاصل ہوتا ہے وہ اس سے اکتا جاتا ہے اور جسے وہ نہیں ملتا اس کے لئے بہت دلکشی کا باعث ہوتا ہے۔ میں تو تمہارے اس گھر کو دیکھ کر ہی رشک کرتا ہوں۔ ایک آئیڈیل گھر ہے یہ۔''

''ارے واہ۔ کچی زمین، اتنا بڑا صحن اور یہ چھوٹے چھوٹے کچے پکے کمرے یہ کیسے آئیڈیل ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''میں نے کہا نا صبح کو تمہارے گھر کے احاطے میں لگے ہوئے درختوں سے چھو چھو کر چلنے والی ہوائیں۔ سرسوں کی خوشبو اپنے آپ میں بسائے ہوئے اور پھر پرندوں کی خوبصورت آوازیں یہاں بے شمار مہمانوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ یہ کتنا اچھا لگتا ہے تم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔'' بس اس گفتگو کے بعد اچانک ہی کانتا کو یہ شرارت سوجھی تھی اس نے کسم سے کہا۔

''یار کسم! کچھ تفریح کی جائے۔''

''تفریح ہو تو رہی ہے اور کیسی تفریح کی بات کر رہی ہو۔''

''کیوں نہ ان شہری چوہوں کو ڈرایا جائے۔ اب تک ہم ان کی خوب پذیرائی کرتے رہے ہیں۔ اب ان کے ساتھ ایک مذاق بھی تو کیا جائے۔''

''مثلاً۔''

''انہیں چڑیل دکھا دی جائے۔''

''چڑیل۔''

''ہاں۔ پچھل پیری۔''

''کیا مطلب؟'' کسم حیرت سے بولی۔

''یار! اپنے گھر میں موجود ہے۔ ابھی تک کسی کی نگاہ ان ماں بیٹیوں پر نہیں پڑی، اور اگر پڑی بھی ہوگی تو انہوں نے انہیں نوکرانیاں سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ دیوالی کم بخت خوبصورت تو ہے اور چڑیلوں کے بارے میں یہی سنا ہے کہ بڑی خوبصورت بن کر آتی

ہیں۔ وہ جو صحن کے آخری گوشے میں پیپل کا درخت ہے اگر اس کے نیچے انہیں چڑیل دکھا دی جائے تو کیسا رہے گا۔"

"یار! بات تو مزے کی ہے۔ پر پتہ نہیں ان لوگوں کو چڑیلوں کے بارے میں معلومات ہے بھی یا نہیں۔"

"رات کو بات کرلیں گے اور اس کے علاوہ ایک اور بات بھی کرنی ہے۔"

"کیا؟"

"یار! چڑیل کو بھی تو تیار کرنا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"دیوالی کو بھی تو اعتماد میں لینا ہے یونہی سادہ سودہ تو کام نہیں چل جائے گا۔ تھوڑی سی گڑ بڑ کرنی پڑے گی۔" کانتا نے کہا۔

"مثلاً......" کسم نے پوچھا تو کانتا اسے اپنا منصوبہ بتانے لگی۔ کسم نے ہنس کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور بولی۔

"مزہ آ جائے گا کانتا! ایسی کی تیسی ہو جائے گی ان لوگوں کی، مگر ایک بات بتاؤ کیا دیپو تیار ہو جائے گی۔"

"بات کرتے ہیں اس سے۔" گھر کے ایک دور دراز گوشے میں اس وقت جب دیوالی کیاریاں صاف کر رہی تھی۔ کسم اور کانتا اس کے پاس پہنچ گئیں۔ دیوالی انہیں دیکھ کر مسکرائی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی دیپو۔"

"وہی جو روز ہوتا ہے۔"

"یار! ہم تمہارے پاس ایک کام سے آئے ہیں۔"

"کپڑے استری کرنے ہیں۔"

"اونہہ ہوں......وہ تو روزانہ کے کام ہیں۔ ایک ذاتی کام ہے ہمارا تم سے۔"

"مجھ سے......اور ذاتی کام؟"

"ہاں آؤ ادھر آ جاؤ۔" وہ اسے لے کر ایک جگہ گھاس پر بیٹھ گئیں۔

"یہ بتاؤ ہمارے گھر جو مہمان آئے ہیں ابھی تک تمہارا ان سے سامنا ہوا ہے یا نہیں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تمہیں معلوم تو ہے نا کہ گھر میں مہمان آئے ہیں۔"

"ہاں......کیوں نہیں معلوم ہوگا، ماتا جی رات کو آٹھ بجے فارغ ہو جاتی تھیں اب گیارہ بجے فارغ ہوتی ہیں۔ کیونکہ مہمانوں کو چائے وغیرہ کی طلب ہوتی ہے شہری جو ہوئے نا۔" دیپو نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔

"چلو...... چند دن کی بات ہے۔ چلے جائیں گے پھر گھر کے وہی معمولات ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے کام بتاؤ تم لوگ کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"دیپو انہیں ڈرانا ہے۔"

"مہمانوں کو۔"

"ہاں بھئی اور کسے؟"

"تو ڈرا دو۔"

"نہیں تم ہمارے لئے ایک بہروپ بھرو گی اور تمہیں دیکھ کر ان کی جو حالت ہوگی۔ تمہیں بھی مزہ آ جائے گا۔"

"کیسا بہروپ؟"

"ہم تمہیں ایک لہنگا اور چولی وغیرہ دیں گے۔ تمہیں یاد ہے دادی جی نے ایک مرتبہ ہولی کے تہوار پر ہمارے لئے کپڑے بنائے تھے۔"

"ہاں۔"

"ان میں سے ایک تم پہنو گی۔"

"اچھا......پھر کیا ہوگا؟"

"ہم تمہارے چہرے پر میک اپ بھی کریں گے اور پھر رات کو جب چاند نکل آئے گا تو تم پیپل کے درخت کے پیچھے سے نکلو گی۔ تمہارے پیروں میں جھانجن ہوں گے اور تم چھم چھم کرکے ناچو گی۔ وہ لوگ سمجھیں گے کہ دیکھو کون نکل آیا ہے۔ ہوا خراب ہو جائے گی ان کی۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"یار مزہ آئے گا اور تمہیں تمہارے اس کھیل کا معاوضہ پچاس روپے ملے گا یہ لو ایڈوانس رکھ لو۔" کسم نے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر دیپو کو دیتے ہوئے کہا۔

"واہ......پھر تو ٹھیک ہے، جیسا تم کہو گی میں کروں گی۔" دیپو کے لئے پچاس روپے

کا یہ نوٹ بہت کچھ تھا۔ اس کے ماتا پتا کے کام آ سکتا تھا۔ ان بے چاروں کو تو ایک ایک پیسے
کی پریشانی ہوتی تھی۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ کسم رات کو دس بجے کے وقت اسے یہ کپڑے
وغیرہ پہنا کر اس کا چہرہ گلابی بنا دے گی۔ لڑکیاں اس مذاق اور شرارت کے تصور سے بہت
خوش تھیں۔ شام کے کھانے کے بعد جن بھوت اور چڑیلوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ تو کسم اور کانتا
نے کہا۔

''شہری زندگی میں تو جادو ٹونوں اور جن بھوتوں کا تذکرہ کم ہی ہوتا ہو گا۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پورے شہر میں بے شمار سنیاسی بابا بورڈ لگائے بیٹھے
ہیں۔ جن بھوت اور چڑیل اتارتے رہتے ہیں یہ۔ بورڈ پر لکھا ہوتا ہے کہ سو سالہ پرانے
سنیاسی بابا جو ہر جادو کا توڑ کرتے ہیں اور بابا صاحب کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس انتیس
سال۔ بہرحال اب شہری زندگی میں بھی جن بھوت داخل ہو چکے ہیں۔''

''نہیں میرا مطلب ہے تم نے اپنی آنکھوں سے کوئی جن، بھوت یا چڑیل وغیرہ
دیکھی ہے۔''

''نہیں۔ ابھی وہ لوگ سڑکوں پر نہیں نکلے ہیں، سنا ہے ان کی کوئی تنظیم بن رہی ہے
جس کے تحت وہ لانگ مارچ کرنے والے ہیں اور حکومت سے یہ مطالبہ کرنے والے ہیں
کہ انہیں بھی رہنے کے لئے کوئی کالونی دی جائے۔''

''مذاق کر رہے ہو ونیش، یہاں گاؤں میں تو یہ سب کچھ بہت عام ہے۔ سر کٹے
بھوت۔ اب اس وقت ذرا شمشان گھاٹ نکل جاؤ۔ وہاں میٹنگیں ہو رہی ہوں گی۔''

''کیا واقعی۔'' گھنشام نے کسی قدر متاثر لہجے میں کہا۔ پریتی نیشا اور ریتو بھی کسی قدر
خوفزدہ ہو گئیں۔

''تو غلط کہہ رہی ہوں کیا۔ ہم نے تو تمہیں بتایا نہیں خود ہمارے گھر میں آسیب موجود
ہے۔''

''بب...... بکواس کر رہی ہو۔'' پریتی خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''کہہ رہی ہوں نا سچ تمہیں کیا معلوم میں تو اب عادی ہو چکی ہوں۔ حالانکہ ہمارے
ماتا پتا اس طرف نہیں جاتے مگر تم یقین کرو۔ میں کئی بار وہاں جا کر اس بھوتنی کو دیکھ چکی
ہوں۔ یہ چاندنی راتوں میں پیپل کے درخت کے نیچے بنے ہوئے چبوترے پر ایسا
خوبصورت رقص کرتی ہے کہ دیکھنے والے دیکھیں تو دنگ رہ جائیں۔''

...کواس کر رہی ہو تم۔ پہلے تو ہم نے کبھی کسی ایسی بھوتنی یا چڑیل کا نہیں سـ

تمہارے گھر میں۔''

''پہلے نہیں تھی۔ مگر یہ لوگ بھی تو گھر بدلتے رہتے ہیں۔ سب سے پہلے میں نے ہی
انہیں دیکھا تھا اور تم یقین کرو اتنی خوبصورت ہے کہ دیکھو تو دیکھتے رہ جاؤ۔''

''اب بھی ہے۔'' ونیش نے پوچھا۔

''ہاں ونیش تم یقین کرو سب نے چھپایا تم سے کہ کہیں تم لوگ ڈر نہ جاؤ۔ ماتا جی نے
خود مجھے اس طرف جانے سے منع کیا ہے۔ مگر میں کبھی کبھی چلی جاتی ہوں یہ کسم بہت ڈرتی
ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر ہمیں بھی تو اس چڑیل کے درشن کرا دو۔'' ونیش نے کہا۔

''نہیں ونیش! ایسی باتوں میں مذاق اچھا نہیں ہوتا۔ کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔''
نیشا نے متاثر لہجے میں کہا۔

''یار کمال ہے شہر میں ابھی تک کوئی بھوت اور سر کٹا نظر نہیں آیا۔ یہاں اتنی ساری
چیزیں دیکھی ہیں ایک چڑیل کے درشن بھی ہو جائیں تو کیا ہرج ہے۔''

''ہاں ہرج تو کوئی نہیں ہے۔'' کانتا بولی۔

''تو بس پھر آج رات تم چڑیل دکھا دو ہمیں، کس وقت نکل آتی ہے وہ۔''

''اب یہ تو ظاہر ہے اس کی مرضی ہوتی ہے۔ ہماری مرضی سے تھوڑی نکلتی ہے۔''

''تب تو ہم ضرور دیکھیں گے۔'' سب کے سب کانتا کے پیچھے پڑ گئے۔ کانتا نے کہا۔

''بس تم اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے تم نے
چڑیلیں دیکھی ہیں کبھی۔''

''بابا کہاں شہر میں ذرا وہ کم ہی آتی ہیں۔''

''پاؤں الٹے ہوتے ہیں ان کے اور یہی ان کی پہچان ہے۔ چہرے اتنے خوبصورت
ہوتے ہیں سینکڑوں کہانیاں سنی ہیں اس کی۔''

''میں نے بھی بہت پڑھا ہے۔ چھل پیریوں اور چڑیلوں کے بارے میں، سنا ہے
بڑی خوبصورت ہوتی ہیں۔ مردوں کو لبھاتی ہیں۔''

''ہاں لبھاتی تو ہیں۔ مگر پھر ان کا خون بھی پی جاتی ہیں۔''

''ارے چھوڑو میں تو دانت توڑ دوں ایک گھونسا مار کر۔'' ونیش نے منہ بنا کر کہا۔

''جی نہیں ونیش صاحب۔ الٹے پاؤں سے ناچتے دیکھیں گے اسے تو سارا حلیہ خراب
ہو جائے گا۔''

''تو دکھادو بھئی۔''

''ٹھیک ہے۔ دس بجے کے بعد گھر پورا سنسان ہوجاتا ہے۔ آج کل ویسے بھی چاندنی راتیں ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ پیپل کے درخت کے نیچے اجالا ضرور ہوتا ہوگا۔'' سب کے سب اس بات کے لئے تیار ہوگئے اور کانتا نے کسم کو اشارہ کردیا۔

ادھر دیوالی بھی نوجوانی کی عمر میں ہی تھی خود بھی اس شرارت سے لطف لینے کے لئے وہ بھی تیار ہوگئی۔ کسم اپنا ایک خوبصورت چمکدار، بھڑکیلا لباس اور میک اپ کا سامان لے کر پہنچ گئی۔ پہلے سے طے کرلیا گیا تھا کہ کہاں اس کھیل کا آغاز ہونے والا ہے۔ کسم نے دیوالی کو تیار کرنا شروع کردیا۔ حالانکہ وہ اس کا چہرہ مضحکہ خیز بنانا چاہتی تھی۔ ہونٹوں پر انتہائی گہری لپ اسٹک جو ہونٹوں سے نیچے تک پھیلا دی گئی تھی۔ گالوں پر سرخی آنکھوں میں گاڑھا کاجل جو خوب نیچے تک لگایا گیا تھا اور بڑے بڑے ڈورے کھینچ دیئے گئے تھے۔ بالوں کو ایک خاص انداز میں بکھرا دیا۔ دیوالی کے بال کمر سے نیچے تک آتے تھے اور انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ واقعی آسمان پر کالی گھٹائیں اٹھ رہی ہوں۔ پھر چمکدار بھڑکیلا لباس اور پیروں میں چھن چھناتے زیورات، اپنے طور پر اس نے دیوالی کو چڑیل بنایا تھا لیکن جب اسے تیار کرنے کے بعد خود کسم نے اسے دیکھا تو سکتے میں رہ گئی۔ حالانکہ جو کچھ اس نے اس کے چہرے پر کیا تھا وہ اس کے چہرے کو بھیانک بنانے کے لئے کافی تھا لیکن چاندنی میں دیوالی آسمان سے اتری ہوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ اتنی حسین، اتنی سندر اتنی پُرکشش کہ انسان دیکھے تو پاگل ہوجائے۔ خود کسم بھی اسے دیکھ کر لڑکھڑا گئی تھی لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ کھیل جو کھیلنا تھا۔ اس نے دیوالی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اور جب ہم وہاں بیٹھ جائیں اور تم ہماری باتوں کی آوازیں سن لو تو پیپل کے درخت کے نیچے چبوترے کے پیچھے سے نکل آنا پھر پاؤں سے چھن چھن کرآوازیں نکالنا اور اس کے بعد ناچنا شروع کردینا۔ پچھلی بار ہولی پر تم کتنا اچھا ناچی تھیں۔ سب نے تمہاری تعریف کی تھی اب بھی تمہیں ناچنا ہوگا اور پھر ناچتے ناچتے تم ہماری کی طرف دوڑ پڑنا لیکن بس چبوترے کے آخری سرے تک، نیچے مت اترنا اس سے۔'' کسم نے اسے پوری ٹریننگ دے دی اور دیوالی نے ہنس کر گردن ہلا دی۔ کسم اسے اس کی مطلوبہ جگہ چھوڑ آئی۔ راج وتی یا نند کشور کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ کسم چھپتی چھپاتی وہاں پہنچ گئی۔

ادھر کانتا سب کو تیار کرچکی تھی اور پیپل والی چڑیل کی بارے میں ان لوگوں کو خاصی تفصیلات معلوم ہوچکی تھیں۔ ونیش نے کہا۔

''یار گھنشام واقعی وارائٹی ہوتی ہے گاؤں میں تو۔ اگر سچ مچ ہمیں یہاں وہ چڑیل نظر آگئی تو یہ ایک بہترین دریافت ہوگی۔ ویسے اس کی عادتیں بہت خراب ہوتی ہیں یار! بھلا انسانی خون پینے میں اسے کیا مزہ آتا ہوگا۔''

''مذاق مت اڑاؤ ونیش۔ دیکھوگے تو دنگ رہ جاؤ گے۔''

''چڑیل کی پہچان صرف یہی ہوتی ہے ناکہ اس کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔''

''مگر یہ ہوتی کیا ہے۔'' ریتو نے پوچھا۔

''بری آتما ہوتی ہے۔ سنسار میں رہنے والے اگر کبھی کسی ایسی حسرت میں مرجائیں جو پوری نہ ہوئی ہو اور وہ حسرت ان کے جیون میں کوئی بہت بڑا درجہ رکھتی ہو۔ تو پھر ان کی آتما مختلف شکلوں میں بھٹکتی رہتی ہے۔ ایسے ہی سرکٹے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بھوت ہوتے ہیں اور ایسی ہی چڑیلیں ہوتی ہیں۔ اب جیسے اس چڑیل کو لے لو جو، پیپل کے درخت کے نیچے نظر آتی ہے۔ ضرور اسے کبھی کسی سے پریم ہوگا یا تو اسے مروا دیا گیا ہوگا۔ یا پھر بغیر پریم پیاسی مرگئی ہوگی اور بس اس کی آتما چڑیل بن کر آگئی۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ۔ اس نے تم لوگوں کو کبھی کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔''

''نہیں بابا۔ ہم خیال رکھتے ہیں۔ جاتے ہی بہت کم ہیں اس طرف اور پھر یہ تو جھگڑا مول لینے والی بات ہوتی ہے اگر اس سے کوئی جھگڑا مول لے لیا جائے تب ہی خطرہ ہوتا ہے۔ ویسے ماتا پتا جی نے ایک آدھ بار سوچا تھا اس بارے میں دو چار سیانوں سے بھی مشورہ کیا۔ وہ کہنے لگے اگر کوئی نقصان نہیں پہنچاتی تو تم لوگوں کو کیا حرج ہے۔ بلاوجہ اس سے جھگڑا مت مول لو۔''

''ہم اسے دیکھنے جائیں گے تو کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگی۔''

''نہیں بالکل نہیں۔ ہم نے خود کتنی ہی بار دیکھا ہے۔'' کانتا نے کہا دوسرے لوگوں کو اس نے اس راز میں شریک نہیں کیا تھا۔ یعنی اپنے بہن بھائیوں کو حالانکہ ان میں کئی برابر کے تھے لیکن بنتی کسم اور کانتا میں ہی تھی۔ باقی سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آتے تھے۔

بہرحال تیاریاں ہوگئیں۔ گاؤں کی زندگی میں رات بہت جلدی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت حالانکہ ساڑھے دس بجے تھے رات کے، لیکن لگ رہا تھا جیسے آدھی رات سے زیادہ گزر گئی ہو۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ ہاں البتہ چاندنی کا نور فضا میں بکھرا ہوا تھا۔ کانتا نے سب کو ہدایات دیں کہ انہیں کس انداز میں کیا کرنا ہے۔ جہاں سے چڑیل کو

دیکھنے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔اس جگہ سے بھی سب کو آگاہ کر دیا گیا تھا اور پھر یہ سب دبے قدموں اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ عظیم الشان گھر کے احاطے کے آخری گوشے میں پہنچے، جہاں پیپل کا پرانا درخت جو غالباً دھرم کشور کے بھی دادا نے لگایا تھا۔یا شاید اس کے بھی باپ نے، موجود تھا۔خوب پھیلا ہوا سایہ دار درخت تھا۔اس کے نیچے پوجا پاٹ کے لئے بڑا سا چبوترا بنایا گیا تھا۔کچھ عرصے پہلے اس چبوترے پر گوبردھن کا مجسمہ بنایا گیا تھا جو آج بھی سفید چونے سے بنا ہوا پیپل کے درخت کے نیچے موجود تھا۔اس کے چرنوں میں بجھے ہوئے دیئے رکھے ہوئے تھے۔یہ دیئے پوجا پاٹ کے وقت روشن کیے جاتے تھے۔اس وقت تو وہ بجھے ہوئے تھے۔درختوں کے پتوں سے چاندنی چھن کر چبوترے پر پڑ رہی تھی۔عجیب پُراسرار سماں پیدا ہو گیا تھا۔وہ لوگ ایک دوسرے درخت کے نیچے جا بیٹھے۔یہاں بھی درختوں کی چھاؤں تھی۔اس سے کچھ فاصلے پر احاطے کی دیوار جس کے ساتھ ساتھ کیاری بنی ہوئی تھی۔اس کیاری میں ہرا دھنیا، مرچیں، ٹماٹر اور دوسری چیزیں اُگی ہوئی تھیں۔کیاری میں کنارے کنارے اینٹیں لگا کر حد بندی کر دی گئی تھی۔پھولوں سے ہلکی ہلکی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی چبوترے کا منظر بڑا اسحرانگیز تھا۔چاند کا ہلکا ہلکا سفر درختوں سے چھننے والی روشنی کو متحرک کیے ہوئے تھا۔وہ لوگ سانسیں روک کر بیٹھ گئے۔گھنشام نے سرگوشی کی۔

''تمہیں یقین ہے کانتا کہ وہ آئے گی ضرور۔''

''اکثر جب بھی کبھی میں نے اور کسم نے اسے دیکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ ہمیں نظر ضرور آئی ہے۔''

''کچھ کہتی ہے۔''

''بالکل نہیں۔اپنی ہی دھن میں مست ہوتی ہے۔'' اس وقت چھن کی ایک آواز سنائی دی اور سب نے اس آواز کو صاف سنا۔کانتا نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''لو آ گئی۔'' پریتی خوفزدہ انداز میں ریتو سے لپٹ گئی۔نیشا بھی قریب ہو گئی تھی۔گھنشام اور ونیش کی نگاہیں چبوترے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ونیش نے آہستہ سے کہا۔

''اوپر سے اترے گی۔''

''یہ پتا نہیں۔'' چھن کی آواز دو تین بار پھر سنائی دی اور ان سب کے بدن بالکل ساکت ہو گئے تھے۔سرگوشیاں تک رک گئیں۔ان کی آنکھیں پیپل کے درخت کے موٹے تنے پر لگی ہوئی تھیں۔چھن چھن کی آواز دو تین پھر بار سنائی دی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ

ایک انسانی جسم نمایاں ہونے لگا۔سب دہشت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔پھر وہ باہر آ گئی اور یوں لگا جیسے چاندنی نے سمٹ کر ایک انسانی وجود میں بسیرا کر لیا ہو۔روشنی میں اس کا چہرہ پوری طرح نمایاں تھا۔ونیش، گھنشام، ریتو، نیشا اور پریتی اسے دیکھ رہے تھے۔ونیش کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر ابھر آیا تھا۔اس کے نقوش بالکل نمایاں تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کسی بدروح کے چہرے پر اتنی ملاحت ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ چہرہ آخر تھا کیا اور یہ وجود کیا حیثیت رکھتا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس چہرے کو بیرونی رنگ و روپ سے سجایا گیا تھا اور یہ کسی میک اپ آرٹسٹ کے فن کا کمال نہیں تھا۔بلکہ میک اپ کے سامان کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا تھا اور پھر اس قدر حسین لباس۔چھن چھن کی آواز اب تیزی اختیار کرنے لگی اور وہ مکمل طور سے نمایاں ہو گئی۔ایک خوبصورت اور حسین سڈول بدن۔بلند و بالا قد و قامت، چاند کی وجہ سے نظر آنے والا انتہائی دلکش چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں جن کی پتلیاں سفید سفید ڈیلوں کے بیچوں بیچ اس قدر روشن جیسے بلب جلا دیئے گئے ہوں۔ہونٹوں کی خوبصورت تراش، بیضوی چہرہ، صراحی دار گردن، سڈول شانے، پتلی کمر، بدن کا ایک ایک نقش بے مثال تھا۔وہ سب اسے سحر زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے لیکن پورے وجود کا طواف کرتے ہوئے جب نگاہ پیروں تک پہنچی تو ان سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ایڑیاں سامنے تھیں اور پنجے پیچھے اور پیروں کے پاس سے وہ بہت عجیب لگ رہی تھی۔اس کے بعد اس نے رقص کرنا شروع کر دیا۔بھی پراثر تھا۔یہاں تک کہ کچھ لمحے کے لئے تو کسم اور کانتا بھی سناٹے میں رہ گئی تھیں۔یہ کھیل انہوں نے پہلی بار کھیلا تھا لیکن اس وقت یہ کھیل جو نوعیت اختیار کر گیا تھا اسے دیکھ کر وہ خود بھی دنگ رہ گئی تھیں۔کسم کے دل میں خاص طور سے یہ خیال گزرا کہ کہیں وہ لوگ کسی بھیانک غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہیں۔کہتے تو رہتے ہی ہیں غصے میں، جلن میں یا حسد میں، لیکن سچ مچ وہ کوئی چڑیل ہی تو نہیں ہے۔اس وقت یہ احساس دلوں پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔حالانکہ ناٹک انہی کا تھا لیکن اب وہ خود اس ناٹک کا شکار نظر آ رہی تھیں۔

ادھر نجانے کیا ہوا تھا کہ دیوالی بھی کچھ بے خودسی ہو گئی تھی۔اس کے پیروں کی جھنکار ایک تواتر کے ساتھ آ رہی تھی اور وہ بے خودی کے عالم میں ناچ رہی تھی۔چھن چھن کی آواز بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا سارا وجود تھرک رہا تھا۔پھر اچانک ہی اسے یاد آیا کہ کسم اور کانتا نے اسے کیا بتایا تھا۔اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور پھر اچانک اس طرح وہ چبوترے کے کنارے کی طرف دوڑی جیسے ان پر حملہ کرنا چاہتی ہو۔

سارے کے سارے وحشت زدہ تھے اس کے اس انداز پر باہر کی مہمان لڑکیاں تو خیر باہر ہی کی تھیں۔ کسم اور کانتا بھی بدحواس ہو کر بھاگیں۔ پریتی کا پاؤں کسی چیز میں الجھا اور وہ منہ کے بل نیچے گری۔ سر پھٹ گیا دونوں ہونٹ کٹ گئے اور وہ نیم غشی کی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ بمشکل تمام گھنشام اور نیشا نے اسے اٹھایا اور واپسی کے لئے دوڑے۔ وہ تو شکر تھا کہ گھر کے باقی لوگ سو چکے تھے اور ان کی چیخوں سے ان کی آنکھ نہیں کھلی تھی لیکن پریتی کو جس طرح چوٹ لگی تھی۔ وہ بدحواس کر دینے کے لئے کافی تھی۔ البتہ ونیش ایک دفعہ رکا تھا اور چند لمحوں تک کھڑا سامنے دیکھتا رہا تھا۔ کسم نے اس کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی لے چلی۔ لڑکیاں بری طرح بدحواس ہو گئی تھیں۔ پہلے تو یہ مذاق تھا لیکن اب اس مذاق کی نوعیت سنگین ہو گئی تھی۔ پریتی کو اچھی خاصی چوٹ لگی تھی اور خون رک نہیں رہا تھا۔ ہونٹ بھی کٹ گئے تھے۔ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ کانتا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''نیشا...... ونیش کیا کریں؟ یہاں تو کوئی باقاعدہ ڈاکٹر بھی نہیں ہوتا۔''

''جگائیں ان لوگوں کو؟''

''بھگوان کے لئے نہیں۔ ہم خود ہی کچھ کرتے ہیں۔'' پھر کافی دیر تک کوشش کی جاتی رہی۔ پتہ نہیں کیا کیا لگایا تب کہیں جا کر پریتی کے سر سے بہنے والا خون بند ہوا لیکن وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ زخم ایسے تھے کہ چھپائے نہیں جا سکتے تھے ساری رات جاگتے گزر گئی۔ تین چار گھنٹے کے بعد جب پریتی کی کیفیت بحال ہوئی تو کسم، کانتا وغیرہ اسے سمجھانے لگیں۔ اس راز کو اب راز ہی رہنے دیا گیا تھا۔ اگر کہیں ان لوگوں کو یہ پتہ چل جاتا کہ یہ سب کچھ ایک مذاق ہے تو بات بگڑ جاتی۔ ایسا سنگین مذاق کسی کی جان بھی لے سکتا ہے۔ پریتی کو سمجھایا گیا اور کہا گیا کہ بزرگ ناراض ہوں گے۔ اسے یہ کہنا چاہیے کہ رات کو وہ چاندنی رات میں ایسے ہی بھاگ دوڑ کے لئے نکل گئے تھے۔ اس بھاگ دوڑ میں گرنے سے چوٹ لگ گئی۔ پریتی خود بھی بری طرح نڈھال تھی۔

بہرحال دوسری صبح خوب ہنگامے ہوئے پریتی کی وجہ سے مزید یہاں رہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا کیونکہ اسے فوری طور پر ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔ سارا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ ہونٹ کٹ گئے تھے جب کہ وہ ایک اچھی خاصی پیاری سی شکل کی لڑکی تھی۔ کسم اور کانتا بڑی شرمندہ تھیں۔ ان لوگوں کو رخصت کرتے ہوئے انہیں بڑا رنج ہو رہا تھا کہ ان کے مذاق نے کیا صورتِ حال پیدا کر دی۔ بہرحال دونوں افسردہ ہو گئیں۔

لیکن ادھر دیوالی حیران تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ کیا لوگ کسی پچھلے

پاؤں والی کو دیکھ کر اس طرح خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ واپس آ گئی تھی اس نے اپنا چہرہ وغیرہ دھو لیا تھا۔ لباس تہہ کر کے رکھ دیا تھا۔ جھانجھن اس ڈبے میں رکھ دیئے تھے جس میں وہ پہلے رکھے ہوئے تھے اور کسم نے انہیں جس انداز میں دیا تھا۔ رات کو وہ بہت دیر تک جاگتی رہی اور نجانے کیا کیا خیالات اس کے ذہن میں آتے رہے۔ فطرت میں شوخی اور شرارت تھی، لیکن جس طرح اسے نظر انداز کیا گیا تھا اور جس طرح دونوں تائیوں نے ان ماں بیٹیوں کو گھر کا نوکر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے طبیعت پر کچھ بوجھ سوار کر دیئے تھے، لیکن عمر ایسے بوجھ کم ہی تسلیم کرتی ہے۔ ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے۔ انوکھے اور عجیب خیالات۔ کسم اور کانتا کے مہمان جنہیں وہ دور سے کئی بار دیکھ چکی تھی لیکن اسے اس قابل نہیں سمجھا گیا تھا کہ ان مہمانوں سے اس کی ملاقات کرائی جائے۔ ایسے بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ بعد میں ہنستے ہنستے دیوالی کا پیٹ درد کرنے لگا تھا۔ اب بھی وہ لیٹے لیٹے جب بھی اس بارے میں سوچتی تو اس کے منہ سے ایک دم ہنسی پھوٹ پڑتی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیتی۔ کہ کہیں ماتا پتا جاگ نہ جائیں اور اسے اکیلے پڑے ہنستے دیکھ کر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ لوگ مجھ سے اتنا ڈرتے ہیں۔ آخری سوچ اس کے ذہن میں یہی تھی اور اس کے بعد وہ کسی اور سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

ادھر یہ لوگ صبح ہی صبح واپس چلے گئے۔ پریتی کی وجہ سے سب ذہنی طور پر پریشان ہو گئے تھے لیکن ونیش کا دل یہاں سے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ اس کے دل نے فرمائش کی تھی کہ اس منظر کو بار بار دیکھا جائے۔ کیا دلکش چہرہ تھا حالانکہ اس چہرے کے بارے میں جو کہانی کسم اور کانتا نے سنائی تھی، وہ بھیانک تھی لیکن جوانی کی عمر میں یہی خرابی ہوتی ہے۔ کسی وحشت، کسی دہشت کو کون خاطر میں لاتا ہے۔ دل کی آواز تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ وہ بھی پریتی وغیرہ کے ساتھ واپس آ گیا تھا۔ پریتی کو اس اسپتال میں لایا گیا تھا جہاں ونیش کی ماں ڈاکٹر تھی۔ ونیش کی وجہ سے ہی یہاں پریتی کی مرہم پٹی کی گئی اور اس کے بعد اسے گھر لے جایا گیا اب باقی معاملات نیشا اور ریتو وغیرہ کو دیکھنے تھے۔ کیونکہ انہیں ہی جوابدہی کرنا تھی۔

ونیش اپنے طور پر سوچتا رہا۔ ادھر کسم اور کانتا نے دیوالی سے درخواست کی تھی کہ وہ اس واقعہ کو بھول جائے اور کسی سے اس موضوع پر بات نہ کرے۔ دیوالی کو اس ڈرامے کے پچاس روپے ملے تھے۔ اسے کیا غرض تھی کہ کسی سے کچھ کہتی۔ دو تین دن گزر گئے تھے اس بات کو۔ پھر ایک دن صبح کو وہ گھر کے بیرونی حصے کی صفائی کر رہی تھی۔ تمام لوگ اپنے

کاموں میں مصروف تھے۔کوئی اس طرف موجود نہیں تھا کہ ایک کار گھر سے تھوڑے فاصلے پر آ کر رکی اور اس میں سے ایک نوجوان نیچے اترا۔ دیوالی یونہی بے خیالی کے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔نوجوان اسی طرف آ رہا تھا۔نجانے کون ہے۔ ہوسکتا ہے اس گھر میں ہی کسی سے ملنے آیا ہو، لیکن پھر اسے ایک دم یہ احساس ہوا کہ اس نوجوان کو وہ پہلے بھی دیکھ چکی ہے اور ایک دم اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ وہ وہی نوجوان ہے جو اس رات کو ایک چڑیل کا تماشہ دیکھنے کے لئے دوسرے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔یعنی کسم اور کانتا کا مہمان، وہ اسی طرح کھڑی سوچ میں ڈوبی رہی اور نوجوان اس کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتاً ہی اس نے نوجوان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔ غالباً اس نے بھی دیوالی کو پہچان لیا تھا۔ وہ اس طرح پتھرا گیا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ دیوالی کو بھی بھاگنے کی نہ سوجھی یہ بات اس وقت اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی کہ اسے اس نوجوان کے سامنے نہیں آنا تھا۔ اس کے لئے تو کسم اور کانتا نے منع کر دیا تھا۔نوجوان اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔اب اس پر محویت کا عالم ختم ہو گیا تھا۔اس نے دیوالی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''تم.....تم.....تم۔'' اور پھر اس کی نگاہیں دیوالی کے پیروں پر پڑیں تو وہ گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''تت.....تم.....تت.....تم.....تم کون ہو۔''

دیوالی گم صم خاموش کھڑی رہی تھی۔نجانے کیوں اسے ونیش کے سامنے ایک شرم اور ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔گھر میں بھی لڑکے تھے اس کے کزن اور ان کے نوجوان دوست بھی آ جایا کرتے تھے لیکن بس دیوالی کا کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اسے کبھی کسی اجنبی نوجوان لڑکے سے بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خاموش کھڑی زمین کو دیکھتی رہی ونیش نے آگے بڑھ کر پھر کہا۔

''بتاؤ گی نہیں کون ہو تم۔'' یہ کہتے کہتے اس کی نگاہیں دیوالی کے پیروں پر پڑی اور وہ فطری طور پر خوف کا شکار ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے نکلا۔

''اوہ مائی گاڈ.....اوہ مائی گاڈ'' اس کی اس کیفیت سے اچانک ہی دیوالی کو رات والی باتیں یاد آ گئیں۔اس رات جو کچھ ہوا تھا اس میں یہ نوجوان بھی شریک تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ کسم اور کانتا نے اسے منع کیا تھا کہ کبھی اس بات کو وہ سامنے نہ لائے وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔ ونیش نے پھر کہا۔

''دیکھو.....تم جو کوئی بھی ہو میں، میں تمہیں چاہنے لگا ہوں۔ میں تم سے پریم کرنے

لگا ہوں۔ اگر تم چڑیل بھی ہو تو میں تمہارے ہاتھوں ہر نقصان اٹھانے کے لئے تیار ہوں دیکھو میری بات سنو۔'' اچانک ہی باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں تو ونیش چونک کر پلٹا اور دیوالی کو موقع مل گیا وہ جھاڑو اٹھا کر پھرتی سے بھاگی پہلے ایک دیوار کی آڑ میں ہو گئی، اس کے بعد درختوں کی اوٹ میں اور پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی اپنی رہائشگاہ میں آ گئی۔

ادھر ونیش نے کسم اور کانتا کو دیکھ لیا تھا جو کہیں باہر سے آ رہی تھیں۔ انہیں دیکھنے کے بعد وہ پلٹا اور پھر بری طرح اچھل پڑا۔ کیونکہ دیوالی کا اب وہاں نام و نشان نہیں تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔اس کی نگاہیں دور دور تک بھٹکنے لگیں لیکن دیوالی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اتنی دیر میں کسم اور کانتا قریب پہنچ گئیں۔ دونوں نے ونیش کو پہچان لیا۔ کسم تیزی سے آگے بڑھ کر بولی۔

''ارے ونیش جی! آپ یہاں کیوں کھڑے ہوئے ہیں اور وہ گاڑی آپ ہی کی ہے نا۔ آپ نے اتنی دور کیوں کھڑی کر دی ہے۔'' ونیش کو ایک دم جیسے ہوش آ گیا اس واقعہ نے اسے کچھ دیر کے لئے تو بالکل مبہوت کر دیا تھا لیکن اب وہ فوراً سنبھل گیا۔ صورتِ حال کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے گردن جھٹکی اور بولا۔

''بس کسم جی ایک خاص کام سے ہردیو پور، جانا تھا راستے میں آپ کا گاؤں پڑتا ہے۔ آپ لوگ یاد آئیں میں نے سوچا دس منٹ کے لئے آپ سے بھی ملتا چلوں۔ گاڑی باہر اس لئے کھڑی کر دی تھی کہ زیادہ دیر تو بیٹھنا نہیں تھا۔''

''واہ..... جب ہمارے گاؤں سے گزر رہے ہیں آپ تو پھر آپ کی تو نہیں چلے گی نا۔ بیٹھنا پڑے گا آپ کو ہمارے پاس، کچھ کھانا پینا بھی پڑے گا۔ واہ..... یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ادھر آئیں اور ایسے ہی چلے جائیں۔''

کسم کے لہجے میں لگاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ویسے بھی جب پہلے یہ لوگ آئے تھے تو کسم نے خاص نگاہوں سے ونیش کو دیکھا تھا۔ یہ نوجوان لڑکا جس کے بارے میں اسے پتہ چلا تھا کہ کسی ڈاکٹر ماں کا بیٹا ہے اور خود بھی ڈاکٹر بن رہا ہے۔ کسم کو بہت پسند آیا تھا اور اس نے کئی بار اس کے بارے میں سوچا تھا لیکن بس سوچیں سوچ کی حد تک ہی تھیں۔ اس وقت وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی لیکن ونیش تو آیا ہی کسی اور لگن میں تھا اور جس لگن میں وہ آیا تھا وہ پوری بھی ہوئی تھی لیکن پوری نہیں کہا جا سکتا تھا اسے۔ وہ ابھی تک سحر زدہ تھا اور دیوالی کے غائب ہو جانے پر حیران بھی تاہم اس نے کہا۔

''نہیں! رک تو نہیں سکتا اس سے، آپ سنایئے کیسی ہیں آپ لوگ۔''

''بہت جلدی میں ہیں آپ کیا؟''

''ہاں آپ یقین کریں ایسا ہی ہے۔''

''اچھا یہ بتایئے پریتی کیسی ہے؟''

''اب تو ٹھیک ہے چوٹ ذرا زیادہ آئی ہے۔ بے چاری کو، اصل میں ہونٹ جو کٹ گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہیں کہ کہیں کوئی نشان وغیرہ نہ رہ جائے۔ سر کی چوٹ تو خیر بالوں میں چھپ بھی سکتی ہے۔''

''بڑا ہی دکھ بھرا واقعہ ہوا ہے۔ ہم لوگ خود بھی افسردہ ہیں۔''

''ایک بات بتایئے۔ آپ دونوں بتائیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''وہ چڑیل یا پچھل پیری کیا چیز تھی۔''

''کیا مطلب۔'' کسم اور کانتا کے چہرے پر ایک ہلکی سی خوف کی لہر آ کر لوٹ گئی تھی کہ کہیں یہ راز کھل نہ جائے۔

''آپ مجھ سے سچ بولیں گی۔'' ونیش نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''ہاں کیوں سچ نہیں بولیں گے۔''

''کیا وہ واقعی چڑیل تھی؟''

''کیا آپ کو چڑیلوں کا کوئی تجربہ ہے۔'' کانتا نے شرارت سے کہا۔

''بالکل نہیں ہے۔''

''تب پھر آپ حیران کیوں ہیں۔''

''اس لئے کہ اس چڑیل کو میں نے ابھی دیکھا تھا۔''

''ابھی۔''

''ہاں۔ بس چند منٹ پہلے۔'' کسم اور کانتا اندر ہی اندر ایک لمحے کے لئے پھر خوفزدہ ہوئیں۔ اصل میں پریتی کے زخمی ہونے سے صورتِ حال کچھ سنگین ہوگئی تھی۔ اسی کا خوف تھا۔

''ہاں مجھے بتایئے۔''

''آپ کو اس پر حیرانی کیوں ہے؟ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ سنسار میں بھوت، چڑیلیں، سر کٹے نجانے کیا کیا موجود ہیں اور اکثر یہ انسانوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔''

''آپ لوگ مجھے اتنے بیوقوف نہیں معلوم ہوتے کہ ایک ایسے گھر میں جیون بتا رہے ہیں جہاں ایک چڑیل بھی رہتی ہے۔''

''تو پھر آپ کے خیال میں کیا کرنا چاہیے۔'' کسم نے خود کو سنبھال کر کہا۔ کسی قیمت پر وہ اس حقیقت کو منکشف کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اس میں بہت سی خرابیاں تھیں۔ بات کھل جاتی تو پریتی وغیرہ کے گھرانے سے تعلقات بھی خراب ہو سکتے تھے اور اگر بات گھر والوں کو معلوم ہو جاتی تو اچھی خاصی ڈانٹ پھٹکار پڑتی ان پر۔ چنانچہ وہ اپنے جھوٹ کو سچ بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں ونیش جی۔ ہمارے بارے میں آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔''

''شما چاہتا ہوں ایسا دعویٰ تو میں بالکل نہیں کر سکتا۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں آپ لوگوں کے بارے میں معلوم۔''

''تب ہی نا آپ یہ الفاظ کہہ رہے ہیں۔''

''یہ ہمارے پُرکھوں کا گھر ہے اور یہ چڑیل والی روایت تو ہمارے دادا پر دادا کے سامنے سے چلی آ رہی ہے۔ ہم نے درجنوں بار خود اسے دیکھا ہے۔ آپ نے تو ابھی کچھ دیکھا ہی نہیں۔ جب پورن ماشی کی رات ہوتی ہے اور آکاش پر پورا چندرما کھلا ہوا ہوتا ہے۔ تب آپ دیکھتے ذرا اس کے جلوے، چھم چھماتی زیورات میں لدی آتی ہے اور چاندنی میں ناچتی ہے۔ ہم سب تو راتوں کو اس کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مگر آپ کچھ عجیب سے انداز میں یہ سوال کر رہے ہیں۔ پُرکھوں کی روایتیں چھوڑ کر کون بھاگتا ہے اور پھر اس نے کبھی ہمارے گھر والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ تو پھر گھر چھوڑ کر بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''ابھی میں نے اسے دیکھا تھا۔'' ونیش نے گہری سانس لے کر کہا۔

''دن کی روشنی میں۔''

''ہاں میں نے کہا نا، ابھی کی بات کر رہا ہوں۔ وہ ہاتھ میں جھاڑو لیے یہاں کی صفائی کر رہی تھی۔''

''ونیش جی! آپ مذاق کر رہے ہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں ذرا زمین دیکھ لیجئے۔ لگ رہا ہے نا کہ یہاں جھاڑو لگائی گئی ہے ابھی۔''

''جھاڑو تو روزانہ ہی لگتی ہے، ہمارے گھر میں کام کرنے والی لگاتی ہے۔''

''وہ تھی۔ سو فیصدی وہ۔ جب آپ لوگ آئیں اور آپ کی آوازیں میں نے سنیں تو میں نے گردن گھما کر دیکھا بس اسی لمحے وہ غائب ہوگئی۔''

''یہ نئی اطلاع ہے ہمارے لئے ونیش جی!''

''تو آپ اب بھی اس بارے میں اعتراف نہیں کریں گی کہ وہ چڑیل نہیں تھی۔''

''مہمان ہیں آپ ہمارے کیا کہیں، آیئے نا اندر آیئے۔ پتہ نہیں کیوں آپ یہ بے تکا اعتراف ہم سے کروانا چاہتے ہیں۔''

''دیکھئے پتہ تو چل جائے گا۔ میں آپ کے گھر والوں سے پوچھوں گا۔''

''ضرور پوچھئے۔ آیئے ابھی پوچھ لیجئے۔'' کانتا نے کسی قدر بگڑ کر کہا۔

''نہیں! ابھی تو میں جا رہا ہوں۔ پھر کبھی آؤں گا۔''

''ضرور آیئے لیکن کسی کے گھریلو معاملات کو اتنا زیادہ کریدنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ پھر بھی ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔'' ونیش نے گردن ہلائی اور بولا۔

''بہر حال آپ کا بہت بہت دھن واد، چلتا ہوں اب۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی طرف چل پڑا اور پھر اس کی کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ کسم اور کانتا نے گہری سانسیں لیں۔ کانتا بولی۔

''عجیب جھکی آدمی ہے جان کو ہی لگ گیا۔ ارے بابا تجھے کیا دوسروں کے گھر کے معاملات میں، تیرا مسئلہ تو ہے نہیں۔ ہم تو خود بے چاری پریتی کے لئے دکھی ہیں کہ ہمارے مذاق سے وہ زخمی ہوگئی اور بری طرح، لیکن اس آدمی کو زیادہ منہ نہیں لگانا، کہیں سچ مچ ہی ماتا پتا تک نہ پہنچ جائے۔ دادی جی تو جان کو عذاب ڈال دیں گی۔ شامت آجائے گی ہماری۔''

''اسے پچاس روپے دیئے ہیں۔ میرے پاس اب پورے مہینے کا جیب خرچ ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔ وہ تو زبان کھولے گی نہیں لیکن کوشش یہ کرنی ہے کہ یہ آدمی دوبارہ نہ آئے۔'' کسم نے عجیب سی نگاہوں سے بہن کو دیکھا اور بولی۔

''بس ایک بار اسے سمجھائیں گے کہ اتنی زیادہ کرید نہ کرے۔''

''پھر اسے ہی کیوں سب سے زیادہ لگی ہوئی ہے، اور لوگ بھی تو متاثر ہوئے ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔'' دونوں گھر میں داخل ہوگئیں اور اپنے اپنے کمروں کی جانب چل پڑیں۔

☆======☆======☆

دھرم کشور آدھی کچی اور آدھی پکی کیریاں لے کر آیا تھا۔ کھٹی میٹھی کیریاں دیکھ کر لڑکیوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کسم اور کانتا دونوں ہی ان کیریوں کی شوقین تھیں لیکن دھرم کشور کوئی آدھا کلو یا زیادہ سے زیادہ تین پاؤ کیری لے کر آیا تھا جو کسی اور کو نہیں مل سکتی تھیں۔ بمشکل تمام ایک ان دونوں کے ہاتھ لگی تھی۔ دونوں مزے لے لے کر اسے چٹ کر گئیں۔ دھرم کشور نے بیوی کو بتایا۔

''ارے یہ جتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں نا ان کے دل بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ہمارے مالک کا باغ ہے۔ زمیندار جی دل کے اتنے چھوٹے ہیں کہ بس بتایا نہیں جا سکتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا حساب رکھتے ہیں۔ وہ تو آج چھٹی کر کے باغ کی طرف سے گزر رہا تھا کہ بنسی راج مل گیا۔ بنسی راج مالی ہے۔ یہ کیریاں ٹوٹ کر گر پڑی تھیں کندھے کے رومال میں باندھ رکھی تھیں اس نے کہ مالک کو پہنچائے گا۔ بس میرا دل للچا گیا۔ میں نے کہا یار بنسی راج دو چار تو کیریاں ہیں۔ مجھے دے دے، بے چارے نے ہنستے ہوئے دے دیں اور کہا۔ مہاراج میرا بس چلے تو میں آپ کو چار پانچ کلو توڑ کر دے دوں پر میری چندیا پر چار پانچ بالوں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ جان کی طرح حفاظت کرتا ہوں۔ وہ تو ابھی مالک کو پتہ نہیں چلا ہے کہ یہ کیریاں ٹوٹ کر گر گئی تھیں۔ بہر حال لے جایئے آپ لیکن بھگوان کے لئے کسی کو بتایئے گا نہیں۔ بھلا ہو ان زمیندار جی کا ذرا سی کیریاں تک نہیں دے سکتے۔''

''بس بابا بس کیا کیا جائے۔ زندگی گزارنے کے لئے کمہار کا گدھا بننا ہی پڑتا ہے۔'' دھرم کشور نے کہا۔ یہ باتیں کسم اور کانتا بھی سن رہی تھیں۔ کسم نے کہا۔

''کیوں نہ ہم اپنے بھائیوں سے کہیں کہ وہ رات کو زمیندار جی کے باغ میں گھس کر کیریاں توڑ کر لائیں۔''

''نہیں بھئی نہیں، بچے ہیں اگر بنسی راج مالی نے دیکھ لیا تو پکڑ لے گا اور مارے گا الگ اور شکایت الگ کرے گا اور پھر پتا جی بچوں کی دھنائی لگائیں گے اور اگر کہیں زمیندار کو معلوم ہوگیا تو باپ رے باپ۔ پتا جی کی نوکری تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''یار مگر دیکھو تو سہی، کیا مزے کی کیریاں ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ ہم ان کیریوں سے بھی محروم رہیں۔'' پھر اچانک ہی کسم اچھل پڑی اس نے کہا۔

''کانتا وہ جو کہتے ہیں نا کہ اگر کچھ حاصل کرنا ہے تو عقل بھی استعمال کرو اور بدن بھی، کیا کہتی ہو اس بارے میں۔''

''مطلب۔ میں جانتی ہوں تجھ پر کیریاں سوار ہیں۔''

"بالکل سوار ہیں اور ایک بار، صرف ایک دفعہ ہمیں یہ کیریاں اتنی تعداد میں حاصل ہو جائیں کہ جی بھر کر انہیں کھا لیں تو سمجھ لو بات بن جائے گی۔"

"کیا کرو گی؟"

"ترکیب آئی ہے دماغ میں، جب ہی تو اتنی بات کر رہی ہوں۔"

"بتاؤ مجھے، کیا ترکیب آئی ہے۔" اور کسم اسے اپنی ترکیب بتانے لگی۔

"خطرہ ہے کسم سوچ لو۔"

"یار...... لڑکی ہے کام کی، اب تم دیکھ لو اب تک اس نے ان لوگوں کے بارے میں زبان نہیں کھولی۔"

"ہاں خیر۔ زبان تو وہ نہیں کھولے گی۔ بیس پچیس روپے دے دیں گے اسے، پیسے اس کی بہت بڑی ضرورت ہیں۔"

"وجہ ہے نا اس کی، بے چاروں کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا۔ بس جو ہمارے ماتا پتا کر دیتے ہیں اسی سے گزر بسر ہوتی ہے ان کی۔" کسم اور کانتا تمام صورتِ حال سے اچھی طرح واقف تھیں۔ بات یقیناً دیوالی کے بارے میں ہی ہو رہی تھی اور پھر تجویز دیوالی کے سامنے پیش کر دی گئی۔

"دیوالی! تجھے کھٹی میٹھی کیریاں کیسی لگتی ہیں۔"

"بہت مزے کی۔" دیوالی نے چٹخارہ لے کر کہا۔

"کھائی ہیں کبھی۔"

"ہاں ایک دو بار جب بازار سے آئی ہیں۔"

"پگلی، بازار کی کیریوں کی وہ بات کہاں ہوتی ہے، جو درختوں سے توڑ کر کھائی جائیں ان کا تو مزہ ہی دوسرا ہوتا ہے۔" کسم اور کانتا نے محسوس کیا کہ دیوالی کے منہ میں بھی پانی بھر آیا ہے۔ کسم نے کہا۔

"دیوالی! کیریاں ہمیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر تُو تھوڑی سی ہمت کرے۔"

"میں؟"

"ہاں تُو۔" ان دونوں نے اپنا منصوبہ دیوالی کو بھی بتایا اور وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"اور اگر کسی کو پتہ چل گیا تو۔"

"یار کیسے پتہ چلے گا اور پھر تیرے تو مزے ہی مزے ہیں۔ تُو تھوڑی سی ہمت کر کے دیکھ۔" یہ کہہ کر کسم نے دس دس روپے کے دو نوٹ اور پانچ کا ایک نوٹ نکالا تو دیوالی ان

نوٹوں کو دیکھ کر نڈھال ہو گئی۔ آج ہی شام کو نند کشور راج وتی سے کہہ رہا تھا۔

"راجی! دوا ختم ہو گئی ہے۔ شرم آتی ہے بھیا جی سے کہتے ہوئے۔ حالانکہ بیس پچیس روپے سے زیادہ کی نہیں ہو گی۔ میرے بدن میں اینٹھن ہوتی ہے جب دوا نہیں ملتی۔ کچھ بندوبست کر راجی! کہیں سے بیس پچیس روپے ہی مل جائیں۔" اور ماں کی گردن جھک گئی تھی۔ یہ پچیس روپے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ان پر جھپٹا مارا اور انہیں اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ کسم اور کانتا ہنس پڑی تھیں۔

"دیوالی میں ایک بڑی اچھی بات ہے۔ اگر یہ اپنا بزنس شروع کر دے تو لکھ پتی بن جائے گی لکھ پتی۔ بات مان لیتی ہے اور فوراً سمجھ جاتی ہے۔ تو پھر دیوالی بات طے ہوئی۔"

دیوالی نے معصومیت سے گردن ہلا دی تھی اور کسم اور کانتا پورے منصوبے کے لئے تیار ہو گئی تھیں۔ دو ایسے بھائیوں کو راز دار بنایا گیا جو تندرست و توانا تھے اور درختوں پر چڑھنا جانتے تھے۔ کپڑے کا تھیلا لے لیا گیا۔ جس کے بارے میں طے کیا گیا تھا کہ اسے بھر کر رکھنا ہے۔ بھائیوں سے بھی معاملہ طے ہو گیا تھا اور کھیل کی مکمل طور پر منصوبہ بندی کر لی گئی تھی۔ وہ جھانجھن اور وہ لباس مخصوص کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں بدستور چاندنی راتیں چل رہی تھیں اور رات کو گیارہ بجے کے بعد چاند نکل آتا تھا۔ زمیندار جی کا باغ تھوڑے فاصلے پر ضرور تھا، لیکن اتنا نہیں کہ وہاں تک پہنچنا مشکل ہو۔

چنانچہ پانچ افراد کا یہ قافلہ رات کی تاریکی میں اس وقت گھر سے باہر نکلا، جب گھر کا ایک ایک فرد گہری نیند سو چکا تھا۔ گاؤں کے ہر گھر کا چراغ بجھ چکا تھا۔ بے چارے گاؤں والے تو سرِ شام ہی اپنے معاملات سے فراغت حاصل کر کے اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے جاتے تھے۔ اس وقت تو گلیوں کے کتے تک آرام کی نیند سو رہے ہوتے تھے۔

بہر حال یہ پانچوں افراد جن میں کسم، کانتا دیوالی، جے پرکاش اور ست پرکاش دونوں بھائی تھے۔ چھپتے چھپاتے آخر کار باغ تک پہنچ گئے۔ میٹھی میٹھی آموں کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور ان کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ ست پرکاش اور جے پرکاش نے وہ درخت تاڑ لیے جہاں انہیں واردات کرنی تھیں۔

تھوڑے ہی فاصلے پر بنسی راج کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ باغ کی رکھوالی کر رہا تھا۔ کسم نے دیوالی کو اشارہ کیا اور دیوالی ایک ایسی جگہ پہنچ گئی۔ جہاں روشنی تھی اور جہاں سے بنسی راج زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ پھر دیوالی کے جھنوں کی پہلی چھن پیدا ہوئی اور بنسی راج نے سوئے ہوئے کتے کی طرح گردن اٹھا کر اس طرف دیکھا اور پھر جلدی سے

اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں چلم دبی ہوئی تھی۔ جس میں سے سلگتے ہوئے تمباکو کی لکیر اٹھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سے چلم کے نچلے حصے کو ڈھکتا اور ہونٹوں سے لگا کر اس کا ایک کش لیتا، لیکن چھن کی اس آواز پر جب اس نے گردن اٹھائی تو اسے چاندنی رات میں ایک انسانی ہیولا نظر آیا اور وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

''کون ہے رے۔ کون ہے۔ ارے اندر کیسے گھس آیا۔ کون ہے رے۔'' اس نے چلم ہاتھ میں دبائی اور چند قدم آگے بڑھ آیا۔ چھن چھن چھن کی آواز دو تین بار سنائی دی اور بنسی راج نے آنکھیں پھاڑ دیں۔ تب اسے ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی جس کے چہرے پر رنگ و روپ کے بہت سے نشان بنے ہوئے تھے۔ چمکدار، بھڑک دار لباس اس کے بدن پر تھا۔ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ بنسی راج کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اچانک ہی نوجوان لڑکی نے ناچنا شروع کر دیا۔ چھن چھنا چھن...... چھن چھنا چھن...... چھن چھنا چھن کی آواز ابھری اور بنسی راج کی نظریں اس کے پیروں پر پڑیں الٹے پاؤں تھے۔ پنجے پیچھے ایڑی آگے۔ بنسی راج کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی دلدوز تھی۔ چلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری اور ٹوٹ گئی۔ سلگتے ہوئے تمباکو کی چنگاریاں دور تک بکھر گئیں۔ ان میں سے کچھ بنسی راج کے پیروں پر بھی پڑی تھیں۔ بنسی راج پھر چیخ کر اچھلا تو کئی چنگاریاں اس کے پیروں تلے آ گئیں۔ اس کے حلق سے مسلسل چیخیں نکلنے لگیں۔

''ہے پربھو...... ہے پربھو...... ہے پربھو۔'' سنبھل کر آگے بڑھا تو دھوتی کھل گئی۔ دھوتی میں پاؤں پھنسے تو اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ بری حالت ہو گئی تھی بے چارے کی۔ ادھر چھنا چھن کی آواز کے ساتھ چڑیل ناچ رہی تھی۔ پچیس روپے جو حلال کرنے تھے۔ جے پرکاش اور ست پرکاش درخت پر چڑھ کر اتنی پھرتی سے کیریاں توڑ رہے تھے کہ کسم اور کانتا اتنی پھرتی سے انہیں سمیٹ بھی نہیں پا رہی تھیں۔ تھیلا بھر گیا لیکن ہوس پوری نہ ہوئی۔ بار بار ایسے مواقع کہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ جو اوڑھنیاں تھیں ان میں بھی کیریاں باندھی گئیں۔ وارے نیارے ہو گئے تھے۔ جے پرکاش اور ست پرکاش ایک درخت سے دوسرے درخت پر، دوسرے سے تیسرے پر۔ ان دونوں درختوں سے ساری کچی پکی کیریاں توڑ لی گئیں اور ان کی گٹھڑیاں بن گئیں۔ تب لڑکے نیچے اتر آئے اور تھیلا اٹھا کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

ادھر بنسی راج بے چارے کی بری حالت تھی گرا تو سر میں چوٹ بھی لگ گئی۔ کئی بار اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ دھوتی پیچھے جا پڑی تھی بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک سیٹی کی آواز فضا میں ابھری۔ یہ دیوالی کے لئے اشارہ تھا چنانچہ دیوالی بھی منڈیر پھلانگ کر دوسری طرف پہنچ گئی اور یہ قافلہ بخیر و خوبی گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

خزانہ لے کر آئے تھے یہ لوگ اور اس خزانے کا تھوڑا سا حصہ دیوالی کو بھی دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اسے چھپا کر رکھے اور جان کی قیمت پر بھی اصل بات کا کسی کو پتہ نہ چلنے دے۔

''دیکھ اب تُو ہماری دوست بنتی جا رہی ہے اور دوستی نبھانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی باتیں راز میں رکھی جائیں، کیا سمجھی۔''

''ٹھیک ہے میں کسی سے نہیں کہوں گی۔'' دیوالی نے جواب دیا اور واقعی اس نے ساری کیریاں چھپا چھپا کر کھائیں۔ ماں باپ کو ایسی کسی چیز سے دلچسپی ہو بھی نہیں سکتی تھی، لیکن پچیس روپے کی دوا بہر حال نند کشور کے لئے آ گئی۔ بڑی بے بسی اور بے کسی میں وقت گزر رہا تھا۔

ادھر اس واقعہ کی بڑی شہرت ہو گئی۔ بے چارہ بنسی لال ایک ہفتے تک بخار میں پھنکتا رہا تھا۔ اس نے سب کو چڑیل کی کہانی سنائی تھی اور کہا تھا۔

''ہرے رام ہرے رام۔ آسمان سے اتری ہوئی اپسرا لگتی تھی۔ دھے چھنا چھن دھے چھنا چھن اور الٹے پیروں والی تھی۔ ارے ہم تو مر گئے بن موت۔ اب تو باغ میں گھستے بھی ڈر لگتا ہے۔ نوکری چھوڑی تو پیٹ کے لالے پڑ جائیں گے۔ کیا کریں۔ کیا نہ کریں، من تو چاہتا ہے کہ دوبارہ ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔'' بنسی راج کے پیروں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ چلم کا جلا ہوا تمباکو پیروں کے نیچے دبا تھا اور پھر چوٹیں الگ تھیں۔ بات زمیندار صاحب تک پہنچی تو زمیندار صاحب نے بنسی راج کو بلا بھیجا۔

''کیا ہوا بنسی راج؟''

''مہاراج! بھگوان کی سوگند بھوتنیاں گھس آئی تھیں باغ میں۔''

''چلم میں کیا پیتے ہو چرس یا بھنگ۔''

''نہ مہاراج نہ۔ سو جوتے لگا دو ہمارے سر پر، پر ایسا کوئی الزام مت لگاؤ۔ جیون بھر ہم بری چیزوں سے دور رہے ہیں۔ اب اس عمر میں آ کر چرس پئیں گے۔''

''ہو سکتا ہے کسی نے تمہارے تمباکو میں ملا دی ہو۔''

''مہاراج! ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو ہمیں دکھ پہنچائے۔''

''دیکھو۔ میرا باغ بدنام ہوجائے گا۔ اپنی باتوں کی تردید کرو اور یہی کہو کہ نشے کی کوئی چیز پی لی تھی۔ اس لئے تمہیں چڑیل نظر آ گئی۔''

کیریوں کی چوری کا ابھی تک کسی کو علم نہیں ہوسکا تھا خود بنسی راج کو بھی نہیں۔ وہ کتے کی طرح وفادار تھا اور ایک ایک کیری کی حفاظت کرتا تھا۔ ورنہ خود اسے تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا ان درختوں کا جن سے کیریاں توڑی گئی تھیں۔ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ بہرحال بہت سے لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ بنسی راج نے چڑیل دیکھی ہے لیکن بعد میں بنسی راج نے خود ہی اس کی تردید بھی شروع کردی۔ زمیندار جی اپنے باغ کو بدنام نہیں ہونے دینا چاہتے تھے بنسی راج نے کہا۔

''بھیا سب لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے بھنگ پی لی تھی یا چرس۔ اب ہمیں تو ا(ن) کا مزہ تک نہیں معلوم کسی نے شرارت کری ہوگی ہمارے ساتھ بھگوان ہی جانے۔'' مگر بنسی راج اب راتوں کو نہیں سوتا تھا اور خاص طور سے اس طرف جانے سے تو وہ ہمیشہ ہی گریز کرتا تھا۔ جہاں اس نے چڑیل کو ناچتے ہوئے دیکھا تھا۔ بات آہستہ آہستہ دبتی چلی گئی۔

ادھر بڑی مشکل سے لڑکیوں نے چھپا چھپا کر ساری کیریاں ہضم کی تھیں۔ ایک عذاب بن گئی تھیں وہ کیریاں ان کے لئے۔ رازدار لڑکے جگہ جگہ انہیں چھپاتے پھرتے تھے لیکن آموں کی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی اور گھر کا ایک ایک فرد اس بات پر متجسس تھا کہ خوشبو گھر میں کہاں سے آرہی ہے۔ ارملا اور سشما ہی نہیں بلکہ شکنتلا دیوی نے بھی ایک کونا چھان مارا تھا مگر کیریاں جگہ جگہ منتقل کی جاتی رہی تھیں۔ اس لئے بچت ہوگئی تھی۔ آخر میں تھیلے کو ایک اونچے درخت میں ٹانگ دیا گیا تھا۔

ادھر باقی سب ٹھیک ہی تھا اور وہ لوگ صورتِ حال کو سنبھالے ہوئے تھے۔ پھر ا(یک) دن راج وتی اور نند کشور بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ پڑوس کی ایک عورت آئی۔ (ادھر) جہان کی باتیں ہونے لگیں۔ اس عورت نے راج وتی سے کہا۔

''راجی! تو نے سنا زمیندار جی کے باغ میں چڑیل آگئی ہے۔ چوکیدار بنسی راج نے تو اس نے بس خانہ ہی خراب کرکے رکھ دیا۔''

''کیسے؟''

''بس لوگ کہتے ہیں کہ بنسی راج نے نشہ پی لیا تھا پر وہ نشے باز ہے نہیں۔ جھوٹ ہے اس نے۔ بے چارے کی حالت خراب ہوگئی تھی اب تو لوگوں نے اس طرف سے گ(زرنا)

چھوڑ دیا ہے اور ادھر جانے سے گریز کرتے ہیں۔ دیا رے دیا کہیں گاؤں پر کوئی بڑی مصیبت نازل نہ ہوجائے۔ سب ڈرے ہوئے ہیں۔'' یہ باتیں دیوالی بھی سن رہی تھی۔

اس رات لیٹے لیٹے اچانک دیوالی کے ذہن میں خیال آیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے پاؤں کا رخ پچھلی سمت ہے اور الٹے پیروں کو لوگ چڑیل یا پچھل پیری کہتے ہیں۔ ایک واقعہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یعنی کسم اور کانتا کے مہمانوں کا۔ ان لوگوں کا دہشت کے مارے برا حال ہوگیا تھا۔ دوسرا واقعہ بنسی راج کا تھا۔ جو گاؤں بھر میں شہرت اختیار کرتا جارہا تھا۔ ایسی باتیں دبتی تو نہیں ہیں۔ دونوں کام اس سے کسم اور کانتا نے لیے تھے۔ اس کے نتیجے میں ایک بار تو انہوں نے اپنے دوستوں کو ڈرادیا تھا اور دوسری بار ڈھیر ساری کیریاں حاصل کرلی تھیں۔ وہ کام جوان کے کہنے سے کیا گیا تھا۔ خود بھی تو کیا جاسکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ماتا پتا کے لئے ضرورت کی چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ گھر والوں سے نہ سہی مگر باہر والوں سے تو یہ کام ہوسکتا ہے۔ یہ ضرور کرنا چاہیے۔ اس نے سوچا اور اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

پھر بہت سے منصوبے اس کے ذہن سے گزرنے لگے تھے۔ حالات نے تھوڑا سا ذہنی طور پر الجھا دیا تھا۔ ورنہ خود بھی وہ شوخ و شریر اور چالاک لڑکی تھی۔ وقت خود بخود ہر بات سکھا دیتا ہے۔ وہ بھی بہت کچھ سیکھ چکی تھی اور جان چکی تھی۔ یہ بات سب سے زیادہ اس کے ذہن کو جم رہی تھی کہ دنیا اس کے ساتھ، اس کے ماں باپ کے ساتھ کتنا برا سلوک کررہی ہے۔ یہ لوگ خوف کی زبان سمجھتے ہیں۔ کسم اور کانتا اسے اپنا آلہ کار بنا کر اس سے سارے کام لے رہی ہیں وہ خود بھی تو یہ سارے کام کرسکتی ہے۔

پھر دوسرے دن اس نے اس وقت کسم اور کانتا سے ملاقات کی جب دونوں بیٹھی ہوئی باتیں کررہی تھیں۔ ان کا رویہ اب دیوالی کے ساتھ بہتر ہونے لگا تھا چونکہ وہ ان کی رازدار تھی اور ایک قابل اعتماد دوست ثابت ہوئی تھی۔ اس نے کوئی بات ان کے خلاف کبھی منہ سے نہیں نکالی تھی۔ کسم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آؤ دیوالی! کہاں گھومتی پھر رہی ہو۔''

''آپ ہی کے پاس آئی تھی دیدی!'' دیوالی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''آؤ بیٹھو...... کوئی کام تو نہیں ہے۔''

''ہے دیدی۔'' دیوالی نے کہا۔

''بولو بتاؤ۔''

"دیدی...... وہ کپڑے اور جھانجھن مجھے دے دیجئے۔ انہیں میرے پاس ہی رہنے دیجئے۔ جب بھی آپ کا دل چاہے آپ مجھ سے واپس مانگ سکتی ہیں لیکن اب انہیں میرے ہی پاس چھوڑ دیجئے۔ میں انہیں سنبھال کر رکھوں گی۔"

"مگر کیوں؟ دیوالی کیا کرو گی تم ان کا۔"

"دیدی! مجھے ان کی ضرورت ہے بس اس سے زیادہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔" دیوالی نے کہا اور دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ دیوالی کا لہجہ انہیں بڑا ٹھہرا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

دونوں کے چہرے حیرت زدہ نظر آتے رہے۔ کسم نے خود کو سنبھال کر پھر پوچھا۔

"لیکن تم ان کپڑوں کا کرو گی کیا؟"

"تائی جی کو دکھانے ہیں۔ تحقیقات ہو رہی ہے کہ پریتی کیوں زخمی ہوئی تھی اور گھر میں جو چڑیل نظر آئی تھی اس کا کیا قصہ تھا۔" دیوالی نے پوری سنجیدگی سے کہا اور دونوں بری طرح اچھل پڑیں۔

"کیا......؟" دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ ان کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا تھا۔

"میں تو خیر پھنسوں گی ہی لیکن میں آسانی سے کہہ دوں گی کہ تایا جی، تائی جی میں نے تو کسم اور کانتا دیدی کے کہنے سے سب کچھ کیا تھا، میرا کیا دوش۔"

"ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔"

"ہونا ہی چاہیئے۔ آپ نے جو کچھ کہا، میں نے خاموشی سے کیا۔ میں آپ سے ذرا آپ کے کپڑے مانگ رہی ہوں تو اتنی چھان پھٹک ہو رہی ہے۔"

"تُو نے ناراض ہو کر یہ بات کہی ہے۔" کسم نے کہا۔

"تو اور کیا؟" دیوالی منہ بنا کر بولی۔

"بھگوان تیرا بھلا کرے۔ تُو نے تو جان ہی نکال لی تھی۔ مگر دیکھ ہم نے تو تجھے ہر کام میں شریک رکھا، تو بھی تو بتا کرے گی کیا۔"

"ابھی تک تو کچھ نہیں سوچا لیکن کچھ کروں گی۔"

"اب تو کیریاں بھی آم بن چکی ہیں۔ بلکہ آم بھی ختم ہونے والے ہیں۔ چل کپڑے لے لے وہ کوئی بات نہیں ہے، مگر جو کچھ کرے ہمیں بھی اس میں شریک رکھنا۔"

"ساری چیزیں دے دیں میں سنبھال کر رکھوں گی اور آپ جب بھی واپس مانگیں

گی دے دوں گی۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے میں نکالے دیتی ہوں۔" کانتا نے کہا۔ بہرحال بات تو خوف کی تھی۔ پریتی کے معاملے میں خاصی لے دے ہو گئی تھی۔ پریتی کے ماتا پتا یہاں آ کر ان لوگوں کو برا بھلا کہہ چکے تھے اور انہوں نے خاصی برہمی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ جب بچے بچیوں کو بلایا گیا تھا تو اس بھوت خانے میں ان کی حفاظت بھی کرنی چاہیئے تھی۔ اس بات پر خاصا ہنگامہ ہوا تھا گھر میں لڑکیوں کو بھی برا بھلا کہا گیا تھا۔ اگر گھر والوں کو اصل بات پتہ چل جاتی تو کسم اور کانتا کی شامت بھی آ سکتی تھی۔ چنانچہ دیوالی کی یہ دھمکی کارگر رہی تھی اور کانتا نے جلدی سے اسے کپڑے نکال کر دے دیئے تھے۔ دیوالی یہ کپڑے لے کر چلی گئی ویسے بھی خاصی تیز طرار تھی اور دنیا آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔ یہ پتہ چل گیا تھا اسے کہ اس کا یہ قدرتی نقص جو اس کے حسین وجود کو بدنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ کم از کم کسی ایک مسئلے میں تو اس کا معاون بن سکتا ہے اور یہ دنیا صرف طاقت کی زبان سمجھتی ہے۔ طاقت یعنی خوف کا دوسرا روپ، کوئی طاقتور کسی کے لئے خوف کا باعث ہی ہوتا ہے اور خوف کسی بھی شکل میں سامنے آئے وہ کارآمد رہتا ہے اور انسان اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

یعنی ڈر...... کسی بھی بات کا ڈر جس کی اپنی ایک حیثیت ہے ایک اہمیت ہے۔ اگر اس کی گہرائیوں پر غور کیا جائے۔ وہ سوچتی رہی خود اس کے اپنے دل میں بھی خوف تھا اور یہ احساس بھی تھا کہ کہیں پکڑی نہ جائے۔

بہرحال اس نے ایک فیصلہ کیا۔ کم از کم تجربہ تو کر کے دیکھا جائے۔ یہ دیکھے کہ کیا سبھی لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا صرف وہ اتفاق تھا، جس کے تحت یہ دو واقعات ہوئے۔ یعنی آموں کے باغ والا اور کسم اور کانتا کے دوستوں کا خوفزدہ ہونے والا۔

بہرحال اس رات جب آخری راتوں کا چاند آسمان کے بیچوں بیچ اپنا سفر کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے نکلی اور سنسان راستوں سے ہوتی ہوئی ویرانے میں نکل آئی۔ بستی کا آخری چھور تھا۔ یہاں ایک تالاب تھا جو پیلی تلیا کے نام سے مشہور تھا۔ آس پاس کا علاقہ کافی خوبصورت تھا اطراف میں گھنے درخت بکھرے ہوئے تھے اور اس وقت پُراسرار چاندنی نے پیلے تال یا پیلی تلیا کا منظر اور ماحول بے حد حسین بنا دیا تھا۔ رات کے اس حصے میں کسی کے نظر آنے کی توقع تو نہیں تھی لیکن چونکہ یہی گزرگاہ گاؤں سے باہر جانے کے لئے تھی اور گاؤں والے کہیں نہ کہیں سے نکل ہی پڑتے تھے دوسری آبادیوں میں جانے کے

لئے۔

اسے پیلی تلیا کے پاس ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ جب وہ گھر سے نکلی تھی تو پاؤں میں جھانجن نہیں باندھے تھے لیکن یہاں پتھر پر بیٹھ کر اس نے اپنے پیروں میں وہ چاندی کے جھانجن بھی پہن لیے تھے۔ جو بڑی تیز آواز میں چھن چھن، چھن چھن کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت وہ ایک شعلہ نظر آ رہی تھی۔ رنگ و روپ تو ویسے بھی قدرت نے بے پناہ خوبصورت اور حسین دیا تھا اوپر سے اپنی لیپا پوتی نے بجائے شکل بگاڑنے کے اور حسین بنا دیا تھا۔ تقدیر کا مارا گوندراؤ دکان کا سودا لینے کے لئے نکلا وہ گاؤں کی کمینی فطرت شخصیتوں میں سے ایک تھا۔ پرچون کی دکان تھی۔ پہلے صرف پچاس روپے کا سودا لا کر رکھا تھا لیکن گن کا پورا تھا۔ اب دکان میں پچاس ہزار سے زیادہ کا مال تھا اور ہزاروں روپے اس نے جمع کر لیے تھے۔ ایک روپے کی چیز کے چار چار روپے وصول کرتا تھا اور بدقسمتی سے اگر کسی نے ادھار کھاتا کھول لیا تھا تو سمجھ لو یہ ادھار کھاتہ جیون کھاتہ بن جاتا تھا۔ بھلا زندگی میں گوندراؤ کا ادھار کہاں سے چکایا جاتا۔ ایسے بہت سے کردار تھے گاؤں میں اور ہوا کرتے ہیں۔ جیسے کھٹیا مل مہاجن۔

ایسے ایسے المناک واقعات اس کی ذات سے منسلک تھے کہ سنیں تو آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔ بہرحال بات اس وقت گوندراؤ کی ہو رہی تھی جو بیل گاڑی میں دکان کے لئے سامان خریدنے نکلا تھا۔ یہی اس کا طریقہ کار اور اصول تھا۔ آدھی رات کو بیل گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑتا تھا اور مزے مزے سے سفر کرتا ہوا دوسری آبادی پہنچ جاتا تھا۔ جو ایک بڑے قصبے پر مشتمل تھی۔ یہاں کے تھوک دکانداروں سے سودا خریدتا اور اول وقت میں خریداری کر کے واپس پلٹ پڑتا۔ اس طرح دکان پر پہنچنے کا وقت بھی بچ جاتا اور پورا دن ضائع نہیں ہوتا تھا۔ پھر سفر بھی مزے میں کٹتا تھا یہ بیل گاڑی بھی اس نے سود میں حاصل کی تھی۔

''بے چارہ لکھیا! یہ بیل گاڑی لکھیا ہی کی تھی۔ بیماری کے عالم میں لکھیا نے گوندراؤ کی دکان پر کھاتہ کھول لیا تھا بس وہی اس کی بربادی کا کارن تھا۔ کھاتے میں رقم بڑھتی چلی گئی اور جب لکھیا کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو کھاتہ اس کے سامنے پیش کر دیا گیا جسے دیکھ کر لکھیا چار گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ ہوش میں آیا تھا تو اس نے دردبھری آواز میں پوچھا تھا۔

''گوندراؤ جی! میں نے اتنی رقم تو نہیں لی تھی آپ سے۔''

''یہ ہوتا ہے بھیا کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا نتیجہ۔ اب ہم یہ جواب دیں گے تمہیں کہ آنکھیں بند کر کے سودا منگوا لیا کرتے تھے اور ہم دے دیا کرتے تھے اس کا یہ نتیجہ نکل رہا ہے۔'' لکھیا کی بری حالت ہوگئی اور بہرحال اصل رقم تو بہت معمولی سی تھی لیکن کھاتے کی رقم کے مطابق یہ بیل گاڑی دے کر ہی بات بنی اور گوندراؤ کا یہ مسئلہ حل ہوگیا۔

پہلے اسے پیدل قصبے جانا پڑتا تھا لیکن اب وہ آرام سے بیل گاڑی میں بیٹھ کر قصبے جایا کرتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنی بھونڈی آواز میں گا رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہیں پیلی تلیا کی باڑ پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی پر پڑی تھیں جو دور ہی سے چندرما کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ کون ہے۔ درجنوں بار اسی راستے سے گزرا تھا کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

بہرحال بری عادتیں کس میں نہیں ہوتیں۔ ذہن بھٹک جاتا ہے۔ کون ہے کہاں جا رہی ہے۔ یہاں کیوں آ بیٹھی ہے۔ بیل گاڑی تھوڑے فاصلے پر روک دی اور بیل گاڑی سے نیچے کود آیا۔ جوں جوں قدم لڑکی کی جانب بڑھ رہے تھے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ایسے عالم میں اس حسین وجود سے تو بڑی امیدیں وابستہ کی جا سکتی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا۔ قریب پہنچ گیا۔ نثار ہوا جا رہا تھا اس پر، قریب پہنچ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''خیر تو ہے دیوی جی! کیا ہوگیا کوئی ساتھ ہے یا اکیلی بیٹھی ہوئی ہو۔ جو بھی تمہارے ساتھ ہے بڑا پاپی ہے۔ اس ویران جگہ تو ایک منٹ کے لئے تمہیں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ تمہیں پتا ہے سندرتا کے ڈاکو کہاں نہیں پہنچ جاتے۔ رام...... رام...... رام، کیسا پاپی...... کیسا کٹھور ہے تمہارا گھر والا۔ جس نے تمہیں یہاں بٹھا دیا ہے لیکن گیا کہاں ہے۔ اوہو میں سمجھ گیا۔ کوئی جنگل پانی والی بات ہوگی۔ پر اس سے تم نکل کیسے آئے اور کہاں جا رہے ہو دونوں کے دونوں؟'' گوندراؤ ایک امید ایک آسرے پر چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا کہ اسے پتہ چل جائے کہ لڑکی اکیلی ہے اور قرب وجوار میں کوئی بھی نہیں ہے۔ ہوا تو ایسا ہی تھا۔ دور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں نظر آ رہا تھا۔ نہ آس پاس کی جھاڑیوں میں، نہ درختوں کے پیچھے پھر اس نے کہا۔

''بولتی نہیں ہو دیوی جی! قصہ کیا ہے۔''

''میں تو اکیلی ہوں۔'' دیوالی نے بڑی مشکل سے کہا اور گوندراؤ کا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''اکیلی...... اکیلی ...... اکیلی۔'' اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

''ہاں بالکل اکیلی ہوں، سارے سنسار میں اکیلی ہوں۔''

''ارے رام رام رام۔ سنسار نے تمہیں چھوڑ کیسے دیا اور اکیلی ہو تو یہاں کیسے بھٹک رہی ہو۔''

''آپ مجھے ساتھ لے چلو گوندراؤ جی۔'' دیوالی نے کہا اور گوندراؤ اچھل پڑا۔

''ہیں...... تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہے؟ دیوی جی۔''

''گوندراؤ جی...... مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔'' دیوالی ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ پیروں کے جھانجن چھن چھن بجے تو گوندراؤ کی نگاہیں پیروں کی جانب اٹھ گئیں۔ اس وقت بھی دیوالی نے بڑا خوبصورت لہنگا پہنا ہوا تھا جو زرد تھا اور ٹخنوں سے اونچا تھا۔ گوندراؤ جی نے اس کے پیر دیکھے اور دوسرے لمحے وہ پھسل کر زمین پر گر پڑے۔

''ہے...... ہے...... ہے۔ بھگ...... بھگ، بھگ بھگ...... ہے بھگوان...... چچ چچ...... چڑیل...... چڑیل۔ پپ پپ...... پچھل، پچھل پیری۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن پیروں کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ اٹھے اور اوندھے منہ گر پڑے۔ پھر اس کے بعد گوندراؤ جی کا تماشہ دیکھنے کے قابل تھا۔ ویسے بھی ذرا بھاری بدن کے مالک تھے اور اس وقت پیروں نے جو بے عزتی کی تھی اس کی، ایسی بے عزتی شاید کبھی بھی نہ ہوئی ہو۔ پیر تھے کہ کھڑے ہی نہیں ہونے دے رہے تھے۔ دیوالی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور ناز بھرے انداز میں بولی۔

''کیا ہوا مہاراج! یہ خشکی میں کیوں تیر رہے ہو۔ تمہارا خون تو بڑا میٹھا ہوگا۔ نجانے کتنے لوگوں کا خون اس خون میں شامل ہے۔ گردن سے پیوں یا ٹینٹوا دباؤں۔ کیا کروں۔''

''ارے شا...... ارے شا...... ارے شا، ہے بھگون ارے مرا...... بچاؤ۔ بچاؤ۔'' اس بار گوندراؤ جی نے بھرپور قوت صرف کی اور پیروں پر کھڑے ہو ہی گئے لیکن بھاگے تو دیوالی نے اپنا پاؤں ان کے پاؤں میں اڑا دیا اور گوندراؤ جی کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گرے۔ اس بار مشکل اس طرح حل ہوگئی کہ سامنے پڑا ہوا پتھر سر میں لگا اور آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے۔ پیلے رنگین نقطوں کا سفر ہوتا رہا اور اس کے بعد تاریکی کی چادر نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بے ہوش ہوگئے تھے۔ دیوالی کا دل دھڑ دھڑ، دھڑ دھڑ ک رہا تھا۔ جو کچھ کر رہی تھی اس بار تنہا کر رہی تھی لیکن پھر اس نے اپنی ہمتوں کو آواز دی اور گوندراؤ جی کے نزدیک بیٹھ گئی کرتے کے نیچے شلوکا پہنا ہوا تھا۔ شلوکے کی جیبیں پھولی ہوئی تھیں اور ان جیبوں سے جو رقم باہر نکلی۔ اس سے دیوالی کے ہاتھ پاؤں شلوکے ہی کی طرح پھول گئے۔

اتنے نوٹ اس نے پہلے اکٹھے کبھی نہیں دیکھے تھے بھلا گننے کی ہمت کہاں سے ہوتی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان نوٹوں کو دیکھتی رہی پھر چونکی۔ عام راستہ تھا اور گاؤں والے اکثر نکل پڑتے تھے۔ چنانچہ اس نے جلدی سے نوٹوں کا بنڈل بنایا اپنی اوڑھنی کے پلو میں باندھا۔ پلو کمر کے قریب کس کر باندھ لیا اور اس کے بعد پیروں سے جھانجن اتار کر دوسرے پلو میں باندھے اور پھر جو دوڑ لگائی تو گھر آ کر ہی دم لیا۔ جبکہ ایک پاپی کتا کہیں سے پیچھے پڑ گیا تھا لیکن شکر ہے وہ اپنی حد کا چوکیدار تھا اور جب اس کی حد پوری ہوگئی اور دیوالی اس کے ہاتھ نہ آئی تو اس نے پیچھا چھوڑ دیا اور دیوالی گھر پہنچ گئی۔

شکر تھا کہ گھر کا کوئی فرد جاگا نہیں تھا، حالانکہ ہر ایک کا الگ الگ مشغلہ ہوتا ہے لیکن وقت ہی ایسا تھا کہ سب گہری نیند سو رہے تھے۔ دیوالی نے پھرتی سے اپنا لباس تبدیل کیا اسے اس تھیلے میں رکھا جو اس کا اصل مسکن تھا اور تھیلا چھپا دیا۔ ماتا پتا سے بھی یہ چیزیں چھپائی تھیں اور دوسروں سے بھی۔

پھر اپنی چارپائی پر آ کر اس نے نوٹوں کا وہ بنڈل نکالا جسے وہ اوڑھنی کے پلو سے کھول لائی تھی۔ نوٹ دیکھ دیکھ کر اسے چکر آتے رہے۔ ہائے رام اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان سے تو پتا جی کا علاج بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میں انہیں چھپا کر کہاں رکھوں۔ بہت دیر تک سوچتی رہی اور اس کے بعد چکی کے نیچے بنی ہوئی جگہ اسے سب سے بہتر نظر آئی۔ اس نے نوٹوں کی ایک پوٹلی بنائی اور اسے چکی کے نیچے کھسکا دیا۔

پھر اس کے بعد وہ واپس آ کر چارپائی پر لیٹ گئی اور پھر جو اس نے ہنسنا شروع کیا تو ہنستے ہنستے صبح ہی ہوگئی۔ اب اسے گوندراؤ کا خشکی پر تیرنا یاد آیا تھا۔ ایسے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے گر پڑا ہو۔ پاپی دوسروں کو لوٹ کر کھاتا ہے اب آج پہلی بار لٹا ہے اور حقیقت یہ تھی کہ گوندراؤ پہلی بار ہی لٹا تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ پیلی تلیا پر ایسے چڑیل نمودار ہو جائے گی۔

نجانے کب تک بے ہوش پڑا رہا تھا۔ وہ تو پھر کانسی رام ہانسی رام جو اپنا ہل کندھے پر رکھ کر بیلوں کو ہنکاتے ہوئے اس طرف سے گزرے تھے کیونکہ ان کی زمینیں پیلی تلیا سے آگے ہی تھیں۔ انہوں نے بیل گاڑی کھڑی دیکھی اور اس سے تھوڑے فاصلے پر گوندراؤ کو پڑے ہوئے دیکھا جس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ تو بری طرح اچھل پڑے۔ دوڑ کر وہاں

پہنچے، ہل زمین پر رکھے اور گوندراؤ کو ٹٹولنے لگے۔

''مارا گیا سسرا! شاید دکان کا سامان لینے نکلا تھا۔ لٹ گیا، دیکھو کرتا پھٹا ہوا ہے اور شلوار کی جیبیں خالی ہیں۔''

''ڈاکہ پڑا ہے ڈاکہ۔''

''جو کچھ بھی ہوا ہے ٹھیک ہی ہوا ہے۔ یہ بھی تو سارا جیون ڈاکہ ہی ڈالتا رہا ہے۔''

''اب باقی جو باتیں ہیں وہ تو الگ ہی ہیں لیکن ہمارا فرض بنتا ہے کہ اسے گاؤں تک پہنچائیں۔''

''تم ایسا کرو ہانسی رام، ہل لے کر کھیتوں میں جاؤ۔ میں اسے بستی پہنچا کر آتا ہوں ذرا اٹھا کر اسے بیل گاڑی میں تو ڈلوادو۔'' اور پھر کانسی رام نے بیل گاڑی سنبھال لی صبح پھوٹنے کو تھی۔ بستی والے ویسے بھی رات کو جلدی سونے اور صبح کو جلدی اٹھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ بستی میں زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔

بستی کے پہلے آدمی راموں کاکا تھے۔ انہیں دیکھ کر کانسی رام نے کہا۔ ''راموں کاکا انرتھ ہو گیا۔ دیکھو بے چارہ گوندراؤ لٹ گیا۔ زخمی بھی ہو گیا۔ ڈاکوؤں نے اس سے پیسے بھی چھین لیے اور اسے زخمی کر کے پھینک دیا تھوڑی ہی دیر میں چاروں طرف ہاہاکار مچ گئی تھی، لیکن ہوش میں آنے کے بعد گوندراؤ نے جو کہانی سنائی۔ وہ اپنی نوعیت کی انوکھی ہی تھی۔ اس نے کہا۔

''ہرے...... رام، ہرے رام، ہرے رام لٹ گئے ہم برباد ہو گئے۔ ہماری آبادیوں میں ایک چڑیل گھس آئی ہے۔ پیلی تلیا اب گزرنے کا راستہ نہیں رہی۔ ارے بھیا سب سے زیادہ نقصان تو ہمارا ہوا ہم تو قصبے جاتے رہتے ہیں۔ ہرے رام، ہرے رام ہرے رام......''

اور پھر یہ ہرے رام، ہائے رام میں اس وقت تبدیل ہو گئی۔ جب گوندراؤ کو یہ پتہ چلا کہ جیب سے ساڑھے چھ ہزار غائب ہو گئے ہیں۔ بہت بڑی بات تھی گوندراؤ کے لئے۔ پچھاڑیں کھانے لگا۔ ہر ایک پر شبہ کرنے لگا خاص طور سے ان دونوں کسان بھائیوں پر جو اسے اٹھا کر لائے تھے۔ پہلے دبی زبان میں اور پھر کھل کر بولا۔

''ارے بھیا! جن، بھوت، چڑیلوں کو روپے پیسے کی کیا ضرورت ہوتی ہے وہ تو تھوکتے بھی نہیں ہیں ان چیزوں پر۔ بھیا! زمانہ خراب ہو گیا انسانی ہمدردی کا تو نام ونشان نہیں رہا۔ لوٹ لیا ہم کو...... جس نے ہمیں پہلے بے ہوش دیکھا اسی نے ہماری جیبیں بھی ٹٹول ڈالی ہوں گی اور پھر سوچا ہوگا کہ چلو بھاگتے بھوت کی لنگوٹی بھلی۔ ارے بھیا ایسا تو مت کرو ہمارے پیسے واپس کر دو۔''

اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہو گئی تھی۔ لوگ چڑیل کی تلاش میں راتوں کو پیلی تلیا کے چکر لگانے لگے لیکن چڑیل جانتی تھی کہ اپنے آپ کو چھپانا بے حد مشکل کام ہے۔ کان دبا کر خاموشی سے بیٹھے رہو تو اچھا ہے۔ اس نے کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا بلکہ جب کسم اور کانتا نے اس سے پوچھا۔ کہ یہ بستی میں کیا شور مچ رہا ہے تو وہ ہنس کر بولی۔

''میں اس دن سے آج تک گھر سے نہیں نکلی۔ دیکھ لو کپڑے بھی ایسے ہی رکھے ہوئے ہیں لگتا ہے میری کوئی بہن آ گئی ہے۔ تم لوگ بھی ہوشیار رہنا۔''

''ہم نے تو یہ سنا ہے کہ گوندراؤ جی کو کسی نے لوٹ بھی لیا ہے۔ چاروں طرف شور مچا ہوا ہے کہ گوندراؤ کو چڑیل نظر آئی تھی۔ پیلی تلیا پر اور اس نے گوندراؤ لوٹ بھی لیا۔''

''تو پھر تم جا کر بتا دو دیدی! کہ ہمارے گھر میں بھی ایک چڑیل موجود ہے جو ہم سے کپڑے لے کر گئی ہے۔ دیدی! میں کہتی ہوں تم لوگ کیسے خودغرض ہو۔ اپنے ہی گھر والوں کے دشمن بن جاتے ہو۔ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔''

''نہیں نہیں۔ ہم یہ تھوڑی کہہ رہے ہیں۔ ہم تو ایسے ہی کہہ رہے تھے۔'' بہرحال یہ کہانی اب ایک دلچسپ رخ اختیار کر چکی تھی۔

دیوالی بہت چالاک تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے آپ کو اس طرح منظرعام پر نہیں لانا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ ساڑھے چھ ہزار روپے اس نے کافی دن تک دبائے رکھے اور بستی کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر ایک دن ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔

صبح کا وقت تھا کوئی نو ساڑھے نو بجے تھے۔ سندرکشور اور گھر کے باقی دوسرے افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ سندرکشور اور دھرم کشور منہ اندھیرے کہیں نکل گئے تھے۔ ان کے حالات بھی آج کل بہت خراب چل رہے تھے۔ ذریعہ آمدنی کوئی بہتر تھا ہی نہیں۔ جو تھا وہ بھی مندا پڑا ہوا تھا۔ نجانے کس کس طرح گھر کے اخراجات چلا رہے تھے۔ ارملا اور سشما گھر کے بال بچوں کے ساتھ بڑی مشکل سے وقت گزار رہی تھیں۔ مرد باہر کی باتیں تو گھر میں نہیں کرتے تھے لیکن دونوں کو یہ اندازہ تھا کہ پتی دیو پریشان ہیں اور پھر ایک دن کھٹیا رام نے ،کھٹیا ہی کھڑی کر دی۔

نو سوا نو بجے کے قریب چار آدمیوں کے ساتھ چیختا چلاتا، دھاڑتا ہوا آ گیا تھا اور اس نے آواز لگائی تھی۔ ''ارے او سندر! او سندرکشور، آ جا، بھائی آ جا، بہت ہو گئی۔ اب پانی سر

سے اونچا ہوگیا ہے۔'' اس کی چیختی ہوئی آواز سب نے سنی۔ سارے ہی گھر والے باہر نکل آئے تھے۔ کھٹیا رام بہت ہی کمینہ آدمی تھا۔ گاؤں کا مہاجن تھا۔ زمینداری بھی تھی تھوڑی بہت لیکن اصل کام بیاج پر پیسے دیتا تھا اور اس نے گاؤں کی آدھی آبادی کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ جو کوئی کچھ بھی کماتا تھا۔ کھٹیا رام کو اس کا حصہ ضرور ملتا تھا۔

سندر کشور بھی پچھلے دنوں کے حالات سے پریشان ہو کر کھٹیا مل سے قرض لے چکا تھا اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے سود نہیں چکا پایا تھا۔ کھٹیا رام نے دو تین بار اسے وارننگ دی تھی۔ مگر حالات ہی بہتر نہیں ہو پاتے تھے۔ کیا کرتا بے چارہ کھٹیا مل کمینگی پر اتر آیا تھا۔ جب یہ گرج دار آوازیں سندر کشور نے سنیں تو گھبرا کر باہر نکل آیا۔

''ارے کھٹیا مل مہاراج! آپ۔ ارے کیسے آنا ہوا؟''

''پاگل سمجھتا تھا تو ہمیں سندر! ارے کیا سمجھتا تھا...... ارے پُرکھوں سے یہ کام کر رہے ہیں۔ نیکی اور ایمانداری تو ہمارے گھر کی لونڈی ہے۔ کیا مجال جو کبھی کسی کو دکھ دیا ہو پر بھیا...... تم جیسے لوگ ضرورت مندوں کا حق مار دیتے ہیں۔ اب بتاؤ روتے پیٹتے آئے تھے ہمارے پاس کہ کھٹیا مل جی۔ عزت رکھ دو...... ارے بھیا عزت تو رکھوانے سے رکھی جاتی ہے۔ ایسے تھوڑی رکھی جاتی ہے کہ رقم لے لی اور منہ چھپا کر بیٹھ گئے۔ ارے کم از کم شکل تو دکھا دیتے اپنی۔ بتا تو دیتے کہ کیا مصیبت پڑی ہے تم پر کہ کھٹیا مل کی رقم مار کر بیٹھ گئے۔ ایسا ہوا تو نہیں ہے کبھی بستی میں اور نہ اب ہوگا۔ کیا سمجھتے ہو کھٹیا مل کو۔''

''وہ بات تو سنیے پنڈت جی! میں تو بس آنے ہی والا تھا آپ کے پاس۔''

''ہاں ہاں...... شکل دیکھ لی تو آنے والے تھے کئی مرتبہ کہہ گئے۔ چلو ٹھیک ہے آنے والے تھے لاؤ نکالو۔ کیا دے رہے ہو تمہیں پتا ہے کہ بیاج کی رقم کتنی ہوگئی ہے۔''

سب حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔ یہاں تک کہ دھرم کشور کو بھی نہیں معلوم تھا کہ سندر نے کھٹیا مل جیسے کمینے آدمی سے کچھ قرض لیا ہے۔ وہ منہ پھاڑے کھڑا ہوا تھا۔ کھٹیا مل نے کہا۔

''ہاں بھیا! تو لاؤ سندر! پیسے دو۔ ارے جب آئے تھے لینے کے لئے تو سینہ تنا ہوا تھا کہہ رہے تھے کھٹیا مل جی۔ ہمارے خاندان کو تو آپ جانتے ہیں۔ ہم نے کبھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دی۔ بس ضرورتیں انسان کو بعض اوقات مجبور کر دیتی ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ پر جب کوئی کسی کی ضرورت پر کام آجائے۔ تو اس سے منہ چھپا کر تو نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ تم تو ایسے غائب ہوئے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ بس یہی خاندان ہے تمہارا۔؟'' کھٹیا مل نے کہا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم کھٹیا مل۔ کون سے خاندان کی بات کر رہے ہو۔ ہمارے خاندان کی۔'' دھرم کشور سے نہ رہا گیا۔

''ہاں ہاں بڑے بھیا جی۔ آپ ہی کے خاندان کی بات کر رہے ہیں۔ لو بھیا جوش آگیا بڑے بھیا کو۔ اب ہمارے دلدر، دور ہوگئے۔ بیس ہزار روپے لئے تھے۔ بیاج پر سندر جی نے۔ پانچ ہزار روپے بیاج چڑھ گیا نہ اصل ملی نہ بیاج۔ ارے بھیا! باپ دادا کے زمانے سے یہی دھندہ کیا ہے۔ اب اتنا موم تو نہ سمجھو کہ جس کی مرضی آئے پگھلا کر کھا جائے۔ نہ بھیا نہ...... پیسے دلوا دو بیاج کے، اصل کون مانگ رہا ہے اور پھر پیسے برابر آتے رہنے چاہئیں۔''

''میں نے کہا نا کھٹیا مل جی! آجائیں گے پیسے۔'' سندر کشور نے کہا۔

''ارے پیسے کیا خود بخود چل کر آجائیں گے۔ ہاتھ تو بڑھانا ہی پڑے گا اور تم تو آرہے تھے نا۔ کہہ رہے تھے نا ابھی کہ ہم آنے ہی والے تھے آپ کے پاس کھٹیا مل جی۔''

''ہاں...... آپ سے تھوڑی سی مہلت لینے کے لئے۔''

''ارے واہ بھائی واہ۔ ہمارا بھی پیٹ ہے ہمارا بھی دھندہ ہے اگر مہلت ہی دیتے رہے تو کھائیں گے کیا۔ سنو...... اور بڑے بھیا تم بھی سن لو، پیسے مل جانے چاہئیں۔ ورنہ سارے ٹین ڈبے اٹھا کر لے جائیں گے اس گھر کے، ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ جب مال دیتے ہیں تو مال وصول کرنا بھی جانتے ہیں۔ سوچ لو بھیا اس سے پہلے کہ ہم برے راستے پر اتر آئیں۔ بتاؤ کب دے رہے ہو ہمارے پیسے۔''

''ہم کوئی تاریخ نہیں دے سکتے لیکن بہت جلد آپ کے پیسے بیاج در بیاج پہنچ جائیں گے۔''

''بہت جلد...... اچھا سن لو مہینہ چاہیے تمہیں، چلو مہینہ دیئے دیتے ہیں۔ ستائیس ہزار روپے بھجوا دینا یا پھر سات ہزار اور اس کے بعد رقم مہینے کے مہینے دماغ میں رکھ لو۔'' بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے۔ خوب بے عزتی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کبھی یہ لوگ لاکھوں پتی نہیں رہے تھے لیکن عزت دار لوگ کہلاتے تھے گاؤں کے، اور آج یہ عزت جس طرح مٹی میں ملی تھی۔ دنیا دیکھ رہی تھی۔ دونوں بھائیوں کو یہ بھی احساس تھا کہ نند کشور کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے اور جن حالات سے وہ گزر رہا ہے اس سے بھگوان بھی ناراض ہوسکتا ہے۔ یہ بات بہت بار دل میں آئی تھی لیکن یہ کم بخت عورت عجب طرح سے دل

وہ دماغ کو ناکارہ کر دیتی ہے اور اس کے پھیر میں آکر وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو عام حالت میں شاید نہ ہوتا۔

بھائیوں کو ایک دوسرے سے لگاؤ تھا لیکن بیویوں نے اس طرح قابو پا رکھا تھا کہ اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

بہر حال کھٹیا مل چلا گیا اور دھرم کشور نے ملامت آمیز نگاہوں سے بھائی کو دیکھا پھر بولا۔ ''میرے کمرے میں آجاؤ۔'' کچھ دیر کے بعد سندر کشور، دھرم کشور کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دھرم کشور نے بیوی کو باہر نکال دیا تھا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ غیر تو ہم ہی ہیں نا۔ بھائیوں میں غتر غوں ہوگی ٹھیک ہے میں بھی دیکھوں گی کیا ہوتا ہے۔ گاؤں میں بدنامی تو ہو ہی گئی ہے۔ تم بڑے نیک نام بنتے تھے نا۔ اپنے بھائیوں کو بتاؤں گی تمہاری نیک نامی کے بارے میں۔ پھر نیا کھیل شروع ہوگا یہاں پر۔''

''جانتا ہوں، جانتا ہوں سب سے بڑے دشمن تو خود ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ کسی سے کیا کہیں۔'' دھرم کشور نے کہا۔

بہر حال بھائی کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ دھرم کشور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تُو نے کیا کیا سندر۔''

''بس بھیا جی! اتنے برے حالات ہو گئے تھے کہ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔''

''ارے پاگل ہماری آمدنی ہی کیا ہے، خرچوں کو تو روکنا پڑتا ہے نا۔ جب کسی سے کچھ لیا جاتا ہے تو یہ بھی تُو سوچا جاتا ہے کہ دینا پڑے گا اور پھر یہ سوچا جاتا ہے کہ دیں گے کہاں سے۔ کیا کیا تُو نے بیس ہزار روپے کا۔''

''بھیا بس پوچھیں مت۔''

''اب بھی نہ پوچھوں۔ کل وہ حرام کا پلا آئے گا اور بے عزتی کرے گا ہماری۔ ہمارے برتن بھانڈے اٹھا کر لے جائے گا وہ ٹھیک ہے۔'' دھرم کشور نے کہا اور سندر گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

''ضرورت تھی بھیا! بس ایک داؤ لگنے کی امید تھی لگا نہیں اور وہ پیسہ ڈوب گیا۔''

''جوا کھیلا تھا......؟''

''ہاں۔''

''ارے بھیا! ہم نے تو پہلے کبھی یہ نہیں کیا پرکھوں میں کبھی یہ نہیں ہوا۔ بھلا جوا کھیلنے کے لئے تُو نے بیس ہزار روپے قرض لیے اور اس کے بعد ہرے رام ہرے رام...... اب ہوگا کیا؟''

''جو بھی ہوگا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔'' سندر نے کہا۔ دھرم کشور سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ اب کہنے کے لئے اور کچھ رہ بھی نہیں گیا تھا۔ پتہ چل گیا تھا کہ سندر کشور نے بیس ہزار روپے لے کر جوا کھیلا تھا اور ہار گیا تھا۔ رقم واپس کرنے کا کوئی ذریعہ تھا ہی نہیں۔

بہر حال یہ باتیں چھپی تو نہیں رہی تھیں سب کے سامنے کھلم کھلا بے عزتی ہوئی تھی اور اس وقت جب کھٹیا مل یہ ساری باتیں کر رہا تھا دیوالی بھی زیادہ فاصلے پر موجود نہیں تھی۔ کھٹیا مل جو کچھ کہہ رہا تھا اسے سن کر دیوالی کو شدید غصہ آرہا تھا۔ پھر وہ ٹوہ میں لگ گئی کہ اب کیا کیا جائے۔ اسی ٹوہ میں وہ اس کمرے کے پیچھے والی کھڑکی پر پہنچ گئی۔ جس میں سندر کشور رہتا تھا۔ سندر کشور اس وقت اپنی دھرم پتنی کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا اور اس کی دھرم پتنی بھی پریشانی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

''کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی...... کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی سشما! بس اب تو ایک ہی ترکیب رہ جاتی ہے۔''

''کیا......'' شما نے سر اٹھا کر پتی دیو کو دیکھا۔

''آتما ہتھیا۔'' سندر کشور نے کہا اور سشما کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

''ہے بھگوان! کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''

''اور کوئی ترکیب نہیں رہی ہے سشما! کوئی بھی ترکیب نہیں رہی ہے۔''

''ایک کام کرو۔ کھٹیا مل کے گھر چلے جاؤ۔ اس کی منت سماجت کرو۔ اس سے کہو کہ تھوڑی سی مہلت اور دے دے۔ بے عزتی تو اس نے پیٹ بھر کر کر ہی لی ہے۔ اب ذرا اور مہلت دے دے۔ پیسے کا کہیں نہ کہیں سے بندوبست ہو ہی جائے گا۔ میں اپنے ماتا پتا کے ہاں جاؤں گی۔ ان سے مدد مانگوں گی۔''

''وہ بے چارے کہاں سے دیں گے۔ ان کے حالات تو خود اچھے نہیں ہیں۔''

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ کام تھوڑی چلے گا۔'' سشما نے کہا۔

دیوالی وہاں سے ہٹ آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سندر کشور کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور وہ سمجھ گئی کہ سندر کشور کھٹیا مل کے ہاں جا رہا ہے۔ صرف ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا اور پھر اس کے بعد سندر کشور کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس کا خیال بالکل ٹھیک

تھا۔ سندر کشور کھٹیا مل کے گھر میں ہی داخل ہوا تھا۔ دیوالی بھی چھپتی چھپاتی ایسی جگہ پہنچ گ
جہاں سے سندر اور کھٹیا کی باتیں سن سکتی تھی۔ سندر کھٹیا کی خوشامدیں کر رہا تھا اور کھٹیا مل ماتھ
کے آٹے کی طرح اینٹھے جا رہا تھا۔

''دیکھ سندر! بات اصل میں یہ ہے کہ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے
کیا۔ بس سمجھ لے کہ ہم مجبور ہیں۔''

''تھوڑی سی مہلت اور دے دو مجھے کھٹیا مل جی۔ کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔''

''بھئی تین چار دن کی مہلت لے لے۔ ہفتے کی مہلت لے لے اس کے بعد؟''

''دیکھتے ہیں اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر میری سود کی رقم واپس کر دے اور اگر اصل ر
بھی دینا چاہے تو تیری مرضی ہے سندر کشور!''

''جی کھٹیا مل جی۔'' اور سندر کشور وہاں سے چلا آیا۔

دیوالی کی آنکھوں میں ایک معنی خیز کیفیت تھی۔ اسی رات وہ تیار ہو کر اپنے مشن
چل پڑی۔ چہرہ خوب بگاڑ لیا تھا اس نے، گہری گہری لپ اسٹک اوپر سے کاجل لیکن
بخت حسن تو حسن ہی ہوتا ہے اور کبھی کبھی اسے بگاڑنے کی کوشش اور بھی قاتل ثابت ہو
ہے۔ اونچا گھاگھرا اور مڑے ہوئے پاؤں، دلکش بدن۔ لالہ کھٹیا مل گھر کے برآمدے م
سونے کا عادی تھا۔ دھرم پتنی بھی ساتھ ہی سویا کرتی تھی اور بچے اندر ہوا کرتے تھے
دونوں پتی پتنی اس وقت بھی خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ جب صحن میں
ہوئے درخت کے پاس سے چھن کی آواز سنائی دی۔

کھٹیا مل چونک پڑا تھا۔ ''پاروتی!'' اس نے اپنی دھرم پتنی کو آواز دی۔

''ہاں۔''

''تو نے یہ آواز سنی۔''

''تت...... تو کیا تم نے بھی سنی۔''

''ہاں۔ چھن کی آواز تھی۔''

''میں تمہیں ایک بات بتاؤں کھٹیا۔''

''بتا......''

''بہت عرصے سے پیپل کے اس درخت کے نیچے چھن چھن کی آواز سنائی
ہے۔''

''ہائے رام کیسی آواز...... تو نے مجھے بھی نہیں بتایا۔''

''میں خود ڈر رہی تھی۔ پتہ نہیں کیسی آواز ہوتی ہے یہ۔''

''ہرے...... ارے...... دیکھ ادھر دیکھ۔'' کھٹیا مل نے کہا۔ چاندنی اس وقت بھی نکلی
ہوئی تھی اور پیپل کے درخت کے نیچے پتوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی اور پتوں سے چھنتے
ہوئے چاندنی کے اس وجود نے ایک انسانی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کے پیروں کے
جھانجن بھی بج رہے تھے۔ چھن چھن، چھن چھن، چھن چھن......

کھٹیا مل اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہرے رام،
ہرے دیا...... ہرے رام، ہرے دیا...... یہ...... یہ...... یہ۔'' اور اس کے بعد دونوں پتی پتنی
اٹھ کر بیٹھ گئے۔ کھٹیا رام کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور پاروتی پر وحشت طاری ہوتی جا رہی
تھی۔

پھر انہوں نے پیپل کے اس درخت کے نیچے چاندنی کے اس وجود کو ناچتے ہوئے
دیکھا۔ کھٹیا مل کا پورا بدن جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ درخت کے نیچے سے نکل کر
ان کی جانب بڑھنے لگی اور کھٹیا مل بڑی مشکل سے اپنے بدن کو جنبش دینے میں کامیاب
ہو سکا۔

''بھاگ پاروتی...... اندر بھاگ۔'' لیکن پاروتی پر تو دورہ سا پڑ گیا تھا۔ وہ کانپے
جا رہی تھی اور اس کے حلق سے ہی ہی...... کی آواز نکل رہی تھی۔ جو بہت مدھم تھی۔

''اری مر جائے گی اس طرح...... دیکھ، دیکھ، دیکھ، آ گئی وہ آ گئی...... ہرے رام،
ہرے رام...... ادے اس کے پیر تو دیکھ...... ارے پچھل پیری ہے یہ تو! چڑیل ہے۔ پاروتی
بھاگ پاروتی۔'' لیکن پاروتی غش کھا کر پلنگ پر ہی گر پڑی تھی اور کھٹیا مل کی بری حالت
تھی۔ چھن چھن کرتی ہوئی چڑیل اس کے سامنے آ کر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی اور پھر
اس کی بھیانک آواز ابھری۔

''کھٹیا مل...... نیچے اتر مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ تیرا خون پینا چاہتی ہوں میں۔
بڑی دور سے چل کر یہاں تک آئی ہوں۔ تو جانتا ہے کہ پیپل کے درخت ہمارا گھر ہوتے
ہیں۔''

''ہرے دیا...... ہرے رام، ہرے دیا...... ہرے رام۔''

''نہیں کھٹیا مل! نہ اب ہرے دیا سے کام چلے گا نہ ہرے رام سے۔''

''ارے معاف کر دے مجھے، ارے شما کر دے، شما کر دے ری مجھے شما کر دے۔''

'' کھٹیامل! جان کی دکھشنا مال ہوتی ہے اور مال کی دکھشنا جان۔''

'' ہرے ہرے، ہرے تُو میری جان بخش دے۔ میری جان بخش دے۔''

'' ٹھیک ہے۔ اس کے بدلے تُو مجھے مال دے گا۔''

'' دوں گا...... دوں گا...... دوں گا...... بتا کیا دوں تجھے۔''

'' پچاس ہزار......'' بھیانک آواز ابھری۔

'' پپ...... پپ...... پچاس، پچاس، ہرے دیا...... پچاس ہزار تو نے مجھ سے لیے تو میں تو ویسے ہی مر جاؤں گا۔''

'' تیری مرضی ہے پچاس ہزار دے کر جیون پالے یا نہ دے کر مرن پالے۔''

'' نہ...... نہ...... دے دوں گا، دے دوں گا۔''

'' دے دوں گا کیا...... ابھی اسی وقت دے۔''

'' بھیا...... کچھ کم کر دے تیری مہربانی ہوگی۔''

'' پچاس ہزار پورے پچاس ہزار۔''

'' ارے تُو چڑیل ہے، گندی آتما ہے تو کیا کرے گی اس رقم کا۔''

'' کچھ بھی کروں۔ تجھے اس سے، کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میرا من ہے جس کو چاہوں یہ رقم دے دوں۔ کیا سمجھا......''

'' مم...... مگر مجھ سے کیوں لے رہی ہے۔ میری تیری کیا دشمنی ہے۔''

'' تُو ایسے نہیں مانے گا۔'' چڑیل نے اپنے پنجے پھیلائے اور کھٹیامل کا دم ہی نکل گیا وہ دھڑام سے نیچے گرا اور پھر دھوتی سنبھال کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

'' تو یہیں رک میں لے کر آتا ہوں۔''

'' پاگل سمجھتا ہے مجھے کھٹیارام۔ اندر جائے گا اپنے بچوں کو جگائے گا اور مجھے بھاگنا پڑے گا۔''

'' نن...... نہیں میں پیسے لاتا ہوں میرے ساتھ چل۔'' اور اس کے بعد چڑیل کھٹیارام کے ساتھ گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئی۔ کھٹیارام کے پاس کوئی راستہ نہیں پچاس ہزار روپے دیتے ہوئے اس کا دم نکل رہا تھا اور جب یہ رقم چڑیل کے حوالے کر اور وہ لے کر واپس پلٹی تو کھٹیارام پر غشی سی طاری ہوگئی۔ وہ اس کا پیچھا تک نہیں کر سکا تھا۔

بہر حال دیوالی نے جو کچھ سیکھا تھا صحیح معنوں میں اب وہ کام آرہا تھا۔ خاموشی سے گھر میں داخل ہوگئی۔ اتنی بڑی رقم کبھی خوابوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ گھر میں داخل ہو

جب اسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ وہ یہ رقم لے آئی ہے تو اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر سی پھوٹنے لگی۔ پھر اس نے وہ باتیں یاد کیں۔ جو کھٹیامل یہاں کہہ رہا تھا۔ بیس ہزار روپے اصل سات ہزار روپے سود۔ کل ستائیس ہزار یعنی کھٹیامل ہی سے حاصل کی ہوئی رقم کے آدھے۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ تھوڑے سے پیسے اور بڑھا لیے جائیں۔ چنانچہ اس نے تیس ہزار روپے الگ کیے۔ بیس ہزار روپے اپنی اس مخصوص جگہ چھپا دیئے۔ جہاں چھ ہزار پہلے سے موجود تھے۔ یہ چھ ہزار وہ تھے جو اس نے بنیے سے حاصل کیے تھے اور گوندراؤ ابھی تک ان کا ماتم کر رہا تھا۔ پھر وہ تیس ہزار روپے لے کر چپ چاپ باہر نکلی۔ اب انہیں احتیاط سے ایک ایسی جگہ پہنچا دینا تھا جہاں سے وہ آسانی سے سندر کشور کے ہاتھ لگ جائیں۔ سندر کشور وغیرہ کمروں کے دروازے کھلے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ بند کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ باہر کا کون اس گھر میں آتا تھا۔

چنانچہ ایک جگہ پر تیس ہزار روپے رکھ دیئے گئے اور اس کے بعد دیوالی اپنے کمرے میں آکر آرام کی نیند سوگئی۔ چہرہ وغیرہ دھولیا تھا اس نے اور لباس چھپا دیا تھا۔ سب سے پہلا کام تو یہی کرنا ہوا کرتا تھا۔ صبح کو سب سے پہلے سشما کی آنکھ کھلی تھی۔ گھر کے دوسرے کام کرتے ہوئے۔ اچانک ہی اس کی نظر اس جگہ پر پڑی۔ نوٹ ہی نوٹ نظر آرہے تھے۔

تھوڑی دیر تک تو آنکھوں پر یقین نہ آیا اس کے بعد قریب پہنچ کر دیکھا اور اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اتنی بڑی دولت، اتنی بڑی رقم وہ سندر کشور پر جا گری۔

'' ارے ارے پاگل ہوگئی ہے کیا۔ دماغ خراب ہوگیا کیا۔ کیا ہوگیا صبح ہی صبح۔''

'' سندر جی اٹھو...... سندر جی اٹھو...... اٹھو سندر جی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو سندر کشور چونک کر بستر سے نیچے اتر آیا۔

'' کیا ہوگیا تجھے کیا ہوگیا۔''

'' وہ دیکھو...... وہ دیکھو...... وہ دیکھو، وہ کیا ہے۔'' وہ نوٹوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

بہر حال تیس ہزار روپے سندر کشور کی تحویل میں آگئے۔ وہ دھرم پتنی سے بولا۔'' بھاگوان! آخر یہ آئے کہاں سے۔ ارے یہ تو ہمارے سارے دلدر دور کر دیں گے۔ اس حرامی کی رقم اس کے منہ پر ماریں گے اور سرخرو ہو جائیں گے۔ ہے بھگوان تو بڑا دیالو ہے۔ جہاں سے بھی یہ بندوبست ہوا بہت بڑی بات ہے۔ بھگوان تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' سندر نے وہ پیسے چھپا کر رکھ دیئے لیکن عقل بدستور چکرائی ہوئی تھی۔ ادھر گھر میں

ایک سوگ سا مچا ہوا تھا۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے کسم اور کانتا بھی پریشان تھیں کہ اب کیا ہوگا۔ کھٹیا مل تو کھٹیا ہی کھڑی کر دے گا۔ بڑا تیز طرار آدمی تھا۔

ادھر کھٹیا مل کے ہاں ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ اس نے تو کسی کو کچھ نہ کہا تھا لیکن اس کی بیوی نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

''میں میکے جاؤں گی۔ ہائے رام اس گھر میں تو چڑیل آ گئی ہے۔ اب ہمارا اس گھر میں کیا گزر۔ اب تو یہاں چڑیل رہے گی۔''

''تجھ سے بڑی چڑیل تھوڑی ہے وہ۔ ارے میں کھٹیا ہوں زبان بند رکھ۔ نجانے کیا قصہ ہے، وہ بدلا لینے پر آ گئی تو کھٹیا مل کی کھٹیا کھڑی ہو جائے گی۔ تجھے بھگوان کا واسطہ سارے زمانے میں مت گا۔ پچاس ہزار کا نقصان ہوا ہے مجھے صبر کر لوں مگر تو۔''

''مجھے میرے میکے بھجوا دو۔''

''تو بھاڑ میں جا۔ میکے جا چاہے جہنم میں جا۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

بہرحال کھٹیا مل کی بیوی میکے چلی گئی۔ چھ سات دن کے بعد کھٹیا مل کو ایک بار پھر نند کشور یاد آیا اور وہ سندر کشور کے گھر پہنچ گیا۔

''سندر جی.....اب ایک دن کی مہلت نہیں دوں گا میں تمہیں۔''

''ابے تجھ سے مہلت مانگ کون رہا ہے۔ جا کھاتہ لے آ میرے سامنے، اپنے کھاتے میں میرا حساب کاٹ۔ بلکہ چار آدمی بلاؤں گا۔ تیری حیثیت کیا ہے سسرے ہے تو بنیا۔''

''ایں.....تو پیسے دے رہا ہے کیا۔''

''کان پھوٹے ہوئے ہیں تیرے۔ ہاں دے رہا ہوں۔''

''بیاج یا اصل۔''

''دونوں۔''

''کھاتہ تو لایا ہوں سندر کشور جی۔ یہ دیکھیے۔ یہ آپ کا صفحہ ہے۔'' اور پھر سارا حساب کتاب بے باک ہو گیا۔

بعد میں کسم اور کانتا کھوج میں لگ گئیں کہ آخر یہ پیسے آئے کہاں سے۔ ادھر دھرم کشور بھی حیران تھا کہ بھائی نے پیسے کہاں سے جمع کر لیے۔ سندر نے ساری تفصیل دھرم کشور کو بتا دی۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات آئی یا نہ آئی لیکن کسم اور کانتا سمجھ گئیں۔

ادھر چڑیل کا تذکرہ بھی کئی بار سامنے آ چکا تھا۔ اس سلسلے میں بھی چڑیل کا نام سامنے

آیا اور کسم اور کانتا، دیوالی کے پاس پہنچ گئیں۔

''دیوالی! بات کرے گی ہم سے۔''

''لو بات نہ کرنے کی کیا بات ہے۔''

''بھگوان کو مانتی ہے۔''

''کیوں نہیں مانتی۔ مگر ہوا کیا ہے یہ بتاؤ۔''

''تجھ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں۔ دیکھ تو نے احسان تو کیا ہے پورے گھر پر اور ہم تیرا احسان مانتے ہیں مگر ہمیں اصلیت تو بتا دے۔''

''ارے کیسی اصلیت، کاہے کی اصلیت۔''

''یہ تھوڑے دن پہلے گوندراؤ دکاندار کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ چڑیل کون تھی؟''

''ارے ارے ارے، تمہارا دماغ ٹھیک ہے کیا۔ کیا اب تم مجھے سچ مچ کی چڑیل بنا دینا چاہتی ہو۔''

''اور کھٹیا مل کے گھر میں بھی چڑیل گھسی تھی اور اس سے پیسے نکلوائے تھے اس نے۔''

''تو پھر؟ کہہ دو وہ بھی میں ہی تھی۔''

''اور کوئی نہیں ہو سکتا تیرے سوا۔''

''اچھا جی۔ اس کا مطلب ہے کہ اب گاؤں سے بھی نکلواؤ گی۔''

''بالکل نہیں......ہم تو تیرا احسان مان کر تیرا شکریہ ادا کریں گے۔''

''نہ بابا نہ......بڑی مہربانی تمہاری۔ میں ایسا کرم نہ پہلے کرنا چاہتی تھی اور نہ اب اور نہ ہی میں کوئی چڑیل ہوں۔ یہ بات تو تم بھی جانتی ہو۔'' اب اتنی بے وقوف بھی نہیں تھی دیوالی کہ اصل بات مان کر اپنا راز ان کے ہاتھ میں دے دیتی لیکن ان لوگوں کو یقین نہیں آیا تھا۔ کسم نے کانتا سے کہا تھا۔

''ہو نہ ہو صرف دیوالی ہے، جس نے یہ سب کچھ کیا ہے لیکن مانے گی نہیں ہماری بات۔ ہم نے کون سا اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اور سچی بات ہے کہ اس نے ہمارا گھر بچا لیا ورنہ نجانے کتنی بے عزتی ہوتی۔''

''پر یہ بات کسی کو بتائی بھی تو نہیں جا سکتی۔''

''بھول کر بھی نہیں بتانا وہ ہماری محسن ہے۔ ٹھیک ہے وہ ہم پر اعتبار نہیں کرتی لیکن اس نے احسان تو کیا ہے ہم پر۔'' کسم اور کانتا دیر تک اس موضوع پر بات کرتی رہی تھیں۔

☆======☆======☆

ونیش کی عجیب سی کیفیت ہوگئی تھی۔ جتنا سوچتا الجھتا چلا جاتا۔ اسے وہ حسین صورت بار بار یاد آتی۔ جس پر الٹی سیدھی لالی پوت کر اسے چڑیل کی شکل بنا دیا گیا تھا۔ وہ اس قدر ہمت نہ کر پاتا۔ پہلے واقعہ پر جب پریتی زخمی ہوئی تھی اس نے اس چڑیل کو دیکھا تھا اور اسی وقت اس کی ذہنی کیفیت عجیب سی ہوگئی تھی۔ سارے لوگ تو اس حقیقت کو تسلیم کر چکے تھے کہ انہوں نے پچھل پیری دیکھی تھی لیکن نجانے کیوں ونیش کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ چڑیل تھی یا نہیں اور اسی بات کی تصدیق کرنے کے لیے وہ اس دن اچانک ہی گاؤں پہنچ گیا تو اور وہی لڑکی اسے جھاڑ دیتی نظر آئی تھی۔ تھی تو پچھلے پاؤں والی ہی لیکن اس وقت وہ چڑیل نہیں لگی تھی۔ سادہ سا صاف ستھرا چہرہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں وہ اچانک غائب ہوگئی تھی۔

لیکن تھی کون...... وہ واپس آ گیا تھا لیکن اس کے دل و دماغ پر ایک شدید اداسی طاری ہوگئی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ پھر وہاں جائے اور اس چڑیل کو تلاش کرے۔ پھر اس کا دوست ست رام اسے ملا اور اسے دیکھ کر چونک کر بولا۔

''ارے کیا بات ہے، تیری طبیعت خراب ہے کیا ونیش۔''

''ہاں یار ست رام! بیمار ہوں۔''

''کوئی دوالی۔ سارا چہرہ اترا ہوا ہے۔ ہو کیا گیا ہے تجھے۔''

''میری بیماری دوا والی نہیں ہے۔''

''جب انسان یہ جملے ادا کرتا ہے تو سمجھنے والے صاف سمجھ جاتے ہیں کہ مریض کو پریم روگ لگا ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے۔''

''تو ہوگیا تیرا کام بھی تمام، ویسے ایک بات کہوں ونیش! اس دور میں یہ پریم دریم والی بات ہے بس مذاق ہی۔''

''نہیں یار! میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا۔ مگر ایسا ہے نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ جب تک اونٹ پہاڑ کے نیچے نہیں آجاتا اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھتا رہتا ہے لیکن جب پہاڑ کے نیچے آجاتا ہے تو ساری اونچائی ختم ہو جاتی ہے۔''

''تیرا کیس ہے کیا؟''

''کیس ہی تو عجیب ہے اگر کوئی عام مسئلہ ہوتا تو میری ماتا جی! مجھے اتنا چاہتی ہیں کہ

جو کچھ میں ان سے کہہ دیتا وہ کر لیتیں لیکن یہاں تو مسئلہ ہی دوسرا ہے۔''

''وہ کیا؟'' دوست دلچسپی سے بولا۔

''کیا بتاؤں یار! بس عجیب کچھ ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر ونیش نے ساری کہانی ست رام پرکاش کو سنا دی اور ست رام حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔ بہت دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''تو کیا سچ مچ اس کے پاؤں الٹے تھے۔''

''ہاں پاؤں تو الٹے ہی تھے۔''

''تو پھر...... تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ چڑیلیں ایک سے ایک حسین شکل میں آتی ہیں۔ مگر کم بختوں کو خون پینے کی عادت ہوتی ہے۔ بس انسان کو اپنے پھیر میں لائیں اور اس کے بعد غٹا غٹ اس کے سارے بدن کا خون پی گئیں۔''

''یار! ست رام تجھے ایک بات بتاؤں۔ بھگوان کی سوگند اب تو من یہ چاہتا ہے کہ کچھ بھی ہو، چاہے وہ میرا خون ہی کیوں نہ پی جائے۔ ایک بار میرے قریب تو آجائے۔''

''ارے باپ رے باپ، پریم بھی کیا تو ایک چڑیل نے۔ ابے بھائی اپنی کھوپڑی کو سنبھال۔ دوست ایسے موقعوں پر کام آتے ہیں لیکن اگر دوستوں کا بھی کام تمام ہو جائے تو یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ دفع کر یار!''

''نہیں ست رام ایک بات کہوں تجھ سے میرا ساتھ دے گا۔ ایسے موقعوں پر تو دوست ہی کام آتے ہیں تو میرا دوست ہے ست رام! میری مدد نہیں کرے گا۔''

''یار! اگر کوئی اپسرا بھی ہوتی تو بھگوان کی سوگند تیرا پورا پورا ساتھ دیتے مگر یہ پچھل پیری۔ کیا تُو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ ساتھ وہ میرا بھی خون پی جائے۔''

''میرا دل کہتا ہے کہ وہ چڑیل نہیں ہے یہ کوئی دوسری ہی کہانی ہے۔'' ونیش نے افسردگی سے کہا۔

''یہ دل ہی تو کم بخت مرواتا ہے۔''

''اگر تُو تھوڑی سی ہمت کرے تو ایک بار پھر میں گاؤں جا کر اس کے بارے میں تحقیقات کرنا چاہتا ہوں۔'' ونیش نے کہا اور ست رام سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ونیش! دوست کی خاطر اگر چڑیل سے بھی ٹکرانا پڑے تو ٹکرا لیں گے بھائی، اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

بہر حال ست رام پرکاش تیار ہو گیا اور اس کے بعد ونیش اپنی جیپ لے کر گاؤں چل پڑا۔ پریتی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کی وجہ سے ان لوگوں کے تعلقات تھوڑے سے کشیدہ ہو گئے تھے لیکن ونیش کے نہیں۔ پہلے بھی کسم اور کانتا اس سے مل چکی تھیں۔ بہر حال ونیش اپنا یہ سفر طے کر کے گاؤں پہنچ گیا۔ جیپ اس نے تھوڑے فاصلے پر ہی رکھی۔ بہت دیر تک دونوں دوست اس گھر کے گرد چکراتے رہے۔ ونیش کا شبہ بدستور قائم تھا لیکن اب اسے دیوالی نظر نہیں آئی تھی......

آخر کار وہ جیپ لے کر دروازے پر پہنچ گیا اور پھر گھر کے بڑوں نے کسم اور کانتا کے حوالے سے ان کا استقبال کیا۔ دھرم کشور سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

''ہم پہلے بھی آئے تھے مہاراج! آپ کو یاد ہو گا۔''

''ارے ہاں ہاں بچے ہو اپنے آجاؤ، آجاؤ۔'' دھرم کشور کافی خوش اخلاق تھا ان لوگوں کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ ونیش نے کہا۔

''یہ میرا دوست ست رام پرکاش ہے۔ گاؤں میں زمینیں خریدنا چاہتا ہے۔ اس نے زرعی یونیورسٹی سے ڈگری لی ہے۔ یہاں باغ لگانا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں زمینیں دیکھنے آئے ہیں۔''

''اچھا اچھا...... یہ تو خوشی کی بات ہے۔ میں خود تمہیں ایسی زمینیں دکھاؤں گا جو بڑی زرخیز ہیں۔''

''کسم دیدی اور کانتا دیدی کو بتا دیجئے کہ ونیش آیا ہے۔'' ونیش اس بار ذرا زیادہ محنت کرنا چاہتا تھا۔ کسم اور کانتا نے سنا تو حیران رہ گئیں۔ کانتا، کسم سے بولی۔

''ہونا ہو۔ یہ ونیش دیوالی کے چکر میں ہی آیا ہے۔''

''دیوالی کا راز نکلنا نہیں چاہیے۔''

''آؤ ملتے ہیں اس سے۔'' ونیش نے کسم اور کانتا کا تعارف ست رام پرکاش سے کرایا۔ بات اسے بھی وہی بتائی گئی تھی جو دھرم کشور کو بتائی گئی تھی۔ کسم نے کہا۔

''پریتی کیسی ہے؟''

''وہ سرجری کے لئے ملک سے باہر گئی ہے۔''

''بے چاری کے ساتھ بہت برا ہوا لیکن ہمارا تو کوئی دوش نہیں تھا۔ بس ہونا تھا یہ ہو گیا۔''

''کسم دیدی ایک بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''بولو......''

''سچ بتا دیں گی مجھے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''پیپل والی چڑیل کیا سچ مچ چڑیل تھی۔''

''ونیش تم نے پہلے بھی ایسی بے وقوفی کی باتیں کی تھیں۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''سجانے کیوں کسم دیدی میرا من کہتا ہے کہ وہ چڑیل نہیں تھی۔ خاص طور سے اس سمے سے جب میں نے اسے باہر جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''بابا چڑیل کی مرضی ہے وہ جھاڑو دے یا کھیتوں میں ہل چلائے۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔''

''ایسے ہی بس کسم دیدی۔''

''ایک بات بتاؤ ونیش! تمہیں اس سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔'' ونیش نے سر جھکا لیا تھا بعد میں کانتا نے کسم سے کہا۔

''نہیں کسم! بات اتنی چھوٹی نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گوندراؤ کو دیوالی نے دیوالیہ کیا اور اس کے بعد کھٹیا مل کی کھٹیا اٹھائی۔ یہ بات اگر منظر عام پر آگئی تو اچھا نہیں ہو گا۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ بات پولیس تک پہنچ جائے گی۔ میں نے دیوالی کو بھی سمجھایا تھا کہ دیوالی اب ایسی کوئی حرکت مت کرنا۔ خیر دیوالی بھی بڑی پکی ہے مان کر نہیں دیا اس نے کہ اس نے چاچاجی کا قرض اتارنے کے لئے کھٹیا مل کو لوٹا تھا یہ بات اس کی بڑی نیکی اور دیانت داری پر تھی۔ ہو سکتا ہے خود اس نے بھی کچھ رقم جمع کی ہو۔ حالانکہ اظہار تو نہیں کیا اس کا لیکن پھر بھی اب یہ ونیش جی مہاراج! آئے ہیں میرا خیال ہے کوئی کام ہو جانا چاہیے۔''

''دیوالی سے ملیں، لیکن جو کام ہو گا نا وہ گھر پر نہیں ہونا چاہیے اب۔ بلکہ دیوالی اگر انہیں گھر سے باہر سبق دے تو زیادہ اچھا ہو گا۔''

''آؤ دیوالی سے بات کرتے ہیں۔'' دیوالی کو اس جگہ سے دور رکھنا بھی غیر ضروری تھا۔ ویسے بھی گھر اتنا بڑا تھا کہ کوئی سارے گھر کی دیکھ بھال کر بھی نہیں سکتا تھا۔ دیوالی اس وقت اپنی رہائشگاہ کے پچھلے حصے میں کپڑے دھو رہی تھی۔ ان دونوں کو دیکھا تو مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔

''آؤ دیدی! جانتی ہوں کسی کام سے ہی آئی ہوں گی۔''

''یہ بتا دوست نہیں ہے تو ہماری۔ بھلا دوستی میں بھی انسان تو ملتا جلتا ہی ہے۔ ویسے تُو نے سچ کہا کام بھی آ پڑا ہے۔''

دیوالی مسکرا دی پھر بولی۔ ''کام بتاؤ دیدی! جلدی سے۔''

''وہ ونیش پھر آ مرا ہے۔ اپنے ایک دوست کے ساتھ۔''

''ونیش!''

''اری ہاں۔ وہی باؤلا...... ویسے ایک بات بتاؤں۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے وہ تیرا گھائل ہو گیا ہو۔''

''پتہ نہیں دیدی کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ وہ جھاڑو والا جو پہلے آیا تھا۔''

''ہاں وہی...... تیری ہی تلاش میں آیا ہے۔ حالانکہ کہتا ہے کہ اس کے دوست کو یہاں زمینیں چاہئیں۔''

''بھلا میری تلاش میں کیوں آیا ہے دیدی۔''

''اب اتنی معصوم مت بن۔ نجانے کس کس نے پریم جتایا ہو گا تجھ سے، سب کچھ جانتی ہے تُو۔''

''چلو یہ الزام اور لگا دو مجھ پر ان کاموں میں تو تم ماہر ہو۔ پھر اب یہ بتاؤ کرنا کیا ہے ونیش کا۔''

''بھگانا ہے اسے یہاں سے، ورنہ خواہ مخواہ مصیبت گلے پڑ جائے گی۔''

''لو میں کیسے بھگاؤں۔''

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔''

''جو کہو گی میں کروں گی۔ مجھے بتاؤ...... کم از کم اتنی دوستی تو ہے تمہاری مجھ سے۔''

''بات وہی ہو جاتی ہے۔ مگر ٹھیک ہے ہونے دو۔ سسرے آ کیوں جاتے ہیں یہاں۔ پریتی کی وجہ سے جو جھگڑا ہوا تھا۔ وہ تو جوں کا توں ہے نا۔ اب ہم کر بھی کیا سکتے ہیں اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچ گیا تھا۔ ان لوگوں کا نہ آنا زیادہ اچھا ہے۔ دیکھ لیں گے۔ ایسا کر دیوالی انہیں ڈرا۔''

دیوالی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ وہ مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں نا۔''

''ہاں۔''

''بس تو پھر آج کی رات میں ان کا کریا کرم کر دوں گی۔'' دیوالی نے کہا۔

''ذرا ہوشیاری سے، ویسے تو یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں لیکن پھر بھی ذرا ہوشیار رہنا۔ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''چنتا مت کرو دیدی۔''

☆======☆======☆

رات کو دیوالی نے اپنا وہی سوانگ بھرا۔ اب دل کافی مضبوط ہو گیا تھا اور عقل بھی آ گئی تھی۔ جب اپنا مذاق ہی اڑنا ہے تو پھر فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے اس سے اور ویسے بھی دل میں کسی کے لئے ایسی جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ ونیش بابو کو اوقات میں آ جانا چاہیے۔ ونیش اور ست رام مہمان خانے میں اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ مختلف باتیں ہو رہی تھیں اور اس وقت اتفاق سے ونیش وہی پیپل کے درخت والی کہانی سنا رہا تھا تو ست رام نے کہا۔

''چڑیلیں وغیرہ رہتی تو پیپل کے درخت پر ہی ہیں میں نے سنا ہے ان کے بارے میں۔''

''یار! مگر گھروں میں نہیں رہتیں۔''

''پرانا بسیرا ہو گا۔ ان کی عمریں بھی تو ہزاروں سال ہوتی ہیں۔''

''یار! اگر وہ واقعی چڑیل ہوئی تو میرا کیا بنے گا۔''

''ہوش میں آ جاؤ ونیش! اس قسم کے معاملات مذاق میں بھی اچھے نہیں ہوتے۔''

''تو یار! مذاق کر کون رہا ہے۔'' ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے ایک ہلکی سی چھن کی آواز سنائی دی اور ونیش چونک پڑا۔

''یہ آواز...... یہ آواز سنی تو نے۔''

''ہاں سنی...... اصلی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کہ تو نے بھی سنی ہے۔'' ست رام نے کہا۔ چھن چھن کی آواز دوبارہ سنائی دی اور ونیش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''وہی آواز ہے بھگوان کی سوگند وہی آواز ہے۔ آؤ ست رام......'' ست رام کی گھگی بندھ رہی تھی لیکن بہرحال آیا ہی اسی مقصد کے لئے تھا۔ دوستی بڑی چیز ہوتی ہے۔ وہ باہر نکل آیا۔

پھر دور سے ست رام اور ونیش نے دیکھا کہ ایک سایہ سا پیپل کے درخت کی جانب جا رہا ہے......

''ہے پربھو...... ہے پربھو...... ہے پربھو...... ہے بھگوان......''

''آ......ست رام وہی ہے۔'' ونیش نے ست رام کی کلائی پکڑی اور اسے گھسیٹنے لگا۔ ست رام کی کلائی پسینے سے بھیگ رہی تھی۔ یقیناً پورا بدن ہی پسینے سے تر ہوگا۔

ادھر شریر اور نٹ کھٹ دیوالی جلدی سے پیپل کے درخت پر چڑھ گئی اور اس کی ایک شاخ پر پاؤں لٹکا کر جا بیٹھی۔ پاؤں دیکھنا ہی کافی تھا۔ جو پیچھے کی جانب مڑے ہوئے تھے۔ ست رام اور ونیش چبوترے کے پاس پہنچ گئے اور پھر ست رام نے وہ لٹکے ہوئے پاؤں دیکھ لیے اور اس کے منہ سے ہوہو، ہی ہی کی آوازیں نکلنے لگیں۔

''ابے چپ...... وہی ہے...... بھگوان کی سوگند وہی ہے۔ آج میں اس سے بات کیے بغیر نہیں رہوں گا۔ آ......'' ست رام صرف ونیش کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ ورنہ سچی بات ہے کہ اس کے پیروں کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔ ونیش چبوترے پر چڑھ گیا۔ واقعی عشق کا مارا ہوا تھا ورنہ اس کی حالت خراب ہو جاتی اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''دیوی! بات کرنا چاہتا ہوں میں تم سے۔'' دیوالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ونیش کی بہادری دیکھ رہی تھی۔ ویسے بھی اچھا خاصا گبرو جوان تھا۔ دیوالی کی چمکدار آنکھیں اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ ونیش نے کہا۔

''تو اگر کوئی گندی آتما بھی ہے تب بھی میں تجھ سے یہی کہوں گا کہ میں تجھ سے پریم کرتا ہوں۔ چاہے تو میرا جیون لے کر مجھے اپنے آپ میں شامل کر لے۔'' اسی وقت دیوالی کا توازن قائم نہ رہ سکا۔ شاخ کے تھوڑے سے حصے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حصہ بدن کے نیچے سے نکل گیا اور وہ چھن سے نیچے کود پڑی۔ ست رام کی دہشت بھری آواز نکلی اور وہی ہوا جو پریتی کے ساتھ ہوا تھا ست پیپل کے درخت کے چبوترے سے نیچے گرا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ ونیش اس صورتِ حال سے وحشت زدہ ہو کر ست رام کے پیچھے نیچے اترا اور دیوالی کو موقع مل گیا۔ وہ چھن چھن کرتی ہوئی بھاگی اور پیچھے کی طرف سے اتر گئی۔ نیچے اترتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنے جھانجن اتارے اور اس کے بعد جو دوڑ لگائی تو اپنی رہائشگاہ پر آ کر دم لیا۔

لیکن ست رام کے سر سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔ جسے دیکھ کر ونیش سخت بدحواس ہو گیا اور اس کے بعد وہ بڑی مشکل سے ست رام کو اٹھا کر مہمان خانے کے کمرے میں آیا

اور اس کے سر پر کس کر رومال باندھ دیا۔ ست رام کا چہرہ اتنی سی دیر میں ہی سفید پڑ گیا تھا۔ یا تو خوف سے یا پھر خون نکل جانے سے۔ ونیش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ست رام کی اس کیفیت کو دیکھ کر وہ سخت وحشت زدہ ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے تمام احتیاط بالائے طاق رکھ دی۔ ست رام کو لے کر گاؤں سے نکل جانا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ وہ اسے بمشکل تمام اپنی جیپ تک لایا اور اس کے بعد کسی سے کچھ کہے سنے بغیر شہر کی جانب دوڑ گیا۔ عشق کا بھوت کچھ دیر کے لئے ہوا ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

وقت کی گاڑی کا پہیہ چل رہا تھا۔ دیوالی، جسے گھر کے لوگ عام طور سے دیپو کہا کرتے تھے۔ قدرتی ذہانت سے مالا مال ہوتی جا رہی تھی۔ انسان کا بچہ تھا۔ بچپن شرارتوں کا دور ہوتا ہے۔ بھلا فطرت سے کون ہٹ سکتا ہے حالات جیسے بھی تھے دیوالی کی فطرت میں بھی شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وقت کی چکی الٹی چل رہی تھی اور برے حالات نے اسے بھی اپنی لپیٹ میں لیا تھا لیکن پھر بھی جو کچھ اس نے شروع کیا تھا۔ اس میں شرارت کا ایک حصہ بھی تھا اور اس شرارت نے تھوڑی سی ضرورتیں بھی پوری کر دی تھیں۔

چھبیس ہزار روپے مخصوص تھے اس کے پاس اور اس نے انہیں جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا۔ ایسی رقمیں بار بار ہاتھ نہیں لگتیں اور کھٹیا مل جیسے آدمی کبھی کبھی ہی قابو میں آتے ہیں، لیکن پھر اچانک ہی وقت کے پہیے نے گردش بدلی۔ بے چارے نند کشور کو فالج کا دوسرا حملہ ہوا اور وہ بری کیفیت کا شکار ہو گیا۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر گھر والوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

شکنتلا دیوی کچھ بھی تھیں ماں تھیں، اگر وہ یہاں ہوتیں تو کسی کی نہ چلنے دیتیں۔ ویسے بھی نند کشور چھوٹی اولاد تھا لیکن وہ تیرک یاتراؤں کو گئی ہوئی تھیں اور ان کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ سشما تو خیر تھی ہی لیکن ارملا دیوی جو بڑے بھائی دھرم کشور کی دھرم پتنی تھی آفت کی پرکالا تھی اس نے سوچا کہیں نند کشور یہیں مر نہ جائے۔ ساری مصیبتیں انہیں ہی اٹھانی پڑیں گی۔ چنانچہ شوہر سے چالاکی سے کہا۔

''بڑی بری حالت ہے نندو کی۔ ایک مشورہ دوں آپ کو برا تو نہیں مانیں گے۔''

''نہیں بول۔'' دھرم کشور نے کہا۔

''کیا ہمارے ایسے حالات ہیں کہ ہم اس کی دوا دارو کرا سکیں۔ میری مانیں تو شہر

لے جائیں۔ وہاں کسی سرکاری ہسپتال میں داخل کرا دیں۔''

''کہہ تو ٹھیک رہی ہے مگر بھاگوان وہاں پر بھی تو دوا دارو کے پیسے اپنی ہی جیب سے دینے پڑتے ہیں۔''

''بس کہتے ہوئے زبان ڈرتی ہے۔ آخر کریں گے کیا۔ میں تو کہتی ہوں کہ اسپتال لے جائیں۔ داخل کرا آئیں نام پتہ غلط دے دیں اور چپ چاپ وہاں سے بھاگ آئیں۔ اس کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یا آپ کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔ ہسپتال والوں کے پاس فنڈ ہوتے ہیں جو وہ ایسے لوگوں کے علاج کے لئے استعمال کرتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بھگوان سب سے بڑا رکھوالا ہے۔ وہی دیکھ بھال کرے گا۔''

''اور ان دونوں کا کیا کریں۔ میرا مطلب ہے ماں بیٹی کا۔''

''لو ہم کیا کریں گے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ راج وتی اور دیپو کو بھی وہیں چھوڑ آئیں۔'' دھرم کشور سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پچھلے دنوں جو بپتا پڑی تھی اور سندر جس طرح مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا اسی نے دل لرزا کر رکھ دیا تھا۔ اب یہ دوسری مصیبت گلے پڑی تھی۔ سندر کشور سے مشورہ کیا تو اس نے بھی یہی کہا۔ ''بھیا جی! یہ تو کرنا پڑے گا نہیں تو کیا کریں گے۔''

''بس تو تم بیل گاڑی کا بندوبست کرو۔ شہر لے جانا پڑے گا۔ قصبہ وغیرہ میں کام نہیں چلے گا۔ ایسا کرتے ہیں یہاں سے بیل گاڑی میں قصبے لے چلتے ہیں اور وہاں سے ریل میں بٹھا کر شہر، بڑے بڑے سرکاری ہسپتال تو شہر میں ہی ہیں۔'' راج وتی اور دیپو بادل نخواستہ تیار ہو گئی تھیں۔ کیا کرتیں۔ باپ کی حالت دیکھ کر دیپو کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ ساری تیزی طراری ختم ہو گئی تھی اور باپ کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی۔

بہر حال بے چارے نند کشور کو بیل گاڑی میں ڈال کر قصبے کی طرف چل پڑے۔ دیپو اور راج وتی بھی ساتھ ہی تھیں۔ دیوالی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے چلتے ہوئے اس کی عقل نے ایک کام کیا تھا باقی سب کچھ تو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی سب کچھ میں تھا ہی کیا پھٹے پرانے کپڑے جن میں زیادہ تر ارملا اور سشما کی دین تھے۔ البتہ دیوالی نے وہ رقم چھپا کر اپنے لباس میں رکھ لی تھی اور بڑی احتیاط سے اسے سینے کے پاس محفوظ کر لی تھی۔ قصبہ اور اس کے بعد ریل کا سفر پھر شہر اور شہر کا اسپتال جنرل وارڈ۔ دونوں بھائیوں نے بڑی بے دردی دکھائی تھی لیکن وقت کے رنگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنوں کے پرائے

ہو جانے کا کھیل نیا نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ پھر جب دواؤں کی ضرورت پڑی تو نرس نے ڈاکٹر کا دیا ہوا پرچہ سامنے کر کے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیڈ نمبر سولہ کے مریض کے ساتھ کون ہے۔''

''ہم ہیں جی۔'' دیوالی نے نرس کو دیکھتے ہوئے کہا اور نرس نے اس کے خراب کپڑوں پر نگاہ ڈالی۔ بھدہ میلا سا لباس جو خاص طرح سے سلا ہوا تھا اور پیروں سے نیچے تک لٹک رہا تھا لیکن چہرہ دیکھ کر قدرت کی صناعی یاد آئے۔ نرس نے پرچہ اسے دیتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''دیوالی......''

''اوہ......اچھا دیکھو دیوالی۔ یہ دوائیں لے آؤ بھاگ کر باہر میڈیکل سٹور ہیں۔''

''ابھی لاتی ہوں جی۔'' دوائیں لے آئی گئیں۔ انہیں استعمال بھی کیا جانے لگا۔ رات ہوئی تو وارڈن نے کہا۔

''تم دونوں کو باہر جانا ہوگا۔ رات میں یہاں کسی کو رکنے کی اجازت نہیں دیتے ہم لوگ۔''

''وہ جی ہم۔''

''ہاں بولو۔''

''نہیں جی......میرا مطلب ہے کہ ہم تو بہت دور گاؤں سے آئے ہیں۔''

''یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے آپ کے پاس۔''

''نہیں جی۔''

''تو پھر باہر راہداری میں چلے جاؤ۔ عورتیں اس طرف ہیں اور مرد اس طرف، وہیں زمین پر بستر بچھا کر لیٹ جانا۔ دیکھو یہاں وارڈ میں رکنے کی اجازت نہیں ہے کسی کو۔''

''ٹھیک ہے جی۔'' ہسپتال کی زمین پر ایک حصے میں بہت سی عورتیں موجود تھیں اور دوسرے میں مرد۔ سب کے سب مست مولا زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ دیوالی اور راجوتی بھی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

''تاؤ جی! واپس چلے گئے۔ کیا اب وہ نہیں آئیں گے ماتا جی!'' راج وتی نے ٹھنڈی سانس بھری اور آہستہ سے بولی۔

''وہ نہیں آئیں گے دیپو!''

''کیوں نہیں آئیں گے۔''

''بس بیٹا! دنیا اتنی ہی بری جگہ ہے۔ وہ جان چھڑا کر بھاگ گئے ہیں۔ اب ہمیں ان سے اتنا بے خبر بھی نہیں رہنا چاہیے۔ انہیں ہم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے دونوں کی باتیں سنی تھیں۔ وہ یہی کہہ رہے تھے کہ نام پتہ غلط لکھوا دو۔ تاکہ اگر نند کشور مر جائے تو کر کرم بھی سرکاری طور پر ہی ہو جائے۔ ورنہ ہم پکڑے جائیں گے۔''

''ہے بھگوان اتنے کٹھور ہیں یہ ہمارے رشتے دار۔''

''کیسے...... رشتے دار دیپو! بھول جاؤ اب ان باتوں کو اپنا ٹھکانہ خود ہی تلاش کرنا پڑے گا۔''

''آپ چنتا نہ کریں ماتا جی! ہم اپنا ٹھکانہ تلاش کر لیں گے اور سمے آنے پر ان خود غرضوں کو بھی دیکھیں گے۔'' دیوالی نے پُر جوش لہجے میں کہا اس کے لہجے سے راج وتی کو کافی ڈھارس ہوئی تھی۔

''ہاں بیٹی! بھگوان تمہیں شکتی دے۔ جب انسانوں کا ظلم حد سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ تو پھر بھگوان کسی منش کو ہی اپنا روپ بنا دیتے ہیں۔'' اور واقعی بھگوان کی لیلا نرالی ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں وہاں سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا ایک کلرک سن رہا تھا۔ اس کلرک کا نام بابو کرم داس تھا۔ عمر رسیدہ آدمی تھا اور ہسپتال میں اس نے زندگی کے بیس سال گزار دیئے تھے۔ لوگ اسے بابو...... بابو کہا کرتے تھے۔ بہت ہی نرم اور رحم دل انسان تھا۔ رات کی ڈیوٹی پر نگرانی کرتا تھا۔ چھوٹی سی میز اور کرسی گیلری کے ایک کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ وہ وہیں ہوا کرتا تھا اور ضروری امور طے کرتا تھا۔

ماں بیٹی کی یہ باتیں، وہ سن رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ان کی مدھم مدھم سرگوشیاں بھی مکمل آواز کی شکل میں موجود تھیں۔ دونوں ماں بیٹیاں باتیں کر رہی تھیں پھر جب وہ خاموش ہوئیں تو بابو کرم داس ان کے پاس آ گیا۔

''بٹیا دیپو ہے نا تیرا نام اور تمہارا نام کیا ہے بہن۔''

''راج وتی۔''

''بٹیا! ہسپتال میں نوکری کرتا ہوں۔ لوگ مجھے بابو کہتے ہیں۔ تم بھی مجھے بابو کہہ سکتی ہو۔''

''بابو تو بڑا اچھا نام ہے اس کے ساتھ اس نام کو لیتے ہوئے سر پر ایک ٹھنڈی چھاؤں محسوس ہوئی۔'' دیوالی نے کہا۔

''بٹیا مجھے معاف کر دینا۔ بات بہت بری ہے لیکن بھگوان کی سوگند میں نے جان بوجھ کر تمہاری باتیں نہیں سنی ہیں۔ میں بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا تم لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے مگر رات کا سمے ہے ہلکی سی آواز بھی خوب گونجتی ہے۔ میں تمہاری یہ سرگوشیاں سن رہا تھا۔ اب اصل مطلب پر آتا ہوں۔ گاؤں سے آئی ہو نا تم لوگ۔''

''ہاں بابو۔ میرے پتا جی کو فالج ہوا ہے۔''

''بیڈ نمبر سولہ پر ہیں وہ نند کشور۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''نہیں بٹیا! میں وارڈ کے مریضوں کا رجسٹر رکھتا ہوں۔ نند کشور جی کا نام میرے پاس رجسٹر پر موجود ہے۔ میں نے سن لیا ہے کہ تمہارے تاؤ، تمہیں اور تمہارے پتا جی کو چھوڑ کر چپ چاپ بھاگ گئے ہیں تاکہ ان کا بوجھ ان پر نہ پڑے۔ سنسار اتنی ہی بری جگہ ہے بٹی! بس یوں سمجھ لو بھگوان نے منش کو جو کچھ بنا کر اس سنسار میں بھیجا تھا شیطان نے اس کی منشا چھین لی اور اسے شیطان بنا دیا۔ ملی جلی آبادی چل رہی ہے شیطان کی آبادی انسانوں کی آبادی سے کم نہیں ہے۔ خیر بٹیا کیا فائدہ ان باتوں سے۔ کیا کرو گی اب یہ بتاؤ۔ گاؤں واپس جاؤ گی۔''

''بابو! بیکار ہی ہے گاؤں واپس جانا۔ وہ ہمارے ساتھ انتقاماً برا سلوک کرنا شروع کر دیں گے اور ہم ماں بیٹی بھلا کہاں ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ میں تو شہر میں ہی رہنا چاہتی ہوں بھگوان کرے میرا باپ ٹھیک ہو جائے۔''

''بھگوان نے انسانوں کو آزاد ضرور چھوڑ دیا ہے۔ پر چھوڑا نہیں ہے، ٹھیک ہو جائیں گے تمہارے پتا جی! بٹیا تم چنتا مت کرنا میرا چھوٹا سا گھر ہے اور یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہسپتال کے پچھواڑے کچی آبادی ہے اور اس میں نوے فیصد لوگ ہسپتال والے، بلکہ یہ زمین جو تھی نا یہ ہسپتال والوں نے اپنے پرانے نوکروں کو دی ہوئی تھی۔ میری بھی نوکری بیس سال پرانی ہے اور یہ جگہ میرے پاس کوئی دس سال سے ہے۔ اب تو اس جگہ کی قیمت لاکھوں روپے ہے۔ پر اس سمے ادھر آبادی بھی کم تھی۔ خیر میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ میری دھرم پتنی کو مرے ہوئے بھی کوئی چھ سال گزر گئے ہیں۔ ایک بیٹا تھا اچھی شکل و صورت تھی۔ ہسپتال کی ایک ڈاکٹرنی کی بیٹی کو پسند آ گیا۔ اس نے اس کا حلیہ بدلا اور صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ہسپتال کے کسی کلرک کا بیٹا نہیں ہے۔ ڈاکٹرنی صاحبہ نے اسے ولایت بھیج دیا۔ اب وہ وہیں رہتا ہے اور اس کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنے پتا کے

بارے میں کسی کو نہ پتا چلنے دے۔ یہ سنسار ہے بیٹا۔ اکیلا رہتا ہوں اس نگر میں۔ اگر تم
بیٹی پسند کرو تو اپنے بابو کی چھاؤں میں آ جاؤ۔ آج رات تو خیر یہاں اس راہداری میں گز
لو، لیکن صبح کو میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ وہیں رہو۔ جب بھی تمہارا جی چاہے اپنے پتا
سے ملنے آ جاؤ۔ دن بھر ان کی سیوا کر کے رات کو وہاں چلی جاؤ۔ ایک دن ماں ایک دن
بولو تیار ہو۔''

''لو بابو! بھلا یہ بھی تیار نہ ہونے کی کوئی بات ہے۔ بھگوان اپنے روپ میں ان
ہی بھیجتے ہیں آپ تو ہمارے بھگوان ہو جی۔''

''بس تو تم یہ سمجھ لو کہ اب تمہیں کوئی دکھ نہیں۔ دوا دارو کی بھی فکر مت کرو۔''

''نہیں بابو! پیسے ہیں ہمارے پاس۔ جب ختم ہو جائیں گے تو آپ ہماری مد
کریں۔ جب تک یہ پیسے ہیں ہم پتا جی کی دوا دارو کرتے رہیں گے۔''

بہر حال دوسرے دن صبح کو جب کرم داس کی ڈیوٹی ختم ہوئی تو وہ ان دونوں کو ہسپتال
سے لے گیا۔ معمول کے مطابق دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ حالت بھی پہلے سے کچھ بہتر ہی تھ
نند کشور کی، لیکن بدستور بے ہوش تھا۔ کرم داس نے ڈیوٹی نرس سے اس کے بارے میں
پوچھا تو وہ بولی۔

''رات بھر حالت میں کوئی بڑا فرق نہیں پڑا۔ یہ رات ڈیوٹی کے ڈاکٹر نے ایک پر
اور دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ دوا انجکشن منگا لیے جائیں ذرا مہنگے ہیں۔''

''چنتا مت کرو میں لا کر دیتا ہوں تمہیں یہ انجکشن۔'' کرم داس نے کہا۔

''بابو! ان دونوں سے آپ کا کوئی رشتہ ہے۔''

''ہاں بیٹا! یہ میری بہن ہے اور یہ بھانجی۔''

''اچھا اچھا۔'' کرم داس نے انہیں اپنے گھر پہنچایا۔ تین کمروں کا چھوٹا سا گھر تھ
چھوٹے چھوٹے کمرے، برآمدہ، صحن، ضروریات زندگی کی دوسری چیزیں اور کچن وغیر
ماں بیٹیاں یہاں آ کر ایک عجیب سا سکون محسوس کرنے لگیں۔ کرم داس نے کہا۔

''اچھا اب میں ذرا نرس کو انجکشن دے آؤں۔'' دیوالی نے جیب سے نوٹ نکال
کرم داس کو دیا۔

''دے دے بیٹا تیری مرضی ہے۔'' بابو چلا گیا۔

''ماں جی کیسی جگہ ہے؟''

''بھگوان کا گھر ہے بیٹا! بھگوان کا گھر ہے مندر ہے ہمارے لئے یہ جگہ، کسی

خلوص سے ہمیں اپنے درمیان جگہ دی ہے ہمارے لئے تو مندر ہی ہو سکتا ہے۔'' اور پھر اس
مندر میں وقت گزرنے لگا۔

ادھر نند کشور کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ ہوش آ گیا تھا وہ سب کو پہچانتا تھا۔ کرم
داس کی وجہ سے اچھی دیکھ بھال ہوتی تھی۔ کرم داس نے اس سے کہا تھا۔

''نندو! بہت عرصے گاؤں میں رہ لیے اب شہر کا مزہ بھی چکھو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے تو شہر
کی سیر کراؤں گا۔''

''بھیا جی! میں تو شہر ہی میں نوکری کرتا تھا۔ بہت دیکھا ہوا ہے میں نے شہر، گاؤں
سے اچھا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ گاؤں کے لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے
محبت کرتے ہیں مگر دیکھ لو میرے ساتھ کیا ہوا۔ میرے سگے بھائیوں نے مجھے نکال باہر کیا۔
بہت بڑا گھر ہے میرا، حصہ ہے اس میں میرا، ٹھیک ہو جاؤں تو بھائیوں سے کہوں گا۔''

''نا نا نا، نند کشور! دشمنی مت پالو یہ زر، زن اور زمین جو ہوتی ہے نا۔ بھیا سارے
رشتے ختم کر دیتی ہے۔ ان کی دانست میں تو تم مر چکے ہو گے۔''

''مگر وہ تو میرا حق ہے۔''

''خیر کبھی یہ حق لینا چاہو تو بے شک لے لینا لیکن ابھی کان دبا کر پڑے رہو۔ کوئی
ایسی بات نہیں ہے۔ تمہاری بیوی اور بیٹی بڑے آرام سے ہیں۔ چنتا کی کوئی بات نہیں
ہے۔'' نند کشور گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتا تھا بے
چارہ۔ ایک بیٹی تھی، دھرم پتنی تھی اور وہ خود ایسا جو بالکل اپاہج تھا۔ کچھ دنوں میں اسپتال سے
اس کی چھٹی کر دی گئی۔ بلاوجہ مریضوں کو ہسپتال نہیں رکھا جاتا۔ کرم داس اسے اپنے گھر لے
آیا تھا اور یہاں وقت گزاری ہو رہی تھی۔

ادھر دیوالی کے پاس جو پیسے تھے وہ بڑے کام آ رہے تھے۔ دیوالی نے کرام داس کو
مخلص پا کر باقی بچی ہوئی ساری رقم اس کے حوالے کر دی تھی اور کہا تھا۔

''بابو یہ میں نے سنبھال کر رکھی ہے پتہ نہیں کب سے جمع کر رہی تھی یہ۔ آپ انہیں
ہمارے لئے استعمال کریں۔ ویسے میں آپ کو ایک بات بتاؤں بابو! میں ان لڑکیوں میں
سے نہیں ہوں جو اپنے آپ کو لڑکی سمجھ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ وہ تو
لڑکی ہیں وہ کیا کر سکیں گی۔ بابو تھوڑا سا سمے بیت جانے دو۔ میں کچھ کروں گی۔''

''بیٹا! ایک بات بتا۔ کتنا پڑھا لکھا ہے تُو نے۔''

''نہیں بابو کوئی خاص نہیں لیکن پڑھنا لکھنا اچھی طرح جانتی ہوں۔ بس کچھ زیادتیاں

ہوئی ہیں ہمارے ساتھ، لیکن خیر جو گزرنا تھا وہ تو گزر ہی گیا۔ بھگوان نے مجھے ایسی شکتی دی ہے کہ میں اس سنسار میں اپنی جگہ بنا سکتی ہوں۔''

''تیری آنکھوں کی روشنی اور تیرے ماتھے کی چمک یہی بتاتی ہے بٹیا کہ تُو سنسار میں واقعی اپنا مقام بنا سکتی ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تجھے نرس بنوا دوں لیکن اس کے لئے کچھ ڈگریاں ہوتی ہیں۔''

''ایک بات بتاؤں بابو آپ کو، میں نرس نہیں ایک بہت بڑی نامور بنوں گی ایک دن۔ آپ لکھ کر رکھ لیجئے یہ بات۔ بھگوان آپ کا جیون بھی رکھے اور میرے ماتا پتا کا بھی۔ آپ دیکھ لیجئے کہ میں آپ کو کیا سے کیا بن کر دکھاتی ہوں۔'' اور یہ حقیقت ہے کہ دیوالی کے اندر ایک نیا جوش اور نئی امنگ اٹھتی چلی آ رہی تھی۔ یہ تو اسے بتا دیا گیا تھا کہ اس کے مڑے ہوئے پاؤں اس کی کامیابی کا زینہ ہیں اور وہ ان سے بڑے کام لے سکتی ہے جس کا عملی تجربہ بھی اسے ہو چکا تھا، لیکن بس ذرا صورتِ حال تو معلوم کرے۔ اس نے اپنے لباس سے اپنے پاؤں ہمیشہ چھپائے رکھے تھے۔ ہسپتال ہی کی ایک ڈاکٹرنی نے جس کا نام نریشا تھا ایک دن اس سے کہا تھا۔

''لڑکی! تُو مجھے بڑی عجیب لگتی ہے۔ جب بھی تجھے دیکھتی ہوں میرے دل میں نجانے کیسے کیسے خیالات آنے لگتے ہیں۔''

''کیسے خیالات۔ نریشا دیدی!''

''بھگوان کی سوگند تُو بڑی سندر ہے۔ اتنی پیاری کہ انسان ایک دفعہ دیکھے تو دیکھتا ہی رہے۔ میں نے تو ایک دن بابو سے کہا تھا کہ بابو یہ لڑکی آپ کی رشتے دار تو ہو نہیں سکتی۔ یہ تو مجھے آکاش سے اتری ہوئی کوئی اپسرا لگتی ہے۔'' دیوالی ہنسنے لگی تھی۔ نریشا بولی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ تُو ذرا اپنے لباس پر بھی توجہ دے۔ یہ عجیب و غریب لباس جو تُو پہنے پھرتی ہے یہ نا تو میکسی ہے نہ کچھ اور تیرے سارے لباس ایسے کیوں ہیں۔''

''پسند ہے اپنی اپنی دیدی۔''

''ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے بس میں تو اپنی پسند کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اچھا ایک کام کرنا۔ یہ کچھ چیزیں میں دے رہی ہوں۔ یہ اپنے پاس رکھ لے، اس وقت ذرا ایک مریض کو دیکھنے جا رہی ہوں۔ عجیب و غریب مریض ہے آ ذرا میرے ساتھ۔'' نریشا نے کہا۔ دیوالی اب گھر میں ہی گھسی نہیں بیٹھی رہتی تھی۔ بڑے محتاط انداز میں اس نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ رہائشگاہ کا ایک دروازہ ہسپتال کے احاطے میں کھلتا تھا۔ اس لئے

باہر نکل آتی تھی۔ نریشا سے اس کی دوستی سردیوں کی ایک صبح ہوئی تھی جب نریشا آرام کرسی پر بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی اور اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ دیوالی ٹہلتی ہوئی باہر نکلی تو اس نے حیرت سے دیوالی کو دیکھا پھر اسے اپنے پاس بلایا اور اس کے بعد بس دیوالی سے اس کی دوستی ہو گئی۔ اب وہ اکثر ملتی رہتی تھیں۔

بہرحال دیوالی! نریشا کے ساتھ چلتی ہوئی ہسپتال کے ایک پرائیویٹ کمرے میں پہنچی۔ یہاں ایک مریض بستر پر موجود تھا۔ اس نے اپنا چہرہ سفید کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ نریشا نے کہا۔

''آپ کیسے ہیں رمانند جی۔''

''یہ نہ پوچھیں ڈاکٹر صاحب! اگر آپ یہ دیکھ لیں کہ میں کیسا ہوں تو پھر جیون بھر مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گی کہ آپ کیسے ہیں رمانند جی۔''

''کامپلکس ہے آپ کا، آپ ہٹایئے اپنے چہرے پر سے کپڑا۔ میں بتاؤں گی آپ کو کہ آپ کیسے ہیں۔ پر کیا کیا جائے۔ آپ اپنا چہرہ دکھاتے ہی نہیں ہیں۔''

''بہت سے چہرے ایسے ہوتے ہیں ڈاکٹر جی۔ جنہیں دیکھ کر انسان کا اپنا جیون بھی خراب ہو جاتا ہے۔''

''آپ کی باتیں بڑی سندر ہوتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ بہت دیر تک آپ کی باتیں سنا کروں لیکن کیا کروں۔ بس ڈیوٹی، ڈیوٹی ہی ہوتی ہے۔''

''سن لیجئے کسی دن ہماری باتیں بھی ڈاکٹر صاحب! سنانے سے من کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر ہم جو آپ کو سنائیں گے وہ آپ کو بڑا عجیب لگے گا۔''

''نکالیں گے وقت کبھی آپ کے لئے بھی۔'' پھر اس کے بعد تھوڑی سی ضروری دیکھ بھال کر کے ڈاکٹر نریشا دیوالی کے ساتھ باہر نکل آئی اور ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''بڑا عجیب انسان ہے بہت ہی عجیب۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ رمانند نام ہے اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھاتا۔ نجانے کیوں یہ اپنا چہرہ چھپائے رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے پیچھے کوئی خاص کہانی ہے۔

دیوالی خاموش ہو گئی۔ کوئی خاص تجسس نہیں ابھرا تھا اس کے ذہن میں، چنانچہ بات آئی گئی لیکن تیسرے دن ڈاکٹر نریشا نے کہا۔

''دیوالی۔ وہ رمانند جی یاد ہیں تمہیں۔''

''وہی مریض۔ ہاں کیا ہوا......؟''

''نہیں کچھ نہیں ہوا۔تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''مجھ سے۔کیوں......؟''

''بس تمہارے بارے میں پوچھنے لگے۔ میں نے مختصراً بتا دیا تو کہنے لگے کہ کیا میں اس لڑکی سے دوبارہ مل سکتا ہوں میں نے کہا کہ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ پوچھ لوں گی اس سے تو بولے کہ بس ایک بار اس سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔''

''مل لوں گی کوئی حرج نہیں ہے۔ دیوالی نے کہا۔

''تمہارا یہ انداز مجھے پسند آیا۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا ہے کہ تم ایک پُر اعتماد لڑکی ہو۔ ویسے رمانند بہت نرم مزاج انسان ہیں۔ چیسٹ انفیکشن کا شکار ہیں ڈاکٹر راجیش سے دوستی ہے۔ بہرحال اب ٹھیک ہیں اور شاید ڈاکٹر راجیش انہیں بہت جلدی چھٹی دے دیں گے۔''

''مگر تعجب کی بات ہے مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ کب جانا ہے مجھے ان کے پاس۔'' دیوالی نے پوچھا۔

''تمہاری مرضی ہے جب دل چاہے چلی جاؤ۔ ابھی چلی جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔ میں چلی جاتی ہوں۔'' دیوالی نے کہا۔

''جگہ معلوم ہے تم پہنچ جاؤ گی نا وہاں۔''

''ہاں پہنچ جاؤں گی۔'' اور کچھ دیر کے بعد دیوالی اپنے مخصوص لباس میں ملبوس رمانند کے کمرے تک پہنچ گئی۔ ہلکی سی دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ رمانند کا چہرہ بدستور کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا اسے دیکھ کر وہ تھوڑا سا سنبھلا۔ پیچھے کھسکا اور کہنیوں کے بل بیڈ سے ٹک گیا۔ پھر اس کی پاٹ دار آواز ابھری۔

''بہت بہت شکریہ دیوالی! کہ تم میری درخواست پر میرے پاس آگئیں۔ آؤ بیٹھو......'' دیوالی اپنے مخصوص انداز میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ رمانند کی آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دیوالی کو یہ آنکھیں کافی خوبصورت لگی تھیں۔ ان میں ایک ہلکی نیلاہٹ تھی۔ آنکھیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ باقی چہرہ بدستور اس انداز سے ڈھکا ہوا تھا کہ اسے بالکل نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ چہرے پر جو چیز موجود تھی اسے صرف رومال نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ اب دیوالی نے ذرا غور سے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ یہ ایک مخصوص انداز ہے۔ چہرے کو چھپانے کا، وہ بولی۔

''جی......رمانند جی نریشا دیدی نے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔''

''ہاں دیوالی! نریشا سے مختصراً تمہارے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور نجانے کیوں میرا دل چاہا کہ میں تم سے ملاقات کروں۔ دیکھو دیوالی سب سے پہلے میں اپنے من کی ایک خاص بات ظاہر کر دینا چاہتا ہوں۔ تم لڑکی ہو حالانکہ بہت چھوٹی عمر ہے تمہاری مگر جیون کا کچھ تجربہ ہے۔ تمہاری داستان سن کر اندازہ ہوا کہ شاید ماتا پتا کی بے بسی نے تمہیں بہت نڈر بنا دیا۔ خیر میں جو بات کہنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ میں تمہارے بارے میں کوئی برا خیال دل میں نہیں رکھتا۔ دیوالی، اگر سنسار سے واقف ہو اور یہ جانتی ہو کہ مرد عورت کی طرف کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تو میں تمہیں سب سے پہلے یہی بتانا چاہتا ہوں کہ میری نگاہوں میں تمہارے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے تم مجھے کچھ بھی سمجھ سکتی ہو۔ بہت سے مقدس رشتے ہوتے ہیں۔ میں تمہارا چاچا بھی ہو سکتا ہوں۔ بڑا بھائی بھی ہو سکتا ہوں۔ جو چاہو تم سمجھ لو اور ایک اور بات میں تم سے کہوں دیوالی! بھگوان کے بعد انسان کو اپنے اوپر اعتماد ہونا چاہیے۔ میں تمہیں بس یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھوں تمہاری عزت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہارے لئے اپنے دل میں سارے مقدس جذبے رکھتا ہوں۔ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے۔''

''ہاں رمانند جی! آ رہی ہے۔''

''بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا میں اور اس کے بعد میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسی پیشکش......'' دیوالی نے پوچھا۔

''دیکھو......سنسار میں ہر انسان کا کام ایک دوسرے سے چلتا ہے۔ تم نے سوچا تو ہوگا کہ میں اپنی شکل کسی کو کیوں نہیں دکھاتا۔ یہ سچ ہے کہ میرا چہرہ بہت بھیانک ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر خوش نہیں ہوں گے بلکہ مجھ سے نفرت کریں گے۔ مجھ سے خوفزدہ ہو جائیں گے ان میں تم بھی شامل ہو دیوالی۔ ایسا ہی برا چہرہ ہے میرا اور ایک بات اور بتا دوں تمہیں، یہ چہرہ ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ بس کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر یہ چہرہ ایسا ہو گیا اور کسی موقع پر میں تمہیں بتا دوں گا دیوالی۔ دیکھو ویسے تو اس سنسار میں دولت کے ذریعے لاکھوں ہمدرد مل جاتے ہیں۔ محبت کرنے والے مل جاتے ہیں لیکن ان پر بھروسہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ تمہارے بارے میں ڈاکٹر نریشا سے مجھے معلوم ہوا۔ پتہ چلا کہ تم کسی گاؤں سے آئی ہو اور کچھ برے لوگ تمہارے پتا کو یہاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تھوڑا سا بتاؤ گی تم اپنے بارے میں۔''

"اتنا بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے رمانند جی! میرے دو بڑے تایا ہیں۔ تائیاں ہیں۔ میرے پتا جی بھی شہر میں نوکری کرتے تھے لیکن پھر ان کی نوکری چھوٹ گئی اور اس کے بعد انہیں فالج کا حملہ ہوگیا۔ وہ اپاہج ہوکر بستر پر پڑ گئے...... خیر کسی کی کوئی برائی نہیں کروں گی۔ سنسار کو جتنا دیکھا ہے اتنا ہی جانتی ہوں اس کے بارے میں۔ برے وقت کا ساتھی کوئی نہیں ہوتا۔ میں اور میری ماں اپنے گھر میں نوکر بن کر جیون بتا رہے تھے کہ پتا جی پر فالج کا دوسرا حملہ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ پتا جی کہیں وہیں مر نہ جائیں۔ کریا کرم پر خرچہ کرنا پڑے گا۔ سو وہ یہاں لے آئے۔ ہم تینوں کو اور انہوں نے پتا جی کو اسپتال میں ڈال دیا۔ بھلا ہو ان سارے لوگوں اور خاص طور سے کرم داس بابو کا جنہیں بھگوان نے اپنا سا روپ دے کر ہماری مدد کے لئے بھیجا اور اب ہم یہاں رہتے ہیں۔"

"اتنی تفصیل ڈاکٹر نریشا کو بھی نہیں معلوم تھی۔ خیر میں کسی افسوس کا اظہار نہیں کروں گا۔ البتہ میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی پیشکش رمانند جی۔"

"میری یہاں سے چھٹی ہو رہی ہے۔ دیوالی تم، تمہاری ماتا جی، اور تمہارے پتا جی تینوں میرے ساتھ چلو...... میرے گھر پر رہو۔ اس گھر میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میں تمہارے پتا جی کا بھرپور علاج کراؤں گا۔ یہاں ایک بہت بڑے ڈاکٹر میرے دوست ہیں راجیش۔ میں تمہارے سامنے ان سے بات کروں گا۔ سارے اخراجات میں خود اٹھاؤں گا۔ تمہارے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار پہلے ہی کر چکا ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ مجھے کچھ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو میرے ہمدرد ہوں۔ میرے لئے قابل اعتماد ہوں اور بس اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ میرے پاس بہت دولت ہے۔ مجھے اس کی کوئی چنتا نہیں ہے۔ دیوالی تم حیران تو ہوگی کہ میری نگاہ تم پر ہی کیوں پڑی۔ بس میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ہر بات میں بھگوان کی کوئی نہ کوئی مرضی ہوتی ہے۔ تمہارا جواب چاہتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں رمانند جی! میں جانتی ہوں بابو کرم داس اس بات پر ناراض ہوں گے لیکن میرے جیون کی کچھ اور بھی مانگ ہے اور میں جانتی ہوں کہ بابو کرم داس کے اس چھوٹے سے گھر میں میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اگر آپ میرے ہمدرد ثابت ہوئے تو میں آپ کے لئے ہر طرح کا کام کروں گی۔ جس سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچے اور پھر آپ سے کہوں گی کہ جس طرح میں اپنا جیون بنانا چاہتی ہوں آپ اس میں میری مدد کریں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔" رمانند کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی پھر اس نے

کہا۔

"کیا اس سلسلے میں دیوالی! تم اپنے ماتا پتا سے پوچھو گی۔"

"ہاں ضرور پوچھوں گی لیکن یہ کہوں گی ان سے کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ہر لحاظ سے ٹھیک ہے اور انہیں میرا ساتھ دینا ہی ہے ہر قیمت پر۔"

"شکریہ دیوالی! میں شام کو سات بجے یہاں سے چھٹی پالوں گا۔ ڈاکٹر راجیش نے بھی کہا ہے اور اس کے بعد ہم تینوں ساتھ ساتھ چلیں گے۔" اب پتہ نہیں دیوالی کی ناتجربہ کاری تھی یا پھر حد سے زیادہ بڑھا ہوا اعتماد کہ اس نے دل میں یہ بات طے کرلی تھی کہ اسے اس پُراسرار شخص کے ساتھ جانا ضرور ہے۔ حالانکہ سچی بات تھی کہ جس طرح رمانند نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ پتہ نہیں وہ کون تھا اس کا کیا کردار تھا۔ دیوالی نے نند کشور اور راجی کو یہ بات بتائی۔ تو دونوں سکتے میں رہ گئے۔ راجی نے کہا۔

"تو تُو نے اس کی بات مان لی۔"

"ہاں ماتا جی۔ ہمیں شام کو سات بجے اس کے ساتھ جانا ہے۔"

"اری باؤلی! یہاں بڑے سکون سے رہ رہے ہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔ بے چارے بابو بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ماتا جی! میرے سامنے میرا لمبا جیون پڑا ہوا ہے۔ کیا آپ چاہتی ہو کہ یہ جیون اسی جھونپڑی میں ختم ہو جائے۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے ماتا جی۔ مجھے روشنیوں کی تلاش ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن......"

"نہیں ماتا جی! لیکن کی گنجائش نہیں ہے۔ جو ذمہ داری میں نے سنبھالی ہوئی ہے اس میں آپ میرا ساتھ دو۔" اور پھر اسی شام ٹھیک سات بجے رمانند انہیں اپنے ساتھ لے کر چل پڑا تھا۔

دیوالی کی زندگی میں شاید کچھ نئی کہانیوں کا آغاز ہونے والا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اگر وہ قدرتی طور پر ایک پُراسرار کردار تھی اور اس کے پاؤں چڑیلوں کی طرح پیچھے کی سمت مڑے ہوئے تھے تو رمانند نے بھی جانے کیوں دنیا سے پردہ پوشی اختیار کی ہوئی تھی۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی گہرا راز تھا۔

دیوالی کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ رمانند اتنا امیر آدمی ہوگا۔ اس کی کوٹھی بے حد خوبصورت تھی، لیکن اس عالیشان کوٹھی میں کوئی ملازم نہیں تھا۔ پوری کوٹھی اجاڑ پڑی تھی۔ فرنیچر اعلیٰ درجے کا تھا لیکن گرد میں اٹا ہوا۔

نند کشور نے حیرت سے کہا۔ ''آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں رمانند جی۔''

''ہاں بھائی اکیلا رہتا ہوں۔'' رمانند نے افسردگی سے کہا۔

''آپ کے بیوی بچے۔ شادی ہوئی ہے آپ کی۔'' یہ سوال راج وتی نے کیا تھا۔

''ہاں۔ شادی تو ہوئی تھی۔''

''تو پھر......؟''

''بچے بھی ہیں میرے۔ بہت پیارے ہیں وہ۔ دو بیٹیاں ہیں۔''

''وہ یہاں نہیں رہتے؟''

''نہیں۔''

''کیوں......؟''

''افوہ ماتا جی کچھ صبر بھی کریں۔ ساری باتیں ایک ساتھ پوچھ لیں گی۔'' دیوالی نے راجی کو دیکھ کر کہا۔

''میں آپ لوگوں کو سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے کچھ وقت دیں۔'' رمانند نے کہا، پھر بولا۔ ''یہ پورا گھر خالی پڑا ہوا ہے۔ اوپر نیچے ملا کر گیارہ کمرے ہیں۔ آپ جو جگہ اپنی رہائش کے لئے پسند کریں اسے ٹھیک کر لیں، میں اندر کے کمرے میں رہتا ہوں۔ وہیں میری اسٹڈی ہے اور وہیں بیڈروم۔ اپنا کھانا بھی خود تیار کر لیتا ہوں۔ آپ لوگوں کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''واہ یہ کیا بات کی آپ نے رمانند جی، پھر ہم یہاں کس حساب میں رہیں گے۔'' دیوالی جلدی سے بولی۔

''بہن اور بیٹی کے حساب میں۔''

''کوئی بھی غیرت مند بہن، یا عزت دار بیٹی یہ نہیں پسند کرے گی کہ اس کا باپ یا بھائی خود اپنے ہاتھ سے کھانے پکائے۔ یہ کام اب ہمارا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ جو پکاؤ اس میں سے تھوڑا سا مجھے بھی دے دینا۔''

اس کے بعد دیوالی نے کمر باندھی اور گھر کی صفائی میں لگ گئی۔ راجی بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ دو کمرے انہوں نے اپنے لئے منتخب کئے اور پہلے ان کی صفائی کر کے ان میں سے ایک کمرے میں نند کشور کو منتقل کر دیا۔ رمانند نے کہا۔

''میں نے اس گھر میں کوئی ملازم نہیں رکھا لیکن جگل کشور نامی ایک آدمی سے میرا رابطہ ہے یہ میرے لئے سارے کام کرتا ہے۔ میں اسے ٹیلی فون کر دوں گا آ جائے گا اس

کے پاس ٹیکسی بھی ہے اور وہ ٹیکسی چلاتا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو اسے بتا دیا کرو۔''

''جی بھیا جی......!'' دیوالی نے کہا۔

رمانند اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ پھر جگل کشور آ گیا۔ دیوالی نے اسے کچن کا پورا سامان لکھوا دیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تمہیں پیسے کون دے گا جگل کشور۔''

''مجھے ہر مہینے پیسے مل جاتے ہیں بہن جی۔ آپ بس اپنی ضرورت بتا دیا کریں۔ سب کچھ آ جائے گا۔''

''میں یہی کہہ رہی تھی کہ رمانند جی سے مل لو۔''

''مل لوں......؟'' جگل کے انداز میں حیرت تھی۔

''ہاں......ہو سکتا ہے وہ تمہیں کچھ اور بتائیں۔''

''وہ کسی سے ملتے کب ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''رمانند جی کسی سے ملتے تھوڑی ہیں۔''

''تو پھر......؟''

''جو کام بھی ہوتا ہے فون پر بتا دیتے ہیں۔''

''اوہ......اچھا۔''

''چیک دے دیتے ہیں پیسے بینک سے مل جاتے ہیں۔''

جگل کے جانے کے بعد نند کشور نے پُرخیال انداز سے کہا۔ ''اس شخص کی زندگی میں کوئی گہرا راز ہے۔ ہوشیار رہنا ہے۔ ہم یہاں آ تو گئے ہیں۔ مگر دنیا بہت بری ہے۔ میں تو کچھ بول بھی نہیں سکتا، کیونکہ خود کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں مگر بیٹی۔ بھگوان تجھے دنیا کی برائیوں سے بچائے۔ تیری ضد کی وجہ سے ہم یہاں آئے، ورنہ بے چارے رام داس کی جھونپڑی بہت اچھی جگہ تھی۔'' دیوالی اس بات سے چڑ گئی۔

''آپ کی سوچ اچھی نہیں پتا جی! اکیلی بیٹی ہوں آپ کی، ماتا پتا تو اپنی بچیوں کے جیون کے لئے نجانے کیا کیا کچھ سوچتے ہیں۔ آپ ایسا بالکل نہیں کرتے پتا جی! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں سنسار میں بہت اونچی اڑان اڑنا چاہتی ہوں اور پتا جی! اوپر جانے کے لئے خطرے تو مول لینا ہی پڑتے ہیں۔ جیون میں تجربے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ میں تجربے کرتی رہوں گی۔ لڑوں گی اس سنسار سے اور اپنی جگہ خود بناؤں گی۔ آپ میرے لئے بالکل چنتا نہ کیا کریں۔'' نند کشور اور راج وتی کی کیفیت ایسے موقعوں پر عجیب

سی ہو جاتی تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا ان کا بس بھگوان نے ایک بیٹی دے دی تھی لیکن بیٹی کا لب و لہجہ انہیں احساس دلاتا تھا کہ بات معمولی نہیں ہے۔ بھگوان اگر کسی کے اندر کوئی کمی پیدا کر دیتا ہے تو اس کمی کو خود ہی اس طرح پوری کرتا ہے کہ وہ سنسار باسیوں سے بڑھ جاتا ہے۔

بے چارہ نند کشور چاروں طرف سے ٹوٹا ہوا تھا۔ بھائیوں نے بیویوں کے پھیر میں پڑ کر بالکل ہی آنکھیں پھیر لی تھیں۔ کسی کو کچھ کرنے کے لئے مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ تھوڑے بہت حالات اسے بھی ان کے معلوم تھے۔ لے دے کر بس وہ ایک گھر تھا جس میں وہ سر چھپائے بیٹھے ہوئے تھے۔ راج وتی نے ایک آدھ بار دبی زبان میں کہا بھی۔

''گھر پر تو ہمارا بھی حق ہے۔ ان لوگوں نے تو ہم سے سب کچھ ہی چھین لیا ہے۔ آخر سرکار بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ کیا ہم ان سے اپنا حق نہیں مانگ سکتے۔''

''پگلی کیا رکھا ہے ان سسروں کے پاس۔ ماتا پتا کا بنایا ہوا یہ گھر ہے۔ کیا کریں گے اسے چھین کر کچھ بھی نہیں رہے گا ان کے پاس۔ پاؤں تو میری ماں کے پیٹ میں ہی پھیلائے تھے۔ تھوڑی بہت محبت تو ہے مجھے ان سے۔ انہیں نہیں ہے تو کیا ہوا؟ کبھی نہ کبھی تو یاد آئے گا انہیں کہ وہ تین تھے اور انہوں نے خود ان میں سے دو کر دیئے ہیں۔ بھول جا ان تمام باتوں کو۔''

''بھول تو خیر نہیں سکتی جو کچھ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے بھگوان بھی تو دیکھ رہا ہے۔''

''راجی! زیادہ نہیں بولنے لگی تو؟''

''تو کیا کروں؟ کب تک نہ بولوں آخر؟ میں بھی تو انسان ہوں۔''

''تو اپنی بیٹی کو نہیں دیکھتی۔ بھگوان نے بیٹی کے روپ میں بیٹا دے دیا ہے تجھے۔''

''ہاں وہ بھی کجی والا۔ الٹے پاؤں ہیں اس کے۔''

''مگر دماغ تو الٹا نہیں ہے۔ مجھے تو اس کی باتیں سن کر یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ سنسار میں بہت کچھ بننے والی ہے۔ چل ٹھیک ہے چھوڑ ان باتوں کو۔''

دیوالی نے واقعی چند ہی دنوں میں رمانند کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ رمانند کے اس شاندار گھر کے دو پورشن تھے۔ ایک میں وہ خود رہتا تھا۔ دوسرا ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا۔ دیوالی سے اس نے کہا تھا۔

''دیوالی! میں اس گھر میں دس نوکر رکھ سکتا ہوں۔ جو گھر کے سارے کام کریں مگر

زیادہ لوگوں کو میں یہاں لانا نہیں چاہتا۔ بس تُو خود ہی اس گھر کو سنبھالے رکھ۔ تیرا آنا میرے لئے بڑے اطمینان کا باعث ہے۔ دیوالی! برا تو نہیں مانے گی۔''

''رماجی! ایک بات بتایئے۔ کیا آپ مجھے رحم کھا کر یہاں لائے ہیں؟ چلیں ایسا ہی سہی، مگر میرا بھی تو کوئی فرض ہے۔ آپ نے مجھ پر رحم کھایا ہے تو مجھے بھی تو کچھ ادائیگی کرنی چاہئے۔''

''ارے ارے کیسی باتیں کر رہی ہے؟ کیسا رحم؟ بس تُو میرے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتی ہے اور میں نے یہ گھر تجھے سونپ دیا ہے۔''

''تو پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟ اپنے گھر کے کام کاج تو کرنا ہی ہوتے ہیں۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں یہاں کی ضرورت میں پوری کروں گی۔ سارے کام کروں گی۔ آپ کیوں ایسی باتیں سوچتے ہیں۔''

''چل ٹھیک ہے۔ اب نہیں سوچوں گا بابا! معاف کر دے مجھے۔'' دیوالی ہنس کر خاموش ہو گئی تھی۔ رمانند روپے پیسے کے معاملے میں بالکل کمزور نہیں تھا۔ اس نے دیوالی سے کہا۔'' جگل کشور سے کہو کہ وہ تمہارے لئے اور تمہارے ماتا پتا کے لئے کپڑے لے کر آئے۔ تمہیں یہاں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہئے۔''

''کہہ دوں گی رماجی!'' اور پھر دیوالی نے اپنے لئے اور ماں باپ کے لئے بہت سے لباس بنائے۔ لگتا تھا جیسے رمانند کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کبھی کبھی بس دیوالی اس کے بارے میں سوچتی تھی۔ رمانند کیسی زندگی گزار رہا ہے اور کیوں ایسی زندگی گزار رہا ہے وہ۔ اس کا چہرہ ہمیشہ چھپا رہتا تھا آج تک دیوالی نے کبھی اس کے چہرے کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔

بہر حال یوں وقت گزرتا رہا۔ رمانند کی کہانی صیغۂ راز میں رہی، لیکن پھر ایک دن یہ کہانی منظر عام پر آ گئی۔ دیوالی بھی صبر و سکون سے زندگی گزار رہی تھی۔ اس کا انداز وہی تھا۔ اس نے آج تک رمانند کو اپنے پیر نہیں دیکھنے دیئے تھے۔ رمانند کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ جو لڑکی رہتی ہے اس میں ایک ایسی کوالٹی ہے جو عام لوگوں میں نہیں ہوتی۔

بہر حال اس دن آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے۔ موسم بہت ہی خوبصورت ہو رہا تھا۔ نند کشور کی کچھ طبیعت خراب تھی۔ راج وتی اس کی تیمارداری کرتی رہی تھی۔ دیوالی بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ ڈاکٹر نریشا کو بلا کر دکھا دیا گیا تھا۔ ویسے بھی نریشا اکثر آتی جاتی رہتی اور رمانند بھی اس کی آمد کو پسند کرتا تھا۔ نریشا نے بھی دو تین بار دیوالی سے پوچھا تھا۔

"دیوالی! ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے رمانند جی کی صورت دیکھی ہے۔" دیوالی ہنس پڑی پھر بولی۔

"رمانند جی کی کوئی اور صورت بھی ہے۔ وہ تو لگتا ہے جیسے ماتا کے پیٹ سے ایسے ہی منہ چھپائے پیدا ہوئے تھے۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ ساری باتیں اپنی جگہ رمانند جی ہیں بہت اچھے آدمی۔"

"لو تو اس میں برے کی کیا بات ہے یا میں کون سا انہیں برا کہہ رہی ہوں۔ چہرے کی بات پوچھی نا تم نے۔"

"تم یہاں خوش ہو؟"

"بہت خوش۔" دیوالی نے جواب دیا۔

پھر اس دن بارش ہو رہی تھی۔ نند کشور سو گیا تھا۔ دیوالی ٹہلتی ہوئی پرانے پورشن کی جانب چل پڑی اور پھر رمانند اسے مل گیا۔ رمانند نے اس کے پیروں کی چاپ محسوس کر لی تھی۔ اس وقت بھی اس کا چہرہ کپڑے سے لپٹا ہوا تھا۔ یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔ دیوالی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"ہاں دیوالی! کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"جی رماجی۔"

"آؤ...... آؤ...... ادھر بیٹھتے ہیں۔" رمانند نے ایک مخصوص حصے میں اپنی نشست گاہ میں پہنچ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دیوالی بیٹھ گئی۔

"ہاں بولو۔ کیا کام ہے مجھ سے؟"

"باتیں کرنی تھیں آپ سے۔"

"ارے اچھا...... بیٹھو، میں خود بھی بڑی تنہائی محسوس کر رہا تھا آؤ بیٹھو۔"

"آپ بھی تو بیٹھئے نا رماجی۔"

"ہاں ٹھیک ہے خوش ہو۔"

"ہاں۔ اپنی اوقات سے زیادہ خوش ہوں۔"

"دیوالی! تم نے اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔"

"اس کی وجہ ہے۔"

"کیا؟"

"مجھے تو تم پر اعتماد ہے۔ بس تم پیچھے سے جو کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے، لیکن بس انسان ایک دوسرے کے حالات جاننے کے لئے پوچھ ہی لیتا ہے۔"

"نہیں رماجی! میرے کچھ خاص وچار نہیں ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بستی میں رہتی تھی دو تاؤ تھے۔ تائیاں تھیں، غربت تھی، پریشانیاں تھیں۔ پتا جی بیمار ہوئے ان لوگوں نے سوچا کہ کہیں ہم ان لوگوں کے سر پر مصیبت نہ بن جائیں۔ نکال باہر کیا۔ بھگوان کو پتا جی کا جیون منظور تھا۔ ہسپتال میں ہمدرد لوگ مل گئے۔ وہ جتنے بھی ٹھیک ہو سکتے تھے ہو گئے۔ بے چارے کرم داس جی ملے۔ ہمارے لئے تو بھگوان نے فرشتے ہی فرشتے پیدا کر دیئے۔ وہاں سے آپ ہمیں یہاں لے آئے۔ بس اتنی سی جیون کہانی ہے۔ ٹھیک ہے میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی لیکن ایک بنتی ہے آپ سے۔"

"ہاں بولو۔"

"آپ نے کبھی ہمیں اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ ورنہ پھر بھگوان اور انسان میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔"

"بھگوان اور انسان؟"

"ہاں۔ بھگوان نہ کہیں دیوتا کہہ لیں۔ آپ دیوتا ہیں ہم انسان، انسانوں کو دیوتاؤں کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔" یوں لگا جیسے رمانند مسکرا پڑا ہو۔ یہ مسکراہٹ اس کی آواز میں بھی آ گئی۔

"طنز کر رہی ہو؟ تمہارا طنز بھی ٹھیک ہے۔ دل سے مانتا ہوں اسے۔ واقعی ٹھیک ہی کہتی ہو۔ مگر میں نہ بھگوان ہوں نہ دیوتا۔"

"نہیں ہمارے لئے تو آپ دیوتا بھی ہیں بھگوان بھی ہیں۔ آپ نے ہمیں سہارا دیا ہے۔"

"ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"ایسی ہی باتیں کرنے کے لئے آپ کے پاس آئی ہوں۔" دیوالی نے اپنی شوخ فطرت کی بنیاد پر کہا۔

"ارے ارے کیوں؟"

"بس لڑنے کو من چاہتا ہے آپ سے۔"

"نہیں بھئی۔ چلو تمہارا جو دل چاہے مجھے کہہ دو میں کبھی تم سے گردن اٹھا کر بات نہیں کروں گا۔"

'' آپ نے ہمیں اپنے اتنا قریب کرلیا ہے، کیا ہم اس قابل نہیں ہیں کہ آپ ہمیں اپنے بارے میں بتائیں۔''

'' دیوالی! تم یقین کرو میری کہانی میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ دنیا سے محروم آدمی ہوں۔ تنہا وقت گزار رہا ہوں جبکہ میرا بھی ایک چھوٹا سا پریوار ہے بیوی ہے دو بیٹیاں ہیں میری۔''

'' کہاں ہیں وہ؟'' دیوالی نے سوال کیا پھر جلدی سے بولی۔'' معافی چاہتی ہوں۔ معافی چاہتی ہوں۔ ظاہر ہے یہی تو آپ ہمیں نہیں بتانا چاہتے۔''

'' ایک بات کہوں دیوالی!''

'' جی کہیے۔''

'' تم میرے بارے میں جاننا چاہتی ہونا۔''

'' جی۔''

'' مگر اس کے لئے ایک شرط ہوگی اور وہ بھی سچے من سے۔ اگر جھوٹ کا سہارا لیا تم نے دیوالی! تو میں اور تو کچھ نہیں کہوں گا تم سے۔ نہ تمہارے ہاتھ کا دیا کھاؤں گا۔ نہ تم سے کبھی دوبارہ بات کروں گا اور ایک بنتی کروں گا تم سے کہ میں، جہاں رہتا ہوں مجھے وہیں رہنے دینا۔ کبھی اس طرف آنے کی کوشش مت کرنا۔'' رمانند کے لہجے میں ایک عجیب سی سنجیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ جسے دیوالی نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ کچھ لمحے خاموش رہ کر اس نے کہا۔

'' بات سمجھ میں نہیں آئی رمانند جی۔''

'' میں نے کہا نا۔ تم مجھ سے میرے بارے میں پوچھنا چاہتی ہونا۔ مجھے جاننا چاہتی ہو مگر اس کی ایک شرط ہوگی۔ اگر تم وہ شرط ہار گئیں تو جو باتیں میں نے کہی ہیں تمہیں وہ پوری کرنا ہوں گی۔ جواب دو ایسا کرو گی۔''

'' مگر رمانند جی! اس کے بدلے میں آپ مجھے کیا دیں گے؟''

'' اپنے بارے میں بتاؤں گا تمہیں۔''

'' ٹھیک ہے مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے بتائیے کیا شرط ہے آپ کی۔''

'' میں اپنا چہرہ تمہارے سامنے کروں گا لیکن تم اس چہرے سے نفرت نہیں کرو گی۔ اس چہرے کو دیکھ کر خوفزدہ نہیں ہوگی۔ بھاگو گی نہیں یہاں سے۔'' دیوالی دل ہی دل میں مسکرا پڑی۔ اس نے سوچا کہ رمانند جی! آپ ہیں کس ہوا میں، میں وہ ہوں جسے دیکھ

اچھے اچھوں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں۔ ابھی تو میں نے آپ کو اپنے پاؤں نہیں دکھائے۔ ورنہ آپ کے بھی چودہ طبق روشن ہوگئے ہوتے اور آپ بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے کہ میں انسان نہیں چڑیل ہوں۔

'' ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔''

'' اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی دیوالی!''

'' نہیں ہوگی۔'' رمانند نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹانا شروع کردیا اور اس کے بعد جب اس نے اپنا چہرہ سامنے کیا تو درحقیقت دیوالی کا دل لرز اٹھا۔ انتہائی مکروہ جلا ہوا بدنما چہرہ تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں جن کے ڈیلے گالوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ جلے ہوئے ہونٹ، باہر نکلے ہوئے دانت ایسا چہرہ تھا کہ انسان اگر دن کی روشنی میں بھی دیکھ لے تو اس کے دل کی حرکت بند ہوجائے لیکن دیوالی نے اپنی قدرتی صلاحیتوں سے کام لے کر اپنے چہرے پر کوئی تاثر نہیں پیدا کیا اور خاموشی سے رمانند کا چہرہ دیکھتی رہی، رمانند کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے دوبارہ اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھک لیا اور دیوالی کو آواز دی۔

'' دیوالی۔''

'' رمانند جی۔ میرے ماتا پتا اور جاننے والے مجھے پیار سے دیپو کہتے ہیں۔ آپ بھی مجھے دیپو ہی کہہ لیا کریں تو زیادہ اچھا ہے۔'' دیوالی نے بالکل صاف اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور رمانند کچھ لمحے کے لئے سکتے میں آگیا۔ اس کا تو خیال تھا کہ دیوالی کی دیر تک آواز بھی نہیں نکل سکے گی لیکن دیوالی کا یہ انداز دیکھ کر وہ خاصا متاثر ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

'' دیوالی! میرا چہرہ دیکھ کر تمہیں ڈر نہیں لگا۔''

'' میں نے تو پہلے آپ کا من ہی دیکھا تھا رمانند جی! اور جس کا من سندر ہو اس کے چہرے پر غور نہیں کیا جاتا۔ مجھے بالکل ڈر نہیں لگا آپ سے۔''

'' دیوالی! تم...... تم...... دیوالی، تم......'' رمانند اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا اور دیوالی نے اس کی آواز میں آنسو گوندھے ہوئے محسوس کیے۔ پھر رمانند پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ دیوالی خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ دل کے پھپھولے ہیں جو پھوٹ گئے ہیں اور پھوٹتے ہوئے آبلوں کا پانی آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔ جب یہ پانی صاف ہوجائے گا تو دل بھی صاف ہوجائے گا۔ رمانند روتا رہا اور آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں بند ہونے لگیں۔ پھر اس نے کہا۔

''دیوالی! تم جیت گئی ہو۔ میں اب خود تمہیں اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ ایک منٹ انتظار کرو۔'' رمانند اس کمرے سے باہر نکل گیا۔ دیوالی آرام سے بیٹھی اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ ویسے رمانند کا بھیانک چہرہ دیکھ کر واقعی اس کا دل بھی لرز گیا تھا۔ انسان کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ شیطان کا چہرہ بھی اتنا مکروہ نہیں ہوگا، لیکن یہ حادثہ ہوا کیسے؟ رمانند دل کا بہت ہی اچھا آدمی ہے اس کی آواز کی مٹھاس، اس کے لہجے کی نرمی بے مثال ہے۔ کیا وہ ہمیشہ سے ایسا ہے۔ وہ اپنی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ رمانند واپس آ گیا اس کے پاس تصویروں کا ایک البم تھا۔ اس نے وہ البم دیوالی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پہلے صفحے کی تصویر میری ہے اسے دیکھو۔'' دیوالی نے پُر اشتیاق انداز میں البم کھول لیا۔ ایک خوبصورت نقش و نگار کے مالک پُر وقار آدمی کا چہرہ تھا۔ دیوالی اسے دیکھتی رہ گئی۔ رمانند کی آواز پھر ابھری۔

''دوسری تصویر میری بیوی کی ہے۔ میری دھرم پتنی! یہ میری محبت کی شادی تھی۔ ایشوری ہے اس کا نام، ایشوری۔'' ایشوری بھی حسن و جمال میں بے مثال تھی۔ دیوالی پر عجیب عجیب انکشافات ہو رہے تھے۔ پھر رمانند کی آواز ابھری۔

''اگلہ صفحہ کھولو۔ یہ دونوں بچیاں میری بیٹیاں ہیں۔ بڑا پریم کرتا ہوں میں ان سے ایک کا نام سندر ہے دوسری کا روپ، دونوں سندر اور روپ ہیں۔ بھگوان کی سوگند سچ مچ کی سندر اور روپ۔''

''کہاں ہیں یہ سب۔ کیا......؟''

''نہیں نہیں۔ ان کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کہنا۔ بھگوان انہیں ہمیشہ ہمیشہ جیتا رکھے۔ تینوں جیتی ہیں۔ مگر......مگر......''

''مگر کیا۔''

''ایشوری مجھے اپنا پتی نہیں مانتی۔ وہ یقین نہیں کرتی میری باتوں پر، میں نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہیں مانی۔ میرا چہرہ دیکھ کر ہی چیخنے لگتی ہیں میری بچیاں اور ایشوری مجھ سے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہے کہ تمہیں بھگوان کی سوگند، تمہیں بھگوان کا واسطہ اپنے گھر کو برباد مت کرو، اپنی ہی بیٹیوں کی چتا میں آگ مت لگاؤ۔''

''مگر کیوں رمانند جی آخر ایسا کیوں ہوا۔ کیا بات ہے۔''

''وہی میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔''

''ہاں بتائیے۔''

''بہت عرصہ پہلے کی بات ہے ایشوری سے میں نے محبت کی شادی کی تھی۔ اس کا بھی سنسار میں کوئی نہیں تھا۔ میرا بھی آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ ایک دفتر میں کام کرتے تھے ہم دونوں، محکمہ آثار قدیمہ میں۔ میرا کام کچھ اور تھا اس کا کچھ اور، پھر ہمارے درمیان پریم ہوا اور ہم نے شادی کر لی۔ میں نے ایشوری سے کہا کہ وہ نوکری چھوڑ دے۔ گھر سنبھالے۔ ایشوری میری بات مان گئی۔ ہر بات مان لیتی تھی مگر اس کے من میں بھی وہی تمام باتیں تھیں جو اس عمر کی ہر لڑکی کے من میں ہوتی ہیں۔ اچھا گھر، کار، بنگلہ، کوٹھی، سیر و سیاحت نوکر چاکر وہ اس کے خواب دیکھتی تھی اور کئی بار اس نے اپنے خوابوں کا تذکرہ مجھ سے کیا تھا۔ خود میرے من میں بھی نجانے کیا کیا کچھ تھا۔ میں بھی تصورات میں ایشوری کے لئے محل بنایا کرتا تھا لیکن حقیقت کی دنیا کچھ اور ہوتی ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ میں کام کرتے ہوئے میں نے درجنوں بار نجانے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے۔ عظیم الشان خزانے جو کھنڈرات سے برآمد ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کیسی کیسی چیزیں میں حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن خواب صرف خواب ہوتے ہیں۔

پھر ایک بار ان خوابوں نے حقیقتوں کا روپ دھار لیا۔ بڑی عجیب و غریب حقیقتیں تھیں یہ۔ ہم مان کھیڑہ کے کھنڈرات کی کھدائی کر رہے تھے۔ بیس مزدور تھے میرے ساتھ۔ انجینئر صاحب تھے۔ میری نگرانی میں سارا کام ہو رہا تھا۔ مان کھیڑہ کے کھنڈرات بڑے ہی پُراسرار تھے اور ان میں نجانے کیسے کیسے ہولناک مناظر بسے ہوئے تھے۔ مزدور بھی ڈرتے تھے حالانکہ ہم کھنڈرات کی کھدائی کر رہے تھے۔ مگر مزدوروں نے کھنڈرات میں کھلے حصوں میں بھی خیمے لگانے پسند نہیں کئے تھے اور کھنڈرات سے باہر بلکہ ایک کھلی جگہ خیمے لگائے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کھنڈرات میں جا کر ان کا دل لرزتا ہے اور وہ عجیب عجیب سی کیفیتیں محسوس کرتے ہیں۔ انہیں یہ لگتا ہے۔ جیسے رات کے اندھیرے میں کھنڈرات کی اینٹوں کے ڈھیر، ٹوٹی پھوٹی دیواریں، بھیانک انسانوں کی شکلیں اختیار کر جاتی ہیں۔ کئی بار انہیں وہاں سرسراہٹیں اور آہٹیں محسوس ہوئی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے پُراسرار روحیں کھنڈرات میں گردش کر رہی ہوں۔ دن کی روشنی میں وہ کام ضرور کریں گے لیکن رات کی تاریکی میں وہ کھنڈرات میں کام نہیں کریں گے۔

بہر حال بات ایسی نہیں تھی جس پر ضد کی جاتی۔ دن کی روشنی میں وہ سب اٹھ کر اپنے کام پر نکل جایا کرتے تھے۔ اس لئے مجھے بھی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میرے ذہن میں وہی تصور ہمیشہ رہا کرتا تھا اور میں دل ہی دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ بھگوان کے لئے کچھ

مشکل نہیں ہے میرے بھی دن پھیر دے کوئی ایسا خزانہ مل جائے مجھے جس سے میں اپنی زندگی کو بہتر بنا سکوں۔

بہرحال کھنڈر کی کھدائی جاری رہی، کافی کام ہو چکا تھا۔ ایک دن شام کا وقت تھا ابھی مزدوروں کی چھٹی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک خاص علاقے میں کام کر رہے تھے اور میں گھومتا ہوا کھنڈرات کے اندرونی حصوں میں نکل آیا تھا۔ پھر میں ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا۔ جس کی چھت بھی سلامت تھی، دیواریں بھی ٹھیک تھیں۔ اس کمرے میں مجھے ایک ایسا دروازہ نظر آیا۔ جس میں کواڑ نہیں تھے۔ غالباً دوسرے کمرے میں جانے کا دروازہ تھا لیکن جب میں نے اندر روشنی ڈالی اور جھک کر دیکھا تو مجھے وہاں سیڑھیاں نظر آئیں۔ نجانے کیوں میرا دل دھڑکنے لگا۔ میرے ذہن پر پھر وہی تصور سوار ہو گیا۔ یہ تہہ خانے کا راستہ ہے اور ہو سکتا ہے اس تہہ خانے میں کوئی ایسی چیز نظر آ جائے۔ جو میری زندگی پلٹ دے۔ میں اپنے ہاتھ میں چارجنگ لائٹ لئے تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کرنے لگا اور بڑی احتیاط سے نیچے اترتا رہا۔

کوئی چوبیس سیڑھیاں نیچے تک گئی تھیں۔ گرد آلود ٹوٹی پھوٹی لیکن میں نے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھا تھا۔ اس لئے بغیر کسی حادثے کے نیچے پہنچ گیا۔

تہہ خانہ بہت زیادہ وسیع نہیں تھا۔ یہاں سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چارجنگ لائٹ سے میں نے تہہ خانے کا بھرپور جائزہ لیا۔ سارے کونے کھدرے دیکھے۔ دیواریں ٹٹول ٹٹول کر دیکھیں اور پھر میری نظر ایک طاق پر پڑ گئی۔ اس طاق میں ایک کتاب جیسی چیز اٹکی ہوئی تھی۔ میرے قدم اس کی جانب بڑھ گئے۔

نجانے کیوں مجھے ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ کچھ لمحوں کے لئے تو یوں لگا تھا جیسے یہ تہہ خانہ نہ ہو بلکہ کوئی سرد خانہ ہو۔ ایسی سخت سردی کہ میں وحشت زدہ ہو گیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ میں اس طاق کے قریب پہنچ گیا تھا جس میں وہ کتاب رکھی ہوئی تھی اور پھر میں نے کتاب پر ایک چھپکلی بیٹھی ہوئی دیکھی۔ چھپکلی کی آنکھیں میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے تھوڑی سی گردن بھی اٹھا رکھی تھی۔ میرا تجسس بڑھ گیا۔ میں نے منہ سے آوازیں نکالیں اور کتاب کو ہلکا سا کھٹکھٹا کر چھپکلی کو بھگایا۔ وہ طاق ہی کے اندر بنے ہوئے ایک سوراخ سے اندر گھس گئی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے وہ کتاب ہاتھ میں اٹھا لی جیسے ہی میں نے وہ کتاب ہاتھ میں پکڑی۔ اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے سردی کا وہ احساس ختم ہو گیا ہو۔

کتاب شدید گرد آلود تھی۔ میں نے اسے زور زور سے ہاتھ مار کر جھاڑا تو مجھے احساس ہوا کہ کتاب خاصی خستہ حالت میں ہے۔

بہرحال تہہ خانے میں خزانے کا کوئی نام ونشان نہیں تھا لیکن یہ قدیم کتاب میرے لئے باعث دلچسپی بن چکی تھی۔ ویسے بھی مجھے مختلف جگہوں سے کچھ نوادرات مل چکے تھے، لیکن نوادرات میں سے ایک بھی چیز ایسی نہیں تھی جو قیمتی فروخت ہوتی۔ میرا رابطہ اس سلسلے میں ایک اینٹیک اسٹور سے تھا اور میں نے کئی چیزیں اس اسٹور میں فروخت کی تھیں۔ اس اسٹور کا مالک رشید خان میمن تھا لیکن بالکل کاروباری۔ پتہ نہیں یہ کاروبار کس نے اسے سمجھا دیا تھا، لیکن بہرحال وہ خود بن گیا تھا۔ میری دی ہوئی چیزوں کی خاصی معقول قیمت دے دیا کرتا تھا مجھے، لیکن ایسی چیزیں ملتی کہاں ہیں۔ وہ بڑا سوچ سمجھ کر خریداری کرتا تھا۔ میرا واسطہ اس کے علاوہ کسی اور سے نہیں تھا۔

بہرحال میں کتاب لئے ہوئے تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ مزدوروں کی چھٹی کا وقت قریب آ گیا تھا۔ مزدوروں کی چھٹی ہوئی اور اس کے بعد میں واپس خیمے میں آ گیا۔ کتاب کو میں نے خیمہ میں آ کر ہی پہلی بار کھول کر دیکھا تھا۔ اس کے پہلے ہی صفحے پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ ''کالی کتاب'' حالانکہ اس کا رنگ گہرا عنابی تھا اور جلد اب کافی پرانی ہو کر گرد آلود ہو گئی تھی۔ میں اس کے دوسرے اوراق کھولنا چاہتا تھا کہ اچانک باہر سے انجینئر صاحب نے مجھے آواز دی۔

''رمانند! باہر آؤ تم سے کام ہے۔'' انجینئر صاحب ایک بزرگ اور مہربان آدمی تھے۔ میں چونکہ کافی دنوں سے یہاں کام کر رہا تھا۔ یہ کھنڈرات آبادی سے بہت دور تھے گھر روزانہ جانا اور آنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے انجینئر صاحب سے درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ عرصے کی چھٹی دلا دی جائے۔ میں یہاں کام کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ گھر میں بیوی اور بچیاں میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بہت دن ہو گئے ہیں۔ انجینئر صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوسرے آدمی کو بلا کر مجھے پندرہ دن کی چھٹی دے دیں گے۔ اس وقت وہ اکیلے نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ کرشن لعل بھی کھڑا ہوا تھا۔ یہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے چھٹی پر تھا اور اب اسے میری جگہ کام کرنا تھا۔ انجینئر صاحب نے کہا۔

''تم ایسا کرو اپنے گھر جا سکتے ہو۔ پندرہ دن کی چھٹی کی درخواست آفس بھیج دینا۔ میں اس کی منظوری یہیں سے دے دیتا ہوں۔ یہاں کرشن لعل کام کریں گے۔ پندرہ دن کے بعد تم آنا۔ دیکھیں گے آگے کیا کرنا ہے۔'' میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور میں فوراً ہی

واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک جیپ مجھے لے کر بستی چل پڑی۔ میری دھرم پتنی ایشوری مجھے دیکھ کر خوش ہوگئی۔ دونوں بچیاں مجھ سے لپٹ گئیں۔ میں بھی خاصے عرصے کے بعد گھر آ کر خاصا خوش تھا۔ وہ کتاب میں نے سنبھال کر ایک جگہ رکھ دی تھی اور میرے ذہن میں تھا کہ رات کو میں یہ کتاب پڑھوں گا۔

بہرحال اس دن تو ممکن نہیں ہوسکا چونکہ ایشوری اور بچوں کے ساتھ وقت گزارنا تھا۔ ہمارا گھر کرائے کا گھر تھا اور ہم اس میں خوشی اور آرام سے رہتے تھے۔ کرایہ بھی بہت زیادہ نہیں تھا۔ مالک مکان بھی اچھا آدمی تھا کوئی تکلیف ہمیں آج تک اس گھر میں نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال یہ دوسری رات کی بات ہے میں اپنی میز پر بیٹھا اور میں نے کتاب کھول کر سامنے رکھ لی مکان کی دوسری منزل پر خوابگاہ کے دو کمرے تھے جن کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ اور بھی تھا۔ ایشوری نے پہلے کمرے پر جو مکان کے اگلے حصے میں تھا قبضہ جمایا ہوا تھا۔

بہرحال رات میں ایشوری اور میں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے لیکن آج میں نے اس سے کہا تھا کہ آج مجھے کچھ کام کرنا ہے۔ پتہ نہیں رات خلاف معمول مجھے کچھ سوگوار سی لگ رہی تھی۔ ہوائیں بھی بند تھیں اور اچھا خاصا حبس ہو رہا تھا۔ اس حبس سے بچنے کے لئے میں نے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں اور سکون سے ایک جگہ آ بیٹھا تاکہ کتاب کا بھرپور طریقے سے مطالعہ کرسکوں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایشوری اپنی خوابگاہ میں سو رہی ہے، لیکن رات دس بجے کے قریب دفعتاً ایشوری کی آواز ابھری۔

''رما...... رما یہ اس وقت تم کیا کھٹ کھٹ کر رہے ہو، رات کافی بیت گئی ہے اب سو جاؤ نا۔ اس کھٹ کھٹ سے بچیاں جاگ جائیں گی۔'' میں حیران رہ گیا میں نے کہا۔

''ایشوری۔ کیسی کھٹ کھٹ، میں تو چپ چاپ اپنی میز پر بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہوں؛ ضرور تم نے کھٹ کھٹ کی آواز خواب میں سنی ہوگی۔''

''نہیں رما! میں نے خواب ہرگز نہیں دیکھا مجھے تو ابھی نیند ہی نہیں آئی۔ کچھ ہی دیر ہوئی میں نے سنا کہ سیڑھیوں کے دروازے کے قریب کوئی جیسے چھڑی سے دیوار پیٹ رہا ہے۔ بس ایسی ہی آواز تھی۔ میں سمجھی کہ تم ہو۔ کیا تم نے یہ آواز نہیں سنی۔''

''میں آرہا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایشوری کے کمرے میں پہنچ گیا۔

''ہاں اب بتاؤ کیا ہے؟''

''تم یقین کرو۔ مجھے بالکل دھوکا نہیں ہوا۔ میں نے خود یہ آواز سنی تھی۔''

''ہوتا ہے ایشوری۔ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی اور یہ ہمارے لاشعور کا کرشمہ ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کسی اور وقت تم نے ایسی آواز سنی ہو۔ جو تمہارے لاشعور میں جم گئی ہو۔ اب رات کے سناٹے میں یہ آواز لاشعور سے نکل کر شعور میں آئی اور تم سمجھیں کہ واقعی کوئی دیوار پیٹ رہا ہے۔''

''ہے بھگوان! مجھے تو ایسا ہی لگا۔ آواز خاصی زوردار تھی اور میں ہوش میں ہی تھی۔ تم کب تک کتاب پڑھو گے۔''

''بس تھوڑی دیر، تم آرام سے سو جاؤ۔'' میں نے ایشوری کو پورا اطمینان دلایا اور وہ سوگئی۔

میں کتاب کے اوراق الٹنے لگا لیکن پھر اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میری پلکیں جڑتی جارہی ہوں۔ نیند کا ایسا شدید غلبہ طاری ہوا کہ میں وہیں کتاب پر ماتھا ٹیک کر گہری نیند سوگیا اور دوسری صبح ایشوری نے ہی مجھے جگایا تھا۔

''ایسی کیا خاص بات ہے اس کتاب میں کہ تم رات بھر کمرے میں واپس ہی نہیں آئے۔''

''کمال ہے ایشوری۔ واقعی کتاب میں کیا ہے یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن یہ نیند میرے لئے حیران کن ہے۔ ایسا لگا جیسے مجھے نشے میں نیند آ گئی ہو۔ حالانکہ میں نے کوئی نشہ نہیں کیا۔'' بہرحال بات آئی گئی ہوگئی۔

دن معمول کے مطابق تھا کوئی ایسا کام نہیں تھا جو غور کا باعث ہوتا میری دونوں بیٹیاں میرے ساتھ کھیلتی رہیں۔ میری چھٹی کے دن ان کے لئے بڑے اچھے ہوا کرتے تھے اور وہ ضرورت سے زیادہ خوش نظر آتی تھیں، لیکن رات کو جب کھانے وغیرہ سے فراغت ہوگئی اور بچیاں سونے کے لئے لیٹ گئیں تو میں ایشوری کے ساتھ گپ شپ کے لئے نچلی منزل کے بیرونی کمرے میں آ گیا۔ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کررہے تھے کہ اچانک ہی ایشوری نے ایک دم مجھ سے کہا۔

''سنو، سنو یہ آواز سنو۔'' میں اس آواز پر غور کرنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے واقعی دروازے کے باہر کوئی نامعلوم وجود چھڑی دیوار پر مار رہا ہو۔ ہر دو آوازوں کے درمیان ایک سیکنڈ کا وقفہ ہوتا تھا اور اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ آوازیں ہم سے دس فٹ کے فاصلے پر دروازے کے باہر سے آرہی ہیں۔ ایشوری نے مجھ سے کہا۔

''یقین کرو رما! یہی آوازیں میں نے پچھلی رات سنی تھیں۔'' میں پھرتی سے کھڑا ہوگیا۔ میں نے مینٹل پیس پر رکھی ہوئی ٹارچ اٹھائی اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔ آواز دروازے کے باہر سے مسلسل بلند ہورہی تھی۔ بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھام کر دائیں ہاتھ سے میں نے دروازے کا ہینڈل آہستہ سے گھمایا اور ایک لمحہ توقف کے بعد ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی آواز بند ہوگئی۔ ٹارچ کی روشنی دروازے کے باہر دور تک پھیل رہی تھی لیکن وہاں کسی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ ایشوری کو وہمی قرار دے سکتا تھا لیکن آواز میں نے خود سنی تھی اور اتنی پھرتی سے کسی کا غائب ہوجانا بھی ناقابل یقین سی بات تھی۔ میں نے زمین پر جھک کر قدموں کے نشان دیکھے لیکن ایسا کوئی نشان نظر نہیں آیا جس سے پتہ چلتا کہ یہاں کوئی موجود ہے۔

بہرحال اس رات کے بعد سے یہ معمول ہوگیا کہ ہمیں یہ آوازیں ضرور سنائی دیتیں۔ بہت وقت تک یہ آوازیں سنائی دیتی رہیں اور ہمیشہ رات کے وقت ہی سنائی دیتی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں۔ میں نے ہر طرح سے ہر چیز کا جائزہ لگانے کی کوشش کی۔ کئی مرتبہ دروازے کے باہر اس امید پر پہرہ دیا کہ شاید اس راز سے پردہ اٹھے لیکن جونہی آوازیں ہوتیں میں لپک کر آگے بڑھتا تو خاموشی چھا جاتی اور اس کے بعد صبح تک کوئی آواز نہ سنائی دیتی۔ آخر میں نے عاجز آکر اس آواز پر کان دھرنے ترک کردیئے لیکن میرے ذہن میں یہ بات بالکل نہیں آئی تھی کہ ایسی کوئی صورتِ حال اس کتاب کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ کتاب کو میں نے احتیاط سے رکھ دیا تھا۔

بہرحال پھر ایک دن ایک اور شیطانی عمل ہوا۔ جو اس آواز سے بھی زیادہ حیران کن تھا اور واقعی ہم دونوں میاں بیوی بری طرح خوفزدہ ہوگئے۔ یہ واقعات ایسے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک دن میں رات کو اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور میری بیوی حسب عادت اپنی خوابگاہ میں جاچکی تھی، میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب ذرا کتاب کا جائزہ لوں لیکن نجانے کیوں ذہن اس طرف راغب نہیں ہوا اور کوئی ایک گھنٹے بعد میں بھی بیڈروم کی جانب چل پڑا۔ میں بتاچکا ہوں کہ میری خواب گاہ اور میری بیوی کی خوابگاہ کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ ابھی بتی بجھا کر میں نے اپنے تکیے پر سر رکھا ہی تھا کہ آواز مجھے اپنے قریب ہی سنائی دی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ماچس کی ڈبیہ الماری کے خانے سے کمرے کے فرش پر گری ہے۔ میں فوراً اٹھا۔ بتی جلائی اور فرش پر دیکھا تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ پھر میں نے کمرے کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن ماچس کی کوئی ڈبیہ وہاں نہیں تھی۔ سارا سامان ویسے ہی رکھا

ہوا تھا۔

دوسری رات اس طرح کا ایک اور حادثہ ہوا۔ میں بستر پر لیٹ چکا تھا کہ کیا سنتا ہوں کہ اخباری کاغذ کا ایک ٹکڑا کمرے میں ادھر ادھر عجیب طرح کی آوازیں پیدا کرتا ہوا اڑ رہا ہے۔ میں کان لگائے سنتا رہا بلاشبہ کاغذ کا کوئی پرزہ ہی تھا۔ جو سرسراہٹ کے ساتھ ادھر سے ادھر آجا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے میں دیکھا لیکن مجھے کاغذ کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آیا۔ حالانکہ آواز معمولی وقفوں کے بعد مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ پھر میں نے جونہی روشنی کی، آواز تھم گئی۔

ایک بار پھر میں نے اپنے کمرے کی تلاشی لی اور مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں کاغذ کا پرزہ تو درکنار کچھ بھی نہیں تھا۔ اس وقت ہوا بھی اتنی تیز نہیں تھی اور نہ کمرے میں آرہی تھی کہ کاغذ کا کوئی پرزہ کمرے میں اس طرح اڑتا پھرتا۔ بہرحال اس کے بعد نجانے کیوں ذہن پر کچھ وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔

تیسری رات جب میں ڈرتے ہوئے اپنے بستر پر لیٹا تو توقع کے مطابق ایک پُرشور آواز کمرے میں ایسی سنائی دی جیسے لوہے کا بیلن فرش پر لڑھک رہا ہے۔ گھررگھرر گھرر...... پھر جیسے یہ بیلن سامنے کی دیوار سے ٹکرایا اور آواز بند ہوگئی۔ میں نے فوراً بتی جلائی لیکن اپنی بے وقوفی پر شرمندہ ہی ہونا پڑا۔ کیونکہ اس رات بھی وہاں کچھ نہیں تھا، لیکن اب مجھے سنجیدگی سے اس تمام صورتِ حال پر غور کرنا تھا۔ آخر یہ کیا شروع ہوگیا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ مکان میں کچھ نہ کچھ ضرور موجود ہے لیکن تعجب کی بات تھی کہ ایسا اچانک ہی ہوا تھا اس سے پہلے تو اس گھر میں ایسی صورتِ حال کبھی پیش نہیں آئی تھی۔

بہرحال یہ سب خیالات پھر دوسری صبح ناشتے کی ٹیبل پر میں نے ایشوری سے کہے۔

''ایشوری! تمہارے ساتھ اور کوئی واقعہ تو نہیں پیش آیا۔''

''کیسا واقعہ؟''

''میرا مطلب ہے وہی آواز وغیرہ کا۔''

''نہیں بھگوان کا شکر ہے کہ اب تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''لیکن میرا خیال ہے ایسی کوئی بات ہے۔''

''کیا مطلب۔ کیوں ڈرا رہے ہو مجھے۔'' ایشوری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں میں ڈرا نہیں رہا۔ بلکہ واقعی کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ جو حیران کن ہیں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنے اس دوست سے دوستی کرلی جائے جو یہ سب کچھ کررہا

ہے۔‘‘

’’دیکھو.....اگر ایسی کوئی بات ہے تو بچیوں کا ساتھ ہے، ہمارا کیا ہے کرائے کا گھر ہے بدل لیتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نقصان پہنچ جائے۔‘‘

’’اس سلسلے میں سوچنا پڑے گا۔‘‘ میں نے کہا اور اس دن کے بعد سے ہمیں وہ آواز دن رات معمولی وقفوں کے بعد سے سنائی دینے لگی۔کبھی باہر کے دروازے پر کبھی مکان کی شمالی دیوار پر، لیکن واقعی ہم نے ان آوازوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔بڑی عجیب و غریب باتیں ہوا کرتی تھیں۔یوں لگتا تھا جیسے کمرے میں کرسی لڑھکی ہو۔یا پانی کا گلاس گرا ہو۔مگر نہ کوئی کرسی نظر آتی تھی نہ گلاس۔

بہرحال یہ سب حیرانی کی بات تھی میں چھٹی گزار رہا تھا اور ابھی تک کالی کتاب کو با قاعدہ دیکھنے کا مجھے موقع نہیں ملا تھا۔کچھ ایسی ہی مصروفیت تھی، بلکہ یوں لگتا تھا۔جیسے جب بھی میں کتاب کو دیکھنے کا تصور کرتا ہوں۔کوئی نہ کوئی ایسا عمل شروع ہو جاتا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی پُراسرار قوت مجھے اس کتاب کو دیکھنے سے روک رہی ہو۔ویسے بھی یہ کتاب مجھے انتہائی عجیب وغریب حالات میں اس کھنڈر کے تہہ خانے سے ملی تھی۔

چھٹیوں کے یہ چند روز بڑے عجیب گزرے تھے۔جہاں تک میری اپنی سوچوں کا تعلق تھا۔ان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی تھی۔میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ کالے جادو کی اس کتاب میں شاید میرے لئے کوئی ایسا عمل نکل آئے جس سے میری برسوں کی دبی ہوئی آرزو پوری ہو جائے۔یعنی کوئی خزانہ ہاتھ لگ جائے۔

بہرحال کتاب کے آنے کے بعد جو پُراسرار واقعات میری زندگی سے منسلک ہو گئے تھے ان پر ابھی تک میں نے اس انداز میں غور نہیں کیا تھا کہ اس کی وجہ صرف یہ کتاب ہو سکتی ہے۔پھر اس دن ایک ضروری کام سے نکلا تھا کہ میرا دوست لکشمن مجھے مل گیا۔

بچپن کی شناسائی تھی۔لکشمن دوبئی چلا گیا تھا۔ورنہ پہلے اس سے خاصی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اس نے وہیں ملازمت کر رکھی تھی، آیا ہوا تھا۔وہ یہ دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا۔

’’یار! کمال ہے پرسوں رات کو آیا ہوں اور میں نے یہ سوچا تھا کہ آج ضرور تمہارے پاس پہنچوں گا۔کہ تم اس طرح مل گئے۔‘‘

’’آؤ چلو۔تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔‘‘ وہ زبردستی مجھے اپنے گھر لے گیا۔
سرپرائز یہ تھا کہ اس نے وہیں دوبئی میں شادی کر لی تھی اور جو شادی اس نے کی تھی وہ بھی

ایک ہندوستانی لڑکی تھی۔رتنا بہت اچھی اور پُر محبت خاتون تھی۔بڑے اچھے انداز میں اس نے میری آؤ بھگت کی۔لکشمن مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور رتنا سے اپنی شادی کی تفصیلات بتانے لگا۔پھر اس نے مجھ سے میری بیوی اور بچوں کے بارے میں پوچھا۔

’’اصل میں رتنا کے ماتا پتا ادھر ہی ہیں اور وہ یہاں کچھ دن رہنے کے لئے آئی ہے۔ کیونکہ وہ ماں بننے والی ہے، لیکن مجھے فوری طور پر واپس جانا ہے۔نوکری تو نوکری ہوتی ہے یار! حالانکہ ہم دونوں پریم پجاری ایک دوسرے کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں۔مگر کیا کیا جائے۔مجبوری تو مجبوری ہی ہوتی ہے۔اچھا خیر چھوڑو تم سناؤ۔نوکری چل رہی ہے۔‘‘

’’ہاں یار! ہم جیسے لوگ نوکر پیدا ہوئے ہیں اور نوکر ہی مر جائیں گے۔بس اس کے علاوہ ہماری کیا زندگی ہے۔‘‘ لکشمن میرے الفاظ سے متاثر ہوا تھا کہنے لگا۔

’’تم یقین کرو باہر بھی اب کوئی چانس نہیں رہا ہے۔ہر جگہ کے لوگ آ گئے ہیں ان عرب ملکوں میں اور انہوں نے ستیاناس مار کر رکھ دیا ہے۔تھوڑے پیسوں پر کام کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔تو کسے غرض پڑی ہے کہ زیادہ پیسے دے کر ہم لوگوں کو ملازم رکھے۔یوں سمجھ لو کہ باہر تو اب کوئی چانس ہی نہیں ہے۔ویسے تمہیں کوئی خزانہ وغیرہ ملا یا نہیں۔‘‘ میں ہنس دیا میں نے کہا۔

’’خزانے.....خزانے بھی انہیں ہی ملتے ہیں جن کے پاس پہلے سے خزانے موجود ہوں۔‘‘

’’بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔میرے کچھ شناسا دوست ہیں۔ان میں سے ایک آدمی خاص طور سے ہے۔اکثر اس کی لاٹریاں نکلتی رہتی ہیں اور وہ ہنس کر کہتا ہے کہ میرے اوپر ان لاٹریوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا وہ تو بس میں تفریحاً خرید لیتا ہوں لیکن یار! میری ہر لاٹری نکل آتی ہے۔‘‘

’’ہاں..... ایسے بھی ہوتے ہیں۔ویسے میری تلاش مسلسل جاری ہے ابھی پچھلے دنوں مجھے آثار قدیمہ کی کھدائی میں ایک کتاب ملی ہے۔یار! بڑی پُراسرار اور بڑی عجیب وغریب کتاب ہے۔میں تمہیں کیا بتاؤں۔‘‘

’’کیا بات ہے اس میں؟‘‘

’’بس یہ سمجھ لو کہ وہ کالے جادو کی کالی کتاب ہے۔‘‘

’’اوہو، ہوہو۔کالے جادو کی کالی کتاب۔تو پھر.....‘‘

''نہیں۔بس یونہی میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ ممکن ہے اس راستے سے ہی کچھ کچھ ہاتھ لگ جائے۔ بیوی بچوں کو اچھی زندگی دینا چاہتا ہوں۔''

''کیا ہے اس کتاب میں۔''

''یہ تو بھگوان ہی جانے لیکن ہے بڑی عجیب۔''

''ایک بات کہوں تم سے۔''

''ہاں بولو۔''

''تم ایک آدمی سے مل لو۔''

''کون ہے۔''

''......'' اس نے جواب دیا۔

''یہ کون سے بگلہ بھگت ہیں۔'' میں ہنس کر بولا۔

''نہیں یقین کرو بگلہ بھگت نہیں، بلکہ بڑے کام کی چیز ثابت ہوگی تمہارے لئے۔''

''ہے کیا چیز یہ شخص۔''

''تم یہ سمجھ لو کہ بہت ہی زبردست آدمی ہے۔ جے رام بھگت ہے پورا نام اس کا۔شہر سے الگ تھلگ ایک گھر میں رہتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ کالے جادو سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہے۔بس یہ سمجھ لو کہ کالے جادو کا ماہر ہے۔''

''واقعی تمہاری شناسائی ہے اس سے۔''

''اچھی طرح۔''

''تو ملا دو نا یار مجھے۔''

''میں واقعی ملا دوں گا، رات کو وہ ہوٹل الاسکا میں بیٹھتا ہے۔ میری وہیں ملاقات ہوئی۔کئی بار مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکا ہے۔مگر ظاہر ہے میں یہاں تو ہوتا نہیں ہوں اور جب یہاں آتا ہوں تو اتنی فرصت نہیں ہوتی۔ ویسے میری اس سے ملاقات دوبئی میں ہی ہوئی تھی اور وہاں میں نے اس کی پُراسرار شخصیت کے بہت سے نمونے دیکھے تھے۔''

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے بے اختیار کہا۔نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس شخص سے میرا کوئی کام بن سکتا ہے۔ ہوٹل الاسکا میں اسی شام لکشمن نے میری ملاقات جے رام بھگت سے کرائی اور واقعی لکشمن نے جیسا کہا تھا۔ یہ شخص مجھے ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہ انتہائی بدشکل اور بدروح تھا اس کی پیٹھ پر کوبڑ نکلا ہوا تھا لیکن تھا خوش لباس، چھوٹا سا قد اور بڑی عجیب اور پُراسرار شخصیت۔کونے کی ایک میز پر تنہا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے

سامنے کافی کے برتن لگے ہوئے تھے۔ہم دونوں اس کے پاس پہنچے تو اس نے انتہائی خوش اخلاقی کے ساتھ اٹھ کر مجھ سے اور لکشمن سے مصافحہ کیا۔ اس کا ہاتھ لجلجے گوشت کی مانند تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے ہاتھ میں کوئی مکڑی آ گئی ہو۔بس عجیب سا سخت سخت سا لیکن انتہائی نرم کھال والا ہاتھ، میں کہہ نہیں سکتا کیا چیز تھی۔

بہرحال لکشمن نے میرا اس سے تعارف کرایا اور وہ نہایت خوش اخلاقی سے مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ اگر اس کی ظاہری شخصیت کو نظر انداز کر دیا جاتا تو وہ ایک پُرمحبت اور دوستانہ انداز میں گفتگو کرنے والا آدمی تھا۔ میں بہرحال اس کی اس صفت سے متاثر ہوا اور پھر لکشمن نے خود ہی اس کتاب کا ذکر چھیڑ دیا۔

''آپ ایسا کریں میرے پاس آ جائیں کسی دن وہ کتاب لے کر۔ ہم دونوں مل کر دیکھیں گے۔ ویسے بعض اوقات بڑی بڑی نایاب چیزیں مل جاتی ہیں اور ہم ان کی اصلیت سے واقف بھی نہیں ہو پاتے۔ آپ ضرور آ جائیے میرے پاس۔''

''کب مسٹر بھگت؟'' میں نے سوال کیا۔

''کل آ جائیے۔کل دوپہر کے بعد کسی بھی وقت۔''

''آپ گھر پر ہی ملیں گے۔''

''ہاں۔البتہ گھر ذرا میرا الگ تھلگ تو ہے لیکن اب اتنا بھی نہیں آپ آ جائیے۔''

''کل میں دوپہر کو دو بجے کے بعد کسی بھی وقت آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔کتاب لیتا آؤں۔''

''ہاں۔دونوں مل کر دیکھیں گے کہ اس میں ہے کیا۔''

''ٹھیک ہے۔'' بہرحال جے رام بھگت سے میں بہت متاثر ہوا تھا اس کی گفتگو بے مثال تھی اور اس میں علمیت اور ادبیت جھلکتی تھی۔ لکشمن مجھ سے رخصت ہو گیا۔

گھر کے معاملات جوں کے توں تھے۔ دوسرے دن میں نے سوچا تھا کہ دو بجے کے بعد چل پڑوں گا لیکن تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ حیرت کی بات تھی، دن میں بارش کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن اس وقت اچانک ہی آسمان پر بادلوں نے ڈیرہ لگایا اور اس کے بعد جو بارش شروع ہوئی تو ایسی کہ جل تھل ہو گیا۔ ویسے بھی سردی کا موسم تھا اور سردیوں میں ہونے والی بارش بعض اوقات بڑی عجیب و غریب ہو جاتی ہے۔ اس طوفانی اور سرد بارش میں گھر سے باہر نکلنا بڑا مشکل کام تھا۔ میں بارش کے رکنے کا انتظار کرنے لگا اور شام ہو گئی۔ میری بیوی مجھ سے کہنے لگی۔

''اب تو کہیں جانے کا موقع ہی نہیں ہے۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے جاؤں گا ضرور، کسی سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' میں نے کتاب کو ایک شاپنگ بیگ میں چھپا رکھا تھا۔ تاکہ بارش میں بھیگ نہ جائے۔ پھر بارش کچھ دیر کے لئے بند ہوئی تو میں باہر نکل آیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال معذرت کرلوں گا۔ اگر جے رام بھگت مجھے اپنے گھر پر ہی مل گیا اور اگر نہ ملا تو صورتِ حال ذرا تکلیف دہ ہوجائے گی چونکہ جس علاقے میں جانا تھا وہ کافی دور دراز تھا۔ شہری آبادی سے کچھ ہٹ کر۔ میں اس علاقے کو دیکھ چکا تھا۔ یہاں انتہائی پرانے اور بوسیدہ مکانات تھے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کسی زمانے میں یہ کوئی باقاعدہ آبادی ہوگی لیکن اب خال خال مکانات رہ گئے تھے۔ البتہ لوگ اب بھی ان مکانات میں رہتے تھے۔ میں آگے بڑھتا رہا اور پھر اس علاقے میں پہنچ گیا۔ بادل بدستور آسمان پر گھرے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی اب بھی ہو رہی تھی۔ خوب سردی ہوگئی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا جے رام بھگت کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا اور پھر میری نگاہوں نے ایک وسیع و عریض اور بلند و بالا مکان کو دیکھا۔ یہ مکان بھی دوسرے مکانوں سے ذرا ہٹ کر بنا ہوا تھا اور انتہائی قدیم طرز کا نمونہ تھا۔ باہر سے یہ خوب مضبوط اور شاندار نظر آتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ مکان کا دروازہ شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور جس طرح وہ بند تھا اس سے یہ لگتا تھا۔ برسوں سے نہیں کھلا ہے۔ البتہ اس کے اوپر لگے ہوئے بھاری رنگین شیشے شام کے دھندلکے میں خوب چمک رہے تھے۔

بہرحال میں کچھ اور آگے بڑھا اور دروازے کا جائزہ لیا۔ تعجب کی بات تھی دروازے میں تالہ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا۔ مکان کی نچلی کھڑکیاں بند تھیں۔ میں نے ایک لمحے تک اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی کال بیل، بٹن وغیرہ نظر آجائے۔ گھر تو یہی ہے اچھی طرح سمجھا دیا تھا جے رام بھگت نے مجھے، میں چند منٹ تک سوچتا رہا اور پھر میں نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارا۔ دروازے کا پٹ فوراً ہی اندر دب گیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا سا آیا اور دروازے کا پٹ کھل گیا۔ میں فوراً اندر داخل ہوگیا۔ اندر گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں کے آگے پتنگے ناچ رہے ہوں۔

بہرحال اس گہری تاریکی میں جیسے میرا جسم شل ہونے لگا۔ کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں گونجنے لگیں لیکن بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آسکی تھی کہ ایسا کیوں

ہو رہا ہے۔ شاید سردی لگ گئی ہے۔ بہرحال یہ عجیب وغریب کیفیت کچھ دیر تک طاری رہی اور اس کے بعد باہر سے بارش کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس بار بارش اس طرح شروع ہوئی تھی جیسے کہیں سے پرنالے کا پانی کھول دیا ہو۔ دور واقعی کہیں پرنالے بھی گر رہے تھے۔ کیونکہ دھائیں دھائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اپنی اس کیفیت پر غور کیا اور مجھے حیرت ہونے لگی۔

بہرحال میں ایک تندرست آدمی تھا اور ایسی بات نہیں تھی کہ کوئی چھوٹی موٹی چیز مجھ پر اثر انداز ہوسکتی۔ میں نے ایک طرف دیکھا۔ ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس سے پانی کی بوچھاڑ اندر آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ میرے ہوش وحواس مکمل طور پر واپس آگئے۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی بند کردی اب یہاں آ ہی گیا ہوں اور پھر...... پھر دعوت پر آیا ہوں تو اندر داخل ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جے رام بھگت سے معذرت کرلوں گا اور کہہ دوں گا کہ بارش کی وجہ سے شاید میری آواز نہیں سنی گئی۔ ورنہ میں نے تو دروازہ خاصا بجایا تھا۔

بہرحال میں نے کھڑکی بند کی تو ایک بار پھر گہری تاریکی میرے اطراف میں چھاگئی۔ نجانے کیوں میرا دل قابو سے باہر ہو رہا تھا اور ہاتھ میرے لرز رہے تھے۔ لکشمن کے الفاظ مجھے یاد آ رہے تھے۔ لکشمن نے بتایا تھا کہ جے رام بھگت کالے جادو سے بہت دلچسپی رکھتا ہے اور صحیح معنوں میں یہ گھر تو مجھے کسی کالے جادو کے ماہر کا گھر ہی معلوم ہو رہا میرے ہاتھ پاؤں واقعی لرز رہے تھے۔ حالانکہ میں اس قدر کمزور آدمی نہیں تھا۔ میں نے دیوار کا سہارا لیا اور اسی طرح ہانپتا رہا۔ نجانے یہ حالت کتنی دیر تک رہی اور یہ تغیر کیوں میرے اندر پیدا ہوا اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میرے اطراف میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں۔

نجانے کیوں یہ خیال دل میں نہیں آیا تھا کہ میں جے رام بھگت کو آواز دوں۔ بالکل بے اختیارانہ طور پر میرا ہاتھ جیب کی طرف بڑھ گیا۔ میری جیب میں ماچس موجود تھی۔ میں نے جلدی سے ماچس نکالی اور اس کی تیلی جلائی۔ ایک شعلہ سا بھڑکا اور میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا، میں نے قرب وجوار کے ماحول کو حیرت سے دیکھا یہاں تک کہ مجھے ہاتھ میں پکڑی ہوئی جلتی ہوئی ماچس کی تیلی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ ہاں جب اس نے میری انگلیوں کو چھوا تو میں نے ہڑبڑا کر اسے فرش پر پھینک دیا اور پھر جلدی سے دوسری تیلی جلائی۔ اس مرتبہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ روشنی کمرے میں پھیل گئی اور میں یہاں رکھی ہوئی ہر چیز کا جائزہ لینے لگا۔

یہ ایک وسیع وعریض کمرہ تھا جس میں زمانہ قدیم کا بیش قیمت فرنیچر سجا ہوا تھا لیکن ہر چیز پر گرد کی ایک دبیز اور بدبودار تہہ جمی ہوئی تھی۔ اونچی چھت کے درمیان ایک بہت بڑا فانوس لٹک رہا تھا۔ دیواروں میں چاروں طرف لکڑی کے بڑے بڑے فریموں میں قیمتی تصویریں آویزاں تھیں۔ ابھی میں اسی قدر دیکھ پایا تھا کہ دوسری تیلی بھی ختم ہوگئی لیکن حیرت کی بات تھی اس مرتبہ ماچس کی تیلی بجھ جانے کے باوجود اندھیرا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ کمرے میں زرد رنگ کی مدھم مدھم روشنی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی اور ایک اور احساس جو میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ کمرہ پہلے کی طرح سرد نہیں ہے بلکہ اس کی فضا بھی آہستہ آہستہ گرم ہو رہی ہے۔ گرمی کا احساس ہوتے ہی بدن میں ایک قوت کی تازہ لہر دوڑ گئی اور پھر میں نے ہوش وحواس کا سہارا لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اچانک ہی کمرے کی فضا میں گرمی اور روشنی کیسے پیدا ہوگئی ہے اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری نظروں کے سامنے کوئی سات فٹ کے فاصلے پر ایک بڑے سے آتشدان میں مجھے نارنجی رنگ کے شعلے رقص کرتے ہوئے نظر آئے۔ یہ گرمی اور روشنی انہی شعلوں کی تھی آتش دان پر بنے ہوئے چوبی مینٹل پیس پر ایک نہایت خوبصورت اور پرانی طرز کا اونچا شمع دان رکھا ہوا تھا۔ جس میں لمبی لمبی موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ زرد شعلوں کی مدھم روشنی میں اب پورا ماحول خاصا صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔

میں دیر تک بے حس وحرکت کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے کیا صرف میرا احساس تھا یا فریب نظر۔ آخر آتش دان کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور روشنی مجھے پہلے کیوں نہیں نظر آئی تھی۔ ہوسکتا ہے میں نے گھبراہٹ کے باعث ان کا خیال نہ کیا ہو۔

بہرحال جو کچھ بھی تھا اپنے آپ کو بہلانے کے مترادف تھا۔ میں آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا رہا اور آتش دان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ مجھے ایک ایک چیز انتہائی پُراسرار اور بھیانک نظر آ رہی تھی اور میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایسا کیوں ہے لیکن لکشمن کے کہے الفاظ مجھے سہارا دے رہے تھے کہ یہ کالے جادو کے ایک ماہر کا گھر ہے۔ ہوسکتا ہے جے رام بھگت مجھ پر اپنی کالی قوتوں کا رعب ڈال رہا ہو۔ میں نے بغل میں دبی ہوئی کتاب زور سے اپنے بازو کے نیچے دبالی۔

بہرحال اگر ایسی بات ہے بھی تب بھی میرے لئے تو فائدہ مند ہے اگر جے رام بھگت نے مجھے قبول کیا تو میں اس کی شاگردی اختیار کرلوں گا اور یقیناً ایک ایسے شخص سے

مجھے فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ یہ کتاب...... یہ کتاب بہرحال میرا قیمتی اثاثہ تھی۔ ابھی میں انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ پہلی بار مجھے کچھ انسانی قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں بے اختیار پلٹ پڑا جو چیز مجھے نظر آئی تھی وہ بھی اسی پائے کی تھی۔ یہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس ماتھے پر تلک لگا ہوا۔ بڑی بڑی مونچھیں اور ایسی ہی بڑی بڑی آنکھیں جن میں کشش نہیں تھی، بلکہ ایک بھیانک سی کیفیت تھی۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے نجانے کیوں خوف کا ایک ہلکا سا احساس جاگا لیکن اسی وقت اس کی آواز سنائی دی۔

''رگھوناتھ ہے ہمارا نام سرکار جی! مہاراج بھگت آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آئیے۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پلٹا۔ انداز کچھ اس طرح کا تھا جیسے میں اس کے حکم کی فوری پابندی کروں گا۔ وہ اسی دروازے سے باہر نکل گیا۔ جس سے اندر داخل ہوا تھا اور میرے قدم خود بخود اس کے پیچھے چل پڑے۔ پھر ایک ذیلی راہداری طے کرکے میں ایک بڑے سے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ جسے رگھوناتھ نے کھول دیا تھا اور اس طرح ایک طرف ہٹ گیا تھا جیسے مجھے اندر جانے کا راستہ دینا چاہتا ہو۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ اس بدنما اور منحوس مکان کا اب تک جو جائزہ لیتا آیا تھا۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ آسیبی مکان ہے اور اس میں کسی انسان کا وجود نہیں ہے لیکن پہلی بار مجھے دو افراد نظر آئے تھے۔ ایک وہ رگھوناتھ اور دوسرا وہ جو اس کمرے میں لگے ہوئے اعلیٰ درجے کے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کی سج دھج ہی کچھ اور تھی۔ بہترین قالین بچھا ہوا تھا۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کا فرنیچر سجا ہوا تھا اور اس میں سے ایک پر جے رام بھگت ایک خوبصورت لباس میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کے چہرے سے اب بھی شیطنیت ٹپکتی تھی وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

بہرحال میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا لیکن اس نے میرے اس سلام کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی بھاری آواز ابھری۔ ''آ گئے...... آؤ بیٹھو......'' میرا دل تو یہ چاہا کہ میں اس سے گھر کے پُراسرار ماحول کے بارے میں بات کروں لیکن ظاہر ہے یہ غیر متعلق بات تھی۔ پھر وہی بات آ جاتی ہے کہ کالے جادو کا ماہر کوئی شخص کس طرح کا گھر رکھ سکتا ہے۔ غرض یہ کہ میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تو اس نے کہا۔ ''ہاں۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم نے مجھ سے ایک کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ او ہو تمہاری بغل میں جو کتاب دبی ہے کیا یہ وہی ہے۔''

''ہاں۔ بھگت جی!'' میں نے پُراحترام انداز میں کتاب اس کے سامنے کردی۔

نجانے کیوں ایک دم اس کی آنکھوں میں تیز چمک لہرانے لگی۔ اس نے بڑی بے صبری سے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور کتاب میرے ہاتھ سے لے لی۔ پھر اس کے انداز میں ایک شدید بے چینی کی لہر نمودار ہوگئی اور اس کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکلنے لگیں۔

''ارے...... ارے...... ارے...... یہ کتاب تو...... یہ کتاب تو......'' میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک ہیجانی کیفیت نمودار ہوگئی تھی۔ وہ شدید بے چینی کے عالم میں اس کتاب کے اوراق الٹنے لگا اور پھر اچانک ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے کتاب سنبھال کر ماتھے سے لگالی۔

''اس میں تو میرا جیون چھپا ہوا ہے۔ یہ تو میرے سارے جیون کی کہانی ہے۔ یہ... یہ تمہارے ہاتھوں میں کہاں سے پہنچ گئی۔ کہاں سے ملی تمہیں...... یہ بتانا پسند کرو گے کہاں سے ملی تمہیں۔''

''جے رام جی! مجھے یہ ایک کھنڈر سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس کھنڈر کی کھدائی ہو رہی تھی جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق آثار قدیمہ سے ہے اور میں محکمہ آثار قدیمہ میں کام کرتا ہوں۔ ان کھنڈرات کی کھدائی کے دوران مجھے ایک تہہ خانہ دستیاب ہوا اور اس تہہ خانے میں داخل ہونے کے بعد میں نے یہ کتاب ایک طاق پر رکھی ہوئی پائی۔''

''ہے بھگوان...... ہے بھگوان تیری لیلا نرالی ہے۔ جنہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی انہیں تیرے بھنڈار سے سب کچھ مل جاتا ہے اور جو جیون بھر ترستے رہتے ہیں۔ وہ ترستے ہی رہ جاتے ہیں۔ سنو کیا نام ہے تمہارا۔''

''رمانند۔''

''رمانند! یہ میری کتاب ہے۔ یہ مجھے واپس کر دو سمجھے۔ اس کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جانتے ہو یہ کالی کتاب ہے اور کالی کتاب میں میرا جیون چھپا ہوا ہے۔ صدیوں جینے کی کہانی ہے اس میں۔ کیا بتاؤں تمہیں، کیا بتاؤں میں۔ یہ سمجھ لو اس کتاب کے ذریعے میں نجانے کہاں کہاں کے سفر کروں گا۔''

''نہیں۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جے رام بھگت! میں خود اس کتاب سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''ارے کیا...... کیا...... مجھے بتاؤ کیا؟''

''جے رام بھگت! میں تم سے متاثر ہوا تھا۔ میرے دوست نے تمہاری بہت تعریفیں کی تھیں، بتایا تھا کہ تم بہت بڑے آدمی ہو۔ بہت کچھ کر سکتے ہو۔ مجھے اس کتاب کے

رہنمائی دو۔ مجھے خزانہ چاہئے سمجھے۔ میں اس کی تحریروں میں ڈوب کر اس خزانے کا پتہ لگانا چاہتا ہوں۔''

''خزانہ...... خزانہ...... خزانہ...... اگر خزانہ تمہیں مل جائے تو کیا تم یہ کتاب مجھے دے دو گے۔''

''میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے بالکل، تم ایسا کرو دس دن کے بعد ٹھیک دس دن کے بعد آج کی تاریخ نوٹ کر لو۔ ٹھیک دس دن کے بعد یہاں آ جانا۔ اتنا کچھ مل جائے گا تمہیں کہ تمہاری خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔ خزانہ تمہیں میں دے دوں گا لیکن یہ کتاب بس مجھے دے دو۔''

''جے رام بھگت میں اس کتاب کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔''

''دیکھو...... یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے یہ جادو کی کتاب ہے۔ یہ تمہارے لئے نہیں میرے لئے کارآمد ہے۔ مجھ سے اس کا سودا کر لو گے تو فائدے میں رہو گے سمجھے۔ کہہ چکا ہوں تم سے دس دن کے بعد آ جانا، آنکھیں بند کر کے آ جانا میں بھی دھن کا سچا ہوں زبان کا پکا ہوں۔ تمہیں اتنا دے دوں گا کہ تم اور تمہارے بچے آرام سے جیون گزار سکتے ہیں۔ اگر تم اس کتاب میں خزانہ تلاش کر رہے ہو تو خزانہ تو ہے اس کتاب میں مگر وہ نہیں جو تمہارے کام کا ہو۔ بس یہ سمجھ لو اس میں وہ خزانہ ہے جو مجھ جیسے کسی آدمی کو ہمیشہ کا جیون دے سکتا ہے، سمجھے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تم سے سودا کرنے کے لئے تیار ہوں اگر دس دن کے بعد تم مجھے واقعی اتنا کچھ دے دیتے ہو جو میری خواہش پوری کر دے تو پھر یہ کتاب میں تمہیں دے دوں گا۔''

''نہیں۔ یہ کتاب اب تم میرے پاس ہی رہنے دو۔ کہا ہے دس دن کے بعد آنکھیں بند کر کے آ جانا۔ اس کتاب کی سوگند کھا کر کہہ رہا ہوں۔ اتنا کچھ دوں گا تمہیں۔ مان لو میری بات ضد نہ کرو۔''

''نہیں جے رام بھگت! دنیا نے مجھے اتنے تجربے دیئے ہیں کہ اب میں کوئی نیا تجربہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''نیا تجربہ؟''

''ہاں۔''

''سمجھا نہیں ہوں میں۔''

''کتاب میں تمہیں دے دوں گا لیکن دس دن کے بعد؟''

''ارے نہیں بھائی نہیں۔تم کیا جانو یہ میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے اس کے ل
تو میں دس جیون قربان کرسکتا ہوں۔ یہ تمہیں واپس نہیں دوں گا میں سمجھے۔ یہ میں تمہیں
واپس نہیں دوں گا۔''

''نہیں جے رام! یہ تم مجھ سے نہیں لے سکتے۔خدمت کرو تم بہت اچھے انسان نظ
ہوتے ہو اچھی شخصیت ہے تمہاری۔''

''دیکھو بابا۔سوگند کھائی ہے میں نے اس کتاب کی۔اس میں میرا جیون چھپا ہوا
میری جیون کہانی ہے اس میں۔اس پر تو اعتبار کرلے۔''

''یہ کتاب میں واپس لے جاؤں گا جے رام! اور دس دن کے بعد یہاں پھر آؤں
اور اطمینان رکھو یہ میں تمہارے حوالے کردوں گا۔''

''جب یہ میرے ہاتھوں میں آ گئی ہے تو تمہیں واپس تو نہیں کروں گا اسے۔''

رام بھگت نے کہا اور اچانک ہی اس نے ایک الٹی قلابازی کھائی۔میں اس کے لئے تیار نہ
تھا۔وہ دوڑتا ہوا پیچھے چلا گیا اور اس کے بعد دروازے میں غائب ہوگیا۔

ایک لمحے کے لئے میں تو ہکا بکا رہ گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اٹھ کر اس
پیچھے بھاگا۔دروازے کے دوسری جانب ایک بڑا سا کمرا تھا۔میں اس کمرے میں داخل
اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا لیکن دوسرا دروازہ کھلا ہوا تھا اور یہ دوسرا دروازہ ا
راہداری میں کھلتا تھا اور راہداری عمارت کے بیرونی حصے میں، جے رام بھگت کا کہیں پتہ نہ
تھا۔میں شدید غصے کے عالم میں اسے ڈھونڈتا پھرا۔اب اس گھر کی پُراسرار کیفیت
میرے ذہن سے نکل گئی تھی اور اس کے بعد شاید میں ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ تک اس گھر
چپے چپے کا جائزہ لیتا رہا۔بھیانک مناظر اس وقت میری نگاہوں کے سامنے تھے لیکن وہ
وقت مجھے متاثر نہیں کررہے تھے۔کیونکہ میرے دل میں شدید غم وغصہ تھا۔جے رام
ایسی حرکت کرے گا، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔پورا مکان بھائیں بھائیں کررہا تھا۔
دیر تک میں یہاں جھک مارتا رہا اور اس کے بعد میں نے سوچا کہ اب یہاں رکنا بالکل
بے مقصد ہے۔کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔میں مجبور اور مایوس یہاں سے باہر نکل آیا۔مجھے
اس دوست پر بھی غصہ آرہا تھا۔جس نے جے رام بھگت سے میرا تعارف کرایا تھا، لیکن
جانتا تھا کہ لکشمن اب ملک سے باہر جاچکا ہوگا۔وہ تو عارضی طور پر یہاں آیا تھا یہ تو ب

ہوا۔ایک امید بنی تھی اس کتاب سے کہ شاید اس میں کسی خزانے کا ایسا نقشہ ہو۔جو باعث
توجہ ہو لیکن کتاب چھن گئی تھی مجھ سے۔میں بہت ہی ملول اور افسردہ خاطر اپنے گھر واپس
آیا۔ایشوری نے میرا چہرہ دیکھ کر کہا۔

''کیا بات ہے کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ایشوری!''

''سنو میری بات سنو۔پچھلے کچھ دنوں سے تم مجھے بہت پریشان لگ رہے ہو۔گھر میں
بھی عجیب وغریب واقعات ہورہے ہیں۔یہ سب کیا ہے مجھے اس بارے میں نہیں بتاؤ
گے۔''

''اب شاید ایسے واقعات نہ ہوں ایشوری۔''

''پہلے کیوں ہورہے تھے؟''

''ایشوری! بس ایسے ہی میں کوشش کررہا تھا کہ بھگوان ہماری دونوں بچیوں کے لئے
بھی کچھ دھن دے دے ہمیں، لیکن تقدیر میں نہیں تھا۔''

''کوئی بات تو ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔''

''بے کار باتیں نہ کرو میرا دماغ پریشان ہے اور تم مجھے مسلسل پریشان کئے جارہی
ہو۔اپنے کام سے کام رکھو جو بات بتانے کی ہوگی وہ میں تمہیں بتادوں گا اور جو بتانے کی
نہیں ہے اسے بتانے کے لئے مجھے مجبور نہ کرو۔'' ایشوری افسردگی کے ساتھ خاموش ہوگئی۔

بہرحال وقت گزرتا رہا ایک دن، دو دن، تین دن میری چھٹیاں ختم ہونے کو تھیں لیکن
میرے اندر کچھ ایسی کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ میں بالکل کام دھندہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔
میں خاموشی کے ساتھ وقت گزار رہا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیج
دوں گا۔اس کے لئے میں نے تیاریاں بھی کیں اور مزید پندرہ دن کی چھٹی طلب کرلی اور
یہی کہا کہ میں ذہنی طور پر بیمار ہوں اور بالکل کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

بہرحال فون پر اطلاع مل گئی کہ میری چھٹی منظور کرلی گئی ہے۔بس اس کے بعد
آوارہ گردی ہوتی تھی۔میں شدید غصے کے عالم میں تھا اس کے بعد نجانے کیا ہوا کہ دسویں
دن مجھے ایک دم یاد آیا کہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ دس دن کے بعد وہ مجھے اتنی رقم دے
دے گا کہ میری زندگی عیش سے گزرے گی۔اس نے قسم بھی کھائی تھی۔کیا خیال ہے کیوں نہ
آزما کر دیکھ لیا جائے۔یہ سوچ کر میں تیار ہوا اور ایک بار پھر میں اسی منحوس مکان کی طرف
چل پڑا۔اب اس کے ایک ایک چپے سے مجھے واقفیت حاصل ہوگئی تھی۔کیونکہ پچھلی بار

میں نے تقریباً سارے گھر کی تلاشی لے ڈالی تھی لیکن مجھے نہ وہ بد بخت ملا اور نہ اس کا ملازم
رگھوناتھ۔ میں دروازے تک پہنچا اور وہی کیفیت پھر پیدا ہوئی۔ دروازہ آہٹ کے بغیر
یوں کھل گیا جیسے اشارے کا منتظر ہو۔ میں اندر داخل ہو گیا اور مختلف کمروں سے گزرتا ہوا
آگے بڑھنے لگا پھر ایک کمرے میں رک کر میں نے زور زور سے آوازیں دیں۔

"رگھوناتھ...... جے رام بھگت، باہر آؤ" کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ پھر میں وہاں
سے آگے بڑھا تو دفعتاً ہی مجھے ایسا لگا جیسے کوئی بھنبھناہٹ کی آواز ابھر رہی ہو۔ زن زن
زن زن، زن زن، بس ایسی آواز تھی جو مسلسل گونج رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا جیسے میں شہد
کی مکھیوں کے چھتے کے پاس کھڑا ہوں۔ وہ تکلیف دہ آوازیں برابر اسی طرح گونجتی رہیں
اور میرے اضطراب میں لمحہ لمحہ اضافہ ہونے لگا۔ میں بار بار آوازیں دے رہا تھا۔ پھر میں
ایک اور کمرے میں داخل ہوا تو بھنبھناہٹ کی وہ مکروہ آواز یک لخت تھم گئی۔ مجھے یوں
محسوس ہوا جیسے میرے سر پر بجتے ہوئے ہتھوڑے روک دیئے گئے ہوں۔ بھگوان کی پناہ
کیسی ڈراؤنی آواز تھی اس نے میرے اعصاب تباہ کر کے رکھ دیئے۔

یہ بہت ہی بڑا وسیع و عریض ہال تھا اور اس میں زمانہ قدیم کا فرنیچر سجا ہوا تھا لیکن
میری یادداشت کی قوت کام کرنے لگی۔ پہلے میں نے یہاں دیواروں پر فریموں میں
تصویریں آویزاں دیکھی تھیں لیکن اب یہاں بارہ سنگھوں کے سر، تلواریں اور خنجر نظر آ رہے
تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ ہال کے درمیان سے گزرتے ہوئے مجھے
یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں موجود ہر شے زندہ ہو۔ خنجر تلواریں اور چھرے حتیٰ کہ بارہ سنگھوں
کے سر بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری ہی طرف دیکھ رہے تھے۔ میرے جسم میں سرد لہریں دوڑ
رہی تھیں اور میں عجیب و غریب باتیں محسوس کر رہا تھا۔ لکڑی کے اس مضبوط بند دروازے پر
نہایت خوبصورت نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ جو ہال کے آخری سرے پر
تھا۔ یہ خوبصورت نقش و نگار یوں لگتا تھا جیسے ابھی ابھی بنائے گئے ہوں۔ میں ہانپتا کانپتا
آگے بڑھنے لگا اور احتیاط سے دبے پاؤں چلتا ہوا اوپر کی منزل میں پہنچ گیا۔

نجانے کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے یہاں کوئی موجود ضرور ہے، کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے
تھا یہاں۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک طویل و تاریک راہداری
میں پایا۔ یہاں مجھے ایک عجیب سی ناگوار بدبو محسوس ہوئی۔ میں نے اس راہداری میں دور
تک دیکھنے کی کوشش کی تاکہ اس بدبو کا سراغ لگاؤں لیکن راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی
البتہ اس کے آخری سرے پر بائیں ہاتھ ایک اور کھلا دروازہ دکھائی دیا۔ جس کے آگے سرخ

رنگ کا بڑا پردہ لٹک رہا تھا۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا اور ذرا سا پردہ
اٹھا کر دوسری طرف جھانکا تو بے اختیار میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

یہ ایک چھوٹا سا گول کمرا تھا جس کے درمیان رکھی ہوئی لکڑی کی سیاہ میز پر تازہ کھانا
لگا ہوا تھا مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا کہ یہ چیزیں میرے سامنے موجود ہیں۔ نہایت لذیذ
اور خوشبودار کھانوں سے سجی میز دیکھ کر فوراً اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں یہاں رکھے زیادہ دیر نہیں
ہوئی اور کھانے والا شخص ابھی ابھی اٹھ کر باہر گیا ہے۔

بہرحال میں اپنے ذہن کا خوف و اضطراب محسوس کر کے آگے بڑھنے لگا کہ دفعتاً یہ
منحوس آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجنے لگی۔ زن زن...... زن زن...... زن زن،
مجھے یقین تھا کہ یہ بھنبھناہٹ مکھیوں کی تھی لیکن مکھیاں کہاں ہیں اور کس شے پر بھنبھنا رہی تھیں
مجھے دیکھنا چاہیئے۔ چند لمحوں تک آواز سننے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہ پُراسرار تماشہ
میرے بائیں ہاتھ پر کسی اور کمرے میں ہو رہا ہے۔ میں دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل کر
راہداری میں لوٹ آیا۔ یہاں آتے ہی انکشاف ہوا کہ سیڑھیوں کے پاس ہی ایک اور
دروازہ ہے جسے میں پہلے نہیں دیکھ سکا اور بھنبھناہٹ کی آواز اسی دروازے میں سے آ رہی
ہے۔

کچھ لمحے توقف کرنے کے بعد میں دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ شبہے کی کوئی
گنجائش نہیں تھی کہ مکروہ آواز اسی کے اندر سے آ رہی تھی اور ایک بار پھر وہی ناگوار بدبو
میرے نتھنوں میں گھسی اور میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کچھ لمحے مزید انتظار کیا اور اس کے بعد
میں نے دروازے کی ایک جھری میں سے دیکھا مگر اندر گھپ اندھیرا تھا میری سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

نجانے کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس آواز کے بارے میں تو معلومات ہونی
چاہیئے۔ اس معمے کو حل کرنے کی عجیب سی خواہش میرے دل میں سر اٹھا رہی تھی۔ میں نے
دروازے کی ہتھی کو آہستہ سے گھمایا تو دروازہ کھل گیا لیکن دروازہ کھلتے ہی وہ آواز بالکل
بند ہو گئی۔ پھر جیسے ہی میں ذرا سا آگے بڑھا تو اچانک ہی تاریک کمرے میں روشنی ہو گئی۔
میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن روشنی کا مرکز مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ ڈرے ڈرے انداز
میں، میں نے چاروں طرف دیکھا۔ تو پھر اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے میری روح سمٹ کر
حلق میں آ گئی ہو۔ جسم کا رواں رواں کانپنے لگا تھا۔

کمرے کے ایک گوشے میں پرانے طرز کا ایک بیڈ پڑا ہوا تھا۔ جس کے چاروں

طرف باریک ریشمی پردے لٹک رہے تھے۔ اوپر ایک نفیس چھت گیری۔ بیڈ کے دوسری جانب دو بھاری کرسیاں رکھی تھیں لیکن ان کے علاوہ ایک اور چیز جو نظر آتی تھی وہ ایک کھلا ہوا تابوت تھا اور اس تابوت میں ایک انسان موجود تھا۔ جس کی بے نور آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ وہ ناقابل برداشت بدبو اسی تابوت سے اٹھ رہی تھی۔ دل تھا کہ حلق سے باہر آجانے کے لئے بے چین، میں نے ناک پر ہاتھ رکھا اور ہمت کر کے آگے بڑھا تاکہ اس لاش کو قریب سے دیکھوں۔ میں آگے بڑھا اور میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی کیونکہ کھلے ہوئے تابوت میں جے رام بھگت لیٹا ہوا تھا اور اس کے بدن سے ہزاروں سیاہ رنگ کی مکھیاں چمٹی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ آدم خور مکھیاں ہوں۔ انتہائی خوفناک اور خونخوار، میں نے ایسی مکھیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ میں پاگلوں کی طرح انہیں دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً ہی میری نگاہ جے رام بھگت کے سینے کی طرف اٹھی اور ایک بار پھر میرے سارے وجود میں لرزشیں بے دار ہو گئیں۔

جے رام بھگت کے سینے پر وہی کتاب رکھی ہوئی تھی۔ اس طرح جیسے وہ اسے سینے پر رکھ کر سو گیا ہو۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کتاب کو دیکھنے لگا۔ جے رام بھگت کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق نہیں نظر آرہی تھی۔ اوپر سے جو مکھیاں اس سے چمٹی ہوئی تھیں۔ وہ انتہائی خوفناک تھیں۔ میں ایک لحہ تک اپنے حواس مجتمع کرتا رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ فوراً یہاں سے نکل کر بھاگ جاؤں، نجانے کیوں اندر سے یہ آواز آرہی تھی کہ اگر میں یہاں رکا رہا تو یقینی طور پر ایک بھیانک موت کا شکار ہو جاؤں گا لیکن میں اسی کتاب کی تلاش میں آیا تھا۔ کتاب سے میری زندگی کا ایک اہم حصہ وابستہ تھا۔ اب ہمت کرنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ آگے بڑھ کر کتاب اٹھالوں۔

نجانے کس طرح میں نے اپنے حواس مجتمع کئے اور اس کتاب پر ہاتھ ڈال دیا کتاب میرے ہاتھ میں آگئی لیکن اس کے ساتھ ہی مکھیوں کا بادل تابوت سے اٹھا۔ ان کے پروں کی بھنبھناہٹ ایسی لرزہ خیز تھی کہ میں بدحواس ہو کر وہاں سے واپس بھاگا لیکن آنِ واحد میں ہزاروں خون آشام مکھیاں میرے جسم سے چمٹ گئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرے بدن میں باریک باریک سوئیاں گھونپ دی گئی ہوں۔ درد کی شدت سے میرے حلق سے دہاڑیں نکلنے لگیں۔ میں نے جوش وحشت میں ان مکھیوں کو ہاتھ مار مار کر دور کرنا چاہا لیکن بے سود۔ ان کی نوکیلی پردار ٹانگیں میرے جسم میں پیوست ہو رہی تھیں۔ بھنبھناہٹ کا شور اتنا بھیانک تھا کہ سارا کمرا گونج رہا تھا۔ ان میں سے ایک مکھی بار بار میرے ہونٹ پر بیٹھنے کی

کوشش کرتی تھی۔ میں نے اسے بمشکل تمام ہاتھ مار کر زمین پر گرایا لیکن اس سے پہلے اور بھی بہت سی مکھیوں نے میرے چہرے پر حملہ کیا۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر دروازے کی ہتھی تلاش کی اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر راہداری میں نکلا اور وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا۔

درد کی تکلیف سے میری آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے جسم کے روئیں روئیں سے جان نکلی جا رہی ہو۔ میرے چہرے پر شدید جلن ہو رہی تھی۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے بند دروازے کا جائزہ لیا جس کے پیچھے وہ مہیب بلا ہزاروں خون آشام مکھیوں کی شکل میں بند تھی۔

پھر میں نے ایک لمحے کے اندر یہ بات محسوس کی تھی کہ جیسے ہی میں دروازے سے باہر نکلا مکھیاں ایک دم غائب ہو گئیں لیکن اندر سے ان کی آوازیں بدستور ابھر رہی تھیں۔ میں پاگلوں کی طرح وہاں سے واپس بھاگا۔ بہت دیر تک مجھے اس گھر سے باہر جانے کا دروازہ نہیں ملا تھا لیکن مکھیوں نے میری جو حالت کر دی تھی، وہ ناقابل یقین تھی۔ میں پریشانی سے اِدھر اُدھر دوڑتا ہوا آخر کار باہر آ گیا۔ کتاب میرے پاس محفوظ تھی۔ جو مجھ پر بیتی تھی وہ اس قدر بھیانک اور ہولناک تھی کہ عارضی طور پر میرے حواس گم ہو گئے تھے۔ ایسے وقت میں، اگر مجھ سے کوئی کتاب چھین بھی لیتا۔ تو شاید میں مدافعت نہ کر پاتا۔ حالانکہ اسی کے حصول کے لئے میں یہاں تک آیا تھا اور اس کے بعد حواس آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے۔ میں اپنے اندر ہمت بے دار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہئے ورنہ مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ کتاب میرے ہاتھ آ چکی تھی۔

بہرحال اس تکلیف سے آہستہ آہستہ نجات ملی اور جب میں گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو خاصی حد تک پُرسکون ہو چکا تھا۔ رات کا وقت تھا ایشوری اور میری دونوں بیٹیاں سو گئی تھیں سب سے پہلے میں نے اپنا لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بارے میں سوچا ایک لمحے کو دل چاہا کہ غسل کروں۔ میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ہمارا ایک مشترکہ بیڈروم بھی تھا۔ وہاں جانے کے بجائے میں نے پہلے سوچا کہ اپنا لباس وغیرہ تبدیل کرلوں لیکن ابھی میں دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ایشوری کی آنکھ کھل گئی اور وہ یہ جاننے کے لئے کہ اس وقت کون کھٹ پٹ کر رہا ہے باہر نکل آئی۔ جہاں میں کھڑا ہوا تھا وہاں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ ایشوری نے مجھے دیکھا اور دفعتاً اس کے حلق سے ایک ایسی چیخ نکلی کہ میں حواس باختہ ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ایشوری کی یہ آخری چیخ ہو وہ ایک دم چکرانے لگی تھی میں نے

ایشوری سے کہا۔

''ایشوری...... ایشوری، میں ہوں، ڈرو نہیں میں ہوں۔'' لیکن ایشوری کے حواس گم ہوگئے تھے۔ اس کی چیخوں کی آواز سن کر میری دونوں بیٹیاں روپ اور سندر باہر نکل آئیں۔ وہ زیادہ سمجھدار تو نہیں تھیں لیکن انہوں نے بھی ماں کی طرح چیخیں ماریں اور وہیں لڑھک کر گر پڑیں۔ میں شدید دہشت اور پریشانی کا شکار ہوگیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کی یہ کیفیت کیوں ہورہی ہے۔ وہ تینوں بے ہوش ہوگئی تھیں۔ بڑی حیرت اور پریشانی کے عالم میں، میں نے انہیں ایک ایک کر کے اندر لٹایا اور انہیں دیکھنے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے وہ ہولناک کتاب میرے ہاتھ لگی تھی۔ میری زندگی میں بڑی وحشت ناک تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ ان سے پہلے دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ مجھے دولت حاصل ہو اور میں بھی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کروں لیکن کتاب مل جانے کے بعد میں جن حالات کا شکار رہا تھا۔ وہ ناگزیر تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ منحوس کتاب میری زندگی کا کوئی المیہ بننے والی ہے۔ بے چینی سے میں نے چاروں طرف دیکھا اور اسی لمحے میری نظر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی جس پر ایک بہت بڑا آئینہ لگا ہوا تھا اور جب ڈریسنگ ٹیبل پر میری نگاہ پڑی تو میری کیفیت بھی ان سے مختلف نہیں ہوئی۔ خود میرے حلق سے آواز نکل گئی تھی۔

''آہ...... یہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں کون نظر آرہا ہے کیا میں...... ہاں میری بچی! دیوالی ہے نا تمہارا نام...... دیوالی! میرا چہرہ ایسا ہو چکا تھا جیسا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا تم۔ ان خون آشام مکھیوں نے میرے چہرے کی جو درگت بنائی تھی۔ وہ میرے سامنے تھی، اس قدر بھیانک چہرہ، کہ دیکھ کر دل دہشت سے کانپ اٹھے۔ تم تو حیرت انگیز طور پر مضبوط اعصاب کی مالک ہو اور میں دعوئ سے کہہ سکتا ہوں کہ تم عام لڑکی نہیں ہو۔ یقیناً تمہارے اندر بہت بڑی قوتیں پوشیدہ ہیں کہ تم نے میرے چہرے کے اس بھیانک روپ کو برداشت کرلیا۔ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی میں جس کیفیت کا شکار رہا شاید اس کے لئے الفاظ ہی ایجاد نہیں ہوئے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ خودکشی کرلوں۔ زندگی دے دوں۔ یا پھر...... یا پھر...... لیکن یا پھر کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ کچھ بھی تو نہیں کرسکتا تھا میں۔ میری یہ منحوس صورت میرے سامنے تھی۔ ڈرتے ڈرتے میں نے کئی بار اسے دیکھا اور پھر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ میری بیوی اور میرے بچے کیوں بے ہوش ہوئے ہیں۔ حق بجانب تھے وہ، بالکل حق بجانب تھے یہ ایک نئی پریشانی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کو کپڑے سے لپیٹ لیا۔

آدھی رات کے بعد ایشوری کو ہوش آیا تو میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا وہ سہمی ہوئی لرزتی آواز میں بولی۔

''کون ہے...... کون ہو تم؟''

''ایشوری میں ہوں رمانند! کیا ہوگیا ہے تمہیں ہوش میں آؤ۔ میرا چہرہ۔''

''جاؤ...... جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔ تت تم...... تت تم...... بھوت ہو...... بھوت، بھوت۔'' وہ بری طرح اپنی جگہ سے اچھلی اور کمرے سے باہر نکل بھاگی۔ بچیوں میں سے ایک بچی کو ہوش آیا اس نے میری صورت دیکھی اور ایک بار پھر چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ ایشوری کمرے سے باہر نکلی تو کسی چیز سے ٹکرائی اور اوندھے منہ زمین پر گری۔ اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔ چنانچہ وہ چوٹ لگنے سے بے ہوش ہوگئی۔

میں اس انتہائی ہولناک صورتِ حال سے بڑا دل برداشتہ ہوا۔ بے ہوش ایشوری کی مرہم پٹی کی میں نے اور اس کو اٹھا کر کمرے میں واپس لا کر ڈال دیا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ یہ صورتِ حال ہے بہت سنگین، مجھے ہوش سے کام لینا چاہئے۔

چنانچہ میں نے خاموشی سے گھر چھوڑ دیا۔ اپنے چہرے کو کپڑے سے لپیٹ کر میں باہر نکل آیا اور اس کے بعد مجھے باہر کی دنیا میں جس طرح وقت گزارنا پڑا۔ میں تمہیں کیا بتاؤں دیوالی! بہت بری گزری میرے ساتھ، کس کس طرح چوروں کی طرح اپنے آپ کو چھپاتا رہا۔ جس نے بھی میری شکل دیکھی یا تو چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا یا پھر انتہائی نفرت سے مجھے اپنے پاس سے بھگا دیا۔ میں نے سوچا کہ ایسے کام نہیں چلے گا۔ مجھے بہرحال اس دنیا کا سامنا کرنا ہی پڑے گا لیکن وہ منحوس کتاب جس کے لئے میں اب تک سرگرداں رہا تھا میرے پاس موجود تھی۔

میں نے سوچا کہ جب میں نے اتنے نقصانات اٹھائے ہیں تو پھر اس کتاب کو استعمال کرنا ہی چاہئے۔ چنانچہ میں نے اپنے لئے ایک جگہ تیار کی اور کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ بہت غور و خوض کرنے کے بعد آخرکار میں ایک نتیجے پر پہنچا۔ کتاب میں جو نشاندہی کی گئی تھی وہ انہی کھنڈرات کی تھی جہاں سے یہ کتاب مجھے حاصل ہوئی تھی۔ پہلے تو میں ہمت نہیں کرسکا لیکن میں نے سوچا کہ اب جب یہاں تک صورتِ حال پہنچ گئی ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہئے۔ پہلے میں نے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ وہاں جو کام ہورہا ہے وہ ختم ہوا یا نہیں، لیکن کام جاری تھا اور میرے اندازے کے مطابق ابھی کم از کم ایک یا

ڈیڑھ مہینہ وہاں لگنے والا تھا۔

بہر حال ایک پورے یونٹ کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا کہ میں خزانے کی تلاش شروع کر دیتا۔ انتظار تو کرنا ہی تھا۔ ادھر میری چھٹیاں بھی ختم ہوگئی تھیں جو میڈیکل سرٹیفکیٹ دیا تھا اس کی ڈیٹ بھی نکل چکی تھی۔ اب مجھے غیر حاضر قرار دیا جا رہا ہوگا۔ ایک بار پھر میں نے رات کی تاریکی میں اپنے گھر کا رخ کیا۔ میں حالات معلوم کرنا چاہتا تھا آدھے گھر کی تلاشی لی تھی کہ روپا میری بیٹی نے مجھے دیکھ لیا اور اس کے بعد وہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔

ایشوری بڑی مشکل سے وقت گزار رہی تھی۔ بچی کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور میرا کلیجہ تڑپ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اپنی زندگی اس پر نثار کر دوں لیکن میں جانتا تھا کہ ان کے سامنے آ گیا تو دوسروں کی بھی حالت خراب ہو جائے گی۔

بہر حال روپا سولہ سترہ دن تک ہسپتال میں رہی اور سارا گھر بری طرح پریشان ہوگیا۔ میں عجیب و غریب مشکل کا شکار تھا۔ چہرہ کھول کر لوگوں کے سامنے جاتا تو ایک ہنگامہ آرائی ہو جاتی۔ بگڑے ہوئے، جلے ہوئے چہرے والے لوگ کہیں فقیر اور کہیں دوسرے انداز میں لوگوں کے سامنے آتے ہیں لیکن تم نے میرا چہرہ دیکھ لیا۔ میں تو گزارہ ہی نہیں کر سکتا تھا۔

بہر حال بچی کی حالت بہتر ہوگئی اور ایشوری اسے اسپتال سے لے کر گھر واپس آ گئی۔ اس دوران گھر خالی رہا تھا۔ میں رات کو اپنے گھر میں ہی واپس آ جاتا تھا۔ پڑوسی سب ایک دوسرے سے انجان اپنے اپنے حال میں مست، دنیا کا رنگ ایسا ہی ہو گیا ہے۔ کوئی کسی کی مشکل کا ساتھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ سب ایک دوسرے سے بے گانے رہتے ہیں۔ کسی نے توجہ نہیں دی کہ اس خالی گھر میں کون ہے۔ میں وہاں وقت گزارتا رہا۔ پھر جب ایشوری گھر واپس آ گئی تو ایک بار پھر میں چہرے پر کپڑا لپیٹ کر گھر میں داخل ہوا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایشوری سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن یہاں ایشوری کا ایک بدنما پہلو سامنے آیا۔ خوف کی بھی ایک حد ہوتی، جہالت کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے، سن تو لیتی میری بات، سمجھنے کی کوشش تو کرتی، میں نے ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

''ایشوری! میں رمانند بول رہا ہوں۔'' اور ایشوری نے چیخ مار کر فون بند کر دیا۔ پتہ نہیں بد بخت کو کیا ہو گیا ہے۔ آواز تک نہیں پہچان رہی میری، ہو سکتا ہے میری آواز ہی بدل گئی ہو۔ ہو سکتا ہے ایسا ہو۔

''تو دیوالی! یہ تھی میری زندگی میں نے سوچا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے کوئی ذریعہ ہی

نہیں تھا اپنے لئے کچھ کرنے کا۔ کپڑا لپیٹ کر دنیا کے سامنے جاتا تو لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے۔ ایک بار تو باقاعدہ پولیس نے پکڑ لیا اور چہرہ کھلوائے بغیر نہ رہ سکے، لیکن اس کے بعد ان کا ردعمل بھی وہی ہوا تھا جو ایشوری کا تھا چیختے ہوئے بھاگ گئے تھے۔ پھر میں نے یوں کیا کہ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر فقیروں کا روپ دھار لیا۔ آدھا چہرہ کھلا رکھا اور آدھا ڈھک لیا، لوگ بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔ بھیک دینے میں کسی نے گریز نہیں کیا۔ مجھے بھیک ملنے لگی۔

آخر کار ان کھنڈرات کا کام ختم ہوا۔ میں برابر وہاں کا جائزہ لیتا رہتا تھا اور پھر میں نے کتاب کے نقشے کے مطابق وہاں خزانہ تلاش کیا اور خزانہ مجھے مل گیا۔ تقریباً دو لاکھ سونے کے سکے، کچھ دوسرے زیورات، کچھ جواہرات یہ ایسی قیمتی چیزیں تھیں جن کی مالیت کروڑوں روپے تک پہنچتی تھی اور کروڑوں روپے کا یہ خزانہ مجھے حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے ذہانت سے کام کیا۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی کرائے پر لی۔ اپنا حلیہ خراب ہی بنائے رکھا لیکن در پردہ کام کرتا رہا۔ سونے کے سکوں کو کرنسی میں تبدیل کرنا جواہرات کو فروخت کرنا یہ سارا آسان کام نہیں تھا لیکن میں نے اپنی ذہانت سے سب کچھ کر لیا اور اس کے بعد میں نے یہ گھر خریدا۔ اس گھر میں تین چار بار میں نے ملازم رکھے لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکے، میرے ساتھ رہے اور اس کے بعد وہ بھاگ گئے۔

یہ زندگی میں نے اپنالی اور آخر کار میں نے اپنے آپ سے سمجھوتہ کر لیا۔ میرے دل میں اپنی دونوں بچیوں کا دکھ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایشوری اب ایک دفتر میں ملازمت کرتی ہے۔ دونوں بچیوں کو اس نے اسکول میں داخل کرا دیا ہے۔ بچیاں اسکول میں رہتی ہیں اور جب ایشوری اپنے کام سے فارغ ہوتی ہے تو انہیں لے کر گھر آ جاتی ہے۔ بڑی ہمت سے زندگی گزار رہی ہے وہ میرے بغیر۔ مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا۔ بڑی محبت کی ہے، ہم دونوں نے ایک دوسرے سے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ آتما کا رشتہ بڑا ہوتا ہے مگر دیوالی! پتہ نہیں یہ سب قصے کہانیاں ہیں یا ان میں کوئی حقیقت، کوئی سچائی بھی ہے۔ سمجھ میں آ گئی نا میری زندگی۔''

''ہاں۔ رمانند جی! لیکن ایک بات بتائیں۔ آپ نے اپنا علاج کرانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''بہت سے کھیل کھیلے ہیں میں نے، بڑے ڈرامے کئے ہیں۔ کچھ ڈاکٹروں سے رابطے بھی قائم کئے ہیں صرف ایک دو ڈاکٹر ایسے ملے۔ جنہوں نے ہمت سے مجھے دیکھا اور

اس کے بعد افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتے اور اس کے بعد جب میں نے دوبارہ ان سے رابطہ قائم کیا۔ تو انہوں نے مجھ سے ملنے سے ہی انکار کر دیا۔ دیوالی دنیا اپنے طور پر سوچتی ہے کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔''

''لیکن میں آپ کے لئے بہت کچھ کروں گی رمانند جی! آپ نے مجھے بغیر کسی لالچ، بغیر کسی مقصد کے اتنا سہارا دیا ہے۔ تو اب میرا فرض بنتا ہے کہ میں بھی آپ کے لئے کچھ کروں۔''

''کیا کرو گی میرے لئے؟''

''مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے۔'' دیوالی کو قدرت نے بڑی ذہنی صلاحیتیں دی تھیں اور اب اس کا ذہن کافی کشادہ ہوتا جا رہا تھا۔ دنیا دیکھ لی تھی۔ ماں باپ بے چارے خوفزدہ رہا کرتے تھے کہ جوان بچی ہے ایک کجی کا شکار ہے کہیں کوئی کھیل بگڑ گیا تو اسے قبول کرنے والا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔ یہ باتیں سوچتی رہتی اور اپنے طور پر فیصلے کرتی رہتی تھی۔ اب اس کے بعد ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔

☆======☆======☆

یہ کہانی سننے کے پانچ چھ دن کے بعد اس نے رمانند سے ایشوری کے گھر کا پتہ پوچھا اور تیاریاں کر کے چل پڑی۔ چھٹی کے دن کا انتخاب کیا تھا، کیونکہ جانتی تھی کہ ایشوری نوکری کرتی ہے۔ بہرحال ایشوری سے ملاقات ہوگئی۔ ایشوری نے ایک اجنبی چہرے کو دیکھا تو کسی قدر حیران ہوگئی اور پھر نرم اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''آئیے...... کون ہیں آپ معاف کیجئے۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔''

''میرا نام دیوالی ہے۔ ایک ضروری کام سے آپ کے پاس آئی ہوں ایشوری ہے آپ کا نام۔''

''آئیے......'' ایشوری اسے اندر لے گئی۔ روپ اور سندر بھی موجود تھیں۔ سب کے چہرے بے بسی کا شکار نظر آتے تھے۔ دیوالی اندازہ لگانے لگی کہ ایشوری کس طرح کی عورت ہے۔ سادہ سے نقوش والی عورت اسے بری نہ لگی۔ اس نے بڑی محبت سے دیوالی کو بٹھایا اور بولی۔

''کہیے...... میں آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہوں۔''

''ایشوری جی! ایک بڑے ضروری کام سے آئی ہوں آپ کے پاس۔ بس یوں سمجھ لیجئے میری ایک دوست ہے۔ اس کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آ گیا ہے۔ وہ دوست شادی شدہ ہے اور اس کے پتی کے ساتھ بھی وہی حادثہ پیش آیا جو آپ کے پتی کے ساتھ...... ایشوری جی! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کے پتی کہاں ہیں۔'' ایشوری کے چہرے پر سفیدی چھا گئی۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''آپ یہ بات کیوں معلوم کرنا چاہتی ہیں۔''

''اصل میں میری جو سہیلی ہے اس کے شوہر بھی محکمہ آثار قدیمہ میں کام کرتے تھے، ایک عجیب و غریب حادثہ پیش آیا ان کے ساتھ، ہوا یہ کہ ایک دن وہ کھدائی کر رہے تھے۔ مگر معاف کیجئے گا۔ میرے سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔''

"آپ کے سوال کا؟" ایشوری دہشت بھری آواز میں بولی۔

"ہاں۔"

"میرے پتی اچانک گم ہوگئے ہیں کوئی پتہ نہیں چلا ان کا۔ چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ نجانے کیا ہوا گھر سے باہر نکل کر گئے لیکن پھر کچھ پتہ ہی نہیں چل سکا۔ ہے بھگوان یوں لگتا ہے جیسے ان کی آتما کسی شیطانی چکر کا شکار ہوگئی ہو۔ ان کا کوئی پتہ ہی نہیں چل سکا۔ ان کے دفتر والے نجانے کتنے چکر لگا چکے ہیں۔ آخری بار دھمکی دے کر گئے تھے کہ انہیں نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ بھگوان جانے کہاں گئے۔ کیا ہوا کچھ پتہ ہی نہیں چل سکا۔"

"بالکل ایسا ہی میری سہیلی پشپا کے ساتھ ہوا ہے۔ اس کے پتی بھی محکمہ آثار قدیمہ میں کام کرتے تھے۔ پشپا نے مجھے بتایا کہ ایک دن اس کا پتی راجیشور اور آپ کے پتی رمانند جی غار کی کھدائی کرتے ہوئے کسی تہہ خانے میں اتر گئے وہ تہہ خانہ طلسمی تہہ خانہ تھا۔ وہاں شیطانی قوتیں تھیں۔ جنہوں نے ان پر اثر ڈالا اور ان کے چہرے بگڑ گئے۔ ایسے بھیانک چہرے ہوگئے ان کے کہ میری سہیلی پشپا تو اپنے پتی کا چہرہ دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئی۔

پتی نے لاکھ اسے سمجھایا کہ پشپا! یہ میں ہوں تم مجھے پہچانو تو سہی، پر ایسا نہیں ہوا۔ پشپا بہت دن تک پریشان رہی آخر میں اس کے پتی نے ایک بار بتایا کہ وہ اکیلا ہی اس مصیبت کا شکار نہیں ہوا ہے بلکہ اس کا ایک دوست رمانند بھی ایسے ہی عذاب میں گرفتار ہوگیا ہے۔ دونوں کے چہرے بڑے بھیانک ہوگئے ہیں۔ رمانند نے اپنے دوست کو اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا کہ جب پہلی بار وہ اپنے گھر پہنچے۔ تو انہوں نے اپنی بیوی کو جگایا یعنی آپ کو اور آپ نے ان کی شکل دیکھ کر دہشت بھری چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئیں۔ تب رمانند جی! کو خود پتا چلا کہ ان کی شکل کیسی ہوگئی ہے۔ بڑی بھیانک بات تھی یہ۔ اس کے بعد آپ کی بچی بے ہوش ہوگئی۔ پھر رمانند جی نے ہر طرح آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی انہوں نے آپ کو بتایا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوئے ہیں لیکن آپ نے پوری بات ہی نہیں سنی۔ جب یہ ساری باتیں اس کے پتی نے اپنی دھرم پتنی کو بتائیں۔ تو میری سہیلی اس بات پر تیار ہوگئی کہ وہ آپ سے معلومات کرائے گی۔ اگر آپ کے پتی کے ساتھ بھی یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ تو پھر وہ اپنے پتی کو گھر میں آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ یہ تو سب بھگوان کے کام ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ دھرم پتنی اپنے پتی سے پریم کرتی ہے یا نہیں۔ شکلیں تو ویسے ہی بگڑ جاتی ہیں۔ کسی کے چہرے پر تیزاب پڑ جاتا ہے کسی کا چہرہ آگ سے جل جاتا ہے۔

اصل چیز تو من کا پریم ہوتا ہے۔ مجھے سچ بتائیے کہ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی حادثہ پیش آیا ہے۔"

پہلی بار ایشوری کے چہرے میں تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ جیسے کسی حیرت زدہ خیال میں کھو گئی تھی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر اچانک اس کی دلدوز چیخ ابھری۔

"رمانند......" اور پھر تو وہ اس طرح بلک بلک کر روئی کہ خود دیوالی کا دل بھی ہل کر رہ گیا۔ دونوں لڑکیاں بھی پریشان ہوگئی تھیں۔ پھر وہ بھی ماں کے ساتھ رونے لگیں۔ بمشکل تمام ایشوری کی سسکیاں رکیں پھر اس نے بمشکل کہا۔

"آپ کو...... آپ کو بھگوان کا واسطہ، آپ کو......"

"ہاں ہاں کہیں۔"

"آپ کو بھگوان کا واسطہ مجھے بتا دیں، کیا وہ رمانند...... کیا وہ۔"

"پہلے آپ خود کو سنبھالیں۔"

"کیسے سنبھالوں میں خود کو۔ ہائے یہ میں نے کیا کیا۔"

"آپ سن تو لیتیں رما جی کی بات۔"

"پتھر پڑ گئے تھے عقل پر۔ پاگل ہوگئی تھی میں، ایک بات بتا دو۔ کیا کبھی وہ مجھے مل سکتے ہیں۔ ایک بار صرف ایک بار کیا میں انہیں دیکھ سکتی ہوں......؟"

"پتی ہیں وہ آپ کے۔ آپ نے اپنی جلد بازی میں انہیں کھو دیا تھا۔ مگر پتی پتنی کا رشتہ کہیں ٹوٹ سکتا ہے۔"

"مجھے ان سے ملا دو۔ میں، میں ان کے چرنوں میں......" ایشوری پھر رونے لگی۔

"ان کا چہرہ اب بھی اتنا ہی بھیانک ہے۔"

"ہائے وہ میرے پتی ہیں۔ وہ رمانند...... میرا رمانند۔"

"کیوں بچیو...... تم اپنے پتا کا وہی خوفناک چہرہ دیکھ سکتی ہو۔" دیوالی نے بچیوں سے پوچھا۔

"ہمیں ہمارے پتا جی کے پاس لے چلو دیدی۔ ہمیں ہمارے پتا جی سے ملا دو۔" بچیاں بھی رونے لگیں۔

"چلو...... پھر تیار ہو جاؤ۔" دیوالی نے کہا۔ اس ملاپ پر اس کا دل بھی خوشی سے سرشار تھا۔ اپنے اس نیک کام پر اسے خوشی ہو رہی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ کوئی پراسرار عمل یا کوئی خوفناک واقعہ۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ ان تینوں کے ساتھ

چل پڑی تھی۔

دیوالی اچانک ہی اس کمرے میں داخل ہوئی تھی جو رمانند نے اپنے لئے مخصو
کر رکھا تھا۔ رمانند کو خود بھی اپنے چہرے سے نفرت تھی۔ وہ عام طور سے اپنے چہرے پر
لپیٹے رہتا تھا۔ اس وقت ایشوری اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ اچانک ہی اس کے کمرے
داخل ہوئی تھی اور رمانند پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایشوری کو دیکھ
اور اس وقت اس کی چیخیں نکل گئیں۔ جب اس کی دونوں بیٹیاں اس کے پُراسرار چہر
نظر انداز کر کے پتاجی کہہ کر اس کی جانب لپکی تھیں۔ رمانند شدت جذبات سے دیوانہ ہو
اور اس نے دونوں بچیوں کو اپنے بازو میں بھینچ لیا۔ بڑا رقت آمیز منظر تھا۔ رمانند بلک
کر رو رہا تھا۔ ایشوری اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ رمانند نے بچیوں کو ہٹا کر ایشور
اس کی جگہ سے اٹھایا۔

''نہیں ایشوری! نہیں یہاں نہ بیٹھو۔ ایشوری یہاں نہ بیٹھو۔ بہت شکایت ہے مجھ
سے۔''

''جو سزا آپ مجھے دیں گے مان لوں گی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں، اندھی تھی، میں پا
تھی۔ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے سزا ملنی چاہئے۔ میں اتنی اندھی کیوں ہو گئی کہ آپ
بھی نہ پہچان سکی۔ سزا ملنی چاہئے مجھے۔''

''ایشوری! میں تو تمہیں بتاتا رہا تھا۔ میں تو تم سے سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا۔ ایک
ہی تو تھیں ایشوری۔ جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ سارا سنسار مجھے کچھ بھی قرار د
پر تم میری خوشبو سونگھ کر مجھے پہچان لوگی۔ ایک تم ہی میرا سہارا ہو گی ایشوری۔ تمہاری آ
لے کر میں بار بار گھر میں جاتا تھا۔ مگر تم...... مگر تم ایشوری۔''

''ہائے رام...... میرے منہ پر کالک لگے۔ میں کتنی اندھی ہو گئی تھی۔ میں نے تمہ
نہ پہچانا۔ کالک لگے میری آنکھوں میں، اندھی ہو جاؤں میں۔'' رمانند نے ایشوری کے
پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نہیں ایشوری! ایسا نہ کہو...... ایسا نہ کہو۔ ایشوری! بڑے دکھ سہے ہیں میں نے
مت کہو۔'' دیوالی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اس سے زیادہ مداخلت مناسب نہیں تھ
لیکن اسے بے پناہ خوشی تھی۔ ایک اور اضافہ اس کے تجربے میں ہوا تھا۔ سکون تو کسی کو بھی
ہے۔ بچھڑے ہوئے ملتے ہیں تو سکون تو ملتا ہی ہے۔ پر اگر کسی کے لئے کچھ کر دیا جا
اپنے آپ کو جو سکون ملتا ہے وہ آسمان سے اونچا ہوتا ہے اور اس سے پتہ نہیں کیا لگتا

وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆======☆======☆

نند کشور اور راج وتی ایک دوسرے میں مست رہا کرتے تھے۔ انہیں بڑی اچھی
زندگی ملی تھی۔ بے شک نند کشور اپاہج تھا، لیکن انسان کو اگر دوسری طرف سے سکون مل جائے
تو پھر زندگی اتنی بے مزہ نہیں رہتی۔ رمانند نے ان لوگوں کو زندگی کی دوسری فکروں سے
آزاد کر دیا تھا۔ ویسے تو نند کشور دنیا دار تھا۔ شہروں میں رہ کر بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا اس
نے، لیکن پھر بھی فطرت میں ایک سادگی تھی۔ اب جب بیٹی جوان ہو چکی تھی تو مجبور ہو گیا تھا
اور سب کچھ بھگوان پر چھوڑ دیا تھا۔ اکثر اپنی دھرم پتنی سے کہا کرتا تھا۔

''بس دیکھو راجی! دیکھو بھگوان کی لیلا۔ بیٹا ہی دے دیتے دیوالی کی جگہ تو کم از کم
اس وقت ہمارا سہارا تو بنا ہوا ہوتا۔''

''دیوالی ہی کی وجہ سے تو ہم اس گھر میں چین کی بسر کر رہے ہیں۔''

''ہاں ری پگلی، بسر تو کر رہے ہیں پر تو کیا جانے بیٹی کیا چیز ہوتی ہے۔ دھڑکا ہی لگا
رہتا ہے بھگوان اس کی رکھشا کرے، ویسے تو وہ بہت ہوشیار ہے اور اپنے آپ کو بہت کچھ
سمجھتی ہے۔ پر ہے تو عورت ذات ہی نا۔''

''جب بات بھگوان پر چھوڑ دی ہے تو پھر بھگوان پر ہی بھروسہ کرو، وہی اس کی رکھشا
کریں گے۔'' راج وتی نند کشور کو دلاسا دیتے ہوئے کہتی، حالانکہ کبھی کبھی خود اس کا من بھی
ڈرنے لگتا تھا۔ بچی کو بالکل بے سہارا چھوڑ رکھا تھا ان لوگوں نے۔ چنانچہ اب وقت گزرتا
رہا نند کشور پُرسکون تھا۔ ادھر رمانند بیوی اور بچوں کے مل جانے سے بے پناہ خوش تھا۔ یہ
کام دیوالی نے کیا تھا اس لئے رمانند دیوالی کا بے حد شکر گزار تھا۔

''ہے تو بڑی چالاک دیوالی! تُو نے کوئی احسان ہی باقی نہ رہنے دیا۔ میں تو تجھے
صرف گھر لایا تھا تو نے میرا گھر ہی بسا دیا تیرا بڑا احسان ہے ہم پر۔'' ڈاکٹر نریشا سے دیوالی
کی ملاقات ہوئی۔ نریشا بہت اچھی انسان تھی۔ بڑی ہمدرد اور سب کچھ کرنے والی۔ دیوالی
کے یہاں آ جانے سے بہت خوش تھی وہ، اور اکثر اس سے ملنے آ جاتی تھی کبھی کبھی رام داس
بھی اس کے ساتھ آ جاتا تھا۔ اس بار نریشا آئی تو اس نے گھر میں دو بچیوں کو دیکھا، معلومات
حاصل کیں تو پتہ چلا کہ دونوں رمانند کی بچیاں ہیں۔

''کیا تمہیں رمانند کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں۔''

''ہاں ڈاکٹر نریشا! مجھے تفصیلات معلوم ہو گئی ہیں اور میں تھوڑی سی پریشان ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''یہ کہ کسی کا راز کسی کو بتانا چاہیئے یا نہیں، لیکن ایک بات اور بھی ہے، بعض اوقات خاموشی اچھی نہیں ہوتی اور اچھائیوں میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔''

''مطلب کیا ہے تیرا۔''

''دیدی...... تم میری بہن سمان ہو۔ ضروری ہے کہ میں تمہیں یہ بات بتاؤں۔ تم بہترین مشورہ دے سکتی ہو۔''

''ہاں ہاں بولو۔ بتاؤ...... اور بے فکر رہو، اگر کوئی راز کی بات ہے تو جیون بھر میری زبان کسی کے سامنے نہیں کھلے گی۔''

''یہ تو مجھے پتا ہے دیدی! اصل میں رمانند جی کی کہانی مجھے معلوم ہوگئی ہے۔''

''ہونی ہی تھی تم ان کے ساتھ جو رہتی ہو۔ کیا کہانی ہے۔'' اور جواب میں دیوالی نے ساری کہانی نریشا کو سنادی۔ نریشا آنکھیں پٹپٹاتی رہ گئی تھی۔ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

''ہے بھگوان کیا ہے تیری یہ دنیا۔ ارے اتنی سی بات تھی اگر، تو رمانند پاگلوں کی طرح منہ چھپاتے چھپاتے کیوں پھرا۔ دولت بھگوان نے اسے دے دی تھی۔ پھر اس کے لئے کیا مشکل رہ جاتی ہے خود اپنے دیش میں بھی ایسے بہت سے ادارے ہیں جو سرجری کرتے ہیں۔ آج کل بھلا یہ کون سا مشکل کام ہے۔ دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے کہ چہروں میں تبدیلی یا جلے جھلسے بگڑے ہوئے چہرے ٹھیک کرانے میں کوئی دقت ہی نہیں ہوتی۔ باہر کی دنیا میں تو یہ کام اور بھی آسان ہے۔ رمانند بے وقوف اگر کسی سے مشورہ کر لیتے تو اب تک انہیں اس پریشانی سے نکل بھی جانا چاہیئے تھا۔ ملاؤ مجھے ان سے ہیں کہاں۔''

''مگر دیدی، دیدی۔''

''تم میری بات مان لو دیوالی! چلو ان کے پاس۔''

رمانند اپنے بیڈ روم میں تھا، اس کی بیوی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ رمانند ڈاکٹر نریشا کو دیکھ کر ایک دم کھڑا ہو گیا اس وقت بھی اس نے اپنے چہرے پر کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔

''ہیلو ڈاکٹر نریشا۔''

''ہیلو رما جی۔ کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔ آپ اچانک یہاں کس طرح آ گئیں۔'' رمانند نے پلٹ کر دیوالی کو دیکھا۔ اس کے انداز میں ہلکی سی شکایت تھی۔ دیوالی فوراً ہی بولی۔

''میں نے تو منع کیا تھا ڈاکٹر نریشا کو مگر یہ ضد میں آ گئیں۔ کہنے لگیں آپ سے ملے

بغیر نہیں جائیں گی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کو اطلاع دے دوں۔''

''ہاں اور رمانند جی! میں نے آپ کی کہانی بھی سنی۔ آپ کے چہرہ چھپائے رکھنے کا راز بھی اور اپنے بیوی بچوں سے دور رہنے کا راز بھی۔''

رمانند نے ایک بار پھر شکایتی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھا نریشا بولی۔ ''اور اگر دیوالی آج بھی اپنی زبان بند رکھتی رمانند جی! تو آپ یقین کریں جب بھی مجھے یہ بات معلوم ہوتی۔ مجھے دیوالی سے بڑی شکایت ہوتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ میں دیوالی سے ملنا جلنا بھی چھوڑ دیتی۔ رمانند جی یہ سارا سنسار ایک دوسرے پر اعتماد کے سہارے چل رہا ہے۔ مانتی ہوں اس بات کو کہ اس میں نوے فیصد برے لوگ ہیں۔ مگر دس فیصد ایسے بھی تو ہیں جنہیں آپ بہت اچھا نہیں لیکن اچھا کہہ سکتے ہیں۔ رمانند جی! سیانوں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ کوئی مشکل کوئی تکلیف ہو تو آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ بڑا کارآمد ہوتا ہے۔ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں آرام سے اپنی دنیا الگ بسا کر بیٹھ گئے اور تمام مصیبتیں اپنے سر ڈال دیں۔ بھگوان نے آپ کو جو موقع دیا تھا آپ نے اس سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔''

''مم...... میں سمجھا نہیں نریشا جی۔''

''رمانند جی! اس دور میں ہر طرح کے بگڑے ہوئے چہرے ٹھیک کرائے جاسکتے ہیں۔''

''مگر نریشا جی! یہ کیس ذرا مختلف ہے۔ یہ جو ہوا ہے وہ......''

''آپ یہ کہیں گے کہ کالے جادو کے ماہر کا کارنامہ ہے۔''

''ہاں۔ میں نے بہت سے ڈاکٹروں کو بھی دکھایا لیکن جہاں بھی جاتا ہوں۔ وہاں ایک ہی بات سامنے آجاتی ہے۔ لوگ ڈرتے ہیں مجھ سے۔''

''ایک بات پوچھوں آپ سے!''

''جی......''

''آپ کی دھرم پتنی نے جب آپ کا چہرہ دیکھا تو......''

''جب انہوں نے یہ سمجھ کر میرا چہرہ دیکھا کہ میں ان کا پتی رمانند ہوں تو وہ نہیں ڈریں۔''

''اور بچیاں۔''

''میرا خون ہیں وہ۔''

''تو پھر آپ کا کیا خیال ہے ان تین افراد کے علاوہ آپ کو چوتھا فرد ایسا کوئی نہیں

ملے گا اور پھر معاف کیجئے گا کہ یہاں تو ہم پرستی زیادہ ہے آپ ملک سے باہر چلے جایئے۔ آپ کو ایسے ادارے مل جائیں گے جو پلاسٹک سرجری سے نجانے انسان کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ مائیکل جیکسن وہ امریکن ہیجڑہ کتنی بار اپنے چہرے تبدیل کرا چکا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے۔''

''مم...... مجھے نہیں معلوم ایسی کوئی بات۔''

''رمانند جی! آپ ملک سے باہر چلے جایئے۔ مجھے ایسے کچھ اداروں کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ بلکہ ایک صاحب ہیں ڈاکٹر جیکلی! ڈاکٹر جیکل سے جا کر مل لیجئے۔ آپ کی کایا ہی پلٹ دیں گے وہ۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ وہ میرا چہرہ بدل دیں گے۔''

''ہاں بالکل! پورے اعتماد کے ساتھ سفر کیجئے آپ۔ بے شک اپنے چہرے کو آپ چھپائے رکھیں بلکہ ایسا کرتی ہوں آپ کے لئے انتظامات میں خود کرائے دیتی ہوں۔ اخراجات تو آپ کرلیں گے۔''

''ہاں۔ بھگوان کی دیا سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔''

''بس تو پھر چلے جایئے، اپنے بیوی بچوں کو بھی لے جایئے۔ باہر کی دنیا کی سیر کرا دیجئے۔'' ڈاکٹر نریشا کا مشورہ رمانند کو پسند آیا تھا۔ چنانچہ رمانند نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر نریشا نے اس کی پوری پوری مدد کی تھی۔ آخر رمانند جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ تمام کاغذات وغیرہ مکمل ہو گئے تھے اور اس کی جو مشکل تھی، ڈاکٹر نریشا نے سرکاری حکام سے مل کر اس کے سفر کا بندوبست پاسپورٹ وغیرہ کا انتظام بھی کر دیا تھا اور اسے اس بات کی رعایت دی تھی کہ جس چہرے کے ساتھ جائے گا ضروری نہیں ہے اسی چہرے کے ساتھ واپس آئے۔ رمانند نے دیوالی سے کہا۔

''دیوالی! تمہارا نام دیوالی ہے۔ دیوالی خوشیوں کا تہوار ہوتا ہے۔ دیئے جلائے جاتے ہیں اور منش خوشیاں مناتا ہے پوری کی پوری۔ ایک تاریخی داستان ہے دیوالی کی دیوالی میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم جس وقت مجھے پہلی بار ملیں بس اسی وقت سے میرے جیون میں تبدیلیاں آنا شروع ہو گئیں تھیں۔ میں غم کا مارا اپنا سب کچھ کھو کر اپنا منہ چھپائے چھپائے پھر رہا تھا، لیکن دیوالی میرے گھر میں آ گئی اور میری دیوالی ہو گئی، میں جا رہا ہوں بیٹی! میں نے تمہارے نام سے بینک میں بیس لاکھ روپے جمع کر دیئے ہیں۔ اپنی ضرورتیں پوری کر یہ تمہارے کاغذات ہیں۔ یہ گھر بالکل تمہارے پاس ہے۔ نوکر چاکر سب میرے خرچ پر

تمہارے پاس رہیں گے۔ تم آرام کا جیون گزارو۔ میری گاڑی استعمال کرو۔ میرا ڈرائیور استعمال کرو۔ یہ سب تمہارے حکم کی پابندی کریں گے۔ دیوالی! میں اب دنیا گھوموں گا بھگوان نے اگر میرا چہرہ ٹھیک کر دیا تو یوں سمجھ لو میں اپنی تمام دبی ہوئی حسرتیں پوری کروں گا۔ سنسار میں کون اپنے بچوں کو اچھا جیون بسر کرانا نہیں چاہتا۔ میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ اگر کبھی لوٹ کر آیا تو تمہارے پاس آ جاؤں گا ورنہ۔ یہ سب کچھ جو ہے تمہارا ہے آرام سے رہو۔ نند کشور جی! بھگوان آپ کو بھی صحت دے آپ کے علاج کے سلسلے میں بھی باہر جا کر بات کروں گا میں۔ اگر کہیں آپ کی بیماری کا کوئی مؤثر علاج میرے علم میں آیا۔ تو پھر آپ کو وہاں بلا لوں گا۔ آپ بالکل چنتا نہ کریں اور آرام سے یہاں رہیں۔'' نند کشور کے منہ پر ایک دم بات آئی کہ میں تو اب جیون کے آخری دور سے گزر رہا ہوں تم کوشش کرو کہ میری بٹی ٹھیک ہو جائے۔ یہ بلاوجہ چڑیل بنی ہوئی ہے۔ مگر وہ یہ بات کہہ نہ سکا۔ کیونکہ دیوالی کی طرف سے اس کی اجازت نہیں تھی۔

البتہ جب رمانند جی بیوی بچوں کے ساتھ چلے گئے تو اس نے دیوالی سے یہ بات کہی۔ ''دیوالی! ایک بات میرے من میں بار بار آئی۔ میں رمانند جی سے کہنا چاہتا تھا مگر تیری اجازت نہیں لی تھی میں نے اس لئے نہیں کہہ سکا۔''

''کون سی بات پتا جی۔'' دیوالی نے کہا۔

''تیرے پیروں کے علاج کے بارے میں۔ یہ بھی تو باہر کی دنیا میں مشکل کام نہیں ہو گا۔''

''آپ میرے پیروں کو ٹھیک کرانا چاہتے ہیں پتا جی۔''

''ہاں دیوالی! بلاوجہ تیری......''

''پتا جی! دنیا آپ کے چرنوں میں رہ کر دیکھی ہے۔ پر تھوڑا سا تجربہ مجھے خود بھی ہو چکا ہے۔ آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں بول......''

''پتا جی! اس سنسار میں ہزاروں انسان ایک جیسے ہیں۔ مارے مارے پھرتے ہیں ان میں سے ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے اندر کوئی انفرادیت پیدا ہو جائے۔ لوگ اسے اچنبھے کی نگاہوں سے دیکھیں، اس پر حیرت کریں۔ پتا جی! اس کے لئے لوگ نجانے کیا کیا ڈرامے کرتے ہیں۔ بھگوان نے میرے پاؤں الٹے بنا دیئے ہیں، اور آپ یقین کریں کہ ان الٹے پیروں سے مجھے اتنا فائدہ ہوا ہے کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔'' نند کشور

حیران نگاہوں سے بیٹی کو دیکھنے لگا پھر بیوی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''راجی! سن رہی ہے تو اس کی باتیں۔''

''ایک بات کہوں۔'' راج وتی بولی۔ ''غلط نہیں کہہ رہی ہے وہ۔ واقعی تجربہ تو زیادہ نہیں ہے لیکن یہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ من میں اترتی ہے۔''

''ارے تو میں بھی تو یہ ہی کہہ رہا ہوں۔ یہ اتنی سمجھدار کہاں سے ہوگئی۔ گھر میں بڑھی ہے۔ سنسار میں نہ کچھ دیکھا نہ میں نے خود اس کی کوئی تربیت کی اور دیکھو ایسی بڑی باتیں کرتی ہے۔'' راج وتی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''بھگوان بھی تو ہے نا سنسار باسی، کچھ بھی کرلیں۔''

''اب آپ لوگ میری سنیں، بات اصل میں یہ ہے کہ میں بھگوان کی اس دین فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔ دیکھیں برا نہ مانیں آپ لوگ، سنسار میں جتنا کچھ میں نے دیکھا ہے۔ یا میرے سامنے آیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ لوگ صرف اپنے لئے جیتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے سب کچھ کرتے ہیں اور ان کا کام بالکل الگ ہے۔ کوئی کسی کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا، اگر سوچتا ہے تو دیوتا ہوتا ہے۔ جیسے میرے لئے رمانند مہاراج، بھگوان انہیں سنسار کے سارے سکھ دے۔ آپ لوگ میری طرف سے کوئی چنتا نہ کریں۔ میں نے اس سنسار میں جیون بنانا سیکھ لیا ہے اور وہی بات میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ جو میرے اندر انفرادیت ہے۔ میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔''

''بھئی! ذرا اس کا خیال رہے کہ سیر کو سوا سیر مل جاتا ہے۔''

''خیال رکھوں گی۔'' دیوالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک طرح سے ماں باپ سے اجازت مل گئی تھی۔ اب وہ اس سوچ میں ڈوب گئی کہ بستی تو چھوٹی سی تھی وہاں اس نے کئی وارداتیں کی تھیں لیکن اس بڑے شہر میں بڑی احتیاط کرنا ہوگی۔ کیونکہ یہاں قانون بھی ہے۔ وہاں کا قانون تو زیادہ سے زیادہ پنچائیت تک ہوتا تھا لیکن یہاں کا قانون خطرناک ہے کوئی الٹی سیدھی بات ہوگئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے لیکن اطراف میں کچھ ہمدرد بھی بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے ڈاکٹر نریشا، ڈاکٹر نریشا کا خیال آیا تو اس نے اس سے ملاقات کا فیصلہ کرلیا۔ ڈاکٹر نریشا کے پاس پہنچ گئی۔ نریشا نے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا پھر بولی۔

''بھئی اختلاف ہے مجھے تم سے...... اختلاف ہے۔''

''کیوں دیدی! کس بات پر۔''

''اتنے خوبصورت لباس میں ہو لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی، اتنا نیچا لباس نہ پاؤں نظر آتے ہیں نہ جوتے۔''

''دیدی! ماتا پتا سے یہی بات ہو رہی تھی۔''

''کیا؟''

''یہ کہ سنسار میں ہر منش اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں میں نمایاں کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ طرح طرح کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ سمجھیں۔ اس کی الگ حیثیت قبول کریں۔ دیدی! آپ یقین کریں لوگ تو طرح طرح کے تماشے کرتے ہیں۔ اصل میں ہوا یہ ہے کہ ماتا پتا نے مجھے بچپن سے ایسا ہی لباس پہنایا ہے اور اب وہ میری عادت بن چکا ہے۔ لوگ یہی کہیں گے نا کہ وہ آئی میکسی والی۔'' نریشا ہنسنے لگی تھی پھر وہ بولی۔

''ویسے ایک بات کہوں تم سے۔ جس طرح تم یہاں نند کشور جی کو لے کر آئیں، اب تم ویسی نہیں رہی ہو بلکہ تمہاری تو کایا پلٹ ہی ہوگئی ہے۔''

''دیدی! ایک بات بتایئے آپ۔ جیسا دیس ویسا بھیس اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔''

''بالکل کرنا چاہیئے۔ بے چارے رمانند کی زندگی بنادی تم نے۔ اگر تم واقعی ہمت سے کام نہ لیتیں اور یہ سب کچھ نہ کرتیں تو رمانند اسی طرح دکھوں میں مر جاتا۔ بیوی بچے الگ غم کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ بڑا اچھا کام کیا ہے تم نے۔''

''دیدی رمانند جی چلے گئے ہیں، مجھے یہ سب کچھ دے گئے ہیں بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں وہ میرے لئے۔ پر دیدی میں آپ سے ایک بات کہوں۔ میں اپنے آپ کو ان تمام چیزوں کے قابل نہیں پاتی۔''

''ارے کیوں کیا ہوا؟''

''نہیں دیدی! ہوا کچھ نہیں ہے۔ میں بس یہ سوچتی ہوں کہ ابھی تک میں ایک غریب دیہاتن ہوں۔ چلیے غریب نہ سہی لیکن سنسار سے اتنی ناواقف ہوں میں کہ میری سمجھ میں بہت سی باتیں نہیں آتیں۔ دیدی آپ سے مشورہ لینا چاہتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔''

''بڑی اچھی بات کہی ہے تم نے، دنیا کو سمجھنا چاہیئے تمہیں، سنسار باسیوں کے ساتھ اپنا میل جول بڑھانا چاہیئے اپنا ایک مقام بنانا چاہیئے۔''

''مگر اس کے لئے کسی کے سہارے کی ضرورت تو ہے دیدی!''

''ہوں...... بات تو ہے۔ اوہو اچھا ایک بات سنو اگر تمہیں میں ایک استاد دے

دوں، ایک ایسی گورنس جو تمہیں سب کچھ سکھا دے تو کیسا رہے گا۔ مسز دانیال اچانک ہی میری نگاہوں میں آ گئی ہیں۔ بڑی سمجھدار عورت ہے۔ وہ تمہیں گاڑی چلانا بھی سکھا دے گی کیونکہ اسے خود گاڑی چلانا آتی ہے اور سنسار کی دوسری چیزوں سے بھی تمہاری واقفیت کرائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ فوراً مسز دانیال کو مجھ سے ملا دیجئے۔ مجھے انہیں کیا دینا پڑے گا۔''

''وِدوا ہیں، اکیلی ہیں۔ بس اپنے ساتھ ہی رکھ لینا۔ کھانے پینے کو دے دینا کپڑے دے دینا اور تھوڑی بہت تنخواہ دے دینا۔''

''جیسا آپ کہیں گی ڈیڈی!'' مسز دانیال گھر میں آ گئیں اول جلول قسم کی خاتون تھیں۔ دراز قامت اچھی شکل وصورت، لیکن چہرے پر مستقل جلال طاری رہتا تھا، ناقدانہ نگاہوں سے دیوالی کو دیکھا اور بولی۔

''تمہارے بارے میں مجھے نریشا دیوی نے بتایا ہے۔ کچھ پڑھی لکھی ہو۔''

''نہ ہونے کے برابر۔''

''ٹھیک ہے پہلے میں تمہارے لئے نئے لباس سلواتی ہوں۔ یہ تم نے کیا ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔''

''نہیں مسز دانیال! اس سلسلے میں آپ سے کوئی تعاون نہیں کیا جائے گا۔ میں نے نریشا دیدی کو بتا دیا تھا کہ لباس میں اپنی پسند کے پہنوں گی۔''

''مگر ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں یہ لباس نہیں چلتے۔''

''مجھے چلانے ہوں گے۔''

''تمہاری مرضی ہے لیکن اب ایک بات بتاؤ۔ اگر تمہاری مرضی پر ہی بات رہی تو میں کیا کر سکوں گی تمہارے لئے۔''

''دیکھئے مسز دانیال! بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کو جو کام کرنا ہے وہ دوسرا ہے۔ مجھے سنسار کی اونچ نیچ بتانی ہو گی آپ کو میرا لباس ٹھیک نہیں کرنا ہو گا۔''

''ہوں دیکھوں گی کیا کیا کر سکتی ہوں میں تمہارے لئے۔ یہ تمہاری ماتا جی ہیں۔''

''جی۔''

''یہ ساڑھی انہوں نے کیسے پہن رکھی ہے۔ یہ تو دیہاتی اسٹائل ہے میڈم! آپ میرے ساتھ آیئے میں آپ کو ساڑھی باندھنا سکھاؤں۔''

''ارے نہیں مجھے کون سا کہیں باہر جانا ہے۔''

''لیجئے ارے بابا اس گھر میں تو رہنا ہے ایک اسٹیٹس بنتا ہے اس گھر کا۔''

''مسز دانیال! آپ کو میرے گھر کا اسٹیٹس نہیں بنانا، آپ کو صرف میرا حلیہ درست کرنا ہے۔''

''ارے واہ...... اتنی پابندیاں لگاؤ گی میرے اوپر تو میں کیا کر سکوں گی۔ اچھا چلو ایک کام شروع کرتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے تم انگریزی کے الفاظ میرے سامنے بولا کرو۔ میں تمہیں بتاتی ہوں اس بارے میں، ساتھ ساتھ ہی گاڑی چلانا سکھاتی ہوں۔ یہ دونوں کام جب مکمل ہو جائیں گے تو پھر میں تمہیں باہر کی دنیا میں لے جاؤں گی۔'' مسز دانیال نے آخر کار اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

دیوالی تو بلا کی ذہین تھی۔ دنوں کے کام گھنٹوں میں سیکھ جانے والی، موقع کی مناسبت سے اسے انگریزی کے الفاظ اور ان کے معنی بتائے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی مسز دانیال نے اسے انگریزی بولنا بھی سکھائی تھی۔ اتنے شاندار تلفظ کے ساتھ وہ انگریزی بولتی تھی کہ مسز دانیال بھی حیران رہ گئی تھیں۔ ڈرائیونگ اس نے صرف تین دن میں سیکھ لی تھی اور مسز دانیال حیرت سے بولی تھیں۔

''یہ کام تو تم نے بہت جلدی کر لیے اس کا مطلب ہے کہ مہینے دو مہینے میں مجھے بھگا دو گی۔''

''آپ بھاگنا چاہتی ہیں مسز دانیال۔''

''نہیں ڈاکٹر نریشا نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ یہ ملازمت مستقل ہے۔''

''ہاں۔ آپ اگر چاہیں تو مستقل یہاں رہ سکتی ہیں لیکن ایک شرط ہو گی۔ صرف اپنے کام سے کام رکھیے آپ کو فالتو باتوں میں ٹانگ اڑانے کی بڑی عادت ہے۔'' مسز دانیال اسے گھور کر خاموش ہو گئی تھیں۔ البتہ تھوڑی دیر کے بعد ان کی بڑبڑاہٹ دیوالی نے سنی تھی۔

''ارے واہ۔ ایسا شاگرد تو بھگوان نے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ استاد کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہ سکھاؤ وہ مت سکھاؤ۔ یہ بولو وہ مت بولو۔ ایسے رہو ویسے نہ رہو۔ دھت تیرے کی، نوکری بھی ملی تو ایسی۔'' دیوالی مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی۔ ویسے اسے مسز دانیال کی شخصیت پسند آئی تھی۔ اپنے کام میں وہ بے شک ماہر تھیں انہیں اعتراض تھا تو دیوالی کے لباس پر کہ وہ ایسے کپڑے کیوں پہنتی ہے۔

بہرحال دیوالی کے اپنے بھی بے شمار مسائل تھے۔ زندگی کو اسی انداز میں گزارنا جس

انداز میں وہ دنیا سے الگ تھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے، لیکن بہر حال وہ اپنی ذہانت سے ان کاموں کو کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف نند کشور کا گھرانہ بے کسی اور کسم پرسی کا شکار تھا۔ زندگی گزارنے کے لئے ان لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اکثر گھر میں ہنگامہ آرائی ہوتی تھی۔ دھرم کشور اپنی بیوی ارملا کو کوستے ہوئے کہتا تھا۔

''بھگوان تیرا ستیاناس کرے، تیرے اپنے گھر میں بھی ایسی ہی مصیبتیں آ جائیں۔ یہ سب نند کشور کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے۔ پتہ نہیں ہمارا بھائی کس حال میں ہوگا۔ ارے دربدر کر دیا تم نے اور سشماء نے مل کر؟ بھائی سے بھائی جدا کر دیا اور وہ بھی اس عالم میں کہ وہ بے چارہ اتنا سخت بیمار ہو گیا تھا۔''

''تو جاؤ نا، چلے جاؤ نا، شہر جا کر تلاش کرو اسے اور کلیجے سے لگاؤ۔ ہم کب منع کرتے ہیں۔'' پھر شکنتلا دیوی بھی واپس آ گئیں۔ یہاں آنے کے بعد جب چھوٹے بیٹے اور بہو وغیرہ کو نہ دیکھا تو غم سے پاگل ہو گئیں۔

''بھگوان تمہارا ناس کرے۔ میرے پیچھے تم نے یہ کرتوت دکھائے ہیں۔ ارے کہاں پھینکوا دیا اسے۔ زندہ بھی ہے یا مار دیا تم لوگوں نے مل کر۔'' غرض یہ کہ یہاں گھر میں خوب ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی تھی لیکن ادھر نند کشور کے دن پھرتے جا رہے تھے۔ رہنے کو عمدہ گھر، کھانے پینے کی کوئی مشکل نہیں۔ ڈاکٹر نریشا نند کشور کی بہترین دیکھ بھال کرتی تھی۔

ادھر دیوالی کا روپ ہی بدل گیا تھا۔ مسز دانیال نے اپنا جوہر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی سی سنکی قسم کی خاتون تھیں لیکن اپنے فن میں استاد تھیں۔ چنانچہ ایک طرف تو دیوالی بہترین انگریزی بولنے لگی تھی۔ اس کی اپنی ذہانت نے اسے محدود نہ رہنے دیا تھا۔ دوسری طرف اس کی شخصیت کے بھی شاندار رخ نظر آنے لگے تھے اور وہ بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے مسز دانیال سے کہا۔

''مسز دانیال! اب میں ذرا باہر کی دنیا میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں کیا آپ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں مجھے لے جا سکتی ہیں۔''

''میں اپنے شاگردوں کو دنیا سے روشناس کرانے کے لئے سب کچھ کرتی رہی ہوں اور تم بھی بہر حال میری شاگرد ہو لیکن پھر وہی بات کہوں گی۔ تمہارا یہ لباس بہت خوبصورت ہے۔ مگر اس کا اسٹائل۔''

''مسز دانیال! میں نے کتنی ہی بار آپ سے یہ کہا ہے کہ میں اپنے آپ میں جینے کی قائل ہوں اور اپنی پسند کی چیزوں سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ کیا آپ کو میرے لباس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر حاصل ہے تو براہ کرم مجھے یہ ضرور بتائیے کہ یہ حق آپ کو کس نے دیا۔'' مسز دانیال بوکھلا کر خاموش ہو گئی تھیں۔ سوال ہی ایسا تھا جس کا جواب تھا ہی نہیں۔

بہر حال پہلی بار دیوالی ایک اعلیٰ درجے کے کلب میں پہنچی۔ کار خود ڈرائیو کرتی تھی اور شخصیت ویسے ہی بے مثال تھی۔ کلب میں ہل چل مچ گئی۔ کلب کے سارے سرپھرے یہ جاننے کے لئے بے چین ہو گئے کہ یہ نیا گلاب کہاں سے کھلا ہے۔ مسز دانیال ساتھ تھی۔ کسی نے سوال بھی کیا کہ یہ حسین پھول کون ہے تو مسز دانیال نے آگے بڑھ کر کہا۔

''وہ جو کوئی بھی ہے جناب! اپنی تفریح طبع کی لئے یہاں آیا ہے اور کسی سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا۔'' مسز دانیال کے تیور ایسے تھے کہ بہت سوں کی جرأت نہیں ہوئی، لیکن پہلے ہی دن دیوالی بہت سوں کا موضوع بن گئی اور وہ اس کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہو گئے۔ یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ جو خود دیوالی کے لئے بھی بڑی تفریح کا باعث تھا، لیکن دونوں نے مل کر ہی یہ طے کیا تھا کہ کسی ایک جگہ محدود نہ رہا جائے۔ ہفتے میں ایک یا دو بار باہر نکلا جائے اور باہر کی دنیا دیکھی جائے۔

بہر حال دلچسپ تجربات ہو رہے تھے۔ دیوالی خود بہت بولڈ تھی۔ چنانچہ کوئی ایسی شخصیت اس کے سامنے نہ آ سکی جو اسے متاثر کر لیتی یا پریشان کرتی۔ پھر ہوٹل کیرو میں اسے وجے کپور نظر آیا۔ ہوٹل کیرو میں وجے کپور کے شو ہو رہے تھے۔ وہ ایک شعبدہ گر تھا۔ اپنے فن کا ماہر، چھ فٹ دو انچ کا قد و قامت، لیکن جسم اسی مناسبت سے بھرا بھرا۔ چہرہ دلکش، نقوش پُرکشش چونکہ ایک ایسے شعبے سے تعلق تھا۔ جو لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو فٹ رکھتا تھا۔ انتہائی خوش لباس، اسٹیج پر اس نے اپنا شو پیش کیا، چھوٹے سے برتن سے خرگوش نکالے۔ مختلف پروگرام پیش کیے اور سامنے بیٹھے لوگوں کے لباس میں رکھی ہوئی چند چیزوں کے نام بتائے تو مسز دانیال گھبرا کر بولی۔

''اٹھو اٹھو...... دیوالی اٹھو......''

''کیا بات ہے مسز دانیال!'' دیوالی نے سرد لہجے میں کہا۔

''اٹھو۔ دیکھو وہ سب کچھ بتا رہا ہے اسے سب کچھ نظر آتا ہے۔ ہائے رام۔'' یہ کہہ کر مسز دانیال نے اپنے لباس کو بھینچ لیا اور دیوالی کھنک اٹھی۔ ایک دلکش حسین قہقہہ جس نے

وجے کپور کو اپنی جانب متوجہ کرلیا اور وہ اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ دیوالی نے ہنستے ہو
کہا۔

''اب تو جو کچھ اسے دیکھنا ہوگا وہ تو دیکھ ہی چکا ہوگا مسز دانیال! اب کیا فائدہ۔''

''مجھے تو بہت شرم آ رہی ہے۔ پتہ نہیں اسے سب کچھ کیسے نظر آ جاتا ہے۔'' دیو
ہنستی رہ گئی بار وجے کپور نے اسے دیکھا تھا۔ پھر اس کا شو ختم ہوگیا اور وہ شو ختم کرنے
بعد سیدھا دیوالی کی طرف آیا۔ مسز دانیال گھبرا کر کھڑی ہوئیں اور پھر بیٹھ گئیں۔

''ہیلو......'' وجے کپور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہیلو......'' دیوالی بھی دلکش انداز میں بولی۔

''معزز خواتین کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔''

''نن......نہیں......'' مسز دانیال نے کہا اور دیوالی نے ہنستے ہوئے وجے کپور کو دیکھ
اور پھر بولی۔

''نہیں نہیں، آپ تشریف رکھیئے۔''

''دھن واد...... میں وجے کپور ہوں۔ آپ لوگوں کو میں نے اسٹیج سے دیکھا تھا۔
نجانے کیوں میرا من چاہا کہ میں آپ سے ملوں۔''

''مم......مگر۔'' مسز دانیال نے کہا تو دیوالی ہنس کر بولی۔

''اصل میں مسز دانیال اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ آپ لوگوں کی جیبوں میں رکھ
ہوئی چیزوں کے بارے میں بتا دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کو سب کچھ دکھتا ہے۔
وجے کپور تو ایک لمحے کے لئے دیوالی کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اس کے بھی گھن
گرج قہقہے فضا میں گونج اٹھے۔ مسز دانیال کی بات پر وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔ پھر وہ بولا۔

''آپ دونوں بہت دلچسپ ہیں، لیکن آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے۔''

''یہ بات تم اپنے گیان سے نہیں معلوم کر سکتے۔'' مسز دانیال بولیں اور وجے کپ
پھر ہنس پڑا اس نے کہا۔

''افسوس میرا گیان اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہتا۔ جس کا مجھے بڑا افسوس ہے۔''

''مسز دانیال میری آنٹی ہیں بس۔ یہ رشتہ ہے ہمارے درمیان۔''

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''دیوالی۔'' دیوالی نے جواب دیا اور وجے کپور کے چہرے پر ایک انتہائی پسند
مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سچ سچ بتائیں گی ایک بات۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''یہ نام آپ کے ماتا پتا نے رکھا تھا یا بعد میں سنسار والوں نے۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''آپ کے چہرے پر اس کے سوا کوئی نام سجتا ہی نہیں ہے۔''

''چھوڑیئے میرے نام کی باتوں کو۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ جو کچھ کر رہے تھے وہ
سب کچھ کیا تھا۔''

''نظر بندی، شعبدہ گری۔''

''یہ کیا ہوتی ہے؟''

''ایک دن میں ساری باتیں تو نہیں معلوم کر لیتے۔ کل آپ ضرور آیئے۔ آپ کی
وجہ سے کچھ نئے آئیٹم دکھاؤں گا۔ آپ کو لطف آ جائے گا۔''

''آپ کے ہزاروں فین ہوں گے، مگر میں ذرا تھوڑی سی بری طبیعت رکھتی ہوں۔''
دیوالی بولی۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''اگر کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئے تو میں بڑی بے کل ہو جاتی ہوں اور اسے
جاننے کے لئے بے چین ہوتی ہوں۔ ظاہر ہے آپ اپنے فن کے بارے میں مجھے کچھ نہیں
بتائیں گے اور میں بے چین رہوں گی۔''

''آپ کل آئیں گی نا۔''

''نہیں کہہ سکتی۔''

''آیئے۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا وعدہ کرتا ہوں۔''

''تب تو پھر میں آؤں گی۔'' کافی دیر تک وجے کپور دیوالی کے ساتھ بیٹھا رہا جو
شعبدے اس نے دکھائے تھے۔ دیوالی کو واقعی بہت پسند آئے تھے۔ البتہ واپسی کے بعد
مسز دانیال کہنے لگیں۔

''تم کل پھر جاؤ گی وہاں۔''

''ہاں مسز دانیال کیوں۔''

''بس مجھے شرم آتی ہے۔''

''شعبدہ گری تھی وہ۔''

"کچھ بھی ہو وہ اندر جھانک تو لیتا ہے۔"

"مسز دانیال! آپ آج تک میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ کبھی کبھی تو آپ اتنی بڑ
مدبر نظر آتی ہیں۔ جیسے سارا سنسار آپ کی مٹھی میں ہو اور کبھی کبھی ایک معصوم بچی جیس
ارے بابا وہ تو کھیل تھا وہ خود کہہ چکا ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو۔ مجھے اس کی آنکھیں اچھی نظر نہیں آئیں۔"

"اس سے کہہ دیں گے چشمہ لگا لے۔"

"بہرحال میں نہیں جاؤں گی کل۔"

"آپ کی مرضی ہے ظاہر ہے میں آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتی۔" مسز دانیال وا
دوسرے دن نہیں گئی تھیں لیکن دیوالی خود ڈرائیو کرتی ہوئی ہوٹل پہنچ گئی تھی۔ غالباً وجے کپ
نے اس کے لئے سیٹ مخصوص کرادی تھی۔ چنانچہ ایک ویٹر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"مس دیوالی۔"

"ہاں...... کیوں؟"

"آپ کی سیٹ آگے ہے آیئے۔" دیوالی حیران سی ویٹر کے ساتھ آگے بڑھ
سیٹ اسٹیج کے بالکل قریب تھی۔

"یہ میری سیٹ کہاں سے ہو گئی۔"

"وجے کپور صاحب نے آپ کے لئے مخصوص کرادی ہے۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا۔" ہال ناظرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ وجے کپور کے آئیٹم پسند
کرتے تھے لیکن اس دن تو وجے کپور نے کمال ہی کر دیا تھا۔ بہت خوبصورت چمکتے دمکتے
لباس میں نمودار ہوا۔ بہت ہی دلکش لگ رہا تھا۔ آج شاید اس نے اپنے بناؤ سنگھار پر خا
توجہ دی تھی۔ اس کی وجہ دیوالی بھی ہو سکتی تھی لیکن دیوالی نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔
وجے کپور نے جھک کر اسے خوش آمدید کہا اور اس کے بعد وہ اپنے آئیٹم پیش کرنے لگا۔

آج واقعی اس نے بڑا کمال کیا تھا۔ اپنی آستین سے اس نے پھولوں کے انبار کے
انبار نکال دیئے تھے اور پھر ان میں سے ایک پھول دیوالی کے قدموں میں آ گرا تھا لیکن ا
انداز میں کہ یہ ایک اتفاق محسوس ہوا۔ دیوالی نے جھک کر وہ پھول اٹھا لیا اور وجے کپور نے
آنکھیں بند کر کے اس کا شکریہ ادا کیا۔ دیوالی کو وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شو جاری رہا۔
واقعی آج وجے کپور نے دیوالی کو ششدر کر دیا تھا۔ دیوالی کے ذہن میں ایک عجیب سا تصو
پروان چڑھ رہا تھا۔ یہ شخص تو بڑے کام کا ہے۔ اگر اس سے کچھ حاصل کر لیا جائے تو شعب

گری دیوالی کے لئے تو بڑی کارآمد ہو سکتی ہے۔ الٹے پاؤں اوپر سے حیران کر دینے والے
شعبدے۔ دیوالی نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب کر لیا۔ بہت پھرتی سے فیصلے کرنے
کی قائل تھی وہ۔

شو ختم ہوا تو دیوالی بیٹھی رہی تھی۔ وہ پیچھے چلا گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد ایک خوبصورت
سے سادہ لباس میں نمودار ہوا۔

"ہیلو مس دیوالی۔"

"ہیلو مسٹر کپور۔"

"مسز دانیال کہاں ہیں۔"

"آپ کے ڈر سے نہیں آئیں۔" وجے کپور نے کرسی کھینچی اور بیٹھ کر ہنسنے لگا پھر
بولا۔

"آپ کی کون ہیں وہ۔"

"میں نے کہا نا آنٹی کہہ سکتے ہیں۔"

"نہیں کچھ تھوڑا سا تجربہ ہے مجھے دنیا کے بارے میں۔ وہ آپ کی آنٹی نہیں تھیں۔"

"پھر کیا تھیں آپ کے خیال میں۔"

"یہی تو میں ٹھیک الفاظ میں نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ میری گورنس ہیں۔"

"آپ یقین کیجئے میرا یہی خیال تھا۔ مس دیوالی اپنا تفصیلی تعارف نہیں کرائیں
گی۔"

"کوئی تفصیلی تعارف نہیں ہے میرا۔ ایک گھر ہے چھوٹا سا، ماتا پتا ہیں۔ پتا جی بیمار
ہیں علاج ہو رہا ہے ان کا، فالج کے مریض ہیں۔ ماں سیدھی سادی دیہاتی عورت ہیں اور
میں ہوں بس...... بھگوان کا دیا بہت کچھ ہے ہمارے پاس، زندگی گزارنے میں کوئی تکلیف
نہیں ہے۔ آنٹی مسز دانیال میری استاد ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"مس دیوالی میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا ہوں۔"

"تعجب کی بات ہے جبکہ سوچنا مجھے چاہیئے تھا۔"

"آپ اپنے طور پر جو کچھ بھی سوچتی رہی ہیں میں نہیں جانتا۔ نجانے کیوں آپ
میرے دل و دماغ میں دور تک اتر گئی ہیں۔"

"ایسی خوبصورت باتیں اچھی لگتی ہیں، لیکن آپ نے مجھے اپنے ان شعبدوں کے

بارے میں بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ یقین کیجئے میں بھی بہت الجھی ہوئی ہوں۔''

''اپنا سارا فن آپ کو دے دوں گا دیوالی جی۔ آپ مجھے اپنا ساتھ تو دیں تھوڑا سا

''کہیں تو ساری رات یہیں بیٹھی رہوں۔''

''نہیں آپ کا شکریہ۔ بس آپ مجھ سے روزانہ ملتی رہیں۔ مجھے بھی اجازت دیں۔''

''آپ کہاں رہتے ہیں۔''

''آپ یقین کریں سنسار میں میرا بھی کوئی نہیں ہے۔ نگر نگر گھومتا رہتا ہوں۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں بہت دن کے بعد باہر کی دنیا سے واپس آیا ہوں، لیکن شاید میں دنیا میں آپ ہی کو تلاش کرتا رہتا تھا۔'' دیوالی دل ہی دل میں ہنسی، یہ کام کی بات تھی۔ شعبدہ گر کو پھنسانا چاہیے پھر وہ بولی۔

''اچھا اب آپ یہ بتایئے کہ آپ مجھے یہ سب کچھ کب سکھا رہے ہیں۔''

''جب آپ کہیں۔''

''تو پھر کل دن میں آپ ہمارے گھر آیئے۔''

''دل و جان سے، میں تو یہی چاہتا ہوں۔''

''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ رہتے کہاں ہیں۔''

''اسی ہوٹل میں۔ روم نمبر 200 ہے میرے پاس۔ ہوٹل والوں نے مجھے دیا ہوا ہے۔''

بہرحال دوسرے دن وجے کپور دیوالی کے گھر پہنچ گیا۔ دیوالی نے اپنے ماتا پتا سے اس کو ملوایا۔ مسز دانیال بھاگ کر ایک کمرے میں گھس گئی تھیں اور ان کی اس حرکت پر سب لوگ خوب ہنسے تھے۔ پھر وجے کپور اسے ان شعبدوں کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ کچھ شعبدے دیوالی کو بے حد پسند آئے تھے۔ وہ کہنے لگی۔

''کاش! مجھے بھی یہ سب کچھ آتا۔''

''آجائے گا دیوالی! آپ کہیں تو سہی۔''

''وجے کپور جی! ایک بات بتایئے، آپ کے ماتا پتا کے دیہانت کو کتنا عرصہ گزرا۔''

''بہت سے گزر گیا، کوئی تیرہ چودہ سال ہو گئے۔''

''پھر آپ نے یہ شعبدہ گری۔''

''ہاں ان کے دیہانت کے بعد ہی سیکھی، زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔''

''آپ دین دھرم کے قائل ہیں۔''

''بہت زیادہ ہوں۔''

''ٹھیک۔ بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا میں نے۔'' دیوالی نے جواب دیا اور اس کے بعد وجے کپور نے اسے اپنے شعبدے دکھانا شروع کیے۔ دیوالی کو قدرت نے ذہن ہی تو دیا تھا۔ وہ بڑے بڑے مشکل شعبدے منٹوں میں سیکھ گئی تھی۔'' وجے کپور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جس برق رفتاری سے آپ نے یہ سب کچھ سیکھ لیا ہے دیوالی! میرے من میں تو یہ بات آتی ہے کہ ہم دونوں مل کر ساری دنیا کا دورہ کریں۔ ہم تو لوگوں کی جان نکال لیں گے۔''

''نہ بابا نہ مجھے کسی کی جان نکالنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''آپ واقعی بے حد ذہین ہیں دیوالی جی!'' وجے کپور نے اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بہرحال وجے کپور کے ساتھ دیوالی کی ملاقاتیں جاری رہیں۔ وجے کپور کے شعبدوں میں بھی نکھار آتا جا رہا تھا لیکن دیوالی عام طور سے وہاں نہیں ہوتی تھی۔ جہاں وجے کپور کا شو ہوا کرتا تھا۔ وجے کپور دیوالی ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا اور جب بھی کبھی وہ تنہائی میں ہوتا۔ اسے دیوالی کے اندر ایک عجیب سی خصوصیت نظر آتی۔ درجنوں بار وہ اس کے بارے میں سوچ چکا تھا اور اس پر تجربات بھی کر چکا تھا لیکن اس بات کا اعتراف اسے کرنا پڑا تھا کہ دیوالی کی مکمل شخصیت تو کیا، اس شخصیت کا دس فیصد بھی اسے سمجھ نہیں آسکا تھا۔ وہ بے حد پُراسرار تھی۔ اس کی گفتگو کا انداز، اس کی ذہانت اس کا حسن، سب کچھ مل کر وجے کپور کو ایک عجیب سے احساس میں مبتلا کر دیتا تھا۔ وہ یہ سوچتا تھا کہ دیوالی کوئی عام شخصیت نہیں ہے لیکن اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود وہ صحیح طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ دیوالی ہے کیا چیز۔ مسز دانیال سے ایک دو بار اس نے رجوع کرنے کی کوشش کی، لیکن مسز دانیال تو اس کی شکل دیکھتے ہی چیخ مار کر بھاگ جاتی تھیں اور اس طرح اپنے آپ کو چھپانے لگتی تھیں جیسے ان کا لباس اتر گیا ہو۔ یہ بات ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ وجے کپور کی آنکھیں ہر چیز کو پار کر لیتی ہیں۔ بہرحال ایک دن وجے کپور نے کہا۔

''دیوالی جی! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ گھوموں پھروں۔ ذرا باہر کی دنیا میں بھی تو دیکھوں کہ لوگ مجھے اور آپ کو ساتھ دیکھ کر کیا سوچتے ہیں۔''

''آپ کے خیال میں کیا سوچتے ہوں گے وجے جی۔''

''پتہ نہیں۔ میں اپنے خیال پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ آپ یہ بتایئے کہ آج شام کو ساحل

سمندر پر چل رہے ہیں یا نہیں۔''
''آپ کی خوشی چلئے۔'' دیوالی نے کہہ دیا۔
حقیقت یہ ہے کہ وجے کپور ایک دلکش شخصیت کا مالک تھا اور دیوالی نے اس
کچھ سیکھا تھا اس پر مہارت حاصل کر رہی تھی۔ گھر میں تنہائیوں میں وہ ہر ایک کی نگاہوں
بچ کر ان شعبدوں پر مشق کرتی تھی اور اس کے ذہن میں بے شمار منصوبے بنتے رہتے
وہ اپنی شعبدہ گری سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس کا ذہن
سوچوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ شام کو وجے کپور اس کے ساتھ ساحل سمندر پر چل پڑا۔
کے دل میں اس کے لئے کوئی ایسے جذبات نہیں تھے۔ جن میں عشق و محبت کا کوئی تصور
بس وہ اسے ایک اچھے دوست کی حیثیت دیتی تھی۔
وجے کپور نے بھی ابھی تک واضح الفاظ میں اس سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن صاف
ہوتا تھا کہ وہ دیوالی کے تیر نظر کا شکار ہو گیا ہے۔ بہر حال ساحل سمندر کی شام بے حد
تھی۔ دونوں کنارے کنارے چہل قدمی کرتے جا رہے تھے۔ سرکش موجیں اس ط
آتیں جیسے انہیں اپنے آپ میں لپیٹ لیں گی لیکن ساحل تک آتے آتے ان کا زور
جاتا تھا اور وہ ختم ہو جاتی تھیں۔ دیوالی اس کھیل کو انتہائی دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور
بات سے بے خبر تھی کہ وجے کپور کی پُر اشتیاق نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی ہیں۔ وہ خو
خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ سمندر اسے بہت حسین لگ رہا تھا۔ پھر ایک تیز اور سرکش
بڑی برق رفتاری سے آئی اور دیوالی کے پاؤں بھگو گئی۔ دیوالی نے بے اختیارانہ چونک
اپنا لباس اونچا اٹھا لیا۔ اس وقت اسے کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ وجے کپور نے ایسے ہی
کے پیروں پر نگاہ ڈالی لیکن اسے جو کچھ نظر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ اس نے
ہوئی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھا۔ دیوالی کا رخ سمندر کی جانب تھا اور وہ بہت دور سے
ہوئی ایک لہر کو دیکھ رہی تھی لیکن اس کے دونوں پاؤں پیچھے کی سمت تھے۔ وجے کپور یہ اند
لگانے لگا کہ دیوالی نے کیسا رخ اختیار کیا ہے۔ پورا بدن سامنے کی سمت اور پاؤں پیچھے
سمت، پیروں میں ایسے بل بھی نظر نہیں آتے تھے۔ جس سے اندازہ ہو کہ یہ کوئی اتفاق
اپنے طور پر کیا جانے والا عمل ہو۔ وہ پریشان نگاہوں سے اس الٹے زاویے کو دیکھتا رہا۔
دیوالی پھرتی سے پیچھے ہٹی اور اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس کے پاؤں
کی سمت تھے۔ ابھی تک دیوالی کو یہ احساس بالکل نہیں ہو سکا تھا کہ وجے کپور کو کوئی
بات معلوم ہو چکی ہے۔ وہ اس بڑی اور سرکش لہر کے قریب آنے کے خوف سے الٹے

پیچھے چل رہی تھی لیکن نیچے آ گئے تھے۔ نرم ریت پر وہ بہت دور چلی گئی اتنی کہ پانی کی لہر اس
تک نہ پہنچ سکے۔ ریت بھیگی ہوئی تھی۔
وجے کپور نے انتہائی غور سے پیروں کے وہ نشانات دیکھے جو بھیگی ہوئی ریت پر بن
گئے تھے۔ دیوالی کا رخ اب بھی سمندر کی سمت تھا اور وہ پیچھے جا رہی تھی لیکن پاؤں کے پنجے
سمندر کی سمت تھے۔ وجے کپور کا پورا بدن لرز کر رہ گیا۔ ذات کا ہندو تھا۔ دیوی دیوتاؤں،
بھوت پریت، چڑیل وغیرہ کے بارے میں خاصی معلومات اسے حاصل تھیں لیکن اس وقت
وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ اس کے لئے انتہائی ہولناک اور ناقابل یقین تھا۔ یہ حسین اپسرا
چڑیل ہے۔ ارے باپ رے، میرے پیچھے کیسے پڑ گئی یہ۔ وجے کپور کا دل تو یہی چاہ رہا تھا
کہ بے تحاشہ وہاں سے چیختا ہوا بھاگ نکلے۔ نجانے کس طرح خود پر قابو پایا تھا۔ ایک دم
اس کی طبیعت خراب سی ہو گئی تھی جس کا احساس دیوالی نے بھی کر لیا۔
''کیا بات ہے تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔''
''پتہ نہیں کیوں معدہ خراب ہو گیا ہے۔ ہمیں واپس جانا ہو گا دیوالی۔''
''اوہو۔ چلو......'' بہر حال واپسی بھی کچھ عجیب سی تھی۔ دیوالی نے اس پر خاص طور
سے غور نہیں کیا تھا۔ دیوالی کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد وجے کپور اپنی رہائشگاہ کی طرف
چل دیا لیکن اس کی کیفیت بڑی خراب تھی۔ دل پر شدید دباؤ تھا اور طبیعت بری طرح
نڈھال ہو رہی تھی۔ اپنی رہائشگاہ میں اپنے بستر پر دراز ہو کر اس نے چکراتے ہوئے ذہن
کے ساتھ سوچا کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے کہیں وہم تو نہیں ہے۔ آہ...... دیوالی کے ساتھ تو
اس کے رشتے ناطے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ دیوالی اس کے دل میں گھر کر چکی تھی اور وہ
اس کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ زندگی کو اس نے ہمیشہ ایک کھیل سمجھا تھا اور اس سے پہلے بھی
بہت سی لڑکیوں کو چٹکیوں میں اڑا چکا تھا لیکن دیوالی...... اس کی آنکھوں کے کناروں سے
آنسو بہہ نکلے۔ اگر وہ واقعی کوئی زندہ وجود نہیں ہے تو یہ تو بڑے ہی دکھ کی بات ہے۔ تقدیر کا
ایک بدترین دھوکا۔ اس کا دل کہیں سے یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ دیوالی کوئی زندہ
وجود نہیں ہے۔ تو وہ سب کیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ دیوالی اسے اپنے گھر لے گئی تھی۔ اپنے ماتا
پتا سے ملایا تھا اس نے مجھے، کیا اس طرح کے وجود ماں باپ بھی رکھتے ہیں۔ اگر نہیں تو سارا
چکر تھا کیا۔
آخر کار اس نے ایک فیصلہ کیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ دیوالی کو اس طرح
نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کم از کم اس کی حقیقت پانا ضروری ہے۔ ارواح خبیثہ بے شک ہوتی

ہیں۔ بری روحوں کا وجود ہے وہ بے شک انسانوں کے پیچھے لگ جاتی ہیں، لیکن دیوالی کو
طرح بری روح مان لیا جائے۔ کہیں سے بھی تو کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کا بیمار باپ
سادہ سی معصوم ماں، یہ سارا کھیل بے معنی تو نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ تیار ہوگیا اور اس نے زندگی
بہت بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرلیا۔ یعنی ایک بار دیوالی کے بارے میں کھوج کرنا۔

پھر رات کے پہلے پہر وہ تیار ہوکر دیوالی کے گھر کی جانب چل پڑا۔ ادھر دیوالی
بھی کچھ عجیب سے احساسات کا شکار ہوگئی تھی۔ زندگی کے ایک دور کی تکمیل کرنے کے
دوسری انسانی خواہشوں نے سر ابھارنا شروع کردیا تھا۔ مالی آسودگی حاصل ہوگئی تھی۔
میں کچھ کرنے کا خیال تھا اب جو دنیا کو سیکھا تو اسے احساس ہوا کہ اس کے عزیز واقار
نے اس کے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ دونوں تایاؤں نے اور تائیوں
اسے اور اس کی ماں کو کس طرح زندگی سے ہی بے دخل کرنے کی کوشش کی تھی۔ گھر تو خیر
ہی تھا کسم اور کانتا اسے صرف اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھیں اور اس کے لئے صرف ا
مقصد کی تکمیل کے راستے منتخب کرلیے تھے۔ اسے اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں دی تھی۔

بہرحال یہ ساری باتیں بڑی عجیب وغریب تھیں، لیکن اب دیوالی نے دنیا کو سمجھ لیا
اور وہ اپنے راستے منتخب کرنا چاہتی تھی۔ ماں باپ بے چارے ایک گوشے میں جا بیٹھے تھے
وہ بہت پُرسکون تھی۔ اس وقت سے بھی زیادہ پُرسکون جب وہ اپنے گھر میں رہا کرتے تھے
لیکن بہرحال تردد تھا بیٹی کے لئے، کہ بیٹی پتہ نہیں کیسے کیسے راستے اختیار کرکے زندگی کی ا
ناؤ کو کھے رہی ہے۔

دیوالی ان تمام سوچوں میں گم تھی۔ وجے کپور یاد آ رہا تھا۔ اس کے دل میں بھی و
کپور کے لئے ایک مقام پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ وجے کپور اعلیٰ ترین شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا
کتنے لوگ اس کے فن کے دلدادہ تھے۔ اس کے ہر آئیٹم پر تالیاں بجا بجا کر اسے داد د
جاتی تھی۔ ویسے بھی بہت خوبصورت نظر آتا تھا اور وہ دیوالی کی جانب پوری طرح متوجہ تھا
رات کی انہی سوچوں نے دیوالی کی نیند اڑا دی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل آئی۔

رقص اس کا محبوب مشغلہ تھا اور باہر کھلی ہوئی چاندنی میں اس کا انگ انگ ڈولنے
تھا۔ چنانچہ اس نے چاندنی کا رقص شروع کردیا۔ تھرک تھرک کر ناچنے لگی اور ماحول
بے خود ہوگئی۔ یہی وہ لمحات تھے جب وجے کپور چوری چھپے اس مکان میں گھسنے کا فیصلہ
کرکے ایک دیوار منتخب کرکے نیچے کودا تھا لیکن بدقسمتی سے یہ وہی جگہ تھی جہاں ایک
خوبصورت گوشے میں دیوالی ناچ رہی تھی۔ ناچتی دیوالی چاندنی کا پیکر بنی بے خودی

عالم میں رقص کررہی تھی۔ وجے کپور نیچے کودا تو سامنے ہی اسے وہ نظر آگئی۔ جسے دیکھنے کے
لئے وہ یہاں تک آیا تھا۔ دیوالی بے خود ہورہی تھی۔ وجے کپور اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔
کیا حسین لگ رہی تھی وہ اس وقت۔ اسے دیکھ کر ہوش وحواس قائم رکھنا کم از کم کسی انسان
کے بس کی بات تو نہیں تھی۔ وجے کپور ایک لمحے کے لئے دم بخود رہ گیا پھر آہستہ آہستہ اس
کی نگاہیں چاندنی کے مُہرے کا طواف کرتی ہوئی اس کے پیروں تک پہنچیں تو ایڑیاں آگے
تھیں پنجے پیچھے تھے اور یہاں سے وہ بدنما سفر شروع ہوجاتا تھا جس سے وجے کپور کی جان
نکلی تھی اور جس کا انکشاف اسے آج ہی ہوا تھا۔

وہ ایک دم سے ہوش میں آگیا۔ دیوالی رقصاں تھی۔ دیئے ناچ رہے تھے لیکن اب
اس چاند میں ایک دھبہ لگ چکا تھا۔ وہ داغ بڑا ہوتا جا رہا تھا سوفیصدی وہ انسان نہیں تھی۔
وہ انسان نہیں ہے۔ وجے کپور نے سوچا اور اس کا دل ٹوٹ گیا۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر
وہ واپسی کے لئے مڑا اور اسی لمحے دیوالی کی نگاہ اس کی جانب اٹھ گئی۔ اس نے حیرت سے
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وجے کپور کو دیکھا۔ وہی تھا لیکن وہ یہاں کہاں سے آیا، کیسے آگیا؟ پتہ
ہی نہیں چل سکا۔ وہ رک گئی اور اس نے زور سے آواز دی۔

"وجے......" وجے کپور کے پاؤں ایک دم ٹھٹک گئے۔ دیوالی دوڑ کر اس کے قریب
پہنچ گئی اور وجے کپور کے پورے بدن میں تھرتھراہٹ دوڑ گئی۔

"وجے..... میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی۔ یہ تم ہی ہو وجے کپور۔" وجے کپور نے
وحشت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور پھر گھگیائی ہوئی آواز میں
بولا۔

"تمہیں، تمہیں بھگوان کا واسطہ..... تت..... تمہیں، تمہیں بھگوان کا
واسطہ..... بھھ..... بھھ۔" شاید وہ بات پوری نہ کرسکا تھا دیوالی حیرت سے اسے دیکھنے
لگی۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے وجے....."

"دور دور دور..... دور رہو مجھ سے دور رہو۔ دیوالی! مجھ سے دور رہو۔ برا کیا تم نے میرے
ساتھ۔ کیا چاہتی تھیں آخر تم مجھ سے۔ میرا خون پینا چاہتی تھیں۔ میرا جیون لینا چاہتی تھیں۔
تمہیں بھگوان کا واسطہ جلدی کرو۔ ختم کردو مجھے، ماردو جلدی سے۔ دیوالی میں آنکھیں بند
کیے لیتا ہوں۔ دیوالی میں تم سے پریم کرنے لگا ہوں۔ دیوالی میں، تم جو کوئی بھی ہو میں خود
تمہارے ہاتھوں مرنے کے لئے تیار ہوں، مگر جلدی کرو تمہیں بھگوان کا واسطہ جلدی کرو۔

مار دو مجھے، مار دو مجھے۔'' وجے کپور بدستور تھرتھرائے جا رہا تھا۔

دیوالی اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ وجے کپور کی یہ کیفیت دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ ''اور بھگوان تمہارا بھلا ہی کرے۔ پاگل ہوئے ہو گیا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں آخر؟'' دیوالی نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وجے کپور جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''بھھھ.... بھھھ.... بھگوان.... بھگوان۔''

''وجے ہوش میں آؤ کیا بدتمیزی ہے یہ۔ تم میرا اپمان نہیں کر رہے۔ سارا سنسار ایک طرف تم ایک طرف وجے! میں جانتی ہوں تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو۔ آؤ.... میں تمہیں اپنی کہانی سناؤں۔ آ جاؤ وجے! ڈرو نہیں مجھ سے۔ جو تم سمجھ رہے ہو وہ میں نہیں ہوں۔ میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں، بھگوان کی سوگند میں ایک زندہ وجود ہوں۔'' وجے کپور نے آنکھیں کھول دیں۔

''مم.... مگر دیوالی تمہارے پاؤں۔''

''ہاں بھگوان کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں۔ تم آؤ تو سہی۔ میرے یہ پاؤں میرے ماتا پتا کے لئے ایک دکھ بن گئے تھے، لیکن بھگوان تبھی تو پہچانا جاتا ہے جب وہ اپنے عمل سے ایسے ایسے کھیل دکھائے کہ انسان کچھ سمجھ ہی نہ پائے۔'' دیوالی اسے لے کر گھاس کے ایک کنج میں جا بیٹھی۔

''ہوں۔ تو وجے کپور مہاراج! جن کے پُراسرار کارنامے دیکھ کر ایک سنسار حیرت سے منہ کھول کر رہ جاتا ہے۔ اپنی دیوالی کو بری روح سمجھ رہے ہیں یہی بات ہے نا؟ اور ان کی سٹی گم ہو گئی ہے۔''

''دیوالی دیکھو.... دیکھو مجھے دھوکا مت دو۔ تمہارے پاؤں دیکھنے کے باوجود اور ان تمام عقیدوں پر بھروسہ کرنے کے باوجود میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ میں دیوالی.... میں نے اس وقت تمہارے پاؤں دیکھے جب تم سمندر کی ریت پر پیچھے ہٹ رہی تھیں، لیکن تمہارے پنجے سیدھے تھے سمجھی دیوالی! تمہارے پنجے سیدھے تھے۔'' دیوالی نے پھر قہقہہ لگایا اور بولی۔

''تو مہاراج کا معدہ اس لئے خراب ہوا تھا۔''

''تم ہنس رہی ہو دیوالی۔ تم نہیں جانتی کہ اس وقت میری کیا کیفیت ہے۔ میں زندگی بھر دوسروں کو بے وقوف بناتا آیا ہوں۔ ایک شعبدہ گر کی حیثیت سے میں نے بڑے نام کمائے ہیں لیکن یہاں آ کر میں محبت کے ہاتھوں شکار ہو گیا۔ دیوالی! تم یہ بتاؤ کہ تم آخر مجھ

سے کیا چاہتی ہو۔''

''شعبدے سیکھنا چاہتی ہوں۔'' دیوالی نے ہنس کر کہا۔

''تمہیں ان کی کیا ضرورت ہے تم تو ایک آتما ہو۔''

''آتما تو تم بھی ہو وجے! لیکن بہرحال میں سمجھ رہی ہوں کہ تم دکھی ہو اور میں تمہیں دکھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ ایسی بات نہیں ہے وجے! میں انسان ہوں سو فیصدی انسان۔ کیا تم بھگوان کے گُن کو بھول جاتے ہو۔ میرے ماتا پتا غریب لوگ تھے ایک پریوار ہے ہمارا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بستی میں میرے تایا تائی اور دوسرے کزن ہیں۔ بھرا پرا پریوار ہے میرا۔ پر انہوں نے غاصبانہ طریقے سے ہماری چھوٹی سی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ پتا جی! شہر میں نوکری کرتے تھے۔ پھر بھگوان نے انہیں بیماری دے دی۔ میں الٹے پاؤں پیدا ہوئی تھی۔ پتا جی کا خیال تھا کہ کچھ عرصے بعد وہ میرا آپریشن کرا کر میرے پیروں کو سیدھا کر دیں گے۔ پر ہمارے حالات نے ساتھ نہیں دیا اور اب میرے پاؤں اتنے پختہ ہو گئے کہ ان کا آپریشن نہیں ہو سکتا۔ دونوں پاؤں کاٹ کر ہی آپریشن کیا جا سکتا ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ اس طرح میں الٹے پاؤں کی رہ گئی۔ حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے۔ بچپن سے میں جوانی کی سرحد میں داخل ہو گئی اور اس کے بعد تمہارے سامنے ہوں۔ میرے ایک پریمی میرے سرپرست بنے۔ بھگوان انہیں سنسار کی ساری خوشیاں نصیب کرے۔ رمانند نے مجھے پتا کا پیار دیا اور پھر یہ سب کچھ مجھے سونپ کر ملک سے باہر چلے گئے۔ میرا ایک مشن ہے۔ ایک مقصد ہے میرا وجے کپور۔ اس سنسار میں، میں ایک بڑا مقام حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ وجے میں اپنے ماتا پتا کو سونے کے سنگھاسن پر بٹھا دینا چاہتی ہوں۔ میرے ماتا پتا نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں وجے! میرے ماتا پتا نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں سارا جیون، میں انہیں سنسار کی ساری خوشیاں دے دینا چاہتی ہوں۔ میں ان سسروں کو نیچا دکھانا چاہتی ہوں۔ جنہوں نے ہماری چھوٹی سی جائیداد پر قبضہ کر کے سارے رشتے ناتوں سے منہ موڑ لیا۔ وہ بھول گئے ہمیں، بھول گئے وہ ہمیں۔''

غیر اختیاری طور پر دیوالی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وجے کپور کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ ''دیوالی تم.... تم، تم واقعی انسان ہو۔''

''اب بھی واقعی کی گنجائش ہے۔'' وجے کپور بے اختیار دیوالی سے لپٹ گیا اور بہت دیر تک لپٹا رہا۔ دیوالی نے بھی تعرض نہیں کیا تھا لیکن تھوڑے فاصلے پر ایک کھڑکی سے جھانکتی ہوئی مسز دانیال کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا اور جب ایک مچھر بھنبھناتا ہوا ان کے حلق میں

داخل ہوا تو وہ چونک کر تھو تھو کرنے لگیں۔ اب پتہ نہیں یہ تھو تھو دیوالی پر تھی یا مچھر کو حلق سے نکالنا چاہتی تھیں۔ بہرحال وجے کپور بہت زیادہ خوش ہو گیا تھا۔ اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''بھگوان کی سوگند دیوالی! نیا جیون دے دیا تم نے مجھے۔ ارے میں تو پاگل ہو گیا تھا یہ سوچ کر کہ میری دیوالی انسان نہیں ہے وہ غیر انسانی مخلوق ہے۔ کتنا دکھ ہوا تھا مجھے یہ جان کر۔ میں سوچتا تھا کہ اگر ایسا ہے بھی تو اس نے، اس نے مجھے ختم ہی کیوں نہ کر دیا۔ دیوالی تمہارے ہاتھوں سے مر جانا تو میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن گئی تھی۔''

''اب میرے ساتھ جینے کی بات کرو۔''

''ارے تم دیکھو تو سہی۔ دیکھو تو سہی کہ اب میں کیا کرتا ہوں۔ تمہارا مشن اب تمہارا نہیں رہا ہے دیوالی۔ تم نے تو مجھے ایک نئی سوچ ایک نیا مقام دے دیا ہے۔ میں دیوالی میں......'' وجے کپور شدت و جوش سے خاموش ہو گیا۔ وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ دونوں جذبات میں ڈوبے رہے۔ پھر وجے کپور نے کہا۔

''بس تم اب یہ سمجھ لو دیوالی! کہ اب میرا جو فن ہے وہ تمہارا ہے۔ تمہارے الٹے پاؤں اور میرا شبدوں کا فن سمجھ لو ہم دولت کے انبار لگانا چاہتے ہیں۔ ہم دولت کے انبار لگا لیں گے۔ اس سنسار میں ایسے عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے پڑے ہوئے ہیں جو ہمارے اس مشن کی تکمیل کریں گے۔''

''ٹھیک۔'' دیوالی نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملایا پھر وجے کپور کہنے لگا۔

''مگر دیوالی! اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ مشورہ دے سکتا ہوں، کیونکہ اب تو صورتِ حال ہی بدل گئی ہے۔''

''ایک بات میں تمہیں بتا دوں وجے! اس سنسار پر میں بہت عرصہ پہلے بھروسہ چھوڑ چکی ہوں۔ ڈاکٹر نریشا میری بہت اچھی دوست ہیں۔ مسز دانیال نے مجھے سنسار میں رہنا سکھایا ہے۔ وہ بڑی دلچسپ خاتون ہیں، میرا مطلب ہے کہ مجھے کسی اپنے کے مشوروں کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے مگر کوئی اپنا ملا ہی نہیں، جو میرے بارے میں سوچتا۔''

''میں ہوں نا۔'' وجے کپور نے کہا اور دیوالی نے اپنا سر اس کے سینے سے ٹکا لیا۔ حالانکہ ونیش بھی اس کی زندگی میں آیا تھا، لیکن دیوالی نے کبھی ونیش کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ جبکہ ونیش درحقیقت ذہنی طور پر بالکل ہی معطل ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں

دیوالی ہی دیوالی تھی۔ وہ حسین وجود جو غیر انسانی صفات کا مالک تھا۔ اب صرف

بہرحال وجے کپور نے دیوالی کو انتہائی شاندار شبدے سکھانا شروع کر دیئے اور دیوالی بڑی تیزی سے ان شبدوں میں ماہر ہونے لگی۔ پھر پہلی بار انہیں ایک مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔ جو ان کے لئے انتہائی دلچسپ اور ان کی زندگی کا پہلا انوکھا تجربہ تھا۔ جو شخص انہیں ملا وہ بالکل صحیح الدماغ تھا لیکن اس کی زندگی کی داستان کسی صحیح الدماغ انسان کی داستان نہیں تھی۔ اس انوکھی کہانی نے آگے چل کر ان کی سوچ کے راستے ہی بدل دیئے۔ وہ تخیلات کی دنیا کا انسان تھا اور اچانک اس کا تخیل اس کی زندگی کا عذاب بن گیا۔ وہ ایک حسین تصور تھا جو اس کے خوابوں میں آ بسا تھا اور وہ اس کے لئے بے چین رہنے لگا تھا۔ اس رات اس کے خواب نے ایک انوکھی شکل اختیار کر لی۔ رامش تھا اس کا نام اور اس رات اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ خوابوں میں اس کی بند آنکھوں کے پیچھے آئی تھی۔ وہ کھلی آنکھوں کے پیچھے سچ مچ جا رہی تھی۔ وہ خوابوں میں اس کی بند آنکھوں کے پیچھے آئی تھی۔ اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس کے سپنے سے گزر کر اس کے کمرے میں آ جائے گی اور آنکھ کے کھلتے ہی اپنی صورت دکھائے بغیر جانے لگے گی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس وقت وہ رخصت ہونے والا دروازہ کھول کر باہر جا رہی تھی۔ جاتے وقت صرف اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اس نے آواز دینے کے لئے اپنے لب کھولے مگر حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ پتہ نہیں اس پر کیسی عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ خواب اور حقیقت کے درمیان الجھ کر جتنی دیر میں اسے آواز دیتا، اتنی دیر میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

صبح انگڑائی لے رہی تھی۔ دروازے کے باہر کھلی فضا میں کہر کے بادل تیر رہے تھے۔ پہاڑی علاقوں کی صبح ایسی ہی ہوتی ہے۔ کسی آنے والے کو یا جانے والے کو دھند کے سفید پردوں میں چھپا لیتی ہے۔ اس نے بستر سے اٹھ کر آواز دی۔

''کون ہے رک جاؤ۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ باہر ایک چوڑی سی سڑک تھی، آس پاس کی عمارتیں، چوراہے پر کھڑا ہوا اونچا سا مجسمہ اور فٹ پاتھ پر سوئے ہوئے بھکاری، سب ہی دھندلا گئے تھے۔ ایسے وقت، ایسے ماحول میں خواب کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، آدمی آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نصف اندھا ہو جاتا ہے۔ کچھ دکھائی دیتا ہے، کچھ دکھائی نہیں

دیتا۔ ہر چیز دھندلکے میں دھیمے دھیمے تصور کی طرح جھلکتی ہے۔ مگر وہ اس تصور کے مکمل ہونے سے پہلے ہی دھندلکے میں گم ہوگئی تھی۔

وہ کہاں گئی اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ اس نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ اس کے کمرے سے نکل کر گئی تھی۔ کہاں گئی تھی؟ اس نے جھک کر دیکھا تو بہت نازک سے پیروں کے نقش دکھائی دیئے۔ وہ جانے والی کمرے کی نمی میں اپنے گیلے پاؤں لیے نقش قدم چھوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ اس نقش قدم پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے سڑک پار کرلی۔ مٹے مٹے سے قدموں کے نشان اسے نظر آتے جارہے تھے۔ سامنے ایک اندھی گلی تھی۔ جو ذرا دور جاکر اچانک ہی بند ہوجاتی تھی۔ جب وہ آخری سرے پر پہنچا تو سامنے ایک شکستہ سی عمارت نظر آئی۔ اس عمارت کا بیرونی برآمدہ اور دروازے سطح زمین سے قدرے بلند تھے۔ سامنے ایک چوڑا سا پختہ زینہ عمارت کی تہہ میں چلا گیا تھا۔ یعنی عمارت کے نیچے تہہ خانے میں بھی، شاید رہائشی کمرے بنائے گئے تھے۔ اس پختہ زینے کے ایک پائیدان پر وہ نازک سے پاؤں اپنا نشان چھوڑتے گئے تھے۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا ایک ایک زینہ طے کرکے تہہ خانے کی طرف جانے لگا۔ اوپری زینے پر جب تک وہ کھڑا تھا اسے نچلے زینے کا دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔ جب وہ دروازے کے پاس پہنچا تو وہاں ایک بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ وہ حیرانی سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

یہ واقعی حیرانی کی بات تھی۔ دروازہ بند تھا۔ اس پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا اور وہ نقش قدم یہاں آکر تھم گئے تھے، وہاں سے وہ بند دروازے کے اس پار نہیں جاسکتی تھی اور اگر واپس آتی تو اس سے سامنا ہوجاتا۔ مگر وہ واپس نہیں آئی تھی۔ پھر اس دھند میں کہاں چلی گئی۔ نقش قدم یہی بتارہے تھے کہ وہ سیدھی تہہ خانے کے بند دروازے تک آئی ہے۔

وہ بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا اور دھندلکے میں اِدھر سے اُدھر آنکھیں پھاڑتا ہوا دیکھتا رہا۔ مگر اسے وہ نظر نہیں آئی۔ جس کی تلاش میں وہ آیا تھا۔ وہ پھر زینے چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ اس نے گھوم کر ایک عمارت پر نظر ڈالی تو وہاں ایک بڑا سا سائن بورڈ نظر آیا۔ اس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

''چندر بھوں...... سنسار کی تاریخ...... موم کے مجسمے کی شکل میں۔''

''آیئے موم کی دنیا میں کھو جائیں......''

اس سائن بورڈ پر داخلے کا وقت بھی لکھا ہوا تھا اور ابھی وقت نہیں ہوا تھا، اسی لئے دروازے پر تالا نظر آرہا تھا۔ وہ گھوم کر واپس اپنی رہائشگاہ کی جانب جانے لگا۔

وہ اپنے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ اگر یہ خواب ہے تو پھر یہ دروازہ کیسے کھلا۔ رات کو سوتے وقت اس نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا تھا۔ پھر باہر سے کوئی آنے والی اس دروازے کو کیسے کھول سکتی تھی، وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس کے دماغ نے اسے سمجھایا کہ شاید وہ سونے سے پہلے دروازے کو اندر سے بند کرنا بھول گیا ہو۔ یا چٹخنی اس طرح لگائی ہو کہ اگر باہر سے دروازے کو ہلکا سا جھٹکا دیا جائے تو چٹخنی گر جائے اور دروازہ کھل جائے۔ ایسا ممکن ہے۔ ہاں اگر ایسا ممکن ہے اور واقعی اگر دروازہ کسی نے باہر سے کھولا ہے تو یہ صرف خواب و خیال تو نہیں ہوسکتا۔ کوئی ضرور آئی تھی۔ باہر نقش قدم دکھائی دیئے تھے۔ کیونکہ باہر کہر کی نمی تھی لیکن جب اس نے فرش کی طرف دیکھا تو یہاں بھی اسے نقش قدم دکھائی دیئے۔ وہ فوراً ہی جھک کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ نقش کسی قدر سفید اور ہلکے سے چمکیلے تھے۔ اس نے ہاتھ سے چھوکر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہاں پگھلا ہوا موم ہے جو اب خشک ہوگیا ہے۔

اچانک ہی اس کی سوچ چھلانگ لگاکر اس سائن بورڈ تک پہنچ گئی۔ موم اس فرش کے کمرے پر نظر آرہا تھا کہ ایک حسینہ کے نازک سے پاؤں کی تصویر پیش کررہا تھا۔

یہ کیا اسرار ہے۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کبھی وہ نقش قدم کو دیکھ رہا تھا، اپنی ہتھیلی سے موم کو چھو رہا تھا اور کبھی دروازے کے پار دھندلکے کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے پرے کچھ نظر نہیں آرہا تھا اور نظر بھی کیسے آتا وہ تو اس کے نقش قدم پر چلتا ہوا اس گلی کے آخری سرے تک گیا تھا۔ بند دروازے تک گیا مگر وہ نقش قدم والی پتہ نہیں بند دروازے کے اس پار نکل گئی تھی یا پُراسرار طور پر کہیں غائب ہوگئی تھی۔ بہرحال اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ یہ سب جاگتی آنکھوں کا تماشہ ہے۔

وہ اسی جگہ نقش قدم کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ سردی شباب پر تھی مگر اسے ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔ موم کی طرح اس کے خواب بھی پگھل کر حقیقت میں بدل رہے تھے اور سچائی کی حرارت اسے اتنی فرصت نہیں دے رہی تھی کہ وہ سردی محسوس کرتا۔ وہ سوچتا رہ گیا کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ وہ وہاں اجنبی تھا۔ بھلا کسی اجنبی سے کوئی لڑکی کس طرح مذاق کرسکتی ہے یا بے تکلفی سے اس کے کمرے میں کیسے داخل ہوسکتی ہے؟

ایک ہفتہ پہلے وہ اس شہر میں آیا تھا اور اس مکان کو کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اس ایک ہفتے میں اپنے آس پاس کے لوگوں سے بھی واقفیت نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ تنہائی پسند تھا۔ ہمیشہ ہی خوابوں میں کھویا رہتا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خیالی دنیا کے کردار حقیقت

کی دنیا میں بھی آ سکتے ہیں اور وہ خیالی دوشیزہ اپنے پاؤں میں مہندی لگانے کے بجائے موم لگا کر اس کے کمرے میں آئی تھی۔

عجیب مذاق ہے۔ حنائی پاؤں کے بجائے مومی پاؤں کے نشانات چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ آخر وہ ہے کون؟ ایسا مذاق اس نے کیوں کیا اگر وہ آئی تھی تو پھر واپس کیوں چلی گئی۔ اس کے آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ضرور ہوگا۔ اس نے رومانی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے سوچا۔ کیا وہ چوری کی نیت سے آئی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تیزی سے چلتا ہوا اپنے بستر کے پاس آیا اور تکیہ اٹھا کر اپنی پونجی کو دیکھنے لگا۔ اس کے دو ہزار روپے تکیے کے نیچے جوں کے توں پڑے تھے۔ یعنی اس کا مال محفوظ تھا۔ وہ چوری کی نیت سے نہیں آئی تھی۔ اس نے جھنجلا کر سوچا۔ وہ کسی بھی نیت سے آئی ہو لیکن آنکھ کھلتے ہی واپس کیوں چلی گئی۔ اس کے آواز دینے کے باوجود پلٹ کر نہیں آئی۔ باہر دھند لکے میں جا کر غائب ہوگئی۔ آخر چوری سے آنے اور چوری سے جانے کا مقصد کیا تھا۔

وہ پریشان ہو کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پچھلی رات کو روشن کیے ہوئے آتش دان کی آگ اب سرد پڑتی جا رہی تھی۔ کھلے دروازے سے سرد ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ وہ بستر کے پاس سے پلٹ کر دروازے کے پاس آیا۔ پھر اسے اندر سے بند کرنے کے بعد جب واپس آنے لگا تو نقش قدم کے پاس پہنچ کر اس کے قدم پھر رک گئے۔

وہ صبح اس کے لئے ذہنی الجھن لے کر آئی تھی اور وہ آنے والی خود کو کوئی پُر اسرار ہستی بنا کر کہیں چلی گئی تھی۔ وہ پھر نقش قدم کے پاس فرش پر بیٹھ گیا اور اسے گھور کر دیکھنے لگا وہ کچھ نیم پاگل سا ہوگیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ نقش قدم کو گھورتے گھورتے اس ہستی تک پہنچنا چاہتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہستی تک تو نہ پہنچ سکا۔ مگر اس بات کا پتہ چلا کہ دروازہ بند کرنے کے بعد اس کا کمرا کسی قدر گرم ہوگیا تھا اور آتش دان سے آنے والی آنچ اس مومی پاؤں کے نشان کو بہت ہی آہستہ آہستہ پگھلا رہی تھی۔ وہ موم پگھلتا ہوا پھیل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پاؤں کے نشانات بھدے سے انداز میں پھیل گئے۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچی کیونکہ وہ نازک سا پاؤں آتشدان کی گرمی سے پگھل کر ایک بھدی شکل اختیار کر گیا تھا۔ گویا اس نازک پاؤں کی دلکشی ختم ہوگئی تھی۔

وہ مایوس ہو کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اب اسے سردی لگ رہی تھی کیونکہ نشانی کے طور پر وہ جو نشان چھوڑ گئی تھی اب وہ بھی مٹ چکا تھا۔ خواب ٹوٹ چکا تھا اور حقیقت کی دنیا میں

سردی لگ رہی تھی۔ یہ عورت بھی عجیب شے ہے۔ اپنے خیال سے ہی گرما دیتی ہے۔ وہ ایک سگریٹ سلگا کر بجھتے ہوئے آتشدان کے سامنے ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ صبح کی ضروریات سے فارغ ہونا تھا۔ لباس بدلنا اور ناشتہ کرنا تھا۔ مگر اس سے کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ سارا دھیان اس عمارت کی طرف لگا ہوا تھا جس کے تہہ خانے میں موم کے مجسمے تھے اور جہاں داخل ہونے کے لئے صبح دس بجے کا وقت لکھا تھا۔ مگر گھڑی کے کانٹے سست رفتار ہوگئے تھے۔ صرف گھڑی پر نظریں جمائے رہو تو وقت نہیں گزرتا۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہنے سے ہی وقت دبے پاؤں گزر جاتا ہے۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔

وہاں اس نے جان بوجھ کر زیادہ وقت گزارا۔ غسل کر کے لباس تبدیل کرنے کے بعد جب وہ آئینے کے سامنے بال بنانے لگا تو اس وقت گھڑی میں آٹھ بجے تھے۔

وہ اپنے مکان کے دروازے کو مقفل کر کے ناشتہ کرنے کے لئے ایک قریبی ہوٹل میں پہنچ گیا۔ پچھلی رات اس نے سوچا تھا کہ جیب گرم ہے، وہ اس محلے سے دور جا کر کسی اچھے ہوٹل میں ناشتہ کرے گا۔ مگر اب وہ اندھی گلی کے قریب ہی رہنا چاہتا ہے۔ اس بات کا اندیشہ تھا کہ دور جانے سے دس بج جائیں گے۔ اس نے ناشتہ کرنے میں بھی خاصا وقت صرف کیا۔ کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن ہوٹل میں بیٹھ کر وقت گزارنے کے لئے اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد منہ چلانا پڑا۔

نو بجے کے بعد وہ ہوٹل سے اٹھ کر اندھی گلی میں آ گیا اور اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے ٹہلتے وقت گزارنے لگا۔ عشق میں انسان کے بارہ بج جاتے ہیں۔ مگر اس کے دس نہیں بج رہے تھے۔ وہ عمارت کے سامنے آ کر کئی بار اس سائن بورڈ کو پڑھ چکا تھا۔ گلی کے اس سرے سے دوسرے سرے تک کتنے بڑے مکانات ہیں۔ وہ سب اسے زبانی یاد ہوگئے تھے۔ خدا خدا کر کے دس بجے، اور ایک بوڑھا سا آدمی اسی پرانی عمارت کے ایک کمرے سے نکل کر زینے کی طرف جانے لگا۔ پھر وہ زینے سے اترنے کے بعد بند دروازے کے سامنے پہنچا اور اس بڑے سے تالے کو کھولنے لگا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہاں کا چوکیدار اسی عمارت میں رہتا ہے تو صبح ہی صبح اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتا اور اس سے موم کے مجسموں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہتا۔ مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ان مجسموں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں اس کے علاوہ کوئی دوسرا تماشائی نہیں تھا۔ جب وہ زینہ اترنے لگا تو بوڑھے نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"آئیے صاحب! موم کے مجسمے دیکھئے۔ ایسے حیرت انگیز مجسمے آپ نے کبھی نہیں

دیکھے ہوں گے۔"

"جب وہ اتنے حیرت انگیز ہیں تو یہاں اتنا سناٹا کیوں چھایا ہوا ہے۔"

"صاحب! اس شہر والوں کے لئے یہ مجسمے پرانے ہو چکے ہیں۔ باہر سے
والے انہیں دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس سردی اور برفباری میں بہت کم لوگ آ
ایک ہفتے کے بعد آپ پہلے گاہک ہیں۔ آیئے تشریف لایئے۔"

وہ اس کے ساتھ عمارت کے تہہ خانے میں آ گیا۔ ایک تنگ راہداری برقی
روشن تھی۔ جب وہ راہداری سے گزر کر بوڑھے کی رہنمائی میں ایک بڑے سے
دروازہ کھول کر اندر پہنچا تو اس ہال میں تقریباً اندھیرا تھا۔ چھت کے درمیان صرف
مرکزی لائٹ تھی جس کی دھیمی دھیمی اور ٹھنڈی روشنی میں چاروں طرف کی دیوارو
لگے ہوئے شوکیس نظر آ رہے تھے۔ اس نے بوڑھے سے کہا۔

"یہاں تو واضح طور سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ کچھ اور روشنی کرو۔"

"مجبوری ہے سر! اس سے زیادہ روشنی ہوگی تو حرارت سے موم کے مجسمے
جائیں گے۔ میں نے اسی لئے اس سرد خانے میں اپنا یہ صنم خانہ بنایا ہے۔ تاکہ گر
موسم میں بھی یہ محفوظ رہیں۔ آپ شوکیس کے قریب جا کر دیکھیں آپ کو سب
آ جائے گا۔"

وہ ایک شوکیس کے قریب گیا۔ اس شوکیس کی چھت سے ایک رسی لٹک رہی تھ
نے بوڑھے سے پوچھا "یہ کیا ہے۔ یہاں تو کوئی مجسمہ نہیں۔"

بوڑھے نے جواب دیا۔ "اس رسی کے قریب بنگال کا ایک جادوگر تھا۔
نورالدین کے زمانے میں وہ اپنے جادو کے کمالات دکھانے کے لئے شاہی محل میں آ
اس نے ایک بڑی سی رسی لے کر جہانگیر سے کہا۔ "میں اس رسی کا ایک سرا آسمان کی
پھینکوں گا۔ پھر اس پر چڑھتا ہوا آسمان تک چلا جاؤں گا۔"

اس نے رسی کو آسمان کی طرف اچھالا۔ وہ تیر کی طرح دور بلندی تک چلی گ
بلندی تک کہ اس کا اوپری سرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر وہ جادوگر اس رسی پر چ
اوپر کی طرف گیا۔ پھر وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ اسی جادوگر کی رسی ہے۔"

"مگر وہ جادوگر کہاں گیا۔"

"وہ ابھی آسمان سے واپس نہیں آیا۔"

رامش نے جھنجھلا کر کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے۔ میں یہاں مجسمے دیکھنے آیا ہوں۔"

بوڑھے نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "مجسمے بھی نظر آئیں گے۔ پہلے آپ اس رسی کو
دیکھیں یہ فن کا بہترین نمونہ ہے یہ موم سے بنائی گئی ہے۔ مگر اسے دیکھ کر حقیقت کا گمان ہوتا
ہے۔"

واقعی اسے دیکھ کر یہی گمان ہوتا تھا کہ وہاں سچ مچ ایک رسی لٹک رہی ہے۔ اس کے
بٹے میں اور اس میں پڑے ہوئے ایک ایک بل میں ایسی فنکاری تھی کہ بے اختیار داد دینے
کو جی چاہتا تھا۔ پھر وہ آگے دوسرے شوکیس کی طرف بڑھ گیا، دوسرے شوکیس میں شاہی
دربار لگا ہوا تھا بوڑھے چوکیدار نے بتایا۔

"یہ شہنشاہ جہانگیر ہے۔ یہ کھلے میدان میں دربار لگا کر جادوگری کے تماشے دیکھ رہا
ہے اس کے سامنے ایک ہندو عورت ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔"

رامش نے اس ہندو عورت کو غور سے دیکھا کہ شاید اس میں اسے اپنی خیالی محبوبہ کی
جھلک نظر آ جائے۔ وہ چوری سے آنے اور جانے والی جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا
تھا کہ وہ جوان ہے یا بوڑھی ہے۔ قابل نفرت ہے یا محبت کرنے کے قابل، وہ پُراسرار ہستی
جو کچھ بھی تھی۔ وہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں محبوبہ بن کر سما گئی تھی۔ شہنشاہ جہانگیر کے
سامنے کھڑی ہوئی عورت جوان تھی، مگر نوجوان نہیں تھی۔

رامش کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شہنشاہ کے دربار میں پہنچ گیا ہو۔ وہ مجسمے ایسی فنکارانہ
انگلیوں سے مکمل کیے گئے تھے کہ بالکل زندہ انسانوں جیسے لگ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ اب تب میں بولنے لگیں گے۔ رامش نے متاثر ہو کر پوچھا۔

"یہ کس فنکار کی تخلیقات ہیں۔"

بوڑھے نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمام مجسمے اسی ناچیز کے
ہاتھوں نے بنائے ہیں۔" رامش اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ وہ اسے ایک معمولی چوکیدار سمجھ
رہا تھا۔ اس نے اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "جناب میں صورت سے فنکار نظر
نہیں آتا۔ مگر میں جتنا بوڑھا اور بدصورت ہوں اتنے ہی خوبصورت مجسمے بناتا ہوں۔"

"تم نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔"

"اپنے باپ دادا سے، میرے دادا موم کے گڈے گڑیاں بناتے تھے۔ میرے باپ
نے اس فن کو ترقی دی۔ وہ موم کے بڑے بڑے مجسمے بنانے لگے۔ صورت گری کے اس پیشے
میں، میں نے اپنے باپ دادا سے زیادہ کمال حاصل کیا۔ میں اپنی زبان سے اپنی ہی تعریف
کیا کروں۔ میرے بنائے ہوئے مجسمے آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں۔"

"اس فن کے ذریعے تو تمہیں بہت دولت مند بن جانا چاہیئے تھا۔"

"میرے پاس بہت دولت تھی۔ میں ملک سے باہر جا کر اپنے فن کے کمالا
کرتا تھا اور ہزاروں ڈالر کی صورت میں معاوضہ وصول کرتا تھا۔ میری ایک بیٹی او
لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مگر وہ ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ میری
کرنے والی بیوی پہلے ہی مر چکی تھی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں نے یہاں آ کر سکونت
کر لی۔ اس دور افتادہ علاقے میں تنہا رہتا ہوں اور کبھی کبھی ایسے مجسمے بنا کر اپنی زند
بقیہ دن گزار رہا ہوں۔"

"تم بہت بڑے فنکار ہو تمہیں گوشۂ تنہائی میں رہ کر اس فن کو محدود نہیں کرنا چاہیے"

"دوسرے ملکوں سے بڑے بڑے فنکار یہاں آتے ہیں۔ وہ بھی مجھ سے یہ
ہیں کہ فن کو محدود نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ یہاں آؤ اور مجھ سے مجسمہ
سیکھو، میں اس فن کو اپنے سینے میں دفن کر کے اس دنیا سے نہیں لے جانا چاہتا۔ گرمی
میں بہت سے فنکار یہاں آتے ہیں اور بڑی لگن سے میرے پاس بیٹھ کر ایسے مجسمے
ہیں۔"

"بابا کیا تم میرا مجسمہ بناؤ گے۔"

"ہی ہی ہی....." بوڑھے کی ہنسی کچھ بھیانک سی لگی۔ "میں تمہارا مجسمہ
ہوں۔ مگر مجھے تمہاری موت کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟" رامش نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ جب تم مر جاؤ گے اور جب قبر میں کیڑوں کی خوراک بن جاؤ
پھر میں وہاں سے تمہارا ڈھانچہ لا کر اس پر موم کی تہیں چڑھاؤں گا اور اس ڈھانچے
مطابق تمہارے نقوش ابھاروں گا۔ تمہارے ماں باپ تمہیں دوبارہ اس دنیا میں
حیران رہ جائیں گے۔ مگر افسوس کہ تم اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکو گے۔"

بوڑھے فنکار نے قبر کے گوشت پوست کے سڑنے کا ذکر کیا تو رامش اند
کپکپا کر رہ گیا۔ اس نے شہنشاہ جہانگیر کے مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس شہنشاہ کا ڈھانچہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟"

"یہ سچ مچ جہانگیر کا ڈھانچہ نہیں ہے۔ انسانی ڈھانچے حاصل کرنے کے لئے
حکومت میری مدد کرتی ہے۔ لاوارث مردوں کے ڈھانچے مجھے مل جاتے ہیں۔ یہ
کس شخص کا ڈھانچہ تھا۔ میں نے اسے شہنشاہ جہانگیر بنا دیا۔ کیا ناٹک اور کھیل تماشے

لوگ راجہ مہاراجاؤں کے سوانگ نہیں بھرتے ہیں۔ مگر ان میں کچھ ایسے ڈھانچے بھی ہیں جو
صدیوں پرانے ہیں ان کی صرف کھوپڑیاں مل جاتی ہیں۔ تو میں باقی جسم تیار کر لیتا ہوں۔
اب یہ عورت جو شہنشاہ کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے یہ ایک جادوگر کی بیوی ہے، میں
اس کی داستان سناتا ہوں۔" رامش نے اس ہندو عورت کے مجسمے کو دیکھا تو اسے وہ پُراسرار
ہستی یاد آ گئی۔ وہ اتنی دیر تک بوڑھے کی باتوں میں یہاں آنے کے مقصد کو وقتی طور پر بھول
گیا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ٹھہرو..... ابھی یہ داستان نہ سناؤ۔ میں ابھی آگے جا کر دوسرے مجسمے دیکھنا چاہتا
ہوں۔"

وہ بوڑھے کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ جلد از جلد یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ
موم کے پاؤں لے کر آنے والی اسی تہہ خانے سے آئی تھی یا وہ کوئی اور ہی پُراسرار ہستی تھی۔
مگر وہ کسی مومی چیز کو دیکھ کر یہ کیسے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کے کمرے کے فرش پر نقش
پا چھوڑ کر یہاں پھر واپس آ گئی تھی۔ کیونکہ اس نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے
سراپا کا ایک مبہم سا خاکہ بھی اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ
جس کی تلاش ہے اسے کیسے پہچان سکے گا۔

وہ ایک شوکیس سے دوسرے شوکیس کی طرف بھٹکتا رہا ہر جگہ تاریخی نوعیت کے مجسمے
تھے اور ہر شوکیس میں وہ مجسمے کوئی خاص تاریخی واقعہ ایک ڈرامے کی صورت میں پیش کرتے
تھے ان میں مرد بھی تھے بچے بھی اور عورتیں بھی تھیں اور نوعمر دوشیزائیں بھی تھیں۔ جن کے
حسن و شباب کی رعنائیوں کو آنکھیں دیکھتی رہ جاتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ دوشیزائیں
رامش کے تخیل کی پرواز تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ پورے ہال کا چکر لگانے کے بعد اس نے
بوڑھے فنکار سے مایوس ہو کر پوچھا۔

"بس یہی مجسمے ہیں یا کوئی اور مجسمہ بھی دیکھنے کے لئے رہ گیا ہے۔"

بوڑھے نے ایک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ اس
دروازے کے پیچھے ایک کمرا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دروازے کو کھول دیا۔ اس دوسرے
کمرے میں بھی ملگجی سی روشنی تھی۔ رامش کمرے میں آ کر ایک شوکیس کے پاس کھڑا ہو گیا۔
اس شوکیس میں دو حسین عورتیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں ہی بلا کی
حسین تھیں۔ ایک عورت ہاتھ میں کٹار پکڑے ہوئے تھی اور اچانک دوسری عورت پر حملہ
کرنے ہی والی تھی۔ دوسری عورت نہتی تھی۔ سہمے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ آگے

بڑھائے اس خنجر کے وار کو شاید اپنے خالی ہاتھوں سے روکنا چاہتی تھی۔

ان دونوں کے ایکشن سے...... ان کی نفرت ان کی عداوت...... اور عداوت کے
سے نپٹنے کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہو رہا تھا رامش اس کی طرف توجہ نہ دے
اس کی نگاہیں اس دوسری عورت پر جم کر رہ گئی تھیں۔ جو خالی ہاتھوں سے اپنے بچاؤ کی
میں پریشان نظر آ رہی تھی۔ وہ بے اختیار آگے بڑھ گیا۔ مگر شیشے کی دیوار سے ٹکرا
دونوں شیشے کے شوکیس میں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ چند ساعتوں کے لئے بھول گیا تھا کہ
موم کے مجسمے دیکھ رہا ہے۔ کٹار کا حملہ ہوتے دیکھ کر اس کے جی میں آیا تھا کہ وہ اس
عورت کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور دشمن عورت کے خنجر کو اپنے سینے میں روک لے۔ اس
کے لئے جان پر کھیل جائے اسی لئے وہ بے اختیار آگے بڑھ کر شیشے کی دیوار سے ٹکرا
تھا۔

وہ نہتی حسینہ ایسی تھی کہ اس کے لئے جان کی بازی لگائی جا سکتی تھی۔ وہ سہمی ہوئی
بھی پیاری لگ رہی تھی۔ بھرے بھرے بدن کے کسی بھی حصے میں کٹار کی ہلکی سی خراش بھی
آ جاتی تو رامش کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ بوڑھے فنکار نے اسے فن کی ایسی سچائیوں سے تراشا
تھا کہ اس کی آنکھوں میں خوف اور دہشت سچائی کی حد تک نمایاں تھی۔ اس کے سینے کے
اندر دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ خود کو بچانے کا انداز ایسا تھا۔ جیسے وہ کسی کو مدد کے لئے
پکار رہی ہو۔

"مجھے بچاؤ۔ میرے محبوب تم کہاں ہو۔ تم نے مجھے کیوں بھلا دیا۔ جب تک تم مجھے
پہچانو گے، جب تک تم میری حفاظت کے لئے یہاں آؤ گے۔ اس وقت تک اس ظالم عورت
کی کٹار میرے دل کی ان دھڑکنوں کو خاموش کر چکی ہوگی۔ جنہیں تم میرے سینے پر سر رکھ کر
سنا کرتے تھے۔"

پہلے کچھ دیر تک رامش اسی فریب میں مبتلا رہا کہ کٹار چلنے والی ہے اور اس کی محبوبہ
مرنے والی ہے۔ پھر شیشے کی دیوار سے ٹکرا کر ہوش میں آ گیا کہ وہ ایک بوڑھے فنکار کے
شاہکار مجسمے دیکھ رہا ہے۔ وہ ہوش میں آ کر بھی ہوش میں نہیں تھا۔ اب اس حسینہ کے
ہوئے حسن کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ اگر گداز کا مطلب پگھلانا ہوتا ہے تو اس کے بھرے
بھرے گداز بدن کے نشیب و فراز اس کی سوچ کو پگھلا رہے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر دوسرے
مجسمے کو دیکھنا بھول گیا۔ بوڑھے موم تراش کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"آگے بڑھو۔ دوسرے شاہکار مجسمے بھی دیکھو۔"

مگر ایسے دمکتے ہوئے حسن اور دہکتے ہوئے شباب کے بعد اس کی آنکھیں اور کوئی
نظارہ دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس نے حسینہ کو دیکھتے ہوئے خوابیدہ سے لہجے میں کہا۔ "یہ
کون ہے؟"

"یہ روپ کنول ہے، اور یہ جو کٹار لیے کھڑی ہے وہ روپ کنول کی بڑی بہن سون
کماری ہے۔"

"یہ روپ کنول کو کیوں مارنا چاہتی ہے۔ بڑی بہن ہو کر چھوٹی بہن کی جان کی دشمن
کیوں بن رہی ہے۔"

"محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اپنے محبوب کو پانے کے لئے ایک بہن دوسری بہن کی
دشمن بن رہی ہے۔"

"وہ محبوب کس عورت کا ہے؟"

"دونوں ہی بہنیں اسے چاہتی ہیں۔ یہ ایک عام سی کہانی نہیں ہے کہ ایک بہت ہی
خوبرو جوان ہوتا ہے اور دو بہنیں بیک وقت اس خوبرو نوجوان پر عاشق ہو جاتی ہیں۔
نہیں...... ان کا قصہ عجیب ہے پہلے دونوں بہنوں کے دو الگ الگ محبوب تھے۔ پھر دونوں
محبوب ایک ہی روپ، ایک ہی ہستی میں ڈھل گئے۔ جب وہ دو کے بجائے ایک پیکر میں
ڈھک گئے۔ تب یہ دونوں بہنیں جھگڑا کرنے لگیں کہ یہ میرا محبوب ہے، نہیں یہ میرا محبوب
ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" رامش نے حیرانی سے پوچھا۔ "پہلے وہ دو الگ الگ عاشق
تھے۔ پھر وہ ایک ہی جسم میں کیسے ڈھل گئے۔"

"یہی تو حیرانی کی بات ہے۔ میں یہ قصہ شروع سے سناتا ہوں۔" وہ سنانے لگا اور
رامش کے کان اس کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ مگر اس کی نگاہیں روپ کنول کی بڑی بڑی
کٹورہ جیسی سیاہ آنکھوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی ایک ایسی
چمک تھی جیسے وہ اپنی پلک جھپک کر رامش کو اپنے محبوب کے روپ میں دیکھنے لگے گی۔ مگر وہ
سہمے ہوئے انداز میں کٹار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بوڑھے فنکار کی آواز رامش کو صدیوں
پہلے کی دنیا میں لے جا رہی تھی۔

"یہ شہنشاہ اکبر کے دور کا واقعہ ہے۔ کھتری قوم کے بوڑھے سپاہی کی دو جوان بیٹیاں
تھیں۔ یہی جو نظر آ رہی ہیں روپ کنول اور سون کماری۔ یہ دونوں بہنیں ایک نوجوان سپاہی
سے محبت کرتی تھیں، ان کے باپ کو جب یہ علم ہوا تو وہ اس بات پر ناراض نہیں ہوا بلکہ اسے

خوشی ہوئی کہ بیٹیوں نے بھی اپنے باپ کی طرح بہادر سپاہی کو اپنے جیون ساتھی کے لئے منتخب کیا ہے۔ باپ نے ان کے محبوب کو گھر بلا کر پہلے سون کماری کو موقع دیا کہ وہ پردے کی آڑ سے اس نوجوان کو دیکھ کر آخری فیصلہ سنا دے۔ وہ سون کماری کا محبوب تھا۔ وہ تو پہلے ہی اسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس نے اس نوجوان کو اپنا بر چن لیا۔

جب سون کماری نے اپنا فیصلہ سنا دیا تو پھر روپ کنول کو موقع دیا گیا۔ روپ کنول نے بھی پردے کے پیچھے سے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور اپنا فیصلہ سنا دیا کہ وہ اسی نوجوان کو چاہتی ہے۔ سپاہی باپ نے اپنی بیٹیوں کی پسند کی لاج رکھتے ہوئے دونوں کو بیاہ کر اپنے گھر سے رخصت کر دیا۔ وہ ایک ہی گھر میں دو بھائیوں سے بیاہ کر گئیں۔ سہاگ رات کو جب ان کے پریمی نے یا ان کے پتی نے گھونگھٹ اٹھا کر انہیں دیکھا تو ان سہاگنوں نے بھی شرماتے لجاتے ہوئے اپنے اپنے پریمی کو دیکھ کر اپنی کنواری خوشیوں کو ان کی آغوش میں دے دیا۔

دوسرے دن روپ کنول کا پتی گھر سے نکل رہا تھا۔ روپ کنول اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ سون کماری پوجا کے لئے باہر سے پھول چن کر لا رہی تھی۔ وہ دونوں پتی پتنی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ روپ کنول اپنے پتی کا ہاتھ تھام کر اسے رخصت کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت سون کماری نے قریب آ کر اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا پھر غصے سے چیختی ہوئی بولی۔

''روپ! یہ کیا بے شرمی ہے۔ تم میرے پتی کا ہاتھ کیوں پکڑے ہوئے ہو۔''

روپ کنول نے حیرانی سے کہا۔ ''دیدی! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ میرے پتی ہیں۔ انہیں اپنا پتی کہنا کیسی بے شرمی کی بات ہے۔''

سون کماری نے غصے سے پاؤں پٹخ کر کہا۔ ''یہ میرے پتی ہیں اور ان کا نام موہن راج ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے پتی موہن راج کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر پھر اس کی چھوٹی بہن روپ کنول کا ہاتھ تھام رہا تھا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام موہن راج نہیں، تلک راج ہے اور روپ میری پتنی ہے۔''

اتنے میں ان دونوں کے ساس سسر آ گئے۔ ساس نے بات کی تہہ تک پہنچنے کے بعد کہا۔ ''سون کماری، میرے دونوں بیٹے ہم شکل ہیں۔ میں نے دونوں کو جنم دیا ہے۔ مگر میں بھی دھوکا کھا جاتی ہوں۔ جب تک یہ اپنا نام نہیں بتاتے۔ ان کی پہچان میں بھی نہیں کر سکتی۔ تمہارا پتی موہن راج تمہارے کمرے میں ہے۔''

روپ کنول تعجب سے اپنے پتی کو دیکھنے لگی۔ سون جلدی سے چلتی ہوئی مکان کے اندر آئی پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر دیکھا تو اس کا پتی موجود تھا۔ دونوں بھائی واقعی ایسے ہم شکل تھے کہ دونوں سے نام پوچھے بغیر انہیں اپنے اپنے پتی کے طور پر پہچاننا بہت مشکل تھا۔ سون کماری نے باہر روپ کے پتی کو دیکھا تو وہ اسے اپنا موہن راج نظر آیا۔ اب کمرے میں آ کر دیکھا تو اس پر تلک راج کا شبہ ہو گیا۔ دونوں ہی بہنیں چکرا کر رہ گئیں۔

پھر ان کے ساس سسر نے بتایا کہ دونوں کے بدن پر ایسا کوئی امتیازی نشان نہیں ہے جو انہیں ایک دوسرے سے الگ دکھا سکے۔ وہ یا تو ناموں سے پہچانے جا سکتے ہیں یا تعویذ کے ذریعے پہچانے جا سکتے ہیں۔ موہن راج کے بائیں ہاتھ پر ایک تعویذ بندھا ہوا ہے اور تلک راج اپنے گلے میں تعویذ پہنتا ہے۔ اس وضاحت کے بعد کسی حد تک پہچان ہو گئی۔ مگر دونوں بہنیں انہیں دور سے دیکھ کر پھر بھی دھوکا کھا جاتی تھیں۔

دونوں بہنیں بہت ہی محبت کرنے والی پتی ورتا ناریاں تھیں۔ اپنے اپنے پریمی کو پتی کے روپ میں پا کر ان کی پوجا کرتی تھیں۔ مگر ان کی پوجا پھل نہ ہوئی۔ بہت جلد ان کے جیون میں ایک بہت بڑا طوفان آیا۔ سمراٹ اکبر کی فوج باغیوں کے سر کچلنے کے لئے دکن کی طرف جا رہی تھی۔ دونوں بھائی اس فوج کے سپاہی تھے۔ لہٰذا وہ بھی تیر اور تلوار سے لیس ہو کر اپنی پتنیوں سے دور چلے گئے۔ مہینے دو مہینے میں ہرکارہ ان کی چٹھیاں لے کر آتا رہا۔ وہ اپنے اپنے پتی کا نام پڑھ کر چٹھیاں کھولتی تھیں اور انہیں سینے سے لگا کر آنکھوں سے لگا کر چومتی تھیں اور انہیں رات رات بھر کروٹیں بدل کر پڑھتی تھیں۔

پھر اچانک ان کے خطوط آنے بند ہو گئے۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے پریم پتر لکھتی تھیں لیکن ان کا جواب نہیں آتا تھا۔ وہ بار بار گھبرا کر آئینے میں دیکھتی تھیں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوچتی تھیں کہ کیا انہیں اپنے ماتھے کا سندور مٹانا ہو گا۔ ان کا سسر بیٹوں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے راجدھانی کی طرف گیا۔ کیونکہ فوج باغیوں کی سرکوبی کے بعد واپس آ گئی تھی۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ایک بیٹا مارا گیا ہے اور دوسرا بری طرح زخمی ہوا ہے۔ اسے ایسے زخم آئے تھے کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

اب یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ کون سا بیٹا مارا گیا ہے اور کون سا زخمی ہوا ہے۔ باپ نے اپنے زخمی بیٹے کو دیکھا اس کے بازو میں تعویذ نہیں بندھا ہوا تھا یعنی وہ موہن راج نہیں تھا۔ اس کے گلے میں بھی تعویذ نہیں تھا یعنی وہ تلک راج بھی نہیں تھا۔ جب دونوں بیٹے گھر لائے گئے تو ایک کی لاش دروازے پر رکھی گئی تھی اور دوسرے زخمی بیٹے کو گھر میں پہنچایا گیا

تھا۔ ماں باپ بیٹے کی لاش پر آنسو بہا رہے تھے۔ مگر سون کماری اور روپ کنول گم صم کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مرنے والے کے لئے کس پتنی کو رونا چاہئے یا کسے اس کی چتا میں جل کر ستی ہونا چاہئے۔

ستی ہونے کے خیال سے ہی سون کماری کانپ گئی۔ وہ بے شک اپنے پتی کو دل و جان سے چاہتی تھی مگر پوجا کی حد تک۔ پیار کرنے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بھگوان کے دیئے ہوئے جیون کو چاہنے والے پتی کے ساتھ جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ پتی مر جاتا ہے محبت تو نہیں مرتی۔ سون کماری محبت کی آگ میں جلنا چاہتی تھی۔ چتا کی آگ میں نہیں۔

روپ کنول کچھ زیادہ ہی جذباتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ دروازے کے باہر اگر اس کے پتی یا پریمی کی لاش رکھی گئی ہے۔ تو وہ بڑی خوشی سے ستی ہو جائے گی لیکن پہلے اس بات کا یقین کرنا ضروری تھا کہ وہ اس کے اپنے پتی کی لاش ہے۔ وہ دونوں اس بات کا یقین کرنے کے لئے بار بار اس زخمی سپاہی کے پاس جا رہی تھیں۔ وہ ایک بستر پر پڑا ہوا خالی خالی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیدے گھما رہا تھا اور زیر لب بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اس کی کمر سے دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ کمر سے اوپر کا حصہ ننگا تھا، جہاں بے شمار زخموں پر کئی مرہم رکھے ہوئے تھے۔ کہیں پٹیاں باندھی گئی تھیں۔ جب وہ لڑائی کے دوران زخمی ہوا تھا تو اسے میدان سے باہر طبی امداد پہنچاتے وقت اس کے بدن سے ہتھیار اتار لیے گئے تھے۔ کپڑے پھاڑ دیئے گئے تھے اسی طرح تعویذ بھی اتار دیا گیا تھا۔ صرف اس کے سینے کا کچھ حصہ زخمی ہونے سے بچ گیا تھا۔ مگر سینے کے دائیں طرف ایک بہت ہی پرانے اور ہلکے سے زخم کا نشان نظر آ رہا تھا۔ یہ نشان کبھی اس کے ماں باپ نے شناخت کے طور پر نہیں دیکھا تھا۔ مگر سون کماری نے کہا۔

"یہ میرے پتی ہیں۔ میں سینے کے اس نشان کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔"

روپ کنول بھی وہاں کھڑی تھی اس نے چونک کر کہا۔ "دیدی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ یہ نشان تو میرے پتی کے سینے پر تھا بلکہ ہے۔"

"تم جھوٹ کہتی ہو۔" سون کماری نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی میرے پتی کو اپنا پتی کہتے ہوئے۔"

"شرم تمہیں آنی چاہئے۔ میں تمہیں خوب سمجھتی ہوں۔ تم بچپن ہی سے مرنے کے خیال سے ڈرتی ہو۔ صرف موت کے ڈر سے دوسرے کے پتی کو اپنا پتی کہنا چھی چھی۔ کیا زندہ رہنے کے لئے اپنی بہن کا سہاگ چھیننا چاہتی ہو۔"

دونوں بہنوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر دونوں ساس سسر اپنا رونا پیٹنا بھول گئے۔ اب انہیں اس مسئلے کی اہمیت کا احساس ہوا کہ جو بیٹا مر چکا ہے اس کی لاش کے ساتھ کون سی بہو کو ستی ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ دونوں بہوئیں آمادہ نہیں ہو رہی تھیں۔ سون کماری تو بچپن ہی سے موت کا نام سن کر سہم جاتی تھی۔ روپ کنول کا دعویٰ تھا کہ سینے پر ایک پرانے زخم کا نشان رکھنے والا اس کا پتی زندہ ہے۔ وہ اپنی بڑی بہن کے پتی کے ساتھ ستی نہیں ہوگی۔ جب دونوں بہنیں اپنی ضد پر اڑی رہیں تو ساس سسر بھی غصہ دکھانے لگے، ساس نے کہا۔

"یہ تو کلجگ ہے کلجگ۔ آج کل عورتیں پتی کو نہیں پہچانتیں۔ میں سب جانتی ہوں۔ ستی ہونے سے ڈرتی ہیں۔ ہائے رام جب تک میرا بیٹا زندہ تھا دنیا کی ساری خوشیاں ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیتا تھا۔ اب جان دینے کا وقت آیا ہے تو پتی کی ساری محبت اور اپنی ساری شوہر پرستی بھول گئیں۔"

روپ کنول نے کہا۔ "ماں جی! میں موت سے نہیں ڈرتی۔ تم مجھے دوش نہ دو۔ اگر تم یہ کہتی ہو کہ میں اپنے پتی کو پہچاننے سے انکار کر رہی ہوں تو مجھ سے زیادہ پہچان آپ کو ہونی چاہئے۔ کیونکہ آپ نے اپنے بیٹوں کو جنم دیا ہے اگر ایک ماں اپنے بیٹے کو نہیں پہچان سکتی تو یہ سچ مچ کلجگ ہی ہے۔"

بہت دیر تک ساس بہو کے درمیان تکرار ہوتی رہی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ محلے اور برادری والوں نے سمجھایا کہ یہ جھگڑا اتنی جلدی طے نہیں ہو سکے گا اور لاش کو زیادہ دیر تک یونہی رکھا نہیں جا سکتا۔ دھرم کے مطابق پتنی بعد میں بھی ستی ہو سکتی ہے۔ ان کا جو بیٹا زخمی ہے۔ جب وہ پوری طرح ہوش و حواس میں آ جائے گا تو وہ خود ہی اپنی پتنی کو پہچان لے گا۔ اس کے بعد تمہاری بیوہ بہو کے لئے پھر سے ایک چتا تیار کر دی جائے گی۔

اس فیصلے کے بعد مرنے والے بیٹے کو چتا میں جلا دیا گیا۔ ایک زندہ بیٹے کا باقاعدہ علاج ہونے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے زخم آہستہ آہستہ بھرنے لگے۔ مگر دماغ پر جو چوٹ آئی تھی اس کا علاج نہ ہو سکا۔ وید نے مایوس ہو کر کہہ دیا۔ "میں شریر کا علاج کر سکتا ہوں۔ دماغ کا علاج نہیں کر سکتا۔ یہ بھگوان کی کرپا ہے کہ یہ پاگل نہیں ہوا۔ صرف اپنے آپ کو بھول گیا ہے۔ اب صبر کرو اور دیکھتے رہو۔ شاید یہ کسی دن اپنے آپ کو پہچان لے۔"

وہ سب انتظار کرنے لگے کہ شاید کبھی اس کی ذہنی حالت درست ہو جائے۔ سون کماری من ہی من میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی تھی کہ بھولنے والا خود کو نہ پہچان سکے۔ اس کے من میں کھوٹ تھا۔ وہ روپ کنول کے پتی کو اپنا پتی بتا رہی تھی۔ مگر ایک طرح سے دیکھا

جائے تو وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہی تھی۔ جان بچانے کے لئے
انسان کیا نہیں کرتا۔ بھگوان کی جھوٹی سوگند اٹھاتا ہے۔ اپنے بدلے کسی دوسرے کو موت کے
منہ میں دھکیلنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ سون کماری بھی یہی چاہتی تھی کہ روپ کنول جل
مرے اور خود اس پر چتا کی آنچ تک نہ آسکے۔

اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ روز صبح اٹھ کر تلک راج کو دیکھتی تھی کہ کہیں اس
نے اپنی روپ کنول کو پہچان تو نہیں لیا ہے۔ ہر آنے والا دن اس کے لئے موت کی دہشت
لے کر آتا تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت زیادہ چڑچڑی ہو گئی تھی۔ پھر ایک دن اس کے ساس
سسر نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بیمار بیٹے کو لے کر تیرتھ یاترا کے لئے بنارس جائیں گے۔ وہاں
شیو جی کے مندر میں سونے کا کلس چڑھائیں گے اور اپنے بیٹے کی یادداشت کی بحالی کے
لئے پرارتھنا کریں گے۔

جب یہ خبر دونوں بہوؤں کے کان تک پہنچی تو وہ دونوں بھی جانے کی ضد کرنے
لگیں۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے پتی سے دور نہیں رہ سکتیں۔ گھر کی چار دیواری میں بھی
وہ تلک راج کے قریب ہی رہنے کے لئے لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ ان کے لڑائی جھگڑے کو
ختم کرنے کے لئے انہیں ایک بڑا کمرا دے دیا گیا تھا اس کمرے کے بیچ میں تلک راج کا
پلنگ ہوتا تھا اور اس کے آس پاس دونوں بہنیں رہتی تھیں اور اپنی انتھک سیوا کے ذریعے خود
کو اس کی پتنی ثابت کرنا چاہتی تھیں۔ لہٰذا ان کے ساس سسر بہوؤں کو چھوڑ کر صرف بیٹے کو
نہ لے جاسکے۔ وہ دولڑنے والیاں بھی ساتھ ہو گئیں۔''

بوڑھا فنکار یہاں تک داستان سنانے کے بعد ذرا دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور
رامش کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ رامش کی نظریں روپ کنول پر جمی ہوئی تھیں۔ داستان کا
سلسلہ کہاں آکر ٹوٹ گیا ہے۔ اس بات کا رامش کو ہوش نہیں تھا۔ وہ صدیوں پہلے کے
ماحول میں گم ہو چکا تھا اپنے سامنے کھڑی روپ کنول کے ایک ایک نقش کو اور ایک ایک ادا
کو اتنی گہرائیوں سے محسوس کر رہا تھا جیسے وہ اس کی اپنی ہی پتنی ہو۔ جو واقعات روپ کنول
پر گزرے ہیں۔ ان واقعات کو وہ اپنے ماضی کے مٹے ہوئے اوراق میں تلاش کر رہا تھا۔

پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی
ہے۔ بوڑھے فنکار کی زبان سے چلنے والی فلم کہیں سے ٹوٹ گئی ہے۔ اس نے چونک کر پہلے
تو اپنے آس پاس کے ماحول کو دیکھا۔ اسے بڑا دکھ ہوا کہ وہ کسی نیم تاریک کمرے میں
واپس آگیا ہے۔ اس نے ایک نظر بوڑھے پر ڈالی پھر روپ کنول کی آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے خوابیدہ سے لہجے میں پوچھا۔

''پھر کیا ہوا؟ کیا روپ کنول کو اس کا تلک راج مل گیا؟''

''ہاں! شاید مل جاتا مگر سون کماری اس کے راستے کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ وہ ہر وقت
روپ کنول اور تلک راج کے ساتھ لگی رہتی۔ ساس سسر نے ان تینوں کو آزاد چھوڑ دیا۔ ان
کے دونوں بیٹے پہلے بھی کئی بار پوجا کے لئے اپنی اپنی پتنی کے ساتھ وہاں آ چکے تھے اور ان
کے ساتھ بہت سارا وقت تنہا گزارا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید وہاں کے ماحول میں بیٹے کو
کچھ یاد آجائے اور ان کا خیال درست نکلا۔

بنارس کی چاندنی رات تھی۔ وہ تینوں مندر سے واپس آ رہے تھے۔ دریا کے کنارے
گھنے درختوں کا سلسلہ تھا۔ وہاں سے گزرتے وقت اچانک تلک راج نے کہا۔ ''مجھے کچھ یاد
آ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میری کوئی پتنی تھی۔ میں اس کے ساتھ پہلے بھی یہاں آ چکا ہوں
اور میری پتنی میرے ساتھ چلتے وقت آہستہ آہستہ گنگنا رہی تھی۔''

سون کماری یہ سنتے ہی چونک گئی۔ اس نے پریشان ہو کر روپ کنول کو دیکھا جو پہلے
ہی بہت دور سے گنگناتی چلی آ رہی تھی اور تلک راج اسے گہری نظروں سے یوں دیکھ رہا تھا
جیسے اپنی جنم مرن کی ساتھی کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے فوراً ہی تلک راج کو
جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''تم میری طرف دیکھو میں تمہاری پتنی ہوں، تمہارا نام موہن راج ہے۔ میں
تمہارے ساتھ یہاں کئی بار آ چکی ہوں۔ میں آہستہ آہستہ گنگنا کر تمہیں ایک گیت سنایا کرتی
تھی۔''

روپ کنول نے آگے بڑھ کر غصے سے کہا۔ ''دیدی! تم اپنی زبان سے کچھ نہ کہو۔
تلک راج کو خود ہی پہچاننے کا موقع دو۔''

''یہ تلک راج نہیں۔ موہن راج ہے۔'' سون کماری نے چیخ کر کہا۔ اس کی آواز
میں چنگاریاں بھری ہوئی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس کا سارا وجود سلگ اٹھا تھا۔

روپ کنول کا یقین بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ جو کوئی بھی ہے ابھی
سچائی سامنے آجائے گی بھگوان کے لئے اپنی زبان بند رکھو نہیں تو ان کا دماغ پھر الٹ
جائے گا۔'' اس کی بات ختم ہوتے ہی تلک راج نے اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''میں...... میں تمہیں پہچان رہا ہوں تمہارا نام روپ کنول ہے۔''

تلک راج کی بات پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ہی سون کماری نے اپنے گھاگھرے میں

چھپا ہوا خنجر نکال لیا۔ پھر چیخ کر بولی۔ ''تم میرا نام یاد کرو میں تمہاری پتنی ہوں۔ تم میرے پتی بن کر زندہ رہو گے یا مر جاؤ گے۔ میں اکیلی چتا میں نہیں جلوں گی۔ ایک چتا تمہاری روپ کنول کے لئے بھی جلائی جائے گی۔''

روپ کنول نے ایک ساعت میں اپنے تلک راج کی کمزوریوں کو بھانپ لیا۔ وہ میدان جنگ سے بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ کر آیا تھا۔ علاج سے زخم بھر گئے تھے مگر جسمانی کمزوری باقی تھی۔ وہ خنجر کو خالی ہاتھوں سے نہیں روک سکتا تھا روپ کنول نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا۔

''ٹھہرو دیدی...... انہیں نہ مارو۔ میں اپنے پتی کا جیون چاہتی ہوں۔ میں تمہاری جگہ چتا میں جل کر مر جاؤں گی۔ تم میرے پتی کو زندہ رکھنا۔''

تلک راج نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو روپ کنول۔ تم اپنی جان پر کھیل جاؤ اور میں زندہ رہوں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ مجھے اپنا وچن یاد آ گیا ہے ہم جئیں گے ایک ساتھ مریں گے ایک ساتھ۔''

سون کماری نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''میں تم دونوں کی پریم بھگتی کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ اگر تم دونوں زندہ رہ گئے تو مجھے اکیلے ہی مرنا ہوگا۔ میں تم دونوں کے ساتھ مروں گی۔''

یہ کہہ کر اس نے روپ کنول پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ آگے کھڑی ہوئی تھی لیکن تلک راج بڑی پھرتی سے اپنی پتنی کے سامنے سینہ سپر ہوگیا۔ وہ خنجر دستے تک تلک راج کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین پر گرنے لگا۔ روپ کنول اسے سہارا دیتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

بوڑھے فنکار کی آواز کو چپ لگ گئی۔ رامش کچھ دیر تک چشم تصور میں وہ منظر دیکھتا رہا کہ کس طرح تلک راج اپنی پتنی کی آغوش میں دم توڑ رہا ہوگا پھر اس نے چونک کر دیکھا تو سامنے شیشے کی دیوار کے پیچھے صرف سون کماری اور روپ کنول کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں تلک راج کو بھی ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ نہیں تھا۔ اس نے پریشان ہوکر بوڑھے فنکار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہاں تلک راج تو نہیں ہے۔''

''ہاں...... ! وہ نہیں ہے۔ یہ منظر جو تمہارے سامنے ہے۔ یہ ابھی مکمل نہیں ہے۔ میں نے اسے مکمل کرنے کے لئے ایک بہت ہی پرانا ڈھانچہ حاصل کیا ہے پھر اس پر موم کی تہیں

تراشے خیالی تلک راج کی صورت میں تراشا تھا پھر اسے دونوں بہنوں کے درمیان انداز میں لا کھڑا کیا تھا کہ کسی طور سے یہ منظر مکمل ہوگیا۔ یعنی تلک راج کے سینے سے رس رہا تھا اور سون کماری کا خنجر خون آلود نظر آ رہا تھا۔ اس خیالی تلک راج کی موت کے بعد یہ داستان مکمل ہو جاتی تھی لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میں تمہیں بتاؤں تو تم شاید بات کا یقین نہیں کرو گے۔''

رامش کا تجسس بڑھ گیا اس نے کہا۔ ''میں نے تمہاری داستان کے ہر لفظ پر یقین کیا ہے۔ ہم میں کوئی بھی تاریخی حقائق سے انکار نہیں کرسکتا۔''

''یہ تاریخی نہیں موجودہ دور کی حقیقت ہے جس دن میں نے اس خیالی تلک راج کو دونوں بہنوں کے درمیان دم توڑتا دکھایا اس روز یہاں آنے والے فنکاروں اور تماشائیوں نے اس مکمل منظر کی خوب دل کھول کر داد دی۔ ایک فنکار کا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ کہیں سے چند تعریفی الفاظ مل جائیں۔ مجھے میرا انعام مل گیا تھا، لیکن دوسری صبح جب میں نے یہ کمرہ کھول کر اس شوکیس کو دیکھا تو یہاں تلک راج کا مجسمہ نہیں تھا۔ میں حیران ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مجسمہ شوکیس سے نکل کر کہاں جاسکتا ہے۔ تم نے باہر دروازے پر دیکھا ہے کہ کتنا بڑا تالا لگا ہوا ہے۔ وہ تالا نہیں توڑا گیا تھا۔ اگر میں فرض کر لیتا کہ کوئی چور یہاں کسی طرح آیا تھا۔ تو وہ صرف تلک راج کا ہی مجسمہ اٹھا کر کیوں لے گیا۔ یہاں تو اس سے بھی زیادہ مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔ صرف ایک ہی مجسمہ کیوں چرایا گیا۔''

وہ سوالیہ نظروں سے رامش کو دیکھنے لگا۔ رامش کی نظروں میں بھی سوال تھا۔ اس نے بےچینی سے پوچھا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے۔ ایک بے جان مجسمہ اس شوکیس سے نکل کر کہاں جاسکتا ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا۔''

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم یقین نہیں کرو گے۔ اسی لئے میں نے چوری کی رپورٹ درج نہیں کرائی تھی پولیس والے مجھے خبطی کہہ کر ٹال دیتے۔''

''تم نے دراصل خیال ہی خیال میں تلک راج کا مجسمہ بنایا ہوگا۔ اسی خیال میں بہتے ہوئے تم دوسری صبح یہاں آئے ہوگے اور اس مجسمے کو یہاں نہ پا کر اب تک یہی سوچ رہے ہو کہ تمہارا تخلیق کیا ہوا تلک راج کہیں گم ہوگیا ہے۔ دراصل فنکار ایسی ہی سوچ کے باعث خبطی کہلاتے ہیں۔''

''میں خبطی نہیں ہوں۔'' بوڑھے نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ''بے شمار تماشائیوں نے اس

مجسمے کو دیکھا تھا۔ کیا تم ان تماشائیوں کو بھی خبطی کہو گے۔"

رامش سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کسی طرح بوڑھے فنکار کو جھٹلانا چاہتا تھا۔ پھر اسے
کہ اس کے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ موم کے پاؤں والی اس کے
سے نکل کر اس تہہ خانے کی سیڑھیوں سے آئی تھی آخری زینے تک اس کے پاؤ
نشانات تھے اس کے بعد دروازے پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ پھر وہ بند دروازے سے
طرف کیسے چلی گئی۔

یہ سوال اگر وہ دوسروں سے کرتا تو دوسروں کے سامنے خبطی یا پاگل کہلاتا۔ اس
اس نے یہ بات دل ہی میں رکھی تھی۔ بوڑھے فنکار سے بھی نہیں پوچھی تھی۔ وہ تھوڑی
پھر دونوں بہنوں کے مجسمے کو باری باری دیکھتا رہا۔ سون کماری کے خنجر کو دیکھ کر اس
پوچھا۔

"تمہارے بیان کے مطابق یہاں تلک راج کے سینے سے خون رس رہا تھا اور
کماری کا خنجر خون آلود تھا لیکن اس خنجر پر تو خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔" بوڑ
نے جواب دیا۔

"خنجر پر خون کے دھبے میں نے موم سے اور رنگ و روغن سے بنائے تھے جب
راج کا مجسمہ غائب ہو گیا تو خون آلود خنجر بے معنی نظر آنے لگا۔ اسی لئے میں نے دوبا
خنجر خون کے دھبوں سے پاک رکھ کر بنایا ہے۔ جب تک تلک راج نہیں آئے گا جب
یہ خنجر اس کے لہو میں نہیں ڈوبے گا اس وقت تک یہ خون آلود کیسے نظر آئے گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ تلک راج کا مجسمہ کس طرح غائب ہوا ہوگا۔"

"وہ تلک راج کا مجسمہ نہیں تھا۔ میرا مطلب ہے وہ اصل تلک راج نہیں تھا
لئے دونوں بہنوں میں سے کسی نے اسے قبول نہیں کیا اور اسے اس شوکیس سے بھگا دیا

رامش نے اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارا دماغ چل گیا
کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ دو بہنوں کے مجسمے موم سے بنے ہوئے ہیں۔ کیا تم یہ کہنا
ہو کہ یہ دونوں زندہ ہو گئی تھیں اور تلک راج کی جگہ کسی اجنبی کو دیکھ کر اسے یہاں سے
تھا۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں، تم مجھے ہوشمند سمجھو یا پاگل کہو مگر میرے اس عجائب گھر میں
کچھ گڑبڑ ہوتی رہتی ہے۔ اس چھت کے اوپر ہی میرا کمرہ ہے میں نے اکثر اپنے فرش
کان لگا کر سنا ہے اس فرش کے نیچے یعنی اس کمرے میں کسی کے چلنے پھرنے اور گنگنا

آواز آتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے روپ کنول اپنے پریمی اور پتی کو گیتوں بھری آواز میں صدا
دے رہی ہو۔ ایسی مدھر آواز ہوتی ہے کہ میں سنتے سنتے فرش پر سو جاتا ہوں۔ کئی بار ارادہ کیا
کہ میں یہاں آ کر دیکھوں لیکن پتہ نہیں اس کی آواز میں کیا سحر ہوتا ہے کہ میں سو جاتا
ہوں۔"

رامش اس بار اس کی بات کو جھٹلا نہ سکا۔ یہ سن کر کہ بوڑھا فنکار کسی کو یہاں چلتے
پھرتے محسوس کرتا ہے۔ اسے چلنے پھرنے والے مومی پاؤں یاد آ گئے تھے۔ ہر چند کہ
بوڑھے کی باتیں مضحکہ خیز تھیں۔ مگر وہ اس کی باتوں کو مذاق میں نہیں اڑا سکتا تھا۔ اس کی
نظریں پھر روپ کنول پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کا ذہن چیخ چیخ کر اسے پکار رہا تھا۔

"روپ! کیا یہاں رات کی خاموشی میں تم ہی گنگناتی ہو۔ کیا تم...... تم ہی میرے
کمرے میں آئی تھیں اگر ایک بار تم نے اپنی صورت دکھائی ہوتی تو میں تمہیں دیکھتے ہی
پہچان لیتا لیکن میں تم سے کیا کہوں کیا پوچھوں تم تو موم سے بنائی گئی ہو۔"

اس نے مایوس ہو کر سر جھکا لیا پھر بوڑھے کے ساتھ وہاں سے واپس جانے لگا۔
روپ کنول سہمی ہوئی نظروں سے خنجر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رامش کے پلٹ کر جاتے ہی
اس کے دیدے ذرا سے گھوم گئے اس کی آنکھوں سے یوں پتہ چلتا تھا جیسے اپنے پریمی سے
ایک بار پھر بچھڑتے وقت اداس ہو رہی ہے۔

اس موم کے طلسم کدے سے واپس آتے ہی رامش پھر حقیقت کی دنیا میں پہنچ گیا۔
اس نے جو دیکھا اور جو سنا وہ سب باتیں اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ اس کا سر
بھاری ہو گیا تھا۔ کئی بار اس کے دل میں آیا کہ وہ ایک سگریٹ نکال کر سلگائے لیکن وہ اس
موم کے صنم خانے میں دیا سلائی جلا کر سگریٹ نہیں سلگا سکتا تھا۔ وہاں جگہ جگہ دیواروں پر یہ
ہدایت لکھی ہوئی تھی کہ وہاں سگریٹ نوشی سے پرہیز کیا جائے۔ آگ یا حرارت پیدا کرنے
والی کوئی چیز یہاں نہ لائیں۔

لیکن وہ اپنی جیب میں ایک لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر وہاں چلا گیا تھا۔ اس نے
جان بوجھ کر یہ حرکت نہیں کی تھی۔ یہ دونوں چیزیں معمول کے مطابق اس کی جیب میں پڑی
رہتی تھیں۔ کیونکہ شاعرانہ تخیل کی بلندی تک پرواز کرنے کے لئے سگریٹ نوشی لازمی ہوتی
ہے۔ بوڑھے فنکار نے بھی اس سے ایسی چیزوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ کیونکہ وہ تنہا
تماشائی تھا۔ اس دوران اگر وہ سگریٹ کی ضرورت محسوس کرتا تو بوڑھا اسے منع کر دیا۔

باہر آ کر اس نے سب سے پہلے سگریٹ سلگایا تا کہ دماغ سے دھند چھٹ جائے،

لیکن سگریٹ کے منڈلاتے بل کھاتے دھوئیں نے اسے اور بھی دھندلکوں میں گم کر دیا۔ وہ
کس طرح اپنے کمرے تک پہنچا وہ خود نہیں جانتا تھا۔ وہ کس طرح سانسیں لے رہا تھا، ان
سانسوں کا حساب بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ محبت اور لگن اسی کو کہتے ہیں۔ آنکھوں کے
سامنے ساری دنیا مرجاتی ہے۔ صرف ایک محبت کرنے والی مجسم ہو کر سانس لینے لگتی ہے۔

وہ شام تک جنون کی سی حالت میں رہا۔ وہ ٹہلتا ہوا ادھر آتا تو روپ کنول بھی ادھر
آجاتی ادھر جاتا تو ادھر بھی ہائے رام کہہ کر پہنچ جاتی۔ یہ سب اس کے تخیل کی کارفرمائیاں
تھیں۔ اسی لئے جب اسے چھونے کے لئے وہ ہاتھ بڑھاتا تو وہ غائب ہو جاتی۔ اسے چند
لمحوں کے لئے حقیقت کی دنیا میں لے آتی کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے وہ فریب نظر کے سوا کچھ
نہیں ہے۔

عشق میں اگر ایک وقت بھوک نہ لگے تو دوسرے وقت ضرور لگتی ہے۔ روٹی کے بغیر
کوئی عاشق زندہ نہیں رہتا۔ اسے یاد آیا کہ وہ صبح سے بھوکا ہے وہ آتشدان میں لکڑیاں
سلگانے کے بعد کمرے سے باہر آ گیا۔ دروازے کو تالا لگا کر ایک قریبی ہوٹل کی طرف
جاتے وقت اس کے دماغ نے کہا کہ اب اندھیرا ہونے والا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اندھیرے
میں نکلتی ہو۔ اس لئے پچھلی رات آئی تھی آج آسکتی ہے۔“

جب اس کے دوبارہ آنے کی امید بندھی تو وہ ہوٹل کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔
اسے یاد آیا کہ وہ موم کی محبوبہ آگ سے دور بھاگتی ہے اور اس نے اپنے کمرے کے
آتشدان کو روشن کر دیا ہے۔ یہ اس نے بہت بڑی حماقت کی تھی۔ آنے والی کو بے خیالی میں
بھگانے کا انتظام کر دیا تھا۔ وہ فوراً ہی گھر کی طرف پلٹ گیا۔ صبح سے اس خیالی عورت نے
اسے پاگل بنا رکھا تھا وہ کوئی کام حاضر دماغی سے نہیں کر رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ
غسل خانے سے ایک بالٹی پانی لے کر آیا۔ پھر آتشدان کی آگ بجھانے لگا۔ محبوبہ کی آمد
آمد تھی۔ سردی سے بچنے کے لئے اس کی حرارت ہی کافی تھی۔

آگ بجھانے کے بعد وہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اسے کھانے کے لئے باہر جانا چاہئے یا
نہیں۔ اگر وہ جائے گا تو وہ اس کی عدم موجودگی میں آجائے گی۔ پھر وہ مایوس ہو کر چلی
جائے گی۔ لہٰذا اسے نہیں جانا چاہیئے۔ دراصل محبت میں بھوک تو لگتی ہے مگر کھانے کی فرصت
نہیں ملتی۔ اس لئے محبوب کے انتظار میں بھوکا ہی رہنا پڑتا ہے۔ وہ بھوکا ہی رہ گیا ایک
کمرے میں محدود ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو اس نے
دروازے کو بند کر دیا۔ کیونکہ سرد ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ انتظار کی حرارت کے باوجود

ٹھنڈ لگ رہی تھی وہ لحاف اوڑھ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔

اس نے دروازے کو اندر سے بند نہیں کیا تھا۔ تاکہ آنے والی کو آسانی رہے۔ پھر
اس کے دماغ میں بات آئی کہ وہ دروازے کو دور سے بند دیکھ کر واپس نہ چلی جائے۔ اگر
دروازہ کھلا رہے گا تو وہ دور ہی سے کمرے کے بجھے ہوئے آتشدان کو دیکھ لے گی اور مطمئن
ہو کر اندر آئے گی۔ یہ سوچ کر وہ پھر پلنگ سے اٹھ گیا۔ لحاف کو ایک طرف ہٹا کر دروازے
کے پاس آیا اور اس کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ دروازہ کھلتے ہی سرد ہوا کے جھونکے آنے
لگے۔ اس نے بستر پر آ کر دوسرا لحاف بھی اپنے اوپر ڈال لیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے بلب روشن نہیں کیا تھا کیونکہ ایک موم کی محبوبہ کے
لئے سو پاور کے بلب کی ضرورت بھی بہت ہوتی ہے اس لئے وہ اندھیرے میں لحاف سے سر
باہر نکالے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس طرح گھورتے وقت پھر
اس کے دماغ میں بات آئی کہ دروازہ کھلا رکھنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو چٹخنی لگانے کے
باوجود اندر چلی آتی ہے۔ ایسی برفباری میں وہ دروازے کو کھلا رکھے گا تو محبوبہ کے آنے
سے پہلے ہی سردی، زکام اور بخار میں مبتلا ہو جائے گا۔ اگر وہ اس کے آنے تک زندہ رہنا
چاہتا ہے یا صحت مند رہنا چاہتا ہے تو اسے دروازے کو بند کر دینا چاہیئے۔

یہ بات بڑی دیر تک اس کے دماغ میں پکتی رہی۔ مگر لحاف سے نکل کر دروازے تک
جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر وہ آجاتی تو اس کے لئے وہ اچھل کر کھڑا ہو جاتا۔ فی الحال
لحاف کے اندر بھی قلفی جم رہی تھی۔ رات کے گیارہ بجے باہر برآمدے میں کسی کے قدموں کی
آواز سنائی دی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ آواز دروازے کے قریب آتی جا رہی
تھی۔ مگر وہ بھاری بھرکم جوتوں کی آواز تھی اور اس کی محبوبہ موم کے ننگے پاؤں لے کر پچھلی
رات آئی تھی۔ دروازے پر اس کا ایک بوڑھا پڑوسی سر سے پاؤں تک کمبل میں لپٹا کھڑا
تھا۔ اس نے آواز دی۔

”ارے کوئی ہے۔ کمرے میں اندھیرا بھی ہے اور دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ تم کون
سے علاقے سے آئے ہو کہ تمہیں سردی نہیں لگتی ہے۔“

وہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف آتا ہوا بولا۔

”میں ابھی دروازہ بند کرنے ہی والا تھا۔ آپ نے خواہ مخواہ یہاں آنے کی تکلیف
کی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے دروازے کے دونوں پٹ لگا دیئے بند دروازے کے دوسری
طرف واپس جانے والے بوڑھے کی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

''یہ آج کل کے نوجوان ہیں۔ انہیں سردی نہیں لگتی۔ کوئی سردی کا احساس دلا
آئے تو یہ ان کے منہ پر دروازہ بند کر دیتے ہیں ایسی سردی میں ایک پیالی قہوے کے
بھی نہیں پوچھتے۔ بدتمیز، بداخلاق کہیں کے۔''

اس کی آواز دور کہیں گم ہوگئی۔ رامش نے اطمینان کی سانس لی۔ اس وقت وہ کر
ایک پیالی قہوے کے لئے اپنے کمرے میں بٹھا کر اگر اپنی بلند اخلاقی کا مظاہرہ کرتا تو
آنے والی دور ہی سے واپس چلی جاتی۔ اس لئے اس نے بدتمیز اور بداخلاق ہونا گوارا کر
تھا۔ محبت میں اکثر ایسے ہی خطابات ملتے ہیں۔ وہ پھر لحاف میں آ کر گھس گیا۔ وقت
گزارنے کے لئے سگریٹ پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ چیزیں اس کی جیب میں
ہوئی تھیں لیکن سگریٹ پینے کے لئے لحاف سے ہاتھ باہر نکالنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر یہ
خیال آیا کہ سگریٹ کی آگ دیکھ کر وہ واپس نہ چلی جائے۔ لہٰذا اس نے سگریٹ پینے
خواہش کو کچل ڈالا۔

پھر دور کوئی گھڑیال ایک ایک کر کے بارہ گھنٹے بجانے لگا۔ ٹن ٹن کی آواز سنائے
گونج رہی تھی۔ ہر ٹن ٹن کے ساتھ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جب بارہویں گھنٹے کی آو
فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہوئی گم ہوگئی تو اسے اپنی دھڑکنوں میں کسی کے قدموں کی چا
سنائی دی، وہ آ رہی ہے یا نہیں آ رہی ہے، آہٹ پر کان تھے در پر نظر تھی۔ اسی لمحے دروا
چرچراہٹ کی آواز سے کھلنے لگا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جسے اس نے شیشے کے شوکیس میں دیکھا تھا وہی روپ کنو
اس کی دہلیز پر نظر آ رہی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کا چہرہ واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا لیکن
اس کے لباس سے سمجھ رہا تھا۔ گھیرے دار گھاگھرا تھا جو بل کھا کھا کر لہرا رہا تھا۔ اس کی
چولی اور دھانی چنریا کو بھی وہ پہچان رہا تھا۔ پھر اس نے خود ہی کمرے میں قدم رکھتے ہو
اپنا تعارف کرایا۔

''میں جانتی تھی کہ تم اپنی روپ کنول کا انتظار کر رہے ہو گے۔ میں نے کل تمہار
جسم کی بو پائی تھی اس بو کا سہارا لے کر یہاں تک آئی تھی۔ تو آتشدان کی آگ نے
یہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔ میں تمہیں صرف پہچان کر واپس چلی گئی۔ اگر نہ جاتی تو اسی جگہ آ
آہستہ پگھل کر رہ جاتی۔ میرے تلک راج کیا تم مجھے پہچان رہے ہو۔''

رامش کی سوچ مجسم ہو کر سامنے آئی تو وہ بات کرتے ہوئے ہکلا
لگا۔ ''مم...... میں...... میں تلک راج نہیں ہوں۔ اگر تم وہی روپ کنول ہو جسے میں

یک بے جان مجسمے کے روپ میں دیکھا ہے۔ تو یہاں تک کیسے آئی ہو۔''

''محبت کی کشش کھینچ لائی ہے۔ تم دروازے پر تالا ڈال دیتے تب بھی میں چلی
تی۔ میں کتنے جنموں سے تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔ ہر جنم میں میری کوئی بڑی بہن ہوتی
ہے۔ جو میرے پیار کی دشمن بن جاتی ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے مجھ پر
ہر لگایا ہے۔ کیا تم میری رکھشا نہیں کرو گے۔ مجھے اس دشمن عورت سے نہیں بچاؤ گے کیا
تمہارے دل میں اب میری ذرا سی بھی محبت باقی نہیں رہی ہے۔''

''تم ایسی باتیں کر رہی ہو جسے آج کا ذہن تسلیم نہیں کرتا۔ مگر تمہیں دیکھ کر میں کہہ سکتا
ہوں۔ کہ تم ہمیشہ میرے خوابوں میں اور میرے خیالوں میں آتی رہی ہو۔ ایسے ہی
د و قامت کی البیلی دوشیزہ کو میں نے بارہا سوچ کی نگری میں دیکھا ہے میں کبھی سوچ بھی
نہیں سکتا تھا کہ تم سوچ کی نگری سے نکل کر جاگتی آنکھوں کے سامنے پہنچ جاؤ گی۔ ذہن ہزار
تسلیم نہ کرے لیکن یہ آنکھیں تمہارے سانس لیتے ہوئے سراپے کو دیکھ رہی ہیں۔''

''کیا یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی تم مجھے نہیں پہچان رہے ہو۔''

''نہیں شاید دل پہچان رہا ہے۔ مگر آنکھیں پہچاننے سے انکار کر رہی ہیں۔''

''یہ صرف اس لئے کہ تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔''

''نہیں میرا حافظہ بہت اچھا ہے میں اپنے آپ کو اور دوسرے رشتے داروں کو اچھی
طرح پہچانتا ہوں۔''

''نہیں تلک راج جو محبت کو نہیں پہچانتا وہ دنیا کے کسی رشتے کو نہیں پہچان سکتا۔
میدان جنگ میں تمہارے جسم پر ایسی ایسی چوٹیں آئی تھیں کہ تم ساری دنیا کے ساتھ ساتھ
اپنی روپ کنول کو بھی بھول گئے۔''

''میں میدان جنگ میں کبھی نہیں گیا میں سپاہی نہیں ہوں۔'' رامش نے کہا۔

''لیکن تم میرے دل کو کیوں بھول گئے ہو میرے دل پر حکومت کرنے والے، تم
زمانے کے ساتھ ساتھ مجھے بھول گئے ہو۔ اب بھی بھول رہے ہو تو صاف صاف کہہ دو کہ
اپنی محبت سے انکار کر رہے ہو۔''

وہ بہت قریب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سانسوں کی سرگم بھی سن رہا تھا۔ وہ کالی
رات اس کے سانسوں کے لہجے میں بول رہی تھی۔ اس سے پوچھ رہی تھی۔ ''کیا تم میری
محبت سے انکار کر سکو گے۔''

اس سانس لیتے ہوئے مجسمے کی محبت سے کون کافر انکار کر سکتا تھا جس کے لئے وہ صبح

سے دیوانہ تھا۔ اپنے سینے سے وہ روپ کنول کی دھڑکنوں کو کیسے نوچ کر پھینک
انکار نہ کر سکا۔ مگر اقرار کرنے سے پہلے اس نے پوچھا۔

''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں تمہارا تلک راج ہوں۔''

''میں تمہیں صورت سے پہچانتی ہوں میں نے تمہیں شادی سے پہلے بھی
شادی کے بعد بھی تمہیں دن رات دیکھتی تھی۔''

''کیا میری صورت تلک راج جیسی ہے۔''

''صرف صورت ہی تلک راج جیسی نہیں ہے۔ بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک
راج ہی ہو۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ میں موہن راج کا ہمشکل ہوں۔''

''جو مر چکا ہے جو چتا میں جل چکا ہے اس کا نام نہ لو۔''

''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ موہن راج مر گیا تھا اور تلک راج زندہ رہ گیا تھا۔''

''میں سینے کے داغ سے تمہیں پہچانتی ہوں۔ کل رات آ کر میں نے یہی د
تم بے خبر سو رہے تھے۔ میں نے تمہارے گریبان کو کھول کر زخم کے اس نشان کو پہچا
میری وجہ سے تمہارے سینے پر لگا تھا۔''

اس کی بات سنتے ہی رامش نے اپنا ہاتھ اپنے سینے کے دائیں طرف رکھ لیا
فنکار کی زبان سے داستان سنتے وقت وہ سب کچھ بھول گیا تھا مگر اب روپ کنول
اسے یاد آ گیا کہ اس کے سینے کے دائیں حصے میں زخم کا ایک نشان ہے۔

جب وہ پندرہ برس کا تھا تو اس نے تیرہ برس کی ایک لڑکی سے عشق کیا تھا۔
پیدائشی عاشق تھا لیکن تیرہ برس کی لڑکی اس کی محبت کو نہیں سمجھی۔ ایک بار اس نے
محبت کو سینے سے لگایا تو اس کم سن محبوبہ نے غصے سے کچکچاتے دانتوں سے اسے کاٹ
طرح کاٹا کہ سینے کا ایک تولہ گوشت اپنے دانتوں میں دبا کر لے گئی۔ وہ دن ہے ا
دن اس نے ایسی محبت سے توبہ کی اور خیالی محبوباؤں سے عشق کرنے لگا کہ ان سے
ہوتا۔

روپ کنول کی بات سن کر اسے اپنے ماضی کا وہ واقعہ یاد آ گیا۔ سینے پر وہ
نشان روپ کنول کے نہیں تھے۔ مگر وہ کہہ رہی تھی۔

''تلک راج تم نے اس پرانے زخم پر ہاتھ رکھا ہے تو پرانی باتیں بھی یاد کر
بنارس گئے تھے۔ تمہارے میدان جنگ میں جانے سے پہلے کی بات ہے۔ وہاں

مندر سے باہر آ کر شیو شنکر کے نام پر بھنگ کا پیالہ پیا تھا۔ تم نے زبردستی مجھے اتنی پلا دی کہ
میں بہکنے لگی۔ پتہ نہیں میں تمہارے ساتھ گھر تک کیسے پہنچی۔ کیسے میں نے وہ رات گزاری۔
دوسری صبح تم نے مجھے اپنے سینے کا زخم دکھایا اور مجھے بتایا کہ پچھلی رات میں باؤلی ہو گئی تھی
جوش و جنون کی حالت میں تمہارے سینے کے اس حصے کو دانتوں سے نوچ لیا تھا۔ تم پھر اپنا
گریبان کھول کر دیکھو اور میری باؤلی محبت کو اس نشان سے پہچانو۔''

بالکل وہی بات تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں کسی لڑکی نے دانتوں سے نوچا تھا۔ وہی
تھا۔ روپ کنول سنا رہی تھی اور اس پرانے زخم کو اپنے دانتوں کا نشان بتا رہی تھی۔ یہ کیسے ممکن
تھا کہ پندرہ برس کی عمر میں جو زخم لگا تھا۔ ٹھیک ویسا ہی زخم صدیوں پہلے بھی لگ چکا تھا۔ اگر
وہ انکار کرتا تو روپ کنول اس انکار کو تسلیم نہ کرتی، کیونکہ زخم بھی وہی تھا اور اس کی پتی کی
صورت والا بھی وہی تھا۔ پھر یہ کہ وہ بھی ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ برسوں سے اس کا دماغ یہی
سوچ رہا تھا کہ کوئی حسین دوشیزہ کبھی اس کی زندگی میں آئے گی اور اس کی زندگی میں
انقلاب برپا کر دے گی۔

ابھی تو اس کی کھوپڑی میں انقلاب آ رہا تھا۔ کبھی تو وہ سوچ رہا تھا کہ روپ کنول
اچانک ہی اس کی زندگی میں آئی ہے۔ کبھی اس کا خیال بہک رہا تھا کہ وہ اس پُر اسرار البیلی
محبوبہ کو برسوں سے جانتا ہے۔ بلکہ محبوبہ کی داستان کے مطابق اسے جنم جنم سے پہچانتا ہے۔
کچھ عجیب سے تاثرات تھے جن کے زیر اثر وہ روپ کنول کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔

''تلک راج اس طرح تمہاری یادداشت واپس نہیں آئے گی۔ تم میرے ساتھ آؤ۔
میں تمہیں اس جگہ لے چلتی ہوں۔ جہاں تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ یہ اس کے پیچھے آئے گا
کیونکہ فولاد کتنا ہی ناقابل شکست ہو وہ مقناطیس کی طرف کھنچا جاتا ہے وہ خوبصورت اور معنی
خیز لفظوں سے تراشے ہوئے شعر کی طرح سوچ کی ہتھیلی سے نکلی جا رہی تھی اور رامش اس کی
تفسیر تک پہنچنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے کھنچا چلا جا رہا تھا۔

وہ دروازے سے باہر آ گئے۔ مکان کے برآمدے سے اتر کر سڑک کے کنارے پہنچ
گئے۔ وہ سڑک پار کر کے اندھی گلی کی جانب جانے لگی۔ یہ بھی اس کے نقش قدم پر چلتا گیا۔
شکستہ عمارت کے سامنے پہنچ کر وہ پختہ زینہ آ گیا جو تہہ خانے کی سمت جاتا تھا۔ زینے کے
آخری سرے پر وہ دروازہ تھا جس پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ مگر اب وہ دروازہ شیشے کی طرح
شفاف تھا۔ اس کے پار دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ دروازہ بادل کی طرح ملائم تھا جس سے گزر کر

وہ روپ کنول کے ساتھ دوسری طرف پہنچ گیا۔

رامش کے دماغ پر عجیب سی دھند چھا رہی تھی۔ وہ خواب کے سے ماحول میں پہنچ گیا تھا۔ پھر بھی وہ دماغ حاضر تھا وہ بعد میں سوچ سکتا تھا کہ ایک مقفل ٹھوس دروازے سے کس طرح گزر کر تہہ خانے کی راہداری میں پہنچ گیا۔ بوڑھے فنکار نے اس تہہ خانے کو مقفل کرنے سے پہلے وہاں کی تمام بتیاں بجھا دی تھیں۔ روپ کنول نے دیوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کر دیا اب وہ مرکزی بلب کی دھیمی دھیمی روشنی میں بہت کچھ دیکھ سکتا تھا۔

اندر ہال میں مجسموں تک پہنچنے کے لئے وہاں کا دروازہ بھی بند تھا۔ مگر اس وقت وہ ٹھوس نہیں تھا۔ بس وہ بادلوں کے آر پار گزرتا جا رہا تھا۔ اس ہال کے پہلے شوکیس میں جہاں ایک رسی لٹک رہی تھی اس کے متعلق بوڑھے فنکار نے بتایا تھا کہ بنگال کا ایک جادوگر اس رسی پر چڑھتا ہوا آسمان تک پہنچ گیا تھا۔ وہی جادوگر اب رسی کی بلندی سے اترتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ واپس زمین پر آ کر پھر چاروں طرف جھک جھک کر داد وصول کرنے کے انداز میں سلام کرنے لگا۔ چاروں طرف سے واہ واہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ تالیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

رامش حیرانی سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تب اسے پتہ چلا کہ وہ روپ کنول کے ساتھ چلتا ہوا شوکیس کے اندر پہنچ گیا ہے۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔''

روپ کنول نے جواب دیا۔ ''شہنشاہ جہانگیر کا دربار لگا ہوا ہے ایک جادوگر اپنے کمالات دکھا رہا ہے۔ آؤ میں تمہیں اس دربار میں لے چلتی ہوں۔''

وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ پیچھے چلنے لگا۔ پھر شہنشاہ جہانگیر کا وہی دربار نظر آیا جسے بوڑھے فنکار نے موم کے مجسمے تراش کر بنایا تھا۔ جہانگیر ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک نوجوان عورت جو اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہوئی تھی اس وقت وہ نظر نہیں آ رہی تھی ایک جادوگر اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ایک لمبی سی رسی تھام کر آیا۔ پھر سر جھکا کر عرض کیا۔

''جہاں پناہ! میں بہت دور آسمان کی بلندیوں پر آپ کے دشمنوں کو دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ تلوار لے جا رہا ہوں وہاں جا کر ان کا خاتمہ کروں گا آپ میری واپسی کے لئے پرارتھنا کرنا۔''

یہ کہہ کر اس نے رسی کا ایک سرا آسمان کی طرف اچھالا۔ وہ رسی تیر کی طرح سیدھی

آسمان کی طرف گئی۔ آنکھیں اسے حد نظر تک دیکھ سکتی تھیں اس کے بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ جادوگر دانتوں میں تلوار دبا کر دونوں ہاتھوں سے رسی کو تھام کر اوپر چڑھتا چلا گیا۔ رامش موم کے جہانگیر کو دیکھ رہا تھا اور اس کے تمام درباریوں کو بھی حیرانی سے تک رہا تھا۔ جواب موم کے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ سب سانس لیتے ہوئے زندہ انسان تھے۔ اس کی محبوبہ جو موم کی تھی وہ بھی اس کے پاس کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ جادوگر رسی پر چڑھتا ہوا حد نظر سے آگے آسمان کی بلندیوں میں گم ہو گیا تھا۔ اب اس نادیدہ بلندی سے تلواریں چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ شہنشاہ کے دشمنوں سے تنہا لڑ رہا تھا ذرا سی دیر میں انسانی ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ سب لوگ حیرانی سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لڑنے والے نظر نہیں آ رہے تھے مگر مرنے والوں کے اعضا کٹ کٹ کر زمین پر آ رہے تھے۔ آخر میں جادوگر کا سر کٹ کر زمین پر آ گیا۔

تمام لوگ دم بخود ہو کر جادوگر کے کٹے ہوئے سر کو دیکھ رہے تھے اور اس کی موت پر افسوس کر رہے تھے۔ اتنے میں جادوگر کی بیوی روتی پیٹتی شہنشاہ کے سامنے آئی۔ وہ وہی عورت تھی جو پہلے شہنشاہ جہانگیر کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہوئی تھی وہ ہاتھ جوڑ کر فریاد کرنے لگی۔

''جہاں پناہ! میرا پتی آپ کے دشمنوں سے لڑتا ہوا مارا گیا ہے۔ وہ آپ پر قربان ہو گیا ہے۔ میں اس کی اس کھوپڑی کے ساتھ چتا میں جل کر مر جاؤں گی۔''

اس دور کے دستور کے مطابق فوراً ہی چتا تیار کرائی گئی۔ پھر ان سب درباریوں کے سامنے جادوگر کی بیوی اپنے پتی کی کھوپڑی کے ساتھ چتا میں جل کر راکھ ہو گئی۔ شہنشاہ اس افسوس ناک واقعہ کے بعد یہ دربار برخاست کرنا چاہتا تھا کہ اتنے میں وہ جادوگر آسمان کی بلندی سے رسی کو تھام کر اترتا ہوا زمین پر آ گیا۔ اس نے جھک کر شہنشاہ کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

''جہاں پناہ! میں نے آپ کے تمام دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا ہے۔''

شہنشاہ جہانگیر نے حیران ہو کر کہا۔ ''مگر تم تو مر چکے تھے یہاں زمین پر تمہارا سر آ کر گرا تھا۔ تمہاری بیوی تمہارے سر کے ساتھ چتا میں جل کر مر گئی ہے۔''

یہ سنتے ہی جادوگر اپنا سینہ پیٹتے ہوئے اور روتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ہائے ہائے یہ کیسا ظلم ہے میں زندہ ہوں اور میری بیوی کو چتا میں جلا دیا گیا۔ مجھے میری بیوی واپس کی جائے۔''

تمام لوگ اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ واقعی اس کا پتی زندہ تھا اور اس
چاری کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ مگر پھر ان کے ذہن کو شدید حیرانی کا جھٹکا لگا۔ اچانک ہی جا
کی بیوی درباریوں کی بھیڑ سے نکل کر آئی اور کہنے لگی۔

''اے روتا کیوں ہے جب تک تو زندہ رہے گا۔ کون مائی کا لال مجھے زندہ جلا
گا۔ لے میں آ گئی۔''

اسے دیکھ کر شہنشاہ اور تمام درباری واہ واہ کرنے لگے وہ دونوں میاں بیوی جھ
جھک کر سلام کرتے ہوئے داد وصول کر رہے تھے۔ روپ کنول آگے بڑھ گئی وہ بھی ان کے
پیچھے چلنے لگا۔ وہ ایک کے بعد دوسرے شوکیس کی دنیا میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ روپ
کنول نے اس سے پوچھا۔

''کیا اب تمہیں کچھ یاد آ رہا ہے۔''

رامش نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں...... میرے دماغ کی عجیب حالت ہے۔ میں
بیسویں صدی کا انسان ہوں اور تم نجانے مجھے کس صدی سے گزار کے لے جا رہی ہو۔ ان
صدیوں کے درمیان میرا ذہن الجھتا جا رہا ہے۔''

''تمہارا ذہن اس لئے الجھ رہا ہے کہ جہانگیر کے دور کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں
دیکھا تھا۔ اس وقت ہم مر چکے تھے کیونکہ ہم اکبر اعظم کے دورِ حکومت میں پیدا ہوئے تھے۔
آؤ ہم اپنے بچھڑے ہوئے زمانے میں واپس چلتے ہیں وہاں تمہیں سب کچھ یاد آ جائے
گا۔''

وہ روپ کنول کے پیچھے شوکیس کی بدلتی ہوئی دنیا سے گزرنے لگا۔ ایک شوکیس میں
پہنچ کر اسے یوں لگا جیسے وہ اس ماحول میں پہلے بھی سانس لے چکا ہو۔ یہاں اس نے اپنی
زندگی کا بہت سا حصہ گزارا ہو۔ اسے روپ کنول کی آواز سنائی دی۔

''یہ وہ زمانہ ہے جب تم سب کچھ بھول چکے تھے اور تم میرے ساتھ اور سون کماری
کے ساتھ تیرتھ یاترا کے لئے یہاں آئے تھے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ گھنے درختوں کے سائے میں
چل رہے تھے اس کے دائیں طرف ایک دریا بہہ رہا تھا اور اسی طرف سے روپ کنول
ہولے ہولے گنگناتی ہوئی چل رہی تھی۔ پھر اس نے بائیں طرف دیکھا تو سون کماری نظر
آئی۔ وہ دو بہنوں کے درمیان چل رہا تھا۔ اگرچہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بیسویں صدی کا
انسان ہے۔ پھر بھی اس کا دماغ رہ رہ کر بہکتا جا رہا تھا۔ بے اختیار اس کی زبان سے دو

تاریخی مکالمہ ادا ہوا۔

''مجھے کچھ یاد آ رہا ہے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میری پتنی تھی۔ میں پہلے بھی اس کے ساتھ
یہاں آ چکا ہوں اور میری پتنی میرے ساتھ چلتی ہوئی گنگنا رہی تھی۔''

ایسا کہتے وقت رامش کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا
تھا جیسے کوئی ان دیکھی قوت اسے ایسی باتیں کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔ سون کماری نے اس کی
زبان سے گنگنانے والی بات سن کر روپ کنول کو دیکھا جو پہلے ہی بہت دور سے گنگناتی ہوئی
چلی آ رہی تھی اور رامش روپ کنول کو گہری نگاہوں سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے جنم جنم کی ساتھی
کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ سون کماری نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''تم میری طرف دیکھو...... میں تمہاری پتنی ہوں۔ تمہارا نام موہن راج ہے۔''

روپ کنول نے آگے بڑھ کر غصے سے کہا۔ ''دیدی! تم اپنی زبان سے کچھ نہ کہو تلک
راج کو خود ہی پہچاننے کا موقع دو۔''

''یہ تلک راج نہیں، موہن راج ہے۔'' سون کماری نے چیخ کر کہا۔

روپ کنول بڑے یقین سے بولی۔ ''یہ جو کوئی بھی ہے۔ ابھی سچائی سامنے آ جائے
گی۔ بھگوان کے لئے اپنی زبان ابھی بند رکھو نہیں تو ان کا دماغ پھر الٹ جائے گا۔''

رامش کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ اس کے دماغ کے کسی گوشے سے
آواز آ رہی تھی کہ وہ کسی سحر کی زد میں آ گیا ہے۔ مگر اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں
رہی تھی۔ اس نے روپ کنول کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''میں...... میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔ تم...... تم میری روپ ہو۔''

رامش کی بات پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ہی سون کماری نے اپنے گھاگھرے میں چھپا
ہوا خنجر نکال لیا۔ پھر چیخ کر بولی۔ ''تم میرا نام یاد کرو میں تمہاری پتنی سون کماری ہوں۔ تم
میرے پتی بن کر زندہ رہو گے نہیں تو مر جاؤ گے۔''

نگاہوں کے سامنے خنجر لہرایا تو رامش کے دماغ نے آخری بار اسے خطرے سے آگاہ
کیا۔ ''دیوانے رامش! ہوش میں آ جا اگر اپنی زندگی عزیز ہے تو ان موم کی مورتیوں سے فوراً
ہی پیچھا چھڑا لے۔''

اس آگاہی کے ساتھ ہی رامش کا ہاتھ اپنی جیب میں گیا۔ اس نے فوراً جیب میں
پڑے ہوئے لائٹر کو نکالا۔ پھر ننھا سا شعلہ بھڑکا دیا۔ آگ دیکھتے ہی دونوں بہنیں چیختی ہوئی
اس سے دور ہو گئیں۔ روپ کنول گڑگڑا کر کہنے لگی۔

"تلک راج! بھگوان کے لئے اسے بجھا دو کیا تم اپنی روپ کنول کو مار دینا چاہتے
ہو۔ تم نے مجھے سینے سے لگا کر وچن دیا تھا کہ آخری سانس تک میری حفاظت کرو گے
میری زندگی چاہتے ہو تو اسے بجھا دو۔"

رامش نے روپ کنول کی طرف دیکھا تو اس کا دل موم کی طرح پگھل گیا۔ اتنی حسین
محبوبہ کو وہ لائٹر کی آگ سے نہیں پگھلانا چاہتا تھا۔ لائٹر بجھ گیا۔ اس سحر زدہ کرنے والی حسینہ
میں بلا کی کشش تھی وہ دیوانگی کے عالم میں لائٹر کو پھینک کر روپ کنول کی طرف بڑھ گیا۔
سون کماری نے پھر ایک مرتبہ چاقو تان کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"روپ کنول میں اکیلی نہیں مروں گی۔ پہلے تیرے پتی کو ماروں گی تاکہ تو بھی اس
کی چتا میں جلنے پر مجبور ہو جائے۔"

"میں اپنے پتی کا جیون چاہتی ہوں۔ میں تمہاری جگہ چتا میں جل کر مر جاؤں گی تم
میرے تلک راج کو زندہ رکھنا۔"

رامش نے کہا۔ "نہیں روپ کنول۔ تم اپنی جان پر کھیل جاؤ اور میں اس چڑیل کے
ساتھ زندہ رہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنا وچن یاد آ گیا ہے۔ ہم جئیں گے ایک ساتھ
مریں گے ایک ساتھ۔"

سون کماری کی للکار سنائی دی۔ "میں تم دونوں کی پریم بھگتی کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔
اگر تم دونوں زندہ رہ گئے تو مجھے اکیلے ہی مرنا پڑے گا میں تم دونوں کے ساتھ مروں گی۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے خنجر سے روپ کنول پر حملہ کیا۔ کیونکہ روپ کنول آگے
تھی لیکن دیوانہ عاشق بڑی پھرتی سے اپنی محبوبہ کے سامنے آ کر سینہ سپر ہو گیا۔ وہ خنجر سینے کی
ڈھال میں دستے تک پیوست ہو گیا۔ رامش ایک کراہ کے ساتھ زمین پر گرنے لگا۔ روپ
کنول اسے سنبھالتی ہوئی زمین پر دوزانو ہو گئی۔

☆======☆======☆

موسم بدل گیا تھا۔ پہاڑوں کی برف پگھل چکی تھی۔ میدانی علاقے کے لوگ گرمیوں
کا موسم گزارنے کے لئے اس پہاڑی علاقے میں پہنچ رہے تھے۔ ایک بوڑھا مرد اپنی بوڑھی
بیوی کے ساتھ رامش کے مکان کے دروازے پر آیا تو اس دروازے پر تالا نظر آ رہا تھا۔
انہوں نے اس کے بوڑھے پڑوسی سے پوچھا۔

"بھائی صاحب! یہاں ہمارا جوان بیٹا رہتا تھا۔ ہم اسے اس مکان کے پتے پر خط
لکھا کرتے تھے۔ چار ماہ سے ہمارے خطوط کے جواب نہیں مل رہے ہیں۔ ہم بوڑھے

تھے۔ یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ لڑکا دیوانہ ہے اپنے خیالوں کی دنیا میں مست ہو گا۔ ہم گرمیوں
کے موسم میں آ کر ملاقات کریں گے مگر اب یہاں آئے ہیں تو یہ تالا نظر آ رہا ہے۔"
بوڑھے پڑوسی نے کہا۔

"تمہارا لڑکا واقعی دیوانہ تھا۔ ایک رات برفباری ہو رہی تھی اور وہ دروازے کو کھلا
رکھ کر سو رہا تھا۔ میں نے یہاں آ کر اسے دروازہ بند کرنے کے لئے کہا۔ تو اس نے سردی
کے موسم میں مجھے ایک پیالی چائے کے لئے بھی نہیں پوچھا۔"

"مگر وہ کہاں گیا۔" بوڑھے باپ نے پوچھا۔

"اس رات کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ مالک مکان نے دروازے پر تالا
ڈالا ہے۔ تم کہتے ہو وہ دیوانہ ہے وہ سامنے اندھی گلی میں بھی ایک بوڑھا فنکار رہتا ہے اور
موم کے مجسمے بناتا ہے شاید وہ فنکار ہونے کے ناطے اسے جانتا ہو۔ تم اس سے جا کر پوچھ
لو۔"

بوڑھا اپنی بیوی کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرتا ہوا اندھی گلی کی طرف جانے لگا۔ موم
کے مجسمے کا سائن بورڈ پڑھ کر وہاں اس نے ایک آدمی سے فنکار کے بارے میں پوچھا تو
اس آدمی نے جواب دیا۔

"موم کا یہ صنم خانہ اب تو تمام دن کھلا رہتا ہے۔ یہاں باہر سے آنے والوں کی بھیڑ
لگی رہتی ہے۔ تم اندر چلے جاؤ وہیں اس بوڑھے فنکار سے ملاقات ہو جائے گی۔"
وہ دونوں زینے سے اترتے ہوئے تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک کاؤنٹر سے
ایک روپے کا ٹکٹ لیا پھر اندر چلے گئے۔ وہاں بہت سے لوگ مختلف شوکیسوں کے سامنے
موم کے مجسموں کو دیکھ رہے تھے۔ بوڑھا فنکار ہر شوکیس کے پاس جا کر مختصر الفاظ میں انہیں
تاریخی واقعات سناتا جا رہا تھا ان دونوں نے اس کے پاس جا کر پوچھا۔

"یہ مجسمے بنانے والا فنکار کون ہے۔"

"میں ہی فنکار ہوں۔ آپ کون سے مجسمے کا تاریخی واقعہ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں اپنے بیٹے کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" باپ نے کہا۔

"کون بیٹا؟"

"میرا بیٹا۔" ماں نے فخر سے کہا۔ "وہ اسی اندھی گلی کے سامنے والے مکان میں رہتا
تھا۔ شاید تم اسے پہچانتے ہو گے۔"

"ہاں ہاں میں اسے جانتا ہوں۔ مگر وہ چار ماہ سے ادھر نہیں آیا۔ تم دونوں میرے

ساتھ آؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ یہاں کیا دیکھنے کے لئے آتا تھا۔''

وہ آگے بڑھتا ہوا دوسرے ہال میں داخل ہو گیا۔ پھر ان بوڑھوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''عجیب اتفاق ہے یہاں اس کا ایک ہم شکل مجسمہ ہے۔ وہ اپنے ہم شکل کو دیکھنے آیا کرتا تھا۔''

رامش کے بوڑھے ماں باپ بڑی حیرانی سے اس شوکیس کے اندر دیکھ رہے تھے۔ ان کے کانوں میں بوڑھے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''یہ دو بہنیں ہیں۔ جس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہے اس کا نام سون کماری ہے اور جو زمین پر دوزانو بیٹھی ہوئی ہے اس کا نام روپ کنول ہے۔ روپ کنول کا پتی تلک راج اپنی پتنی کی گود میں سر رکھ کر دم توڑ رہا ہے کیونکہ سون کماری نے اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ دیکھو، ذرا غور سے دیکھو۔ تلک راج کی شکل تمہارے بیٹے سے کتنی ملتی ہے۔''

اپنے بیٹے کے ہمشکل کو دیکھتے ہی بوڑھے ماں باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ذرا سی دیر میں ماں ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ بوڑھے نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

''آؤ...... ہم باہر جا کر اپنے لخت جگر کو تلاش کریں۔ جب تک وہ نہیں ملے گا ہم روز یہاں آ کر اس کے ہمشکل کو دیکھتے رہیں گے۔''

''اور آخر کار ان بدنصیب ماں باپ کی مشکل کے دن ختم ہوئے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔'' پُراسرار کہانی سنانے والے نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب......؟'' دیوالی اور وجے کپور نے حیرانی سے کہا۔ نہ جانے کیوں انہیں اپنے ذہنوں میں ایک عجیب سی کلبلاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

''موم کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔'' رامش نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

''تو پھر......''

''اور وہ دونوں تمہیں اندر ہی ملیں گے۔''

''کون......؟''

''رامش کے بوڑھے ماں باپ۔''

''ہمارا ان سے کیا تعلق۔'' وجے کپور کی پھسپھسی آواز ابھری۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا لگا جیسے وہ کوئی غیر متعلق بات کہہ رہا ہو اسے محسوس ہوا جیسے اس کا تعلق کہیں نہ کہیں اس کہانی سے ضرور ہو۔ رامش کی آواز ابھری۔

''ہاں کہانیاں اسی طرح بنتی ہیں۔ سنسار کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو بھگوان نے منش کو

اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے۔ وہ اسے کون کون سے روپ دے دیتا ہے۔ یہ وہی جانتا ہے کوئی اور بھلا کیا جانے اگر تمہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ میں ماضی کا ایک کردار ہوں وہ کردار جس کا دوسرا روپ تم ہو تو دیکھو، مجھے دیکھو فیصلہ کرو اور یقین کر لو۔'' یہ کہہ کر رامش نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور اس کے بعد وہ اس طرح فضا میں تحلیل ہو گیا۔ جیسے کوئی تصویر ہو کوئی نقش ہو۔ جو مٹ جائے۔ دیوالی اور وجے کپور کے لئے یہ بڑی سنسنی خیز بات تھی۔ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس پُراسرار وجود کو تلاش کر رہے تھے۔ جو چند لمحے پہلے ان کے درمیان موجود تھا اور اب گم ہو گیا تھا۔ نجانے کب تک وہ اس طرح سحر زدہ رہے پھر اس کے بعد وجے نے دیوالی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ سب کیا ہے دیوالی!۔''

''بھگوان جانے۔'' دونوں بڑی پریشانی کے عالم میں ایک ریستوران میں جا بیٹھے۔

''تم نے سینکڑوں شعبدے سیکھے ہیں اور تم سنسار کو حیران کرتے رہتے ہو۔ مجھے بتاؤ وجے یہ سب کیا تھا۔ یہ کون سا شعبدہ ہے۔''

''بھگوان جانے اس واقعے نے تو میری ساری زندگی میں تبدیلی پیدا کر دی ہے اور مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میری شخصیت دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔''

''ہمارے دھرم میں آواگون تو ہے نا۔''

''ہاں...... مگر قصے کہانیوں کی شکل میں۔ دیوالی! میں نے کبھی اس بارے میں غور نہیں کیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دین دھرم والوں کی چیز ہے۔ پر ہمارے سامنے جو جیون ہے وہ اس سے بالکل ہی الگ ہے اور ہم نے کبھی اس کے بارے میں غور بھی نہیں کیا۔''

''یہی میں بھی سوچ رہی ہوں۔ کیا کچھ نہیں کیا میں نے اپنے ماتا پتا کے لئے، سچی بات یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے دیہات سے نکل کر یہاں تک پہنچی اور یہ بھی ایک سچی بات ہے کہ بھگوان ہی نے میری مدد کی۔ ورنہ میں سنسار کے بارے میں کیا جانتی تھی۔ میں نے ہزاروں ایسے معذور لوگوں کو دیکھا ہے۔ جو اپاہج ہوتے ہیں جن کے بدن میں بے شمار نقص ہوا کرتے ہیں وہ اپنا جیون جس طرح چاہیں بتا لیتے ہیں۔ میرے بھی پیروں میں ایک قدرتی نقص موجود ہے لیکن جن حالات میں میرے جیون کا آغاز ہوا اس میں، میں نے اپنے آپ کو مضبوط کیا اور نجانے کیا، کیا کچھ کرتی رہی۔ بھگوان بھلا کرے ان لوگوں کا میرا مطلب رمانند مہاراج سے ہے وہ مجھے یہ جیون دے گئے۔ میں نے خود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھا میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے خاندان کے لوگ اب کیسا جیون گزار رہے ہیں۔

انہوں نے میرے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا جو میں ان کے ساتھ اچھے سلوک کے بارے میں سوچتی لیکن۔ جیون کا یہ روپ میرے لئے بالکل نیا ہے۔ مجھے بتاؤ۔ کیا تم...... تم سچ مچ تلک راج ہو۔ مجھے بتاؤ وجے کپور کون ہو تم۔ میں کون ہوں؟ سون کماری یا روپ کنول، وہ کون تھا جو ہمارے سامنے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا بتاؤ کیا وہ کوئی شعبدہ تھا۔'' وجے کپور خود بھی چکرایا ہوا تھا۔

بہرحال وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے، لیکن اسی شام دیوالی نے اپنے ماتا پتا سے پوچھا۔

''آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں میں۔''

''کیا بات ہے بیٹا! کوئی پریشانی ہو گئی۔'' نند کشور نے تشویش زدہ لہجے میں کہا اور دیوالی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

''پتا جی! میرا جیون آج تک جن حالات کا شکار رہا ہے آپ کے علم میں ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔''

''بیٹا! بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ بھگوان کے سارے کھیل انوکھے ہی ہوتے ہیں۔ میں بڑے خلوص سے اپنا جیون بتا رہا تھا۔ پر جیون میں یہ اتنے سارے کھیل بھی ہونے تھے۔ تو پیدا ہوئی۔ تو تجھ میں ایک قدرتی خرابی تھی۔ مجھ سے کسی نے وعدہ کیا تھا کہ ایک عمر پر تیرا آپریشن ہو جائے گا اور تو ٹھیک ہو جائے گی پر جس نے وعدہ کیا تھا وہی اس سنسار میں نہ رہا اور میں معذور ہو گیا۔ میرے ساتھ خود بھی جو ہوا تیرے علم میں ہے۔ بس اور کیا لمبی کہانی کہوں۔ بھگوان نے تیری اس کمی کو ہی میرا سہارا بنا دیا۔ شرمندہ ہوں بیٹا تجھ سے۔''

''میں اس طرح کی بات نہیں کر رہی پتا جی۔ میں تو آپ سے بس یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا میرے جیون میں اور کوئی کہانی بھی ہے۔''

''اور کوئی کہانی......؟''

''ہاں......''

''میں سمجھا نہیں بیٹا!''

''کیا میرا کوئی اور ماضی بھی ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہے تو۔ تیری جتنی کہانی ہے تیرے علم میں ہے اور جو تیرے علم میں نہیں ہے وہ میں تجھے بتا چکا ہوں۔''

''پتا جی! نجانے کیا ہو گیا ہے کھیل بگڑا بگڑا سا نظر آ رہا ہے۔''

''کیا ہوا کچھ بتا تو سہی۔'' لیکن دیوالی اس سے زیادہ اور کیا بتا سکتی تھی۔ پھر ڈاکٹر

نریشا سے اس کی بات چیت ہوئی۔

''آپ نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی ہے بھگوان کی دیا سے آپ کا تعلق میرے دھرم سے ہی ہے۔ نریشا جی یہ بتائیے کہ کیا جنم جنم کا کوئی کھیل ہوتا ہے۔''

''ہمارے دھرم میں تو ہوتا ہے پگلی! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہاں! دوسرے دھرم والے آواگون کے اس کھیل کو نہیں مانتے۔ پر ہمارے ماتا پتا نے تو ہمیں یہی بتایا ہے کہ منش کا جیون آنا جانا لگا رہتا ہے۔''

''میں عجیب چکر میں پھنس گئی ہوں۔'' دیوالی نے کہا اور پھر ڈاکٹر نریشا کو وہ ساری تفصیل بتاتی رہی پھر بولی۔

''اور وہ اس طرح غائب ہو گیا کہ ہم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ یہ کوئی شعبدہ نہیں تھا نریشا جی، میں نے یہ سوچا تھا کہ اپنے جیون کو ایک ایسی منزل تک لے جاؤں جہاں میرے ماتا پتا مطمئن ہو جائیں اور میں آپ کو سچ بتاؤں ڈاکٹر نریشا جی! مجھے تو ان لوگوں سے بھی نفرت نہیں ہے جنہوں نے ہمیں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ آپ یقین کریں میں تو ان دونوں سے بھی پریم کرتی ہوں میرا مطلب ہے جو میری دوست بھی رہی ہیں اور میری سہیلیاں بھی۔ میری مراد کانتا وغیرہ سے ہے میں ان کو بھی نہیں بھلا سکتی اور میرے من میں یہ بات تھی کہ ایک منزل پر آ کر میں اپنے تایا تائی کو بھی دیکھوں گی اور ان کی مشکلیں حل کروں گی۔ پر میری زندگی میں ایک نیا کھیل شروع ہو گیا ہے ڈاکٹر نریشا جی۔''

''وجے کپور کیا کہتا ہے۔''

''اس کی خودی گم ہے۔ اب آپ دیکھیں نا میں عجیب سے انداز میں اس سے ملی ہوں اور اس کے بعد جب وہ ڈر کر مجھ سے بھاگ رہا تھا میں نے اسے اپنی اصلیت بتا کر اسے اپنے قریب کیا، پر اب یہ بتائیے اب کیا کروں۔ پھر میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ اگر میرے ماضی کی کہانی سچ ہے تو میں سون کماری ہوں یا روپ کنول۔ کچھ پتہ تو چلے مجھے۔'' ڈاکٹر نریشا بھی سوچ میں ڈوب گئی اور پھر اس نے کہا۔

''اس سلسلے میں تمہاری تھوڑی سی مدد اور کر سکتی ہوں دیوالی! مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ ناگ پور چلنا ہوگا۔''

''میں ضرور چلوں گی۔ میرا تو سارا جیون ہی الجھ کر رہ گیا ہے۔ مگر ناگ پور میں ہے کون۔''

''کشنوتا بھگوان۔''

"یہ کون ہیں۔"
"ناگ پور کے ایک مندر میں رہتے ہیں اور بڑے زبردست گیانی ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ گیان دھیان ختم ہے ان پر۔ مجھے انہوں نے ایک بار اپنا چیلا بنایا تھا اور وہ بھی ایک چھوٹے سے واقعہ کے تحت، ایک نوجوان لڑکا تھا جو بیمار تھا اور ان کے پاس دعا کے لئے آیا تھا۔ کشنو تا بھگوان نے اس کے لئے دعا کی اور پھر اتفاق سے میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ انہوں نے ایک لمحے میں پہچان لیا کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس لڑکے کی بیماری دور کروں۔ میں نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس سمے سے کشنو بھگوان کی خاص نظر ہے مجھ پر۔ بہت بڑے گیانی ہیں۔ اگر تم ان سے مل لو تو وہ تمہاری مشکل حل کر سکتے ہیں۔"

"وجے کپور کو اس بارے میں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔"

"میرا خیال ہے نہ بتاؤ کچھ مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو کہانی تم نے سنائی ہے وہ بہت عجیب ہے۔ یہ تو بعد میں ہی پتہ چلے گا کہ تم سون کماری ہو یا روپ کنول۔"

"میں ماتا پتا سے کوئی بہانہ کر دیتی ہوں۔ ویسے بھی مسز دانیال ان کے لئے موجود ہیں۔" مسز دانیال کو سمجھایا بجھایا گیا۔ مسز دانیال بڑے مزے کی عورت تھیں کہنے لگیں۔

"مجھے تو یہ نہیں پتا چل سکا آج تک کہ میں کام کس کے لئے کرتی ہوں۔"

"مسز دانیال! کام آپ اس گھر کے لئے کرتی ہیں۔ آگے بھی اگر اپنا کام جاری رکھنا چاہتی ہیں تو جو آپ سے کہا جائے وہ کر لیا کیجئے۔ سنا ہے آپ ہر کام میں بڑی نکتہ چینی کرتی ہیں۔"

"سنتی رہو۔ سنتی رہو بس۔" مسز دانیال نے عادت کے مطابق ڈاکٹر نریشا کو جواب دیا لیکن ڈاکٹر نریشا دوسرے انداز کی خاتون تھی۔ انگلی اٹھا کر بولی۔

"دیکھئے مسز دانیال! کھڑے کھڑے نکال دوں گی آپ کو، میرے سامنے ذرا ہوش حواس قائم رکھا کیجئے اور سنیں اگر آپ کی کوئی شکایت ملی تو اچھا نہیں ہوگا ہم لوگ ذرا کچھ کے لئے باہر جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جیسا کہو گی ویسا کروں گی۔" مسز دانیال نے منہ بنا کر نریشا دیوالی کو لے کر چل پڑی۔ دیوالی کو ایک تھوڑا سا تردد تھا۔ وہ یہ کہ اس نے وجے اس بارے میں نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن نجانے کیوں اس کے دل میں عجیب سا بال پیدا ہو گیا تھا۔ اب کون جانے وہ سون کماری ہے یا روپ کنول۔ کم از کم

تجزیہ ہو جائے تو بات آگے بڑھے۔ وجے کپور سے کوئی نہ کوئی معذرت کر لے گی۔ ویسے بھی وجے کپور نے تین چار دن سے اس سے ملاقات نہیں کی تھی غالباً وہ بھی کسی ایسی ہی الجھن کا شکار تھا۔ جو منظر آخر میں موم کے مجسموں کی شکل میں دیکھا گیا تھا۔ وہ بڑا سنسنی خیز تھا اور اس سے بہت سے نتیجے اخذ کیے جا سکتے تھے۔

اس طرح دیوالی کی وہ کہانی اپنی ڈگر سے تھوڑی سی ہٹ گئی تھی۔ دیوالی کا تو موقف یہ تھا کہ اپنے اس مسئلے سے فائدہ اٹھائے اور لوگوں کو بے وقوف بناتی رہے۔ وہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ تھا لیکن بعض اوقات خطرناک بھی ہو جاتا تھا۔

پھر اسے وجے کپور مل گیا، لیکن زندگی کی کہانیاں تو ایسے ہی بنتی ہیں اگر ایک کہانی یکسانیت کے ساتھ چلتی رہے تو اس میں دلکشی آ جاتی ہے۔ آنے والے وقت میں دیوالی کو نجانے کون کون سے مراحل طے کرنے تھے۔ ناگ پور کا وہ خاص مندر بڑی اہمیت کا حامل تھا جہاں دیوالی کی ملاقات کشنو تا بھگوان سے ہوئی۔ ایک بہت ہی ضعیف العمر اور سوکھے سڑے بدن کا مالک تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس کے سارے بدن کی قوتیں اس کی آنکھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہوں۔ دیوالی اور نریشا جس وقت ناگ پور کے اس مندر میں پہنچیں تو وہاں پر ہزاروں افراد کا ہجوم تھا۔ کشنو تا بھگوان درس دے رہے تھے اور درو گدی وستر ہرن کے بارے میں تفصیلات بتا رہے تھے۔ مجمع دم بخود تھا۔ یہ دونوں بھی جا کر بہت پیچھے بیٹھ گئیں، لیکن اچانک ہی دیوالی کو یہ احساس ہوا کہ کشنو تا بھگوان نے ایک لمحے کے لئے رک کر اسے دیکھا ہے۔ اتنے سارے لوگوں کے سروں کو عبور کر کے ان کی نگاہوں وہاں تک پہنچنا بھی بڑا تعجب خیز تھا۔ دیوالی کو یوں لگا تھا جیسے روشنی کی ایک شعاع کشنو تا بھگوان کی آنکھوں سے گزر کر اس تک پہنچی ہو اور اس کے سارے وجود کو ٹٹول رہی ہو۔ اس نے ڈاکٹر نریشا سے یہ الفاظ کہے تو نریشا بولی۔

"ہاں میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ وہ بڑے گیانی دھیانی ہیں اور انہوں نے یقیناً تمہاری کھوج پالی ہے اور یہی ہوا۔ جب درس ختم ہوا اور لوگ الٹے قدموں واپس چل کر آہستہ آہستہ مندر سے باہر نکل گئے۔ تو کشنو تا بھگوان نے اپنے ایک چیلے کو ان دونوں کے پاس بھیجا۔ آپ کو مہاراج بلا رہے ہیں۔ اس دبلے پتلے آدمی نے دیوالی کی صورت دیکھی اور مسکرا کر بولا۔

"اس کا کشٹ مجھے معلوم ہے۔ اس کی الجھن مجھے معلوم ہے۔ آنے والے سمے میں بھگوان نے اس کے سپرد نجانے کیا کیا ذمے داریاں کر دی ہیں۔ اس نے صرف دو افراد کی

ذمے داری اپنے سر اٹھائی ہے یعنی اپنے ماتا پتا کی۔ مگر یہ بے وقوف نہیں جانتی کہ سنسار میں اسے جانے کس کس کے لئے کیا کیا کرنا ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے ڈاکٹر، تمہارے آرام کا بندوبست کردیتا ہوں۔''

یہ آرام کا بندوبست ایک حجرے میں کیا گیا تھا۔ چیلے چانٹے ان کی خدمت پر مامور ہوگئے۔ پھل فروٹ اور نجانے کیا کیا چیزیں دی گئیں۔ دودھ بھی دیا گیا۔ دیوالی یہاں آ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ پھر اسی رات کشنوتا بھگوان نے اس سے ملاقات کی اور کہا۔

''یہ لے...... یہ پڑھ لے۔ بہت سے راز تجھ پر منکشف ہو جائیں گے۔'' سرخ رنگ کی جلد بندھی ہوئی ایک ایسی کتاب تھی جسے ہندی زبان میں ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس کے پہلے اور بوسیدہ اوراق بتارہے تھے کہ کتاب بہت پرانی ہے۔ کشنوتا نے کہا۔

''وید، برہمہ، گیتا، رامائین اور ایسی بہت سی کتابیں تو دیوتاؤں کی لکھی ہوئی ہیں لیکن یہ ایک ایسی کتاب ہے جو کسی دیوتا نے نہیں لکھی لیکن وہ جو کوئی بھی تھا۔ دیوتا سمان تھا۔''

ڈاکٹر نریشا نے کہا۔ ''کیا کہتی ہو دیوالی!''

''اگر اس میں میرا جیون چھپا ہوا ہے تو یہ مجھے ضرور پڑھنا ہوگی ڈاکٹر نریشا!'' پھر اسی رات دیوالی نے اس کتاب کا پہلا ورق کھول لیا۔ کہانی بہت عجیب اور دلچسپ تھی۔ اس کا کوئی آغاز نہیں تھا یوں لگتا تھا جیسے کہانی بہت پہلے سے شروع ہوئی ہو لیکن جہاں سے … بوسیدہ اوراق موجود تھے اس کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

پورن لعل کے بارے میں گروگردھاری نے کہا تھا کہ وہ رانی شردھا کی اولاد تھا لیکن یہ جنم جنم کے کھیل تھے۔ پچھلے جنموں میں کون کیا تھا یہ کسے یاد رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی رانی کے من میں یہ بات سر ابھارنے لگتی تھی کہ پورن لعل اس کا بیٹا ہے یا نہیں۔ اس کا دل چاہتا کہ پورن لعل سے باتیں کرے...... اس سے پوچھے کہ حقیقت کیا ہے۔

پورن لعل بہرصورت ایک راجہ تھا...... اگر اسے پچھلے جنم کی باتیں بتانے لگتی اور کہتی یہ اس کی ماں ہے تو ممکن ہے پورن لعل اسے مکاری سمجھتا۔ وہ سوچتا کہ چونکہ وہ اس کی خدمت کررہا ہے۔ اس لئے رانی اب یہ کھیل کھیل رہی ہے چنانچہ وہ اپنا دل مسوس کر جاتی اور جب وہ اپنا دل ٹٹولتی تب بھی اسے یہ احساس ہوتا کہ پورن لال کے لئے اس کے دل میں وہ پیار نہیں جو تلک کے لئے ہے۔

تلک چند جب بھی اس کے سامنے جاتا وہ بے چین ہوجاتی تھی۔ ایک درشنا تھی اس کا من ہر طرح سے ہاتھ میں لیے رہتی تھی۔ حالانکہ گروگردھاری لعل نے کہا تھا کہ …

درشنا تیرے لئے ایک دن کیا گل کھلائے گی، لیکن رانی شردھا کے دل میں اس محبت کرنے والی لڑکی کے لئے کبھی میل بھی نہ آیا۔ وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہتی تھی۔ سچ سچ اگر رانی کی کوئی بیٹی ہوتی تو بھی وہ درشنا کی طرح اسے پیار نہ کرتی۔

رانی شردھا ٹٹول ٹٹول کر درشنا کو دیکھا کرتی تھی۔ اس کے چہرے اور بدن کی تبدیلیاں محسوس کرتی تھی۔ درشنا کے بدن میں اب جوانی کی پھبن شروع ہوگئی تھی اور نرم و ملائم بدن جس انداز میں پرورش پا رہا تھا اس کا احساس رانی شردھا کو بھی تھا لیکن رانی شردھا اس احساس سے خوفزدہ نہیں تھی۔

دوسری طرف پورن لعل تھا۔ جس نے نجانے کس جذبے کے تحت رانی شردھا کو سچ سچ اپنی ماں کا درجہ دے دیا تھا۔ اس کے لئے بہت سی خادمائیں اور باندیاں رکھ دی گئی تھیں۔ درشنا کو وہ اپنی بہن ہی کی طرح چاہتا تھا۔ یہ کہ ان لوگوں کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جو رانی شردھا یا درشنا کے لئے تشویش کا باعث ہوتی۔

البتہ درشنا کے اندر اب کچھ تبدیلیاں ہونے لگی تھیں۔ عموماً وہ دونوں رات کو ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں بلکہ درشنا زیادہ تر رانی شردھا کے چھپر کھٹ پر ہی سوتی تھی اس رات بھی رانی شردھا جب اپنے چھپر کھٹ پر سونے گئی تو درشنا اس کے ساتھ لیٹ گئی۔ آدھی رات کو درشنا اٹھ گئی عجیب سے خواب اسے پریشان کررہے تھے۔ آہٹ ہوئی تو رانی شردھا بھی اٹھ گئی۔

''کیا بات ہے درشنا۔ کیوں جاگ رہی ہے تُو......'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر درشنا کے سر کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے پوچھا...... لیکن درشنا ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''کون ہو تم......'' اس کی آواز ابھری؟

''درشنا بیٹی...... درشنا...... کیا ہوا درشنا...... تیری ماں ہوں۔ تیری ماتا ہوں میں۔''

رانی شردھا نے کہا اور درشنا اٹھ گئی...... اس نے رانی شردھا کے ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔

''کیا بات ہے آخر کیوں اٹھ گئی تو۔'' شردھا دونوں ہاتھ پھیلا کر بولی۔

''رانی جی تم یہاں......'' شردھا نے کہا اور رانی شردھا پریشان ہوکر خود بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''درشنا کوئی سپنا دیکھ رہی ہے تو...... کیا ہوگیا ہے تجھے۔ بتاتی کیوں نہیں......''

''سپنا...... ہاں شاید سپنا ہی دیکھ رہی ہوں جنم جنم سے...... اٹھو مہارانی جی! اٹھ جاؤ۔'' درشنا کی آواز میں سختی تھی...... رانی شردھا پریشان ہوگئی۔

"درشنا...... درشنا کیا ہوا تمہیں۔"

"نہیں میں درشنا نہیں، سنجوگتا ہوں۔"

"کون سنجوگتا...... کیا بک رہی ہے تُو...... سپنا دیکھا ہے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے۔ لیٹ جا آرام کر، سوجا...... آنکھیں بند کر لے...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اٹھو رانی کندھاری اٹھو...... تمہیں معلوم ہے تم کیا کر چکی ہو۔" درشنا نے کہا۔

"کندھاری۔" رانی شردھا چونک پڑی یہ بات تو گرو گردھاری لعل نے بھی اسے بتائی تھی اور درشنا کو آج تک اس نے گرو گردھاری لعل کی کہانی نہیں سنائی تھی، لیکن اس وقت درشنا کے منہ سے کندھاری کا نام سن کر رانی شردھا حیرت زدہ رہ گئی۔

"درشنا۔" اس کی لرزتی آواز ابھری۔

"میں نے کہا نا میرا نام درشنا نہیں...... سنجوگتا ہے۔"

"کون سنجوگتا...... کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔"

"اٹھ جاؤ رانی کندھاری۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں۔" درشنا نے کہا۔

"کیسے بتائے گی رے...... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہے...... نجانے کتنی رات بیت گئی ہے۔"

"اٹھو رانی کندھاری! بڑی باتیں کرنی ہیں بڑے حساب چکانے ہیں تم سے۔ کب تک تم دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلتی رہو گی...... کب تک تم سنجوگتا کے دل پر ناگن بن کر بیٹھی رہو گی۔"

"درشنا......" رانی سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"آؤ میرے ساتھ...... آؤ میں تمہارے من کی آنکھیں کھول دوں...... آؤ سر گھنشیامی کی چال ناکام کر دو......" درشنا نے رانی شردھا کا ہاتھ پکڑ لیا اور طاقت وہمت سے اسے اٹھا لیا...... رانی شردھا بادل نخواستہ اس کے ساتھ چل پڑی...... وہ اندھی ضرور تھی لیکن طویل عرصے سے اس جگہ رہ رہی تھی اور ایک ایک قدم پہچانتی تھی اور اس لئے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ دروازے کی طرف جا رہی ہے۔

لیکن اس کے بعد درشنا اسے کہاں لے گئی، یہ اسے معلوم نہ ہوا۔ کافی طویل سفر کیا تھا رانی شردھا نے...... وہ تھک گئی تھی۔ "اس جگہ کو پہچانو کندھاری، جانتی ہو یہ کیسی ہے۔"

"دیوانی ہے تو تو، تجھے معلوم نہیں کہ میں اندھی ہوں۔"

"تم اندھی نہیں ہو کندھاری! پاپی گھنشامی نے تمہاری آنکھوں پر جالا تان دیا ہے۔ اس نے تمہاری آنکھیں بند کر دی ہیں تاکہ اس کی مرضی پوری ہونے تک تم کچھ نہ جان سکو۔"

"مگر میں تو اندھی ہوں۔"

"اور گھنشامی کا یہ کھیل بھی ختم کر دوں۔" درشنا یا سنجوگتا نے کہا اور رانی شردھا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑی۔ رانی کے نتھنوں سے لوبان کی خوشبو ٹکرائی، کوئی انوکھی جگہ تھی۔

"یہ تلسی باٹ ہے...... سچ اور جھوٹ کی پرکھ یہاں پر ہوتی ہے۔ مانگو اپنے من کی آشا مانگو۔"

"کون سی آشا۔"

"کیا ہے تمہارے من میں۔"

"بہت کچھ ہے، میرے من میں تو بہت کچھ ہے درشنا! تُو بول میں کیا مانگوں۔"

"ارے تلسی دھر اگر رانی کندھاری کی آنکھوں میں جھوٹا جال ہے تو اسے اس کی روشنی واپس کر دے اور اگر بھگوان کی یہی مرضی ہے تو اسے اندھا رہنے دے...... اس جھوٹ کو ختم کر دے۔ تلسی دھر تو جھوٹ توڑنے والا ہے۔" درشنا کی آواز ابھری اور رانی شردھا آنکھیں پٹپٹانے لگی۔ تب اسے ایسا لگا جیسے اس کی آنکھوں سے دھند چھٹتی جا رہی ہو اور پھر اس نے روشنی دیکھی...... ایک سیاہ رنگ کی بدنما مورتی رکھی ہوئی تھی اور اس کے چرنوں میں ایک چراغ روشن تھا۔

رانی شردھا کا دل اچھلنے لگا...... کیا وہ خود کوئی سپنا دیکھ رہی تھی...... کیا یہ سب جھوٹ ہے خواب ہے...... لیکن...... لیکن اسے نظر آنے لگا تھا، وہ دیکھ سکتی تھی...... اب اس کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی تھی۔

"درشنا...... درشنا۔" وہ دیوانہ وار بولی اور اس کی آنکھوں نے ایک پیکر حسن و جمال کو دیکھا یہ درشنا تھی۔

"درشنا میری بچی۔" اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، لیکن درشنا پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں رانی کندھاری! مجھے سنجوگتا کہو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"میرے سینے سے تو لگ جا میں تجھ سے بڑا پریم کرتی ہوں۔"

"یہ اندھے پن کی بات تھی رانی جی...... اب تم دیکھ سکتی ہو۔ میرے تمہارے بیچ بڑی

دیواریں ہیں۔"

"کیسی دیواریں۔"

"وہی دکھانے تو لائی ہوں۔"

"تو دکھا۔ میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آ رہی۔"

"سمجھنا چاہتی ہو۔"

"ہاں ری سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"تو آؤ...... یہاں تو میں تمہیں گرو گردھاری لعل کا طلسم توڑنے لائی ہوں تمہاری آنکھیں کھل گئی ہیں اب تم سب کچھ پرکھ سکتی ہوں...... آؤ...... آؤ......" سنجوگتا نے کہا اور رانی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑی...... کئی سرنگوں سے گزر کر وہ ایک ٹو ہوئے محل میں داخل ہو گئی...... جہاں پر گھور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔"

"بھرت نواس۔"

"بھرت نواس۔" رانی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہ محل جو اب منوں مٹی کے نیچے ہے لیکن جو کبھی اپنی شان و شوکت کے لئے مشہور تھا۔ بڑی کہانیاں وابستہ ہیں اس محل میں آؤ میں تمہیں دکھاؤں...... آؤ اور اس جگ پہچانو۔" سنجوگتا اسے لے کر ایک جگہ پہنچی اور پھر اس نے پتھر کے نیچے سے ایک چراغ نکا کر اسے دکھایا۔ "اسے پہچانتی ہو۔"

"یہ کیا ہے...... ارے اس میں تو خون ہے اور یہ انگلی۔"

"اسے پہچانو۔"

"یہ کس کی ہے۔" رانی شردھا نے کہا۔

"یہی تو میرا اپکار ہے رانی جی...... یہی تو میرا امان ہے۔ یہی تو میری سچائی ہے، اگر چراغ بجھ جائے تو میرے من کی جوت بھی بجھ جائے گی اور اس کے بعد جنم جنم کا یہ کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"کیسا کھیل۔" شردھا نے کہا۔

"کھیل پریم کا ہے رانی جی! میں نندراج سے پریم کرتی تھی۔ آؤ...... آج میں تم یہ پریم کہانی بھی سنا دوں...... آؤ رانی شردھا...... دیکھو...... من کی آنکھوں سے دیکھو، کی گھاٹ ہے...... دیکھو...... وہ صبح کی آمد کے منتظر کھڑے ہیں اور...... اور وہ دیکھو

مہاراج نندراج ہیں...... یہ صدیوں پہلے کی بات ہے......" اس نے کہا اور وقت کی دھول اڑنے لگی حال ماضی کے کنویں میں جا پڑا۔

ماحول ہی بدل گیا...... صبح کی آمد آمد تھی...... چڑیاں چہچہا رہی تھیں...... سرسبز کھیت لہلہا رہے تھے۔ جمنا کے گھاٹ پر اشنان ہو رہا تھا...... سامنے ہی جمنا کے کنارے ایک خوبصورت محل نظر آ رہا تھا۔

یہ بھرت نواس تھا۔

چاروں طرف لوگ پھیلے ہوئے تھے...... عجیب عجیب لوگ نظر آ رہے تھے۔ پھر سورج کی پہلی کرن نے زمین کو چھوا اور مندروں میں ناقوس پھونکے جانے لگے...... پوجا شروع ہو گئی تھی۔ گھنٹے بجنے لگے تھے اور پھر سورج ابھر آیا۔

گوردھنا کے راجہ یدھ راج کے محل میں داسیاں اِدھر سے اُدھر پھر رہی تھیں۔ راج کمار نندراج صبح کی سیر کے لئے تیار ہو گیا۔ بارہ بیلوں کے رتھ پر سوار ہو کر وہ بہت سے پیدلوں اور سواروں کے ساتھ سیر کو چل پڑا۔ بازار نکل گئے تھے...... سواروں کے آگے گھنٹیاں اور ناقوس سیر بج رہے تھے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ مہاراج نندراج سیر کو نکلے ہیں، ان کے سامنے سے وہ سارے کے سارے ہٹ جائیں جو نیچ ذات کے ہیں۔ کافی فاصلے پر ایک برہمن اعلان کرتا ہوا چل رہا تھا۔

"نگر باسیو! راجکمار جی! صبح کی سیر کو نکلے ہیں۔ تم میں جو نیچ ذات کا ہو راستے سے ہٹ جائے تا کہ راج کمار پر اس کا سایہ بھی نہ پڑے اور یاد رکھو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" اور چھوٹی ذات کے لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے جس کو جہاں جگہ مل رہی تھی، چھپ رہا تھا۔ ان کی ناپاک آنکھوں کو مہاراج نندراج کی صورت دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ وہ نیچ ذات تھے۔

نندراج کا رتھ کشادہ اور شفاف راستوں سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک ننگ دھڑنگ بچہ جس کی کمر کے پاس جنیو، ایک لمبا سا سفید دھاگہ جو ہندو ڈالے رہتے ہیں بندھا ہوا تھا۔ ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ رتھ کے بیلوں کے پھبن دیکھ کر آگے بڑھ آیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے نندراج کو جھانکنے لگا۔

سواروں نے جو دیکھا تو دو تین سوار آگے بڑھ آئے۔ انہوں نے ننگ دھڑنگ بچے کو پکڑ لیا پھر ایک سوار نے اسے بالوں سے پکڑ کر اوپر لٹکا دیا۔ بچہ رونے لگا۔ چھوٹا سا ننھا سا بچہ ظاہر ہے اسے اپنی غلطی کا علم نہ تھا۔ وہ بری طرح رونے اور کراہنے لگا اور اس بچے کو طرح

طرح کی اذیت دی جانے لگی۔ اونچی ذات کے لوگ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے لیکن کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ تب ایک سوار نے کہا۔

''یہ کس کا بچہ ہے۔ کیا کسی نیچی ذات والے کا ہے۔''

''صورت سے ہی معلوم ہوتا ہے جناب! پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔'' دوسرے نے جواب دیا۔

''کس کی مجال ہوئی کہ اس بچے کو اس طرح چھوڑ دیا۔''

''ماردو اسے...... ماردو کم بخت کو۔'' سوار نے کہا اور بچے کو زمین پر پٹخ کر گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل دیا گیا۔ بچے کی شکل بگڑ گئی تھی۔ اس کے بدن کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ نندراج کا رتھ رک گیا تھا۔ تب ہی ایک حسین اور نوخیز لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور بچے کی لاش سے لپٹ گئی۔

''ستیاناس ہو جائے تمہارا پاپیو، جنم جنم تمہیں سکون و چین نصیب نہ ہو۔ بھگوان کرے تم کتے کی موت مرو۔ بدبختو تمہارا ستیاناس تم نے میرے بھائی کو مار ڈالا...... پاپیو تم نے میرے بھائی کو مار ڈالا۔'' سوار سیخ پا ہو کر آگے بڑھے...... اسی وقت نندراج نے بے چین ہو کر گردن رتھ سے نکالی۔

تین سواروں نے لڑکی کے بال اپنی ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے اور لڑکی کو اٹھانے کے لئے زور لگا رہے تھے۔ لڑکی بپھری ہوئی شیرنی کسی کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ بمشکل تمام اسے بچے کی لاش سے اٹھایا گیا۔ لڑکی دوبارہ سواروں کو گالیاں دینے لگی۔ سوار اسے بری طرح مار رہے تھے۔ تب نندراج بے چین ہو کر نیچے اتر آیا...... تمام لوگ جھک گئے تھے۔

''رک جاؤ...... کیا کر رہے ہو یہ۔'' نندراج نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور سوار جو لڑکی کو بری طرح زدوکوب کر رہے تھے۔ ایک دم رک گئے۔

دمکتا ہوا حسین چہرہ...... زندگی کی تمتماہٹ سے بھرپور، آنکھوں میں جھیلوں کی سی گہرائی، عنابی ہونٹ لیکن اس وقت غم و اندوہ سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ مارنے سے جگہ جگہ نشانات پڑ گئے تھے لیکن اب وہ بھی بپھری ہوئی تھی...... نندراج جب اس کے سامنے آیا تو نفرت بھری نگاہیں اس پر ڈالیں اور بولی۔

''تو نندراج ہے۔''

''ہاں میں ہی نندراج ہوں۔''

''مرجائے بھگوان کرے تو، کتے کی موت مرجائے...... بھگوان کرے تیرا ستیاناس جائے...... تیری راج دھانی فنا ہو جائے تو پاپی زندہ نہ رہے تو ختم ہو جائے۔'' لڑکی نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے...... بھگوان چاہے گا تو یہ سب کچھ بھی ہو جائے گا مگر تم کون ہو؟''

''دیکھ...... دیکھ تو نے میری بھائی کا کیا حال کیا...... کم بخت تو نے میرے بھائی کا ناس کر ڈالا...... مار ڈالا اسے...... تجھے موت نہ آئی...... ارے پاپی وہ تو تجھے دیکھنے آیا تھا۔ اسے تو صرف تیرے بیلوں کی سج دھج کھینچ لائی تھی۔ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا، ورنہ ہم اسے آنے نہ دیتے۔ مار دیا پاپی، تو نے اسے مار دیا۔ تیرے پاپی ساتھیوں نے مار دیا۔ بھگوان کرے تیرا ستیاناس ہو جائے۔'' لڑکی نے کہا اور نندراج نے متاسف انداز میں لاش کی طرف دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے دیوی مجھے افسوس ہے۔''

''افسوس ہے۔ پاپی تیرے افسوس کرنے سے کیا ہوگا۔ مجھ سے تو میرا بھائی بچھڑ گیا اور تو صرف افسوس کر رہا ہے۔'' اس نے دردناک لہجے میں کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بچے کی لاش اب بھی اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ نندراج نے آگے بڑھ کر لاش کو اٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف خونخوار انداز میں دیکھنے لگا پھر بولا۔

''تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے۔'' اور سپاہیوں کے چہروں کے رنگ اڑ گئے۔

''مہاراج یہ اچھوت ہے اور آپ کے رتھ کے سامنے آ گیا تھا۔'' ایک سپاہی نے کہا۔

''تو پھر کیا قیامت آ گئی تھی...... کیا ہو گیا تھا۔''

''یہ اچھوت ہیں مہاراج! نیچ ذات ہیں۔''

''انسان تو ہیں۔ تم نے بڑا انیائے کیا ہے۔''

''یدھ راج مہاراج کا حکم ہے اور پھر یہ نئی بات نہیں ہے...... ان اچھوتوں کو کسی بھی راج میں راجاؤں کے سامنے نہیں آنے دیا جاتا۔''

''میں، میں نہیں مانتا...... یہ انسان ہیں۔ تم نے اس بچے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے تمہیں اس کی سزا ملے گی۔''

''مہاراج۔''

''بکو مت...... لاؤ یہ ہنٹر مجھے دے دو۔'' راج کمار نے ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور

سوار نے ہنٹر اس کے ہاتھ میں دے دیا..... تب نندراج نے لڑکی طرف دیکھا۔

''جس نے تیرے بھائی کو مارا ہے تُو اسے مار دے..... یہ ہنٹر لے اپنے ہاتھ میں۔''

''اس سے میرا بھائی تو مجھے نہ مل جائے گا۔ تم لوگ پاپی ہو۔ تمہیں اس پاپ کی سزا بھگوان دے گا۔'' لڑکی بدستور رو رہی تھی۔

''مہاراج انہیں منہ نہ لگائیں..... یہ لوگ.....'' سوار بولا اور مہاراج نندراج نے وہ ہنٹر اس کے منہ پر دے مارا۔

''دور ہو جاؤ میرے سامنے سے.....اور لڑکی تم سنو..... میں تمہارے بھائی کو زندہ تو نہیں کر سکتا لیکن میں کوشش کروں گا کہ تمہارے اوپر سے یہ کشٹ دور کر سکوں۔ تم کہاں رہتی ہو۔''

''ندی کے اس پار جہاں اچھوت رہتے ہیں۔ ادھر کھیتوں میں کام کرتی ہوں۔'' لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' راج کمار نے کہا۔

''سنجوگتا۔'' اس نے اسے جواب دیا اور بچے کی لاش گود میں لے کر ایک طرف چل دی۔ رتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

نندراج بہت اداس تھا۔ صبح کی سیر میں بھی اس کا دل نہ لگا۔ رہ رہ کر اس بچے کی لاش اور روتی ہوئی لڑکی یاد آ رہی تھی۔ پھر وہ سیر سے واپس ہو کر گھر پہنچ گیا۔ اس کی ماں درشنی نے اس کی شکل دیکھی تو چونک پڑی۔

''راج کمار.....''

''ماتا جی۔''

''کیا بات ہے میرے لعل کچھ اداس ہو۔''

''ہاں ماتا جی۔''

''دیکھو میرے بچے اداسی کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔''

''ہاں ماتا جی۔''

''اپنی ماتا کو نہیں بتاؤ گے۔''

''ایک سوال میرے من میں ہے ماتا جی۔''

''کیسا سوال میرے بچے!''

''سارے منش ایک جیسے ہوتے ہیں..... پھر یہ شودر اور چھتری ایک ذات کیوں نہیں

بنا۔''

''ایک ذات..... بھلا سب ایک ذات کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''کیا ذاتیں بھی بھگوان بناتا ہے۔''

''کیوں نہیں۔''

''میں یہ بات نہیں مانتا ماتا جی۔''

''ارے..... ارے کیا ہو گیا تمہیں..... یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر ذاتیں بھگوان نہ بناتا تو سب ایک جیسے نہ ہوتے۔''

''ایک جیسے تو ہیں ماتا جی..... بھگوان نے جنہیں الگ بنایا ہے۔ وہ تو الگ ہیں..... انسانوں اور جانوروں میں فرق ہے یہ ایک جیسے نہیں ہوتے، لیکن اگر بھگوان انسانوں میں فرق رکھنا چاہتا تو شودروں کی شکل دوسری ہوتی..... چھتریوں کی دوسری ہوتی۔ ساری ذاتوں کی شکل ایک دوسرے سے الگ ہوتی۔''

''تو بڑے غلط کہتے آئے ہیں کیا۔''

''ہاں ماتا..... بڑے بھی ہمارے جیسے ہی انسان تھے۔ ساری باتیں انہوں نے سچ ہی تو نہیں کہی ہوں گی۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو نندراج۔''

''سچ کہہ رہا ہوں ماتا جی۔ اچھوتوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ بڑا انیائے ہو رہا ہے ان کے ساتھ..... میں اس ریت کو بدلنا چاہتا ہوں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''اسے ممکن بنایا جائے ماتا جی..... آج ایک افسوس ناک واقعہ ہوا ہے۔ مجھے اس کا بڑا دکھ ہے۔''

''کیسا واقعہ۔'' رانی درشنی نے پوچھا اور نندراج نے اسے پورا واقعہ بتایا۔ واقعہ سننے کے بعد وہ بولی۔

''دوش اس بچے کا تھا۔''

''کیا معلوم بچہ دوشی ہو سکتا ہے ماتا جی۔''

''اس کی بہن کو چاہیئے تھا کہ اسے سنبھالتی اور پھر وہ بھی تمہارے سامنے آ گئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ صبح ہی صبح کسی شودر کا سایہ پڑ جائے تو پھر دن نحوست میں گزرتا ہے۔''

''میں ان باتوں کو نہیں مانتا ماتا جی..... میں پتا جی سے بات کروں گا۔'' نندراج نے

بھرے ہوئے لہجے میں کہا اور اٹھ کر یہاں سے چلا آیا۔

لیکن بات ختم نہیں ہوئی۔ سپاہیوں نے یہ واقعہ یدھ راج کے گوش گزار کر دیا اور نمک مرچ بھی لگائی۔ انہوں نے کہا کہ لڑکی نے نندراج کو بڑی بددعائیں دی تھیں اور باکی سے اس کے سامنے آ گئی تھی۔

''کون تھی وہ لڑکی اسے گرفتار کر کے لایا جائے۔'' راجہ نے حکم دیا، لیکن مہا منتری نے درمیان میں دخل دیا۔

''راج کمار سے تو اس بارے میں پوچھ لیا جائے۔ ابھی کوئی ایسا کام نہ کیا جائے۔''

''سپاہی جھوٹ تو نہیں بول رہے ہوں گے منتری جی...... اگر نیچ ذات اس طرح سامنے آنے لگے تو آپ نہیں جانتے کیا ہو جائے گا۔'' بڑے بچاری شری گھنشامی درمیان میں دخل دیا جو دربار میں موجود تھے۔

''پھر بھی گھنشامی مہاراج...... راج کمار سے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟'' منتری جی نے کہا اور راجہ یدھ راج نے سپاہیوں کو راج کمار کو بلانے کے لئے بھیج دیا لیکن راج کمار خود اس طرف آ گیا تھا۔

''جے ہو مہاراج یدھ کی۔'' نندراج کی آواز ابھری۔

''جے ہو مہاراج نندراج کی......'' سارے دربار نے آواز لگائی اور نندراج، یدھ راج کے پاس جا بیٹھا...... یدھ راج نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا اور پھر اس کے ذہن میں چند ساعت قبل کا خیال آ گیا، چنانچہ اس نے بھاری آواز میں کہا۔

''میں نے تمہیں ایک خاص کام سے بلایا ہے نندراج۔''

''میں بھی آپ کے پاس ایک خاص کام سے ہی آ رہا تھا مہاراج پتا جی۔'' نندراج نے جواب دیا۔

''اوہ تمہیں ہم سے کوئی کام ہے۔''

''جی پتا جی۔''

''کیا کام ہے تمہیں؟''

''پہلے مہاراج آپ بتائیے کہ نندراج سے آپ کو کیا کام ہے۔''

نندراج نے کہا اور یدھ راج گردن ہلانے لگا۔

''سپاہیوں نے بتایا ہے بیٹے! کہ آج صبح جب تم سیر کو جا رہے تھے تو کوئی شودر لڑکا تمہارے رتھ کے سامنے آ گیا تھا۔ جسے سپاہیوں نے مار ڈالا۔ کیا ایسا ہوا تھا؟''

''ہاں پتا جی مہاراج ایسا ہوا تھا۔ ایک معصوم بچے کے ساتھ ان سورماؤں نے یہ انیائے کیا تھا۔'' نندراج نے کہا اور تمام درباری چونک پڑے۔

''معصوم بچہ...... کیا وہ شودر نہیں تھا۔'' سوامی گھنشامی داس نے پوچھا اور نندراج اس کی جانب پلٹ پڑا۔

''گھنشامی جی وہ بچہ پہلے تھا اور شودر بعد میں تھا۔ کیا منش شودر ہو کر منش نہیں رہتا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں راج کمار...... شودر نیچ ذات ہیں۔ برہمنوں کے راستے میں انہیں خود نہیں آنا چاہئے۔ اگر ہم نے انہیں یہ جرأت دے دی تو آئندہ وہ ہمارے قریب آ کر کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے۔'' گھنشامی داس نے کہا۔

''میں اس بات کو نہیں مانتا مہاراج۔'' نندراج بولا۔

''کیا مطلب......'' اس بار یدھ راج نے نندراج کی بات میں دخل دیا تھا۔

''مہاراج ... ایک معصوم بچہ جسے ذات پات کے بارے میں صحیح طور سے معلوم ہی نہیں۔ اگر راج کمار کے سامنے آ جاتا ہے تو وہ اس قابل تو نہیں کہ اسے موت کی سزا دے دی جائے۔''

''وہ تو اس قابل نہیں نندراج...... لیکن اس کے رکھوالے تو اسی قابل ہیں کہ انہیں ...... موت کی سزا دی جائے۔ بچے کو انہوں نے کیوں چھوڑ دیا تھا۔'' یدھ راج مہاراج نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں پتا جی مہاراج...... اچھوت نیچ ذات ضرور ہیں۔ پر انسان ہیں...... اگر انہیں برابر کا درجہ نہ دیا جائے تو کم از کم انسان کا درجہ تو ضرور دیا جائے۔ اگر کوئی شودر راستے میں آ جائے تو یہ تو اس سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ راستے سے ہٹ جائے یا اسے چھوٹی موٹی سزا دی جا سکتی ہے لیکن گھوڑے سے کچل کر مارنا تو انسانوں کی حرکت نہیں ہے۔ یہ تو جانوروں کی سی حرکت ہے۔ کسی معصوم بچے کو اس طرح مارنے سے کسی بھی سورما کا کیا فائدہ ہوا۔''

''خوب...... خوب۔'' گھنشامی داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یدھ راج تمہارا بیٹا کیا کہہ رہا ہے۔''

راجہ یدھ نے نندراج کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''شودروں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے تھا نندراج! تم جذباتی ہو اور راجاؤں کو جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ کوئی شودر لڑکی تمہارے سامنے آ کر تمہیں کوس رہی تھی۔''

''ٹھیک کر رہی تھی مہاراج...... ہم نے اس کا بھائی مار دیا تھا۔ ایک ننھا سا بچہ، وہ

نجانے کتنا پیار کرتی ہوگی اس سے۔ وہ بہن تھی مہاراج...... اگر وہ ہمیں کوس رہی تھی تو ٹھیک کر رہی تھی۔ اسے ہمیں کوسنا چاہیئے تھا۔'' نندراج نے کہا۔

''ہرگز نہیں نندراج...... کسی شودر کی زبان حلق میں رہنے نہیں دی جا سکتی۔ اگر وہ کسی برہمن کے خلاف بولے اور وہ بھی راج کمار نندراج کے خلاف...... سپاہیو! نندراج نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ ایک شودر لڑکی نے نندراج کو برا بھلا کہا ہے۔ جاؤ اور اسے گرفتار کر کے لے آؤ۔ اگر شودر اس کے لانے میں کوئی رکاوٹ بنیں تو قتل عام کر دینا۔ ایک ایک کو مارنا......'' یدھ راج نے سنگین لہجے میں کہا، لیکن نندراج سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''نہیں پتا جی مہاراج! ایسا نہیں ہوگا۔''

''ایسا ضرور ہوگا نندراج......! اور اگر تم نہیں مانتے تو...... تو۔'' مہاراج یدھ راج کی آواز غیض و غضب سے لرز رہی تھی۔

''اور اگر ایسا ہوا پتا جی مہاراج...... تو نندراج آپ کی اس راجدھانی میں نہیں رہ سکے گا۔ کوئی سپاہی شودروں کی جانب نہ جائے اور لڑکی کو کچھ نہ کہا جائے۔ اگر اسے کچھ کہا گیا تو میں آتما ہتھیا کر لوں گا۔'' نندراج نے کہا اور سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ خود یدھ راج منہ پھاڑ کر رہ گیا تھا۔

گھنشامی داس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک تھی۔ یدھ راج چند ساعت تو بت بنا رہا۔ پھر اس نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''نندراج تم شودروں کی اتنی حمایت کیوں کر رہے ہو۔''

''آخر وہ بھی تو انسان ہیں مہاراج۔''

''لیکن...... لیکن...... اس لڑکی کی گستاخی کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے۔''

''ایک ہی بات ہو سکتی ہے مہاراج۔''

''وہ کیا؟'' یدھ راج نے پوچھا۔ وہ بیٹے کے حق میں کچھ نرم پڑ گیا۔

''اسے اس کا بھائی دے دیا جائے اور پھر اسے اس کی گستاخی کی سزا دی جائے۔'' نندراج نے کہا اور یدھ راج حیرانی سے نندراج کو دیکھنے لگا پھر متعجب لہجے میں بولا۔

''بھائی دے دیا جائے۔''

''ہاں پتا جی! اس کو بھائی دے دیا جائے۔ جسے ہم نے کچل کر مار ڈالا ہے۔''

''اگر وہ مر چکا ہے تو واپس کیسے آ سکتا ہے۔''

''نہیں آ سکتا تو آپ کو اس لڑکی کو سزا دینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔''

''تم گستاخی کر رہے ہو نندراج۔''

''ہاں مہاراج کر رہا ہوں اور اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو جو کچھ میں نے کہا ہے وہ بھی کر ڈالوں گا۔ میں اس دیش میں جیتا نہیں رہ سکتا۔ جہاں انسانوں کے ساتھ جانوروں والا سلوک کیا جاتا ہے۔''

''انسانوں میں اور شودروں میں فرق ہوتا ہے۔''

''میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اس لئے اس لڑکی کو کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ آئندہ یہ حکم دیا جائے گا کہ اگر کوئی شودر اتفاق سے راستے میں آ جائے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا جائے...... سزا دینے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔''

''یہ نہیں ہو سکتا نندراج۔''

''نہ ہو مہاراج! کوئی بات نہیں ہے، لیکن ایک بات آپ بھی کان کھول کر سن لیں۔ آپ کی موت کے بعد جب میں راجہ بنوں گا تو سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ شودروں کو بھی انسانوں کا حق دوں گا۔ اگر آپ اس ریت کو توڑنا نہیں چاہتے ہو تو آپ کے لئے یہی بہتر ہے مہاراج کہ مجھے موت کی سزا دے دیں۔'' نندراج نے کہا اور پاؤں پٹختا ہوا دربار سے نکل آیا۔ سارے دربار میں بھنبھناہٹیں رقصاں تھیں۔ لوگ طنزیہ لہجے میں ایک دوسرے سے نندراج کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ مہامنتری جی خاموش تھے۔ غالباً ان کا مزاج بھی نرم تھا اور وہ کسی حد تک نندراج کی باتوں سے متفق نظر آتے تھے۔ تب گھنشامی جی نے مسکراتے ہوئے مہاراج سے کہا۔

''پریشان نہ ہوں مہاراج۔ چنتا کی کوئی بات نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ادھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''چنتا کی بات، بات تو ہے گھنشامی جی...... یہ سب کیا ہے۔ نندراج کیا کہہ رہا ہے...... وہ ہمارا بیٹا ہو کر ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ کیا شودروں کو بھی انسانوں کا حق دیا جا سکتا ہے۔''

''کبھی نہیں دیا جا سکتا...... جب کسی شودر کو برہمن کے سامنے آ کر بات کرنے کا موقع دیا گیا تو ساری لیلا ہی پلٹ جائے گی۔ اس سنسار میں ایسے پاپ ہوں گے کہ انسان جیتا نہ رہ سکے گا۔ اونچی ذات کے لوگ سڑکوں پر کتوں کی طرح بھونکتے پھر رہے ہوں گے۔ یہ گھنشامی کی پیشن گوئی ہے۔''

''نہیں مہاراج نہیں...... ایسی باتیں نہ کریں۔''

"میں نہیں کہہ رہا یدھ راج جی...... آپ کا بیٹا کر رہا ہے۔"

"وہ ابھی بچہ ہے۔"

"اس بچے کو سمجھائیں یدھ راج جی...... ورنہ آگے چل کر حالات بہت ہو جائیں گے۔" گھنشامی نے کہا اور اپنی جنیو کو ہاتھ میں لے کر وہاں سے چل پڑے۔

☆======☆======☆

راجہ یدھ راج پریشان ہو گیا تھا۔ یہ صورتِ حال اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ کافی وہ الجھا بیٹھا رہا۔ پھر اس نے دربار برخاست کر دیا۔ سب سے اس نے یہی کہا کہ وہ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ گھنشامی جی کی بات اس کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ کوئی معمو نہ تھی۔ یہ سوامی گھنشامی داس...... بڑے مندر کے پجاری تھے اور ان کے متعلق بڑی کہانیاں مشہور تھیں...... وہ اتنے بڑے گیانی تھے کہ یدھ راج کو اپنی حکومت میں ا شمولیت پر فخر تھا۔ بڑے بڑے راجہ گھنشامی داس کے پاس گیان لینے آتے تھے اور ا راج پاٹ کی باتیں معلوم کر کے چلے جاتے تھے۔ اس طرح یدھ راج کی حکومت خاص حیثیت حاصل تھی۔ لوگ اس حکومت کی عزت کیا کرتے تھے۔ صرف اس وجہ وہاں گھنشامی داس بذاتِ خود موجود ہیں۔ ان گھنشامی داس نے نندراج کے بارے کچھ کہا تھا وہ خاصی تشویش ناک بات تھی، چنانچہ راجہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

شام کو وہ پوجا کرنے بڑے مندر گیا تو وہاں گھنشامی داس موجود تھے۔ جب ا ہو گئی تو راجہ نے گھنشامی داس سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور گھنشامی دا راجہ یدھ راج کو اپنی خلوت گاہ میں بلوایا۔ راجہ کو دیکھ کر وہ مسکرائے اور آنکھیں بند گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"مجھے معلوم تھا یدھ راج کہ تم آؤ گے۔"

"اوش...... اوش...... آپ کو ضرور معلوم ہوگا مہاراج۔" راجہ یدھ راج نے کہ

"کہو کیا کہنا ہے۔"

"آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا مہاراج کہ مجھے کیا کہنا ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نندراج کی اس حرکت سے پر ہو گئے ہو۔ کیونکہ تم اونچی ذات کے برہمن ہو۔"

"مہاراج بچہ ہے کیسے سمجھایا جائے اس کو۔ آپ ہی بتائیں۔" یدھ راج نے

"یدھ راج بڑے بھولے ہو تم۔"

"کیا مطلب ہے مہاراج۔" یدھ راج نے حیرت سے کہا۔

"بات بچے کی نہیں بلکہ ایک نوجوان کی ہے۔ نندراج جوان ہو چکا ہے۔"

"ہاں! مہاراج جوان تو ہو گیا ہے۔ مگر ابھی اس کی سوچ بالکل بچوں کی سی ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"میں نہیں سمجھا مہاراج۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"بھگوان کے لئے آپ مجھے روشنی دکھائیں۔"

"روشنی دیکھنا چاہتے ہو یدھ راج۔" گھنشامی نے پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔"

"تو پھر جاؤ۔ بھیس بدل کر اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر شودروں کی بستی چلے جاؤ اور اس لڑکی کو جا کر دیکھ لو۔ جس کی وجہ سے نندراج کے ذہن میں بغاوت پیدا ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب...... میں نہیں سمجھا مہاراج۔"

"وہ بہت سندر ہوگی...... جوان ہوگی...... ایسی سندر ہوگی کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر من ہار سکے۔ شودروں میں بھی خوبصورت لڑکیاں موجود ہیں۔ نندراج پر یہ کٹھنا بلاوجہ نہیں آئی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی۔ میرا گیان یہی کہتا ہے کہ لڑکی کی خوبصورتی نے نندراج کو دیوانہ کر دیا ہے۔ ورنہ بچے کی موت کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہے۔"

"تو وہ...... تت...... تو وہ...... تو وہ۔"

"ہاں یدھ راج ہاں...... نندراج اس لڑکی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ میرا گیان یہی کہتا ہے لیکن ممکن ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔ تم کیوں نہ یہ کرو کہ رات کو بھیس بدل کر اس بچے کے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ جو صبح مارا گیا ہے۔ اس میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

"میں جاؤں گا مہاراج...... اوش جاؤں گا، پر...... پر مہاراج آپ کی بات سچی ہی ہوئی تو کیا کیا جائے۔" اس نے پوچھا۔

"اس سلسلے میں پریشان نہ ہو یدھ راج...... ابھی تو سمے ہے جاؤ، پہلے جو کچھ میں نے کہا ہے اسے پورا کرو۔ جو کچھ دیکھ کر آؤ مجھے بتاؤ۔ پھر اس سلسلے میں بھی کوئی اپائے بتا دوں گا۔" گھنشامی داس نے مسکراتے ہوئے کہا اور یدھ راج وہاں سے اٹھ آیا، لیکن وہ بے حد پریشان تھا اور گھنشامی داس کی ان باتوں نے اسے اور بھی پریشان کر دیا تھا۔ اگر ان کی

باتیں سچ ہی نکلیں تو کیا ہوگا۔ اس نے سوچا، لیکن گھنشامی داس معمولی انسان نہیں ہے۔
ان کی بات کی تصدیق کیے بغیر نہ رہ سکوں گا۔"

اس نے ضروری تیاریاں کیں۔ دو آدمیوں کو ساتھ لیا اور بھیس بدل کر
علاقے سے دریا پار کیا۔ شودروں کا محلہ دریا پار تھا۔ دریا سے نکل کر وہ بستی کی جانب
بڑھے اور تھوڑے دیر کے بعد تاریک بستی میں داخل ہوگئے۔

بہت بڑی بستی تھی لیکن اتفاق سے وہ صحیح جگہ پہنچے تھے۔ ایک مکان سے بین کر
آواز سنائی دے رہی تھی۔ چند افراد گھر کے سامنے جمع تھے۔ "یہ کیا ہوگیا بھائی۔" یدھ
نے پوچھا اور لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں۔"

"کہیں باہر سے آئے ہو۔"

"ہاں۔" یدھ راج نے جواب دیا۔

"تبھی تو...... کوئی خاص بات نہیں ہے گوپی ناتھ کا بیٹا راج کمار کے رتھ کے
چلا گیا تھا۔"

"تو پھر؟"

"سپاہیوں نے کچل کر مار ڈالا۔"

"کتنا بڑا لڑکا تھا۔"

"چھ سال کا۔"

"اتنے بڑے بچے کو دریا پار کیوں بھیجا تھا؟"

"موت آئی تھی بھیا بس...... اپنی بہن کے ساتھ چلا گیا تھا۔ بہن کی نظر بچی او
کمار کو دیکھنے بھاگ گیا۔"

"بہن کہاں ہے اس کی۔"

"وہ بیٹھی ہے سر جھکائے۔" انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا اور یدھ راج
افسوس کی آوازیں نکالنے لگا۔ پھر وہ لوگ لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ راجہ یدھ راج
کے پاس پہنچ کر کہا۔

"تو ہے گوپی ناتھ کی بیٹی۔" اور لڑکی نے بادل نخواستہ گردن اٹھائی۔ راجہ نے
شکل دیکھی اور دنگ رہ گیا۔ آخر کار گھنشامی داس کی پیشن گوئی درست ثابت ہوئی تھی

حسین لڑکی کو دیکھ کر تو ہوش و حواس گم ہونے ہی چاہئیں تھے اور نندراج یقیناً حواس کھو بیٹھا
تھا۔

لڑکی نے گردن ہلا دی۔ "تو کیا کرنے گئی تھی اس سے۔"

"اپنا کام کرو جاؤ۔ میں کوئی جواب نہیں دوں گی۔"

"سنا ہے تو نے راج کمار کو بڑے کوسنے دیئے ہیں۔"

"برا کیا تھا میں نے، مجھے خود افسوس ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیوں؟"

"میرے بھائی کو تو اس کے سپاہیوں نے مارا تھا۔"

"مگر وہ سپاہی تو اسی کے تھے۔"

"اس کے نہیں یدھ راج کے تھے۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"دو باتیں ہیں۔" لڑکی نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔"

"یدھ راج کا بیٹا یدھ راج کی طرح ظالم نہیں ہے۔"

"تو یدھ راج ظالم ہے۔"

"پاپی ہے...... الگوری ہے چھو......" سنجوگتا نے کہا اور پھر یدھ راج کے سپاہی
تلواریں نکالنے لگے، لیکن یدھ راج نے انہیں روک دیا۔

"تو راجہ کو برا کہہ رہی ہے سنجوگتا۔"

"بھگوان نے چاہا تو اس کے راج کی اینٹ سے اینٹ بجے گی اور راجہ یدھ راج
کتے کی موت مارا جائے گا۔" سنجوگتا نے کہا اور یدھ راج وہاں سے ہٹ آیا۔ اس کو خطرہ تھا
کہ کہیں سنجوگتا کی باتیں اس کے آدمیوں کے لئے ناقابل برداشت نہ ہوجائیں اور وہ اسے
قتل کردیں۔ اس وقت یہ بات ٹھیک نہیں رہے گی۔ خاص طور سے نندراج کے تیور جو اس
وقت راجہ یدھ راج نے دیکھے تھے۔ وہ کافی خطرناک نظر آئے تھے۔ بہرحال اس بات کی
تصدیق ہوگئی تھی کہ سنجوگتا اتنی ہی حسین تھی کہ اسے دیکھ کر نندراج کے حواس کھو جانا قدرتی
بات تھی۔

راجہ دل میں بے پناہ تفکرات لیے وہاں سے پلٹا تھا اور پھر وہ محل میں آ گیا۔ گھنشامی
داس نے اسے جو کچھ بتایا وہ حرف بہ حرف درست نکلا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا

کرے۔ سنجوگتا ایک شودر لڑکی تھی اور کسی شودر لڑکی پر دل ہارنا راج کمار کی توہین تھی۔ کافی غور و خوض کے بعد راجہ یدھ راج نے اپنے مشیروں اور مہامنتری کو بلا بھیجا اور خود ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ سنجوگتا کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہ بڑی کینہ فطرت سرکش لڑکی ہے، لیکن اس کے ساتھ بے پناہ حسین بھی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے بلاؤں اور قتل کر دوں، لیکن میرے ذہن میں ایک بات ہے۔ ممکن ہے نندراج اور سخت ہو جائے۔"

"وہ آپ کا بیٹا ہے مہاراج...... آپ جو کچھ کریں گے وہ اس سے اختلاف کیسے کر سکتا ہے۔"

"کر سکتا ہے۔ جوانی بڑی سرکش ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں مانتی...... نندراج کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔"

"گھنشامی داس ہی اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکیں گے۔" راجہ کے مشیر نے کہا۔

"میں گھنشامی داس سے بھی اس سلسلے میں پوچھ لوں گا لیکن آپ بتائیں مجھے کیا اپائے کرنا چاہیئے۔"

"یہی مہاراج کہ اس لڑکی کو قتل کرا دیں۔ خاموشی سے یہ کام کر دیں۔ کسی کو کانوں کان پتہ نہ چلے اور خطرہ بھی ٹل جائے گا اور تو اور اسے اپنی بکواس کی سزا بھی مل جائے گی اور شودروں کے کان بھی نکل جائیں گے کہ برہمنوں کے منہ لگنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

"لیکن اگر نندراج کو اس بات کا شبہ ہو گیا تو۔"

"تو کیا ہے مہاراج آپ کے سامنے وہ بول سکیں گے۔" مہامنتری نے کہا۔

"یہی بات میرے لئے فکر کا باعث ہے کیونکہ نندراج بہت ضدی اور خودسر لڑکا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں گھنشامی داس سے مشورہ ضرور لوں گا اور یہ کام آج رات کو ہی کروں گا۔"

چنانچہ دوسری رات بھی راجہ یدھ راج بڑے مندر کے پجاری گھنشامی داس کے پاس پہنچ گیا۔ بڑا پجاری مرگ چھالا بچھائے تپسیا میں مصروف تھا۔ بڑا پُراسرار آدمی تھا یہ، عمر کا کوئی تعین ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ راجہ یدھ راج اپنے بچپن ہی سے اسے اس عالم میں دیکھ رہا تھا۔ بہرصورت گھنشامی داس نے تپسیا سے فارغ ہو کر اسے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھ آئے۔"

"ہاں مہاراج!" راجہ نے جواب دیا۔

"میری بات جھوٹی نکلی۔"

"نہیں گھنشامی داس تمہاری بات کبھی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا دھرم ہے اور اپنے دھرم کا کوئی اپمان نہیں کرتا۔" راجہ یدھ راج عقلمندی سے بولا اور گھنشامی داس کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ گھنشیامی داس کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "چلو ٹھیک ہے اب تم کیا کہتے ہو؟"

"میں کیا کہوں گا مہاراج! میں اس قابل کہاں۔ جو کچھ کہنا ہے آپ ہی کو کہنا ہے۔"

"نہیں یدھ راج گیان کے بھی بہت سے پھیر ہوتے ہیں اور بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے علم میں آ جاتی ہیں۔ پر ہم بتا نہیں سکتے کسی کو، تم یوں کرو کہ سمے کا انتظار کرو۔ حالات پر نگاہ رکھو۔ نندراج کو دیکھو کہ وہ کس ڈگر پر چل رہا ہے۔ اگر کوئی خطرناک بات دیکھو اور حالات تمہیں اپنے بس سے باہر نظر آئیں تو ہم سے مشورہ کر لینا، ورنہ دیکھتے رہو سمے کیا کہتا ہے۔"

"کوئی خطرناک بات ہو گئی مہاراج تو؟"

"کیا خطرناک بات ہو گی؟"

"میرا مطلب ہے نندراج نے اس سے ملنے کی اگر کوشش کی تو۔"

"تو تم اس کوشش کو ناکام بنا دینا۔"

"میرے من میں تو ایک اور بات ہے مہاراج؟"

"وہ کیا؟"

"کیوں نہ اس لڑکی کو قتل کر دیا جائے۔"

"سنجوگتا کو۔" گھنشیامی داس نے پوچھا۔

"اوہ تو آپ اس کا نام بھی جانتے ہیں۔" یدھ راج نے تعجب سے کہا۔

"ہم بہت کچھ جانتے ہیں یدھ راج، بہت کچھ جانتے ہیں اور ان ہی جاننے والی باتوں میں یہ بھی ہے یدھ راج کہ سنجوگتا کو قتل نہیں کر سکو گے۔ اگر تم اسے اس سمے قتل کرو گے تو ایک بہت بڑا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ ایک طوفان جس سے تم نمٹ نہیں سکتے۔ ہاں سمے آنے دو وہ تمہارے ہی ہاتھوں قتل ہو گی، لیکن سمے آنے پر۔" گھنشیامی داس نے کہا اور یدھ راج گردن ہلانے لگا۔ وہ خاصا متوحش نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں دیکھ کر گھنشیامی داس بولے۔

’’پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے یدھ راج! اپنے آدمیوں کو نندراج کے پیچھے لگائے رکھو اور دیکھو سے کیا کہتا ہے۔ سنجوگتا کو بھی آزاد رہنے دو اور نندراج کا خیال رکھو۔‘‘

’’تو میں اسے قتل نہ کراؤں؟‘‘

’’ہرگز نہیں...... اس سے تمہارے لئے کچھ خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ ابھی ہاتھ نہ ڈالو، تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو......‘‘ گھنشیامی داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’جو آگیا مہاراج کی۔‘‘ یدھ راج نے کہا اور پریشان سا چہرہ لئے وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

☆======☆======☆

بھوجن کے کمرے میں بھان متی اور کیدوراج موجود تھے۔ دونوں انہیں دیکھ کر ہنس پڑے۔

’’آؤ بھئی تم لوگوں نے تو بہت دیر لگا دی۔‘‘

’’بس یہ مہاراج ہری راج ہی لڑکیوں کی طرح نخرے کر رہے تھے۔ میں ہی انہیں اٹھا کر لائی ہوں، ورنہ نجانے کتنی دیر میں آتے۔‘‘ پوجا نے شرارت بھرے انداز میں کہا اور کیدوراج ہنسنے لگا۔

’’بھان متی بہن تمہاری یہ بیٹی بڑی ہی نٹ کھٹ ہے۔‘‘ کیدوراج نے کہا اور بھان متی مسکرانے لگی۔

خاموشی سے صبح کا ناشتہ کیا گیا۔ تب پوجا نے بھان متی کی طرف دیکھا اور بولی۔ ’’ماما جی کیا ہری راج جی ہماری یہاں آمد کو پسند نہیں کرتے، کیسے چپ چپ ہیں یہ...... کیوں ہری راج جی؟‘‘

’’نہیں پوجا دیوی ایسی کوئی بات نہیں ہے؟‘‘

’’تو پھر آپ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتے؟‘‘ پوجا بولی۔

’’ہاں ہری راج پوجا میری بہن کی بیٹی ہے۔ تم اس کا پورا پورا خیال رکھو، بلکہ ایسا کرو کہ آج اسے آس پاس کے علاقوں کی سیر کرا دو۔ تم چاہو تو سپاہیوں کو ساتھ لے جا سکتے ہو اور چاہو تو اکیلے ہی گھوڑوں پر جا سکتے ہو۔ جیسی تمہاری مرضی۔‘‘ کیدوراج نے کہا۔

’’نہیں ماما جی ہم سپاہیوں کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ سپاہی ہماری نگرانی رکھیں گے اور ہم ٹھیک سے یہاں کی چیزیں دیکھ بھی نہ پائیں گے، چنانچہ آپ ہری راج مہاراج سے کہیں یہ خود ہی ہمارے ساتھ چلیں۔‘‘

’’ہاں بیٹے تم پوجا کے ساتھ چلے جاؤ۔‘‘

’’مم...... میں...... میں۔‘‘ تلک راج نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

’’ارے تم پوجا سے ڈر رہے ہو؟‘‘ کیدوراج نے کہا۔

’’نہیں میں کسی سے نہیں ڈرتا۔‘‘

’’تو پھر اس کے ساتھ جانے سے کیوں گھبرا رہے ہو؟‘‘

’’بس یونہی میں سوچ رہا تھا کہ اگر جانا ہے تو سپاہیوں کو بھی کیوں نہ ساتھ لے لیا جائے۔‘‘

’’ہاں ہاں اگر کہیں سانپ نکل آیا تو۔‘‘ پوجا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا اور تلک راج اکڑ گیا۔

’’یہ بات نہیں ہے میں کسی سے نہیں ڈرتا چلو۔‘‘

’’یہ ہوئی نا بات۔‘‘ پوجا مسکرا کر بولی اور تلک راج کے ساتھ باہر نکل آئی۔

’’تو تم کسی سے نہیں ڈرتے ہری راج جی۔‘‘

’’ہاں میں کسی سے نہیں ڈرتا۔‘‘

’’مجھ سے بھی نہیں۔‘‘

’’تم...... تم کوئی ڈرنے کی چیز ہو...... تم ہو ہی کیا۔‘‘ تلک راج مسکرا کر بولا۔

’’چیز تو میں بڑی خطرناک ہوں۔ پر تم سے کیا کہوں؟ تم تو ہو ہی اتنے سندر کہ تمہارے سامنے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ میں بھلا تمہیں کیا کہہ سکتی ہوں۔‘‘ پوجا نے معنی خیز لہجے میں کہا اور تلک راج نے گردن ہلا دی۔ پوجا کی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ پر وہ ان کو کوئی خاص اہمیت بھی نہیں دیتا تھا۔

ضروری تیاریوں کے بعد وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر چل پڑے۔ راج کمار ہری راج جدھر سے گزرتا لوگ اسے جھک جھک کر سلام کرتے۔ پوجا نے جب یہ انداز دیکھا تو مسکرا کر بولی۔ ’’ہونے والے راجہ کو لوگ جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں۔ پر تم نے یہ بھی سوچا ہری راج جی کیا تم راجہ بن سکتے ہو؟‘‘

’’کیوں...... یہ بھی سوچنے کی بات ہے؟‘‘

’’بات تو ہے۔‘‘

’’کیا بات ہے تم مجھے بتاؤ۔‘‘ ہری راج بولا۔

’’چلو تو سہی اس ہنگامے میں کیا بتاؤں۔ جسے دیکھو دوڑا چلا آ رہا ہے۔ یوں لگ رہا

ہے جیسے ساری رعایا تمہیں دیکھتے ہی باہر نکل آئی ہے۔ میں تو پریشان ہو کر رہ گئی ہوں
گھوڑے کو تیز بھگاؤ اور یہاں سے نکل چلو۔'' پوجا نے کہا اور ہری راج نے گھوڑے کی رفتار
تیز کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سنسان علاقوں میں نکل آئے۔ ہری راج کا رخ ایک
ٹوٹے ہوئے مندر کی جانب تھا جس کی کسی زمانے میں دور دور تک دھوم تھی لیکن اب وہ تباہ
و برباد ہو گیا تھا۔ البتہ اس کے قرب و جوار کے علاقے سرسبز اور حسین تھے۔ مندر کے پاس
ایک چھوٹی سی جھیل بھی تھی جس کے کنارے سبزہ ہی سبزہ اگا ہوا تھا۔ یہ جگہ بہت ہی
خوبصورت تھی اور اکثر تلک راج ادھر نکل آتا تھا۔

ہری راج کا رخ خود بخود اس طرف ہو گیا۔ جب اس نے جھیل کے پاس پہنچ کر گھوڑا
روکا تو پوجا اس حسین منظر کو دیکھ کر جھوم اٹھی اور سرشاری کے عالم میں بولی۔ ''یہ تو بہت ہی
خوبصورت جگہ ہے ہری راج۔'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں مجھے بھی پسند ہے۔''

''تمہاری پسند واقعی اچھی ہے۔'' پوجا نے کہا اور ذرا آگے بڑھ گئی۔ پھر تیز آواز میں
بولی۔ ''یہاں بیٹھ کر من کو بڑی شانتی ملتی ہے۔''

''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔'' ہری راج نے
کہا۔

''ہاں راجہ بننے والی بات...... مگر تم نیچے تو آؤ...... بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ دیکھو یہ
گھاس کیسی ہری ہے۔ بالکل یوں لگ رہا ہے جیسے ریشم کے ٹکڑے بچھا دیئے گئے ہوں۔''

تلک راج بھی گھوڑے سے اتر کر اس کے قریب آ گیا اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ
گئے۔ ''وہ بات تو میں نے بس یونہی ہنسی میں کہہ دی تھی۔'' پوجا نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس
پڑی۔

''دیکھو پوجا مجھے صاف باتیں کرنا پسند ہیں۔ تم کوئی ایسی ویسی بات کرو تو اس کا
مقصد بھی ضرور ہونا چاہیئے۔''

''مقصد......'' پوجا نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں......''

''مقصد تو ہر بات کا ہوتا ہے ہری راج۔ بس سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں ہونی چاہئیں
پر آپ کے بارے میں بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' پوجا نے کہا۔

''مثلاً کون سی بات ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' تلک راج نے پوچھا۔

''یہی کہ آپ کون ہیں؟''

''کیا مطلب؟''

''آپ ہری راج تو نہیں ہیں۔'' پوجا نے معنی خیز لہجے میں کہا اور تلک راج ایک
لمحے کے لئے بھونچکا سا رہ گیا۔ ''میرا مطلب آپ ہری راج تو ہیں، پر ماما جی کے بیٹے نہیں
ہیں۔'' پوجا جلدی سے بولی اور تلک راج نے سکون کے گہرے گہرے سانس لیئے۔

''گھبرا گئے تھے۔'' پوجا پھر معنی خیز انداز میں بولی اور تلک راج نے دونوں آنکھیں
بند کر لیں، یہ لڑکی...... یہ لڑکی...... یہ لڑکی...... کیا کہہ رہی ہے یہ لڑکی۔

''نہیں میں تو نہیں گھبرایا۔''

''نہیں مہاراج گھبرائے ہوئے تو لگ رہے ہیں آپ...... میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ
آپ ماما جی کے بیٹے نہیں ہیں۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ ماما جی آپ کو کہیں سے لائے ہیں
اور انہوں نے آپ کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور یہ بات بھی مجھے معلوم ہے ہری راج مہاراج کہ
آپ آئندہ ہونے والے راجہ ہیں اور آپ کے مقابلے میں کوئی نہیں آئے گا۔ پر ہری راج
جی بڑی گھٹنائیں ہیں آپ کے راستے میں۔''

''کیسی گھٹنائیں۔'' تلک راج نے پوچھا۔

''جس نے آپ کو بھیجا ہے ابھی خود اس کا راستہ بھی صاف نہیں ہے۔'' پوجا نے کہا
اور ہری راج نے پھر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور تعجب سے بولا۔

''مجھے بھیجا ہے۔''

''ہاں...... میرا مطلب ہے آپ جہاں سے بھی آئے ہیں جس ارادے سے بھی
آئے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوگا۔''

''پوجا تم نہ جانے کیا کہہ رہی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ٹھہر
سکوں گا۔''

''کیوں ہری راج جی...... آخر ایسی کون سی بات کہہ دی میں نے جو آپ کو اتنی بری
لگ گئی۔''

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں پوجا مجھے معموں میں بات کرنا بالکل پسند نہیں ہے
اور تم مسلسل مجھے فضول باتوں میں الجھا رہی ہو۔ مجھے افسوس ہے میں تمہارا ساتھ نہیں دے
سکتا، اس لئے واپس جا رہا ہوں۔ تم اپنی مرضی سے واپس آ جانا۔'' ہری راج نے کہا اور
واپسی کے لئے مڑنے لگا تب ہی پوجا کی دلکش آواز ابھری۔

''رک جاؤ ہری راج...... تم اس سے نہیں ٹھہر سکتے...... پھر پوجا سے بچ کر کہاں جا
گے؟'' پوجا کی آواز میں دھمکی پوشیدہ تھی۔

''میں نہیں جانتا تم ایسی فضول باتیں کیوں کر رہی ہو؟ میں کیدو مہاراج سے کہہ دوں
گا، مجھے پوجا کا ساتھ بالکل پسند نہیں ہے۔''

''ارے ارے مذاق کی بات کا اتنا برا مان گئے۔ میں تو تمہاری مہمان ہوں۔''

''مہمان تو ہو پر تمہاری باتیں میرے لئے بے حد تکلیف دہ ہیں۔'' ہری راج
سے بولا۔

''اچھا چلو اب نہیں کروں گی ایسی باتیں، چلو دوسری باتیں کرتے ہیں۔ پر تم خود ہی
مجھے بتا دو کہ کون سی باتیں کی جائیں، کیا پریم کی باتیں ہو سکتی ہیں؟''

''نہیں......'' تلک راج نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہوں تو تم پریم کے بارے میں جانتے ہو؟''

''کون نہیں جانتا پریم کے بارے میں۔''

''ارے میں اس پریم کے بارے میں کہہ رہی ہوں جو ایک نر کو ناری سے ہوتا ہے۔''

''میں بھی اسی پریم کی بات کر رہا ہوں۔''

''تو تم اس پریم سے واقف ہو؟''

''ہاں کیوں نہیں؟''

''تو پھر تم نے ابھی تک کسی سے پریم کیوں نہیں کیا؟''

''ضروری ہے یہ بات تمہیں بتا دی جائے۔''

''بہت ضروری ہے ہری راج جی۔'' وہ بولی۔

''پوجا دیوی جب میں آپ سے سخت لہجے میں بات کرتا ہوں تو آپ کہتی ہیں کہ
آپ میری مہمان ہیں اور اس کے بعد آپ خود ایسے سوالات کرتی ہیں جن کا جواب میرے
پاس نہیں ہے۔ بھگوان کے لئے مجھے ان ساری باتوں پر مجبور نہ کریں۔ میں آپ کو اپنی ذاتی
زندگی کے بارے میں کوئی بات نہیں بتا سکتا۔''

''تم نہیں بتا سکتے پر میں تمہیں تمہاری ذاتی زندگی کے بارے میں سب کچھ بتا سکتی
ہوں ہری راج۔''

''میں تم سے بھی نہیں پوچھنا چاہتا۔''

''نہ پوچھو خود ہی بے کل رہو گے۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھنا، پوجا تمہاری سہانتا

رکتی ہے۔ چلو آؤ واپس چلیں۔'' پوجا نے کہا اور وہ دونوں چل پڑے۔ گو پوجا کی باتیں
تلک راج کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں، لیکن محل پہنچ کر وہ خاصا پریشان ہو گیا۔ دو پہر ہوئی، شام
ہوئی، رات ہوئی لیکن اس کی پریشانی کسی بھی طور ختم نہ ہوئی۔ کئی بار وہ پوجا کے سامنے جا چکا
تھا اور پوجا سادہ سا چہرہ بنا کے خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اب تک اس نے کوئی خاص بات نہیں
کی تھی۔ رات کو جب وہ اپنے بستر پر لیٹا تو اس کے ذہن میں بے شمار خیالات آنے لگے۔
وہ پریشانی سے پوجا کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ لڑکی اپنی شخصیت میں نہ جانے کیا
ہے، حالانکہ یہ بھان متی کی بیٹی ہے، لیکن نہ جانے کیوں یہ مجھے عجیب سی لگ رہی ہے۔ کہیں
اسے میرا کوئی راز معلوم نہ ہو۔

یہ خیال تلک راج کے لئے بہت خوفناک تھا۔ بہت دیر تک وہ پریشانی سے اس
بارے میں سوچتا رہا اور جب پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا خیال
تھا کہ وہ پچھلے باغ میں جا کر چہل قدمی کرے۔ شاید تازہ ہوا اور فرحت بخش ماحول اس کی
بے چینی کا مداوا کر سکے، چنانچہ وہ خاموشی کے ساتھ پچھلے باغ میں نکل آیا اور درختوں کے
درمیان ٹہلنے لگا۔

لیکن چند ہی ساعت کے بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور بھی اس کے قریب ہے اس
نے چونک کر دیکھا تو پوجا کی ہنسی کی آواز اس کے کانوں میں ابھری اور وہ ساکت رہ گیا۔

''کیوں میں نے سچ کہا تھا نا۔'' پوجا کی آواز ابھری اور تلک راج خوف و دہشت
سے اسے دیکھنے لگا۔

پوجا کے یہاں موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسے کس طرح پتہ چل گیا کہ میں
یہاں ہوں۔ چنانچہ وہ ساکت و جامد اپنی جگہ کھڑا اسے گھورتا رہا۔ پوجا آہستہ آہستہ اس کے
قریب آ گئی۔ سفید ساڑھی میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب
سا وقار اور دبدبہ تھا۔

''تو ہری راج مہاراج پوجا نے جھوٹ نہ کہا تھا۔ سچ ہی کہا تھا کہ میرے بنا بے کل
رہو گے۔''

''پوجا دیوی آپ نے واقعی بہت پریشان کر دیا۔''

''پریشان میں نے نہیں کیا ہری راج جی...... میرے خیال میں، میں نے تو آپ کو
بالکل بھی پریشان نہیں کیا۔''

''یہ آپ مجھ سے پوچھیں پریشان تو میں ہوا ہوں۔''

''میں نے نہیں کیا، بلکہ تمہارے من کے چور نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔'' پوجا نے کہا۔

''بھلا کیا چور ہے میرے من میں؟''

''یہ تو تم اپنے منہ سے بتاؤ گے ہری راج جی، بلکہ اگر مجھے آگے بڑھنے کا موقع دو تو میں یوں کہوں تلک راج جی......'' پوجا نے کہا اور تلک راج کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ وہ دہشت سے آنکھیں پھاڑے پوجا کو دیکھ رہا تھا۔

''نہ...... نہ...... من میں کوئی برا خیال لانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا نا پوجا تمہاری سہائتا کر سکتی ہے۔''

''اف...... تم نے مجھے پاگل کر کے رکھ دیا ہے پوجا...... کیا کہوں میں تم سے...... کیسے تم سے من کی بات کہوں۔''

''کہہ دو نا ہری راج حرج ہی کیا ہے؟''

''تم نے مجھے کس نام سے پکارا ہے؟''

''بھول ہو گئی کیا مجھ سے...... جھوٹ بولی ہوں کیا میں۔''

''کیا نام لیا تھا تم نے میرا؟''

''تلک راج...... غلط لیا تھا کیا۔'' پوجا بولی۔

''یہ نام تمہارے ذہن میں کس طرح آیا؟''

''اس لئے کہ یہ تمہارا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''معلوم ہے بس اس بات کو جانے دو۔'' پوجا نے کہا۔

''تمہیں...... تمہیں بتانا پڑے گا پوجا...... میرا یہ نام تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

''میرے گیان نے...... آپ کیا سمجھتے ہیں تلک راج مہاراج۔ مجھے اس سنسار کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ ایسی باتیں جو آپ کی سمجھ میں کبھی نہ آئیں، بیٹھ جائیے۔ من چاہے تو مجھ سے باتیں کریں اور اگر ناگوار گزر رہا ہو تو واپس چلی جاؤں؟''

''پوجا بھگوان کے لئے مجھے پریشان نہ کرو...... مجھے اتنا پریشان مت کرو کہ میرا دماغ چٹخ جائے۔''

''نہ نہ نہ...... میرے من میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھگوان نہ کرے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں تمہاری دوست ہوں، بشرطیکہ تم سمجھو۔''

''مم...... میرا مطلب ہے...... میرا مطلب ہے...... اف...... اف بھگوان۔'' تلک راج دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور پوجا اس کے قریب آ گئی۔

''اگر آ گیا دو تو تمہارا سر اپنی آغوش میں لے لوں۔ بڑی شانتی ملے گی۔''

''نہیں پوجا مجھے تنگ نہ کرو۔'' تلک راج پریشانی سے بولا۔

''میری بات مان کر دیکھو۔'' پوجا نے کہا اور تلک راج کا سر اٹھا کر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔ تلک راج کو اس کی آغوش میں ایک عجیب سا احساس ہوا اسے کوئی شانتی نہیں ملی تھی بلکہ اس کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اس آواز سے فریب ہے اس پریم سے انکار ہے جو سمادھی میں رہنے والی روح سے اسے ہے۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی۔ پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ وہ مجبور ہے۔ کم از کم اس لڑکی سے وہ راز تو اگلوا لے جو اس کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آخر یہ لڑکی اس کا نام کیسے جان گئی۔ اپنی زندگی میں پہلی بار اسے ایک ایسی لڑکی ملی تھی جو اس کی پچھلی زندگی سے واقف تھی۔ ورنہ اب تک اس نے اپنی ذہانت سے کسی کو اس بات کا شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کون ہے لیکن پوجا کے منہ سے اپنا نام سن کر دہ ششدر رہ گیا تھا۔ ہاں وہ اس بات کے لئے مجبور تھا کہ پوجا کی بات مانے، لیکن اس کے من میں کیا ہے۔ یہ وہی جانتا تھا، چنانچہ وہ اسی طرح لیٹا رہا۔ تب پوجا نے اس سے پوچھا۔

''کیوں تلک راج شانتی مل رہی ہے نا۔''

''ہاں بہت۔''

''میں نے کہا تھا نا پوجا کے پاس تمہارے لئے بہت کچھ ہے۔''

''مگر میں پریشان ہوں پوجا۔''

''کیوں؟''

''تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟''

''مجھے تو تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے تلک راج۔''

''کیا...... مجھے بتاؤ تو سہی؟''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟''

''اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے تمہارے پتا جی کا نام بھی معلوم ہے تو۔''

''مگر، جب تمہیں میرا نام معلوم ہے تو ظاہر ہے یقیناً ان کا نام بھی معلوم ہو گا۔ مگر...... مگر

"ہاں مگر کیا؟"

"پوجا اس محل میں اس جگہ میرے اصل نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔ اگر میرا یہ بھید
کسی کو معلوم ہو جائے تو یقین کرو میری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔"

"یہ بات بھی مجھے معلوم ہے۔"

"تو پھر کیا تم اس نام کو چھپاؤ گی؟"

"ہاں...... مگر اس کے لئے کچھ شرطیں ہوں گی۔"

"شرطیں؟"

"ہاں! شرطیں۔" پوجا نے کہا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

"کیا شرط ہے تمہاری۔" تلک راج مردہ سے لہجے میں بولا۔

"میں تم سے پریم کرتی ہوں ہری راج...... تمہیں مجھے ایک وچن دینا ہوگا۔"

"کیسا وچن؟"

"یہ کہ جب تم راجہ بن جاؤ گے تو تمہاری رانی میں بنوں گی۔ بھان متی کی بیٹی پوجا
تمہاری دھرم پتنی ہوگی۔ بولو تلک راج اگر تمہیں یہ بات منظور ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو
پھر تم پوجا کو اپنا دوست مت سمجھنا۔ کسی بھی سے میری زبان کھل سکتی ہے۔" پوجا نے کہا اور
تلک راج دہشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ کیسی کڑی شرط تھی یہ...... راجہ بننے کے
بعد اسے پوجا سے شادی کرنا ہوگی۔ پوجا سے، حالانکہ وہ کسی طور پوجا کو اپنی زندگی میں داخل
کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، لیکن اگر اس نے پوجا کو وچن دے دیا تو پھر اسے یہ وچن پورا
کرنا ہی ہوگا۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ تلک راج اس کی آغوش میں سر رکھے سوچ رہا تھا اور
پوجا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ تب اس نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

"کیا سوچنے لگے تلک راج؟"

"تمہاری اسی بات کے بارے میں سوچ رہا ہوں پوجا...... نجانے آنے والے
حالات کیسے ہوں گے۔ ہمیں کیسے کیسے مراحل سے گزرنا پڑے۔ ان حالات میں اگر تمہیں
میں وچن دے دوں تو کیا یہ ٹھیک رہے گا۔"

"ہاں ٹھیک رہے گا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"اس لئے کہ میرا گیان مجھے اس بات کی اطلاع دیتا ہے کہ تمہارے راجہ بننے میں
کوئی چیز آڑے نہیں آئے گی اور اگر میں تمہارے ساتھ ہوں تلک راج تو پھر یوں سمجھو

تمہیں کوئی پریشانی ہی نہیں ہوگی۔"

"آخر تم ایسی گیانی کیسے بن گئیں؟"

"دیکھنا چاہتے ہو میرے گیان کو؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میرے گیان کے کرشمے دیکھنا چاہتے ہو تو چلو آؤ میرے ساتھ
چلو......" پوجا نے کہا اور تلک راج حیران ہو کر اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ پوجا اس کا ہاتھ پکڑے
باغ کے آخری گوشے کی جانب چل پڑی تھی اور تلک راج متحیرانہ انداز میں اس کے ساتھ
ساتھ قدم بڑھا رہا تھا۔ نجانے وہ اپنے گیان کا کون سا کرشمہ دکھانا چاہتی تھی، نجانے کیا
ہونے والا تھا، بہر حال وہ اس کے ساتھ باغ کے آخری گوشے میں پہنچ گیا۔

پوجا نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیئے اور تلک راج کے چاروں طرف
دھواں پھیل گیا۔ پھر اس دھوئیں میں چند شکلیں نمودار ہونے لگیں۔ سب کی سب جانی پہچانی
شکلیں تھیں۔ مادھولال، جے چند، رانی شردھا اور نجانے کون کون۔ رانی شردھا کو دیکھ کر
تلک راج کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی تھی۔

"ماتا جی...... ماتا جی......" آواز خاصی زوردار تھی۔ پوجا نے دونوں ہاتھ نیچے
کر لئے اور ایک لمحے میں سب کچھ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پوجا کے ہونٹوں پر وہی معنی
خیز مسکراہٹ تھی۔

"سب کچھ...... سب کچھ، تمہارے من کی ہر آشا پوری ہو جائے گی تلک راج۔ پر
مجھے وچن دے دو۔"

"تم...... تم آخر کون ہو...... کون ہو تم؟" تلک راج نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ پوجا
اپنے مخصوص انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

"پوجا ہوں اور کون ہوں؟"

"مگر پوجا یہ سب کچھ جو تم نے دکھایا یہ کیا تھا؟"

"میں نے کہا نا میرا گیان اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"پوجا تم اتنی کم عمر ہونے کے باوجود اتنی بڑی گیانی ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا
تھا۔"

"خیر اب سوچ لینا...... پوجا گیانی ہے جو کچھ بھی ہے۔ مگر ایک بات تم سے کہہ چکی
ہوں وہ بات جو اس کے من میں چھپی ہوئی ہے اور وہ بات جو تمہیں دیکھ کر اس کے من میں

جاگ اٹھی تھی، وہ اب تمہارے کانوں تک بھی پہنچ چکی ہے۔ میں اب یہ بات چھپانا ض
نہیں سمجھتی راج کمار ہری راج کہ میں...... میں تم سے بے انتہا پریم کرتی ہوں۔ بہت
ہوں میں تمہیں...... میں نے جب تمہیں دیکھا بھی نا تھا اور میرے کانوں میں پہلی بار تمہا
بات پڑی تھی تو نجانے کیوں میرے دل کی دھڑکنیں یہ کہنے لگی تھیں کہ وہ تم ہی ہو جس کی
تلاش ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں کہہ رہی تلک راج...... تمہارے بارے میں معلو
کرتے ہوئے بھی میرے من میں تمہارے لئے بڑی جگہ تھی اور پھر جب میں نے
بارے میں کوئی فیصلہ کیا تو میرے من کو اسی طرح شانتی مل گئی جیسے سنسار میں، میں نے
کچھ پا لیا ہے۔ ہری راج میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری آنکھوں میں تم نے دیکھ لیا
مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ جیسے جو کچھ میں نے کہا ہے یا جو کچھ میں نے سوچا ہے جھوٹ
تھا۔ تم خود ہی بتاؤ میں اب تمہیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ ہری راج! بھگوان کی سوگند میرا گیا
دھیان، میرا جیون، میرا پران سب تمہارے چرنوں پر واری ہیں۔ میں تمہارے بنا زند
رہ سکوں گی۔ مجھے وچن دے دو، دیکھو مجھے وچن دے دو۔ ورنہ میں مرجاؤں گی اور
خون تمہاری گردن پر ہوگا۔'' پوجا نے جذباتی انداز میں کہا۔

تلک راج اس کی باتوں سے بے پناہ پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے دل
گہرائیوں کو ٹٹول کر دیکھا تو اس لڑکی کے لئے اسے اپنے دل میں کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ اس
من تو اس سادھی میں الجھا ہوا تھا جس سے ابھرنے والی آوازیں اس کے وجود کے
سب سے بڑا سکون تھیں۔ وہ تو اپنی اسی پریمیکا کو چاہتا تھا جو آج تک اس کے سامنے بھی
آئی تھی اور چھپی ہوئی تھی، لیکن وہ اسے ہر وقت اپنے دل کی دھڑکنوں میں محسوس کرتا تھا۔

لیکن یہ لڑکی...... یہ لڑکی پوجا کتنی خطرناک ہے۔ نجانے کہاں سے آمری
نجانے اسے میرے بارے میں کس نے بتا دیا...... نجانے اسے میرے بارے میں
معلوم ہوگیا؟ کیا کروں میں...... کیا کروں...... وہ پریشانی سے سوچتا رہا اور پوجا
نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے اس کے نزدیک آکر کہا۔

''راج کمار کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں پوجا۔ بس پریشان ہوں۔''

''آخر کیوں پریشان ہو راج کمار تلک راج؟'' پوجا نے اسے اپنی مدھ بھری
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس پوجا کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' تلک راج نے مضمحل لہجے میں کہا۔

''نہیں تلک راج کوئی بات تو ہے۔'' پوجا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں پوجا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا نا...... بس اس بارے میں
سوچ رہا ہوں جو کچھ تم نے کہا ہے اور اسی وجہ سے ذہن پریشان ہے۔'' تلک راج نے
بھاری لہجے میں کہا۔

''تو کیوں پریشان ہو۔ پوجا تمہارا ہر اپکار مانے گی...... ہر جگہ تمہاری سہائتا کرے
گی۔ اگر کوئی گھٹنا تمہارے اوپر آئے گی تو وشواش کرو...... پوجا اس قسم کی لڑکی ہے جو
تمہارے اوپر نثار ہو جائے گی۔ دوسری بات کیا میں ایسی بدصورت ہوں...... سندر نہیں
ہوں...... کیا میں؟ کہ تم مجھے اپنی پتنی کی حیثیت سے سویکار نہیں کر سکتے۔''

''یہ بات نہیں ہے پوجا'' تلک راج نے مصلحتاً کہا۔ وہ اپنے دل پر جبر کر رہا تھا۔ اگر
اسے یہ خوف نہ ہوتا کہ اس کا راز کھل جائے گا تو وہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دیتا کہ جتنی سندر وہ
ہے اپنے آپ کو سمجھتی ہے۔ میں اسے جوتی پر بھی نہیں مارتا، میرے من میں جو صورت بسی
ہوئی ہے اس کے بعد اس من میں کسی اور کی گنجائش کہاں۔ وہ انسانی شکل میں نہ سہی لیکن اس
کے وجود کی ہر چاپ میری زندگی بن چکی ہے، لیکن یہ ساری باتیں تلک راج پوجا سے نہ کہہ
سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کیدو راج کو معلوم ہوگیا کہ وہ جے چند کا بیٹا تلک راج ہے اور جے
چند اس کا دشمن تھا تو کیدو راج کبھی اسے جیتا نہ چھوڑے گا۔ بلکہ اپنے انتقام کی ایک ایک
کڑی کو پورا کرے گا۔ وہ تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہری راج جے چند کا بیٹا ہو سکتا ہے
لیکن یہ کم بخت پوجا، یہ نجانے کہاں سے آگئی ہے۔ اس بدبخت کو جانے تلک راج کے
بارے میں کیسے معلوم ہوگیا تھا۔ حالانکہ اس حسین آواز نے اسے پوری طرح ہوشیار کر دیا
تھا۔ اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی سے جھوٹ بولا جائے۔ اپنے رویے میں
مصلحت پیدا کی جائے۔ وہ چھوٹی سی عمر میں ہی خوب چالاک ہو گیا تھا اور اب اسے کافی
سمجھ آگئی تھی، چنانچہ اس نے اپنا چولا بدل لیا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ
ناچنے لگی پھر وہ بولا۔

''پوجا دیوی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ذرا یہ تو بتائیں۔ آخر آپ مجھ پر یہ قبضہ
جمانے کے لئے کیوں تیار ہو گئیں۔''

پوجا نے جو اس کے اس بدلے ہوئے رویے کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ اس
نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کے بعد بالآخر تلک راج اس کی جانب متوجہ ہو ہی گیا
ہے، چنانچہ وہ بڑے ناز سے بولی۔ ''بس ہماری مرضی...... ہمارے من نے تمہیں پسند کیا اور

ہم نے فیصلہ کرلیا کہ اب تمہیں یوں نہ چھوڑیں گے۔ سچ تلک راج، اب تمہارے بنا ہمیں
ہی برا لگتا ہے۔''

''پوجا تم ضرور مجھے مرواؤ گی۔''

''کیوں؟'' پوجا نے پوچھا۔

''بار بار مجھے تلک راج کہہ کر مخاطب کررہی ہو۔''

''تو کیا ہوا...... تم ہو ہی تلک راج۔'' پوجا شرارت سے بولی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اگر کیدو راج کے کانوں میں اس بات کی بھنک بھی پڑ
وہ مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔'' ہری راج نے کہا۔

''اوہو...... تو میں کون سا تمہیں کسی کے سامنے کہہ رہی ہوں۔'' پوجا نے کہا۔

''پوجا! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے سن لیا تو میرا کیا بنے گا۔''
تلک راج نے کسی قدر ناراضگی سے کہا اور پوجا مسکرانے لگی۔ پھر شرارت آمیز
میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر تلک راج کے سامنے کردیئے اور بولی۔

''چلو ٹھیک ہے معاف کردو...... اب میں تمہیں تلک راج نہیں کہوں گی۔ پھر بھی
بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔''

''کس بات کا جواب۔''

''مجھے وچن دو کہ راجہ بننے کے بعد تم مجھے اپنی رانی بناؤ گے۔''

''عجیب بات ہے نہ تو ابھی میں راجہ بنا ہوں اور نہ ہی مہاراج...... کیدو راج
بوڑھے ہوئے ہیں۔ پھر یہ سارے وچن میں تمہیں کیسے دے دوں اور تم میری بات تو
پوجا کہ اگر میں تمہیں وچن دے دوں اور کیدو ورمنچ جی کسی اور سے میرا وواہ کرنے
بارے میں سوچیں تو پھر میں کیا کروں گا۔'' تلک راج نے سوالیہ نگاہوں سے پوجا کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا اور پوجا کے چہرے پر غصے کے آثار پیدا ہوگئے۔

''کیا تم لڑکی ہو، ہری راج؟''

''لڑکی تو نہیں پھر بھی ہر صورت کیدو راج جی کا بیٹا تو ہوں۔'' تلک راج نے کہا۔

''بیٹا'' پوجا ہنس پڑی۔

''کیوں...... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو ہری راج کہ تم کیدو راج کے بیٹے نہیں ہو۔ جس کے
ہو اسے ابھی دیکھ چکے ہو اور اگر مہاراج کیدو راج کو پتہ چل جائے کہ تم اس

کے بیٹے ہو۔ جس سے ان کی زبردست دشمنی رہ چکی ہے تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں
اس زمین پر نہ رہنے دے گا۔ تم خود سوچ لو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔''

''پوجا! اب تم خود دیکھ لو...... محبت بھی کرتی ہو دھمکیاں بھی دیتی ہو۔''

''بھگوان کی سوگند اس بات میں کوئی دھمکی نہیں۔ اب میں تمہیں کوئی دھمکی بھی نہیں
دے سکتی۔ تمہارے پریم بھرے لہجے نے میرے من کو بڑی شانتی دی ہے۔ بس من میں
ایک خیال سا آتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے ٹھکرا دو......'' پوجا نے کہا۔

''نہیں پوجا ایسا نہیں ہوگا۔''

''وچن دیتے ہو ہری راج۔''

''پھر وہی وچن والی بات۔''

''تو آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' پوجا نے کہا۔

''بس ابھی میں تمہیں وچن نہیں دوں گا۔ پہلے تم میرے من کی گہرائیوں میں بیٹھ
جاؤ۔ اس کے بعد ساری باتیں ہوں گی۔''

''میں ابھی تک تمہارے من کی گہرائیوں کو نہیں چھو سکی۔''

''ایسی بات بھی نہیں ہے۔ تم بے پناہ سندر ہو، پر تم نے ایک کام خراب کردیا ہے۔''

''وہ کیا......'' پوجا نے پوچھا۔

''مجھے ڈرا دیا ہے۔''

''ڈرا دیا ہے۔'' پوجا نے حیرت اور تعجب سے پوچھا۔

''ہاں...... ہاں میں تم سے بہت ڈرنے لگا ہوں۔''

''وہ کیوں......'' پوجا کے لہجے میں حیرت برقرار تھی۔

''بھئی دیکھو نا! تم جیسی خطرناک لڑکی کسی بھی لمحے میری کوئی کل مروڑ سکتی ہے اور میں
تمہارے سامنے بھیگی بلی بن جاؤں گا۔ نہیں پوجا دیوی ایسے نہیں بن سکتی بات، پتی بنوں گا تو
پھر پتی ہی بن کر رہوں گا۔ ڈر خوف میرے نزدیک نہیں آنا چاہیئے۔'' تلک راج نے کہا اور
پوجا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اوہ...... یہ بات تھی۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا تلک راج...... اچھا پتی دیو
مہاراج! پتی بنئے مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے لیکن یہ سوچ لیں کہ اگر کبھی دھوکا دیا آپ نے تو
اچھا نہ ہوگا۔''

''اب تمہیں کیا دھوکا دوں گا...... تم نے تو میری گردن پر خنجر رکھ دیا ہے۔''

"بھگوان نہ کرے ایسا ہو۔ میں تو تمہارے چرنوں کو دھو دھو کر پیوں گی۔ میں تمہاری ایسی سیوا کروں گی کہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں بھلا تم پر کوئی زور ڈال سکتی ہوں۔ مجھ جیسی پتنی ورتا تمہیں اور کہیں نہ ملے گی ہری راج۔" پوجا نے نگاہوں سے ہری راج کو دیکھا اور ہری راج بھی مسکرانے لگا۔

"بس مجھے یہی ایک خیال تھا پوجا کہ دواہ کے بعد کہیں تم مجھے اُلو نہ سمجھ لو۔"

"ارے نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تم پر وشواش کرتی ہوں اور تم بھی مجھ پر وشواش کرنا۔" پوجا نے کہا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ہری راج کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے اپنا سر ہری راج کے سینے پر لگا دیا۔ تلک راج کو اس کے اس لمس سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور مجبوراً اپنے دونوں ہاتھ پوجا کے بدن کے گرد پھیلا دیئے لیکن اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے معاف کر دینا میری محسن، میرے دوست، تمہاری روح کو یقیناً اس منظر سے دکھ ہو رہا ہوگا لیکن دیکھو نا میں بھی تو مجبور ہوں آخر میں کیا کروں۔ میں تم سے بے وفائی نہیں کرنا چاہتا لیکن دوست مجھے معاف کر دینا میں مجبور ہوں...... میں مجبور ہوں۔

کافی دیر تک پوجا اس کے سینے سے لگی رہی اور اس کے بعد اس نے شرارت سے آنکھیں کھول دیں۔ "چلو اب واپس چلتے ہیں، ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔"

"چلو پوجا......" تلک راج نے کہا۔

☆======☆======☆

نندراج نے جس باغیانہ انداز میں گفتگو کی تھی اس کے بعد اسے خدشہ تھا کہ راجہ یدھ راج اس کے خلاف کوئی قدم اٹھائے گا۔ سنجوگتا کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس نے نندراج کے دل میں انسانی ہمدردیاں جگا دی تھیں۔ اس حسین لڑکی کی تصویر اس کی نگاہوں سے مٹائے نہیں مٹ رہی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ اس کے سامنے پہنچ جائے لیکن کس منہ سے اس کے پاس جاتا۔ اس کا بھائی نندراج کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ نندراج کیا کہتا اس سے لیکن بے چینی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

وہ دن رات پریشان رہنے لگا۔ راجہ یدھ راج نے ابھی تک اس سے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اس دن دربار میں جو کہہ آیا تھا وہ بڑی ہی خراب بات تھی لیکن نندراج اپنے خیال پر اٹل تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر سنجوگتا کے خلاف کوئی حرکت کی گئی تو وہ اور تو کچھ نہیں کرے گا بس آتما ہتھیا کر لے گا۔ یہ اس کا آخری فیصلہ تھا اور

اسی آخری فیصلے نے یدھ راج کو بھی کسی حرکت سے باز رکھا تھا۔

نندراج دریا پار کے اچھوتوں کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنے چند خاص آدمی اس بات پر لگا دیئے تھے کہ وہ اچھوتوں کے بارے میں جا کر معلومات حاصل کر کے آئیں کہ ان کے ساتھ کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی جس سے انہیں تکلیف پہنچی ہو۔ اس کے آدمیوں نے آ کر اسے یہی اطلاع دی تھی کہ اچھوت اطمینان سے ہیں۔ نندراج کا ایک خاص دوست پرکاش جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ آج کل نندراج پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس دن بھی نندراج کے ساتھ پرکاش تھا جس دن صبح کو وہ دردناک واقعہ پیش آیا۔

نندراج کو یوں پریشان دیکھتے دیکھتے کئی دن گزر گئے۔ اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ نندراج سے یہ پوچھ سکتا کہ آخر وہ پریشان کیوں ہے لیکن پھر اس نے ہمت کی اور نندراج کے پاس پہنچ گیا۔ نندراج پرکاش کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر بولا۔

"کوئی نئی خبر لائے ہو پرکاش۔"

"نہیں راج کمار ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" پرکاش نے جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے پرکاش۔" راج کمار نے بدستور نرم لہجے میں پوچھا۔

"راج کمار مہاراج میں آج آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" پرکاش نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کہو پرکاش کیا پوچھنا چاہتے ہو اور ہاں یہ تم خوفزدہ کیوں ہو۔"

"نہیں مہاراج خوفزدہ تو نہیں ہوں۔ مگر پرکاش آج اس بات کا اندازہ لگانا چاہتا ہے کہ پرکاش آپ کا داس ہے یا دوست۔"

"میں نے تمہیں اپنا داس تو کبھی نہیں سمجھا پرکاش۔" راج کمار نے کہا۔

"پرکاش کو فخر ہے لیکن مہاراج! وہ اپنے من میں یہی بھاؤنا رکھتا ہے کہ وہ آپ کا داس ہے اور بڑا مان ہے اسے اس بات پر کہ راج کمار اسے اپنے دوستوں میں جگہ دیتے ہیں۔"

"تم ہمارے سب سے خاص دوست ہو پرکاش۔"

"خاص دوستوں کا بھی کچھ حق ہوتا ہے راج کمار۔"

"کیوں نہیں...... ہم نے اس سے کب انکار کیا۔ بتاؤ کون سا حق مانگتے ہو تم۔" نندراج نے کہا۔

''دوستی کا حق۔''

''ہم تمہیں یہ حق دینے کو تیار ہیں۔''

''تو پھر آج میں راج کمار کے من میں اترنا چاہتا ہوں۔''

''من میں۔''

''ہاں۔''

''تم تو ہمارے من میں اترے ہوئے ہو پرکاش! کون سی ایسی بات ہے جو آج تک
ہم نے تم سے چھپائی ہے۔''

''یہی تو تعجب ہے مجھے راج کمار! کہ آپ نے آج تک مجھ سے کوئی بات نہ
چھپائی ہے۔ پھر اب یہ بات کیوں چھپا رہے ہو۔''

''آخر کون سی بات۔''

''آپ آج کل پریشان ہیں۔''

''تمہیں اس پریشانی کی وجہ تو معلوم ہے پرکاش۔''

''کسی حد تک۔'' پرکاش نے جواب دیا۔

''اچھا بتاؤ کس حد تک معلوم ہے۔''

''یہ بات میرے علم میں ہے راج کمار کہ اس دن جب ایک اچھوت کا بچہ آپ کے
سامنے آ گیا تھا اور آپ کے آدمیوں نے اسے مار ڈالا تھا تو آپ نجوگنا سے ملے تھے۔ ان
سندر لڑکی جتنی بھری ہوئی تھی اور جو کچھ اس نے آپ سے کہا تھا اسے سن کر میرا دل بھی
خراب ہو گیا تھا مگر چونکہ اس کا من دکھا ہوا تھا اس لئے آپ نے اس کے کہنے سننے کا برا نہیں
مانا تھا کیونکہ اس کا من دکھا تھا اس لئے وہ بک رہی تھی۔ مگر پھر آپ نے اسے شادے دیا
میں نے کچھ نہیں کہا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھرے دربار میں اچھوتوں کے بارے میں
آپ نے بہت بڑی بڑی باتیں کہی تھیں۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اگر کوئی دوسرا کہتا تو اسے
باغی قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ مگر آپ راج کمار ہیں۔ یدھ راج کے بیٹے
ہیں۔ سو راجہ یدھ راج نے اس سلسلے میں یقینی طور پر اپنے مشیروں سے مشورہ کیا ہوگا۔
مشیروں کے کہنے پر انہوں نے کیا قدم اٹھایا یہ تو ہمیں نہیں معلوم، لیکن راجہ جی کی طرف سے
ابھی تک خاموشی ہے۔ پر آپ نے ایک اور بڑی بات کہی تھی، اس بات کا کیا وزن ہے۔''

''کون سی بات۔'' نندراج نے پوچھا۔

''آپ نے کہا تھا کہ آپ راجہ بنیں گے تو اچھوتوں پر سے ساری پابندیاں

کر دیں گے۔''

''ہاں۔ میں نے کہا تھا اور پرکاش یقین کرو اگر کبھی مجھے راجہ بننے کا موقع ملا تو اس
موقع کا فائدہ اٹھاؤں گا اور واقعی اچھوتوں کو بھی انسانوں کی حیثیت دوں گا۔ میں انہیں موقع
دوں گا کہ وہ پنڈتوں، برہمنوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ ان کے ساتھ جئیں، ان کے
ساتھ مریں، ان کے راہ و رسم میں شریک ہوں۔ ان کی بیٹیوں سے شادیاں کریں اور اپنی
بیٹیاں ان کو دیں۔ انسانوں کی یہ تفریق مجھے پسند نہیں ہے۔ انسان صرف اور صرف انسان
ہے۔ کیونکہ سب انسان ایک طرح پیدا ہوتے ہیں اور ایک طرح ہی مرتے ہیں۔ خواہ وہ
برہمن ہوں یا شودر۔ پھر تفریق کے یہ پہاڑ لوگوں نے کیوں کھڑے کر لئے ہیں۔ بھگوان کی
تو یہ اچھا نہیں تھی۔ بھگوان نے تو سارے انسانوں کو ایک ہی طرح پیدا کیا ہے اور سارے
انسان جو برہمن ہیں یا شودر بھگوان ہی کی پرارتھنا کرتے ہیں۔ تب پھر شودروں کے ساتھ یہ
سلوک کیا معنی رکھتا ہے۔''

''مگر مہاراج ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔''

''آخر کیوں مشکل ہے۔ ایسی کون سی قیامت آ جائے گی۔''

''جنم جنم سے ایسا ہی ہوتا آ رہا ہے۔''

''جو باتیں جنم جنم سے غلط کی جا رہی ہیں ان کا جاری رہنا کیا ضروری ہے۔'' راج
کمار نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''میں...... میں آپ کی بات کی نفی نہیں کر رہا مہاراج، بس ایک بات ہے پُرکھوں
کے بنائے ہوئے اصول کوئی نہ کوئی حیثیت تو رکھتے ہیں راج کمار جی۔''

''ہاں پُرکھوں نے کچھ اصول بنائے اور ان کے بعد آنے والی نسلیں ان کی تقلید کرتی
رہیں۔ اگر کبھی سچے من سے سوچا ہوتا کہ بھگوان نے ذاتیں الگ الگ بنائی ہیں تو انسانوں
میں فرق کیوں نہیں کیا لیکن اندھی تقلید کرنے والوں نے کبھی یہ نہیں سوچا، دیکھو نا بھگوان نے
جانور بنائے، کسی کو شیر، کسی کو ہاتھی، کسی کو کتا، کسی کو بلی اور کسی کو چیتا، پرندے بنائے، آبی
کیڑے اور جانور بنائے اور سب کی شکلیں الگ الگ بنائیں تاکہ ان میں تفریق محسوس کی
جا سکے۔ یہ کہا جا سکے کہ یہ شیر ہے، یہ بکری ہے، لیکن اس نے سارے انسانوں کو ایک جیسا بنایا
ہے۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں، ایک دماغ، سوچنے کی ساری قوتیں سب کی یکساں
ہیں۔ اگر بھگوان نے انسانوں کی تفریق نہیں کی تو پھر یہ انسان کیوں انسانوں کو دو حصوں
میں تقسیم کر رہے ہیں۔ آخر یہ اونچ ورنیچ کیوں ہے۔ میں نہیں مانتا پرکاش، میں نہیں مانتا۔

جس نے یہ اصول بنایا ہے غلط بنایا ہے اور اگر وہ خود اپنے اصول پر غور کر لیتا تو شاید خود ہی اسے شرمندہ ہو کر توڑ دیتا۔'' نندراج نے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہے لیکن برہمن کبھی اس اصول کو ٹوٹنے نہیں دیں گے راج کمار۔''

''میں اس اصول کو توڑنے کے لئے قتل عام کراؤں گا۔ اتنی خون ریزی کراؤں گا پرکاش کہ زمین خون سے سرخ ہو جائے گی۔ جو میرے بنائے ہوئے اصول کو نہیں مانے گا میں اسے جیتا رہنے کی اجازت نہیں دوں گا اور پھر سارے بھارت ورش میں یہ تحریک چل پڑے گی۔ تمام علاقوں کے راجاؤں، مہاراجاؤں کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ شودر، شودر نہیں ہیں۔ کوئی برہمن، برہمن نہیں ہے۔ جتنے ہیں سب کے سب انسان ہیں، بھگوان کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک برابر۔ اچھوت، اچھوت نہیں رہے گا اور برہمن، برہمن نہیں رہے گا۔ بلکہ سب انسان ہوں گے صرف اور صرف انسان۔''

''آپ کا مان بہت بڑا ہے مہاراج، ایک دوست ہونے کی حیثیت سے میں یہ کہوں گا کہ بھگوان آپ کی یہ آشا پوری کرے لیکن یدھ راج مہاراج کے دور میں ایسی بات مشکل نظر آتی ہے۔''

''ٹھیک ہے...... میں انتظار کروں گا اور جب میرا وقت آئے گا تو میں اس پر عمل کروں گا لیکن مہاراج یدھ راج نے اگر عقل سے کام نہ لیا تو یہ وقت بہت پہلے آ سکتا ہے۔''

''وہ کیسے مہاراج......'' پرکاش نے پوچھا۔

''نہیں پرکاش ابھی نہیں۔ اس سلسلے میں کچھ بولنا وقت سے پہلے کی بات ہے اور جو کچھ میں بولوں گا وہ ایسی بات بھی نہیں ہوگی، جس پر میرا دل سکون پا سکے۔'' راج کمار نندراج نے کہا اور پرکاش خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس خاموشی کو پرکاش نے توڑا۔

''مہاراج یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی پر آپ نے اپنے من کو یہ روگ کیوں لگا لیا؟ نہ ہنستے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ کسی کھیل تماشے میں حصہ لیتے ہیں۔ ہم تو پریشان ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''پرکاش، بھگوان کی سوگند، یقین کرو اس سنسار میں، میں اپنا سب سے زیادہ دوست تمہی کو سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ میں کسی کمی بیشی کے بغیر تم سے کہہ دیتا۔ خود میرے دل میں بھی یہ آشا تھی کہ میں اس سلسلے میں تمہیں اپنا راز دار بنالوں'' راج کمار نندراج بولا اور پرکاش اسے دیکھنے لگا۔

''کس سلسلے میں مہاراج۔'' اس نے پوچھا۔

''وہی تو بتانے جا رہا ہوں۔''

''تو بتائیے نا جلدی سے۔''

''پرکاش تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے۔''

''سنجوگتا کو۔''

''ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔''

''دیکھا تھا۔''

''کیسی تھی؟''

''بھگوان کی سوگند بہت ہی سندر، بہت ہی سندر اور جب آپ نے یہ بات یاد دلائی ہے تو اسے دیکھ کر آپ کی کہی ہوئی باتوں پر یقین آتا ہے۔ جب بھگوان سندرتا کے معاملے میں کسی برہمن اور اچھوت کی تفریق نہیں کرتے تو انسانوں کو کیا حق پہنچتا ہے۔ ایسی سندر ناری، میرا خیال ہے کسی برہمن کے گھر میں بھی نہیں ہوگی۔ اس کی سندرتا تو بے مثال ہے، میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں، اس کے بارے میں۔'' پرکاش نے کہا۔

''ہمارے من میں بھی یہی احساس ہے پرکاش۔ بڑی سندر تھی۔ غصے میں تھی تو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے مکھڑے پر آگ سلگ رہی ہو۔ ایسا سندر رنگ منش کے چہرے پر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''

''سچ کہا راج کمار نے، مگر اس کا مطلب کیا ہے۔'' پرکاش نے پوچھا۔

''مطلب یہ ہے پرکاش کہ اس کی موہنی صورت ہمارے من میں آ بیٹھی ہے۔'' نندراج نے کہا اور پرکاش ایک لمحے کے لئے بھونچکا رہ گیا۔

''کک...... کیا، کیا...... کیا آپ نے...... کیا آپ نے من کا روگ لگا لیا ہے مہاراج۔''

''نہیں پرکاش...... تم اسے من کا روگ نہیں کہو۔ اس روگ کی ابتداء اس ہمدردی سے ہوئی جو اس کے رونے سے ہمارے من میں پیدا ہوئی تھی اور جب اس نے ہمیں برا بھلا کہا تو ہمیں کوئی غصہ نہ آیا بلکہ ہم اس کے بارے میں سوچتے رہے کہ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ کسی سے اس کا اپنا بچھڑ جائے یا کسی سے اس کا بھائی چھین لیں تو اسے غصہ آنا ہی چاہیئے اور پھر جب وہ چلی گئی تو ہم اسے یاد ہی کرتے رہ گئے۔ ہمارے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور اب تو یوں لگتا ہے۔ جیسے وہ ہماری رگوں کا، ہماری شریانوں کا روگ بن گئی ہو۔''

''یہی تو پریم روگ ہے راج کمار نندراج جی۔''

''اگر یہ پریم روگ ہے تو ہمیں اس کی کوئی چنتا نہیں ہے۔ بلکہ پرکاش، بھگوان کی سوگند اگر ہمارے جیون نے اس کا موقع دیا تو ہم اچھوتوں کو اس کا حق دینے کے لئے ان کی ایک لڑکی کو اپنی رانی بھی بنالیں گے۔'' نندراج نے کہا اور پرکاش کے جسم میں تھرتھری سی پھیل گئی۔

''اس پر جو طوفان اٹھے گا اس کے بارے میں آپ نے سوچ لیا ہے راج کمار جی۔''

''ہاں ہر مقصد کے لئے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے پرکاش۔ پہاڑوں کو پھیرنا پڑتا ہے، دریاؤں پر بند باندھنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر مقصد حاصل ہوتا ہے۔''

''آپ اتنے مضبوط ہیں؟''

''ہاں میں اتنا مضبوط ہوں۔ میرے اندر اس سلسلے میں کوئی لچک نہیں ہے اور اگر کسی نے اس سلسلے میں میرے آڑے آنے کی کوشش کی تو میں اس سے ٹکرا جاؤں گا اور ظاہر ہے اس کوشش میں یا تو فاتح بن جاؤں گا یا پھر ٹوٹ جاؤں گا اور اگر شکست کھا گیا پرکاش تو پھر اپنے اس جیون پر تھوک دوں گا۔ آتما ہتھیا کرلوں گا میں...... مرنا پسند کروں گا لیکن ٹوٹ کر بکھرنا پسند نہیں کروں گا۔''

نندراج نے کہا اور پرکاش اس کی اس بات میں پہاڑوں کی سی سختی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اب وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس کا دوست راج کمار اگر اپنے اس معاملے میں اتنا مضبوط تھا تو پرکاش کا فرض تھا کہ اس کے لئے اس کے مقصد کے لئے جان دے دے۔ چنانچہ وہ پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا رہا، پھر نندراج سے کہنے لگا۔

''ایک بات اور بتاؤ راج کمار۔''

''ہاں ہاں پوچھو۔''

''آپ اس سے پریم کرنے لگے ہیں...... پر اس کے من میں آپ کے لئے دوسرا خیال ہوگا۔''

''دوسرے خیال سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''بھگوان کے لئے برا نہ مانیں...... اچھے من سے یہ بات کہہ رہا ہوں وہ تو آپ کو اپنا دشمن سمجھتی ہوگی۔''

''دشمن......'' راج کمار نندراج نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں...... کیونکہ آپ کے آدمیوں نے اس کے بھائی کو قتل کیا ہے۔''

''ہاں۔ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پھر اب کیا کیا جائے۔''

''اس سے مل لیں۔''

''کیسے؟''

''آپ کا من چاہتا ہے اس سے ملنے کو؟''

''بڑا من چاہتا ہے۔ کاش! بڑا ہی من چاہتا ہے۔ پر کیسے مل سکتا ہوں میں اس سے۔'' راج کمار نے کہا۔

''آپ پریم بھی کر رہے ہیں اور ڈر بھی رہے ہیں۔ ایک طرف تو اتنا بڑا امان اور دوسری طرف پرکاش سے پوچھ رہے ہیں کہ اچھوتوں کی ایک لڑکی سے ملا کیسے جاسکتا ہے۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ اس سے مل چکے ہوں گے۔ خیر اگر نہیں ملے تو ملنا کون سا بڑی بات ہے راج کمار جی...... بھگوان کی سوگند پرکاش آپ کے لئے زمین آسمان ایک کرسکتا ہے، اٹھا لاؤں اسے۔''

''نہیں نہیں پرکاش...... اسے اس طرح لا کر اس کا اپمان کرو گے۔'' نندراج نے کہا۔

''تو پھر آپ اس کے پاس چلئے۔''

''میرا دل بھی یہی چاہتا ہے، پر کیسے چلوں؟''

''پھر وہی بات کیسے چلوں، دریا پار کرکے چلیں۔'' پرکاش نے کہا۔

''اور اگر دیکھ لیا گیا تو کیا وقت سے پہلے بھونچال نہیں آ جائے گا۔''

''دیکھ کیسے لیا جائے گا۔ ہم کوری گھاٹ سے دریا پار کریں گے اور پیچھے سے گھوم کر اچھوتوں کی بستی میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد گوپی ناتھ کے بارے میں پوچھنا کچھ مشکل کام نہ ہوگا۔''

''لیکن پرکاش کیا ضروری ہے کہ گوپی ناتھ ہمارا سواگت کرے۔''

''نہیں راج کمار وہ ہمارا سواگت ضرور کرے گا۔''

''یہ بات تم یقین سے کہہ رہے ہو پرکاش، تم یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ اسے جب معلوم ہوگا کہ راج کمار نندراج اس بستی میں آیا ہے۔ وہ نندراج جس کی وجہ سے اس کے معصوم بیٹے کو قتل کر دیا گیا تو وہ نفرت سے ہمیں دھتکار دے گا۔''

''مجال ہے اس کی۔'' پرکاش غرا کر بولا۔

''پھر وہی بات کرو گے۔ مجال کی کیا بات ہے۔ ہم نے اسے دکھ پہنچایا ہے اسے ہم

سے نفرت کرنے کا حق ہے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے راج کمار، پھر یوں کرتا ہوں مہاراج کہ پہلے گوندو کو وہاں بھیج دوں۔"

"گوندو کون۔" راج کمار نے پوچھا۔

"اچھوت ہی ہے۔ ہمارے گھوڑوں کی مالش کرتا ہے۔"

"کیسا آدمی ہے وہ؟"

"اس کی آپ فکر نہ کریں، بڑا وفادار آدمی ہے۔ میں اسے تھوڑی سی باتیں بتاؤں گا۔ وہ گوپی ناتھ کے پاس جائے گا اس سے کہے گا کہ نندراج اس کے گھر آ کر اس سے ملنا چاہتا ہے۔ گوندو کو میں یہ کہہ دوں گا کہ گوپی ناتھ کو سمجھا دے کہ وہ یہ بات کسی سے نہ کہے۔ خاموشی سے انتظار کریں آپ......"

"نہیں پرکاش پھر ایسا نہ کرو۔" نندراج پُر خیال انداز میں بولا اور پرکاش اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "گوندو کو وہاں بھیجو اور معلوم کرو کہ اچھوتوں میں نندراج کے بارے میں کیا خیالات پائے جاتے ہیں۔ اسے کہو یہ معلوم کر کے واپس آئے اور وہاں کی صورت حال بتائے۔"

"جو آ گیا مہاراج کی، مگر ایسا کیوں نہ کریں کہ ہم بھی وہاں چلیں اگر یہ بات آپ نہیں مانتے کہ پہلے سے گوپی ناتھ کو اطلاع دی جائے تو خاموشی سے چلنا مناسب ہے۔ اچھوتوں کے ہمارے بارے میں کیسے ہی خیالات کیوں نہ ہوں لیکن وہ ہمارے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔ بھلا ان کی یہ مجال کیسے ہو سکتی ہے۔"

"مجھے اس بات کی چنتا نہیں ہے پرکاش کہ وہ ہمارے خلاف کچھ کریں گے۔ بلکہ یوں نہ ہو کہ وہ ہم سے ملنا نہ چاہیں۔"

"نہیں مہاراج! ایسی بات نہیں ہوگی۔ میرے خیال میں آپ چلئے۔" پرکاش نے کہا۔

"تو پھر آج ہی رات چلو۔"

☆======☆======☆

دونوں ماں بیٹیاں ایک کشادہ اور وسیع کمرے میں برابر برابر لیٹی آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ رات کافی گہری ہو گئی تھی اور دیر تک وہ کیدوراج کے ساتھ بیٹھی ہنگاموں کا لطف لیتی رہیں۔ جو کیدوراج نے ان کے لئے برپا کرائے تھے۔ اتنی رات

نہیں واپس آنے پر موقع ملا تھا۔ چنانچہ اندر داخل ہو کر پہلے بھان متی نے اندر سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور پھر پوجا کو لے کر مسہری پر آ گئی اور دونوں ماں بیٹیاں آرام کرنے لیٹ گئیں۔

"میرے من میں تیرا خیال تھا پوجا...... یہ بتا کیا کیا تو نے؟"

"ماتا جی، بڑا ہی کٹھور ہے۔ اتنا کٹھور کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔" پوجا نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"مانا کہ نہیں مانا۔"

"مانے گا مگر آہستہ آہستہ۔"

"کیا مطلب...... کیا کوئی بات نہیں بنی۔" بھان متی نے اس سے پوچھا۔

"بات کسی حد تک بنی ہے ماتا جی۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کے من میں کوئی اور ہے۔"

"یہ کیسے اندازہ ہوا تجھے؟"

"بس ماتا جی خیال ہے میرا...... اگر ایسی بات نہ ہوتی تو وہ کھل کر مجھ سے پریم کا اظہار کر دیتا۔ پرنت یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی سوچ میں ڈوب جاتا ہو۔"

"کیا کیا باتیں ہوئیں مجھے بتا۔"

"میں بس کیا بتاؤں ماتا جی...... گرودیو نے جس طرح اور جیسے جیسے سمجھایا تھا میں نے وہی کیا۔ میں اسے ایک جگہ لے گئی اور میں نے اس سے وہ ساری باتیں کیں جو مجھے گرودیو نے بتائی تھیں۔ یہ ساری باتیں سچ ہی ہیں ماتا جی۔ اس کا نام تلک راج ہی ہے اور وہ راجہ جے چند کا بیٹا ہے۔ نجانے کیسے ماما جی کے پاس پہنچ گیا ہے۔ جب میں نے اسے یہ بات بتائی تو وہ بہت پریشان ہوا اور پھر میں نے گرودیو کے آشیرباد کے ساتھ جب دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے تو فضا میں دھواں پھیل گیا اور ماتا جی مجھے اس دھوئیں میں عجیب وغریب شکلیں نظر آئیں جنہیں میں خود نہیں پہچانتی تھی لیکن انہیں تلک راج نے پہچان لیا۔ پھر دھواں غائب ہو گیا اور میں نے اس کی شکل دیکھی، چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا بے چارے کا، پر ماتا جی ایک بات میرے من میں ہے۔"

"کیا پوجا۔"

"ہری راج اتنا برا نہیں ہے اس کے خلاف کچھ کرتے ہوئے دکھ ہوتا ہے ماتا جی۔"

"پگلی ہے تو تو پوجا۔ گرودیو ہماری تقدیر بدلنے پر تلے ہوئے ہیں اور تو ایسی باتیں

کرر ہی ہے۔''

''نہیں ماتا جی...... میں کوئی ایسی ویسی باتیں نہیں کررہی۔ میں خود گرودیو کے چرنوں میں بیٹھ کر جو وعدے کر کے آئی ہوں انہیں پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پر میں بات آپ کو بتا رہی ہوں کہ ہری راج یا تلک راج اتنا برا آدمی نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر میں پریم پیدا ہوتا ہے۔ میرے من میں اس کے لئے بڑی جگہ پیدا ہوگئی ہے۔''

''اری کہیں اس کے پریم میں پھنس کر گرودیو کی بات نہ بھول جانا۔'' بھان متی نے کہا۔

''نہیں ماتا جی! کیسی باتیں کررہی ہیں آپ اور پھر آپ وشواش رکھیں وہ میرے چنگل سے نکل کر کہاں جائے گا۔ آخر آپ نے مجھے تربیت دی ہے۔'' پوجا نے ہنس کر کہا۔

''چل چل۔ بیکار باتیں مت کر۔''

''تو ماتا جی آپ بتائیں۔''

''میں کیا بتاؤں تو ہی بتا نا کہ آخر بات کیا ہوئی۔ کیا اس نے تجھے وچن دے دیا۔''

''نہیں ماتا جی...... وچن تو نہیں دیا۔''

''کیوں......'' بھان متی پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی۔

''ارے ماتا جی لیٹی رہیں...... لیٹی رہیں۔ آپ اٹھ کیوں رہی ہیں، بس اس نے مجھ سے پریم کی تھوڑی سی باتیں کیں اور کہا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے من کو اس کے لئے تیار کرے گا کہ مجھے رانی بنائے۔ اس کے علاوہ ماتا جی اس نے یہ بھی کہا کہ وہ کیدوراج کا جیون چاہتا ہے۔ اسے راجہ بننے کی آرزو بھی نہیں ہے۔''

''ہوں...... آرزو نہیں ہے لیکن ایک بات شاید تجھے نہیں معلوم پوجا۔'' بھان متی نے کہا۔

''کیا ماتا جی۔''

''گرودیو کا یہی کہنا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے کیدوراج کو مر جانا چاہیئے اور ہری راج کو راجہ بن جانا چاہیئے۔ جتنا سے گزرے گا اتنی ہی پریشانیاں بڑھتی ہی جائیں گی۔''

''مگر ماتا جی...... یہ بات انہوں نے میرے سامنے تو نہیں کہی تھی۔'' پوجا نے پوچھا۔

''ساری باتیں تو تیرے سامنے نہیں کہی تھیں انہوں نے اور میں نے تجھے جو یہ بات بتائی ہے پوجا اسے تو اپنے تک ہی رکھنا اگر تیرے لبوں سے یہ بات نکل گئی تو پھر تو یہ سمجھ لے

ہماری گردنیں محل کے صدر دروازے پر لٹکی ہوں گی۔''

''نہیں ماتا جی۔ بھلا میں کوئی بات کسی کو کیوں بتاؤں گی۔''

''اپنے پریمی کو بھی نہیں۔'' بھان متی نے کہا۔

''نہیں ماتا جی، اسے بھی نہیں بتاؤں گی۔ مجھے کوئی مرنا تھوڑی ہے۔'' پوجا نے لہجے میں کہا اور اس کے بعد دیر تک خاموشی چھائی رہی، پر پوجا ہی بولی۔

''مگر ماتا جی ایک بات تو بتاؤ۔''

''پوچھ!'' بھان متی جماہی لیتی ہوئی بولی۔

''کیا کیدوراج ماما جی آپ کے سگے بھائی نہیں ہیں۔''

''سگے تو نہیں ہیں مگر بھائی تو ہیں۔''

''تو پھر ماتا جی تم ان کی موت کیوں چاہتی ہو۔ کیا تمہیں ان کے مرنے کا دکھ نہیں گا۔''

''پوجا...... تو بڑی بیوقوف ہے۔ سنسار میں وہی کامیاب و کامران ہے جو صرف اپنی ات سے محبت رکھتا ہے۔ دوسروں کی ذات سے محبت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں سکتے۔ تجھے رانی بننے کا موقع مل رہا ہے اور وہ بھی ایک ایسی راجدھانی کی جس کا بہت بڑا ہے۔ میرے من کی یہ آشا ہے کہ تو اپنا سارا جیون سکھی رہ کر گزارے اور اسی آشا کی اتھنا میں نے گرودیو سے کی تھی۔ تب انہوں نے مجھے یہ ترکیب بتائی تھی۔ تو کیا سمجھتی ہے رودیو کو...... اری پاگل گرودیو جیسا مہان گیانی چراغ لے کر ڈھونڈو تب بھی نہ ملے گا۔ یہ تو اری خوش قسمتی ہے کہ گرودیو ہماری سہائتا پر آمادہ ہو گئے اور خود ہی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ خود سوچ اگر وہ ہمیں تلک راج کے بارے میں نہ بتاتے تو کیا سارے سنسار میں ہمیں ن سے یہ بات معلوم ہو سکتی تھی۔''

''نہیں ماتا جی یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن۔''

''لیکن کیا...... بات کو ادھورا مت چھوڑا کر۔'' بھان متی تلخ لہجے میں بولی۔

''تم خوانخواہ ناراض ہو رہی ہو ماتا جی...... میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ تلک راج یوراج ماما کو مارنے پر آمادہ ہو جائے گا۔''

''ہاں ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے ماتا جی؟''

''تو نہیں جانتی...... یہ بڑا لمبا قصہ ہے۔''

''تو مجھے بتاؤ نا۔''

''تھوڑا بہت قصہ تو گرودیو تجھے بتا چکے ہیں۔ یہ تو تجھے معلوم ہے کہ تلک راج
چند کا بیٹا ہے اور جے چند کیدوراج کا دشمن تھا۔ جے چند نے کیدوراج کے خلاف ایک
سازش کی تھی کہ کیدوراج کی بڑی بدنامی ہوئی تھی اس سے کیدوراج جے چند کا دشمن تھا
وہ اس سے بدلہ نہیں لے سکا اور جے چند اپنے بھائی کے ہاتھوں مارا گیا اور
مادھولال نے راجہ بنتے ہی اپنے بھتیجے کو اپنی راج دھانی سے نکال دیا۔ تلک راج سازش
شکار دربدر ہو گیا۔ اب تلک راج کیدوراج کے پاس پہنچا۔ میں یہ بات نہیں کہتی
راج کیدوراج کے پاس کس طرح سے اور کس لئے آیا تھا لیکن بہرحال اسے یہ بات
ہو چکی تھی کہ کیدوراج اس کے باپ کا دشمن تھا۔ تو اس کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ تلک
یہ بات سب سے چھپانا چاہتا تھا۔ اس لئے ہمارے پاس اس سے اچھا موقع اور کوئی
آئے گا کہ تلک راج کو اپنی مٹھی میں کر لیں اور اپنا مقصد پورا کر لیں۔''

''مگر ماتا جی ایک بات نہیں سوچی آپ نے۔'' پوجا بولی۔

''کیا؟'' بھان متی نے پوچھا۔

''کیدوراج مر گیا اور تلک راج راجہ بن گیا تو کیا ضروری ہے کہ وہ ہمارے دباؤ
آ کر مجھ سے شادی کر لے۔ جب کیدوراج کا خطرہ سر سے ٹل جائے گا اور تلک راج
بن جائے گا۔ تو اسے کیا پڑی ہے کہ کسی دباؤ میں رہے۔ جو اس کا من چاہے گا وہ وہی کرے
گا اور اگر ہم اس پر الزام لگائیں گے بھی کہ اس نے کیدوراج کو قتل کیا ہے اور یہ جے
بیٹا ہے تو کون مانے گا اس بات کو۔ وہ راجہ ہوگا اور ہماری زبانیں نکلوا کر رکھ دے گا۔''
نے کہا اور بھان متی کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل گئیں، وہ خوفزدہ نگاہوں سے
دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتی پھر گردن ہلا کر بولی۔

''یہ بات تُو ٹھیک کہہ رہی ہے پوجا۔ یہ بات تو میری سمجھ میں پہلے آئی ہی نہیں۔''

''گرودیو نے اس بارے میں کیا بتایا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں نے تجھے
بتا دیا ہے۔''

''تو پھر اس پر بھی تو سوچو..... فرض کرو اگر وہ مجھے وچن دے دے اور راجہ بننے کے
بعد اپنے وچن کا پالن نہ کرے تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک کہتی ہے تُو..... مم..... مگر میں..... یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہو گئی۔

میں نے تو اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔'' بھان متی نے پریشان لہجے میں کہا۔

''گرو جی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکتی۔''

''کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم تو اتنی دور آ پڑی ہیں۔ اب واپس جائیں اور پھر یہاں
آئیں تو کیدوراج کو بھی شک ہو سکتا ہے، مگر بات سوچنے کی ہے۔ نجانے کیوں یہ بات
گرو جی کے ذہن سے نکل گئی یا پھر ممکن ہے ایسی نوبت نہ آئے، اگر وہ تجھے وچن دے گا تو
پھر اس سے پھرے گا نہیں۔'' بھان متی نے کہا۔

''یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں ماتا جی، مگر یہ ایک بات میرے من میں نہیں اترتی کہ اگر
کیدوراج میرے وواہ سے پہلے مر گیا تو پھر یہ سمجھ لو کہ تلک راج بعد میں شادی وادی نہیں
کرے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے ماتا جی کہ پہلے تلک راج سے شادی کی جائے پھر اس
کے بعد کیدوراج کے بارے میں کچھ سوچا جائے۔ یوں تم ان باتوں پر غور کرو۔''

''تو ٹھیک کہتی ہے۔ پوجا ہمیں نئے سرے سے سوچنا پڑے گا۔ یہ بات تو بالکل ٹھیک
کہہ رہی ہے۔'' بھان متی نے اپنی بیٹی سے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور دونوں ماں بیٹیاں کسی
گہری سوچ میں ڈوب گئیں ان کے چہرے پر پریشانی عیاں تھی، پھر پوجا نے کہا۔

''یوں کرو ماتا جی میری بات مانو...... ابھی ہم اس سلسلے کو بہت زور و شور سے آگے
نہیں بڑھاتے۔ میں آہستہ آہستہ تلک راج یا ہری راج کے من میں اترنے کی کوشش کروں
گی اور پہلے اس کے من میں اپنے لئے جگہ بناؤں گی۔ جب میں اپنی جگہ بنا لوں گی تو پھر ان
ساری باتوں کے بارے میں سوچا جائے گا۔ یا پھر کیوں نا ہم اس کام کی ابتداء یوں کریں کہ
میں تلک راج کو اپنے پریم کے جال میں پھانس لوں اور اس سے وچن لے لوں کہ وہ راجہ
بننے کے بعد مجھ سے ہی وواہ کرے گا۔ اس کے بعد اگر کیدوراج کو مروانے کی ضرورت پیش
آئے تو یہ کام کر لیا جائے اور اگر ذرا بھی شبہ ہے تمہیں اس بات پر تو ماتا جی تمہیں بھی ایک
کام کرنا ہوگا۔'' پوجا نے کہا۔

''کیا......؟''

''کسی بھی طرح تم اپنے بھائی کو میرے اور تلک راج کے وواہ پر تیار کر لو۔ تاکہ اس
کے مرنے سے پہلے ہری راج میرے چنگل میں پھنس جائے۔ اس کے لئے تم بھی کوشش کرو
گی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں کروں گی۔'' بھان متی نے کہا۔ ''لیکن میں گرودیو سے مشورہ
کئے بغیر کوئی کام نہیں کروں گی، لیکن جہاں تک تیری اس بات کا سوال ہے کہ تو ہری راج

کے من میں اترنے کی کوشش کرے گی تو میں تیری اس بات سے متفق ہوں تو اس سلسلے میں پوری پوری کوشش کر جیسے بھی بن پڑے جس طرح بھی ممکن ہو۔'' بھان متی نے کہا اور پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

☆======☆======☆

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی تھیں اور جب ٹھنڈی ہوا کے ساتھ یہ بوندیں چہروں سے ٹکراتیں تو پورے وجود میں مست لہریں دوڑ جاتیں۔ دونوں گھوڑے سوار شہر سے دور دریا کے کنارے سبک روی سے سفر کر رہے تھے پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے۔ دریا کے دوسری جانب اچھوتوں کی بستی نظر آ رہی تھی۔ جہاں پر روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں کچے پکے مکان عسرت زدہ، مفلوک الحال ان غریبوں کو زندگی کی لاتعداد نعمتوں سے دور رکھا گیا تھا۔ حالانکہ بھگوان نے دنیا کی ہر نعمت میں ان کو بھی برابر کا حصہ دیا تھا لیکن انسانوں نے ان کا یہ حق چھین کر انہیں نعمتوں سے محروم کر دیا تھا اور یہ بات آج کی نہ تھی۔ ہمیشہ سے برہمن اچھوتوں پر ظلم ڈھاتے چلے آئے تھے اور ظلم کا یہ دور آج بھی جاری تھا۔ ان بے چاروں کو زندہ انسانوں میں شمار ہی نہیں کیا جاتا تھا اور اب تو یہ اس زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ یہ باتیں ان کے ذہن سے نکل گئی تھیں کہ انہیں بھی انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا کوئی حق ہے۔

دونوں گھوڑ سواروں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں سے دریا پار کرنے میں دقت نہ ہو اور ان دونوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ مالک کے اشارے پر زندگی بازی لگا دینے والے وفادار جانور بے تکان دریا میں اتر گئے اور پانی کا سفر طے کرنے لگے لیکن جس جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ خطرناک نہیں تھی۔ پانی گھوڑوں کے پیٹ سے اونچا نہ تھا اور وہ دریا کا چوڑا پاٹ پار کر گئے۔

دوسرے کنارے پر نکل کر انہوں نے اپنے بدن جھاڑے اور مالکوں کے اشارے پر چل پڑے۔ پرکاش نندراج کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ کافی طویل چکر لگا کر بستی کی پشت پر پہنچے۔ پروگرام کے مطابق پرکاش نے گوندو کو پہلے ہی بھیج دیا تھا لیکن پروگرام وہ نہیں رہا جو ان دونوں کے درمیان طے ہوا تھا۔ چونکہ نندراج یا پرکاش نے کبھی گوپی ناتھ کی رہائش گاہ نہیں دیکھی تھی۔ اس لئے گوندو کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ پہلے وہ گوپی ناتھ کی رہائش گاہ کا پتہ لگا لے اور بستی کے پیچھے کسی ایسی جگہ ان کا انتظار کرے جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکے۔ ایسی کسی جگہ کا بھی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ بس وہ اپنے اندازے کے مطابق چل رہے تھے کہ گوندو خود ہی انہیں تلاش کر لے گا۔

دونوں گھوڑے اب آہستہ روی سے چل رہے تھے اور انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ بستی کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ نندراج نے متفکر لہجے میں پرکاش سے کہا۔ ''رات اندھیری ہے پرکاش اور گوندو اُلو نہیں ہے، وہ ہمیں کیسے دیکھ لے گا۔''

''گوندو اُلو نہیں لیکن اُلو کا پٹھا ضرور ہے۔'' پرکاش نے ہنس کر کہا۔

''نہیں نہیں پرکاش...... میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم گوندو کو تلاش نہ کر سکے تو پھر کیا ہوگا...... ناکام ہی جانا پڑے گا یہاں سے۔''

''نہیں مہاراج آپ آگے تو آیئے۔ میں نے گوندو سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی اونچی جگہ رہے اور یہ اس کا فرض ہوگا کہ وہ ہمیں خود ہی دیکھ لے۔ جب وہ ہمیں دیکھے گا مہاراج تو فوراً ہی مشعل جلائے گا۔ مشعل وہ اپنے ساتھ لے کر گیا ہے۔''

''اچھا اچھا...... لیکن کیا ہی اچھا ہوتا پرکاش کہ اگر تم یہ بات مجھے وہیں بتا دیتے۔'' نندراج نے کہا۔

''کیوں مہاراج اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی آپ کو؟''

''میرا مقصد ہے کہ ہم بھی ایک مشعل لے آتے۔ ممکن ہے گوندو ہمیں نہ دیکھ پائے لیکن اگر دونوں طرف سے مشعلیں روشن ہوتیں تو ایک دوسرے تک پہنچنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔''

''آپ پرکاش کو بے وقوف نہ سمجھیں مہاراج۔ میں مشعل لے کر آیا ہوں۔''

''ارے واہ کہاں رکھی ہے؟''

''یہ رکھی ہے، میرے پاس۔''

''واہ پرکاش تم واقعی سمجھدار ہو۔ ورنہ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ روانہ ہونے سے پہلے ہمیں یہ تو طے کر لینا چاہیئے تھا کہ گوندو ہمیں کہاں ملے گا۔''

''چنتا نہ کریں مہاراج، پرکاش قدم قدم پر آپ کا ساتھی ہے۔ آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے اس وقت تک جب تک پرکاش زندہ ہے۔'' تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ ایک جگہ رکا اور مشعل روشن کرنے لگا۔ ابھی اس کی مشعل روشن ہوئی ہی تھی کہ تھوڑے فاصلے پر ایک بلند ٹیلے پر ایک روشنی چمکی، یہ بھی مشعل کی روشنی تھی لیکن شاید تیز ہوا کی وجہ سے قائم نہ رہ سکی۔ اس کی مشعل بھی چند ساعت کے بعد بجھ گئی۔ کیونکہ ہوا کے ساتھ بوندیں بھی پڑ رہی تھیں اور اب وہ کافی تیز ہو گئی تھیں، لیکن

انہوں نے گوندو تک پہنچنے کا راستہ دیکھ لیا تھا اور وہ تاریکی میں نگاہیں جمائے آگے بڑھتے
رہے گوندو نے پھر مشعل جلانے کی کوشش کی لیکن ہوا کے تھپیڑوں نے مشعل کو جلنے نہ دیا
البتہ اب کوئی خاص فاصلہ نہ رہا تھا۔ اس نے بھی شاید ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ تیزی
سے ٹیلے سے اترنے لگا اور ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا، پھر بولا۔

''جے رام جی کی سرکار۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''کیا خبر ہے گوندو۔'' پرکاش نے کہا۔

''مہاراج میں گوپی ناتھ کی جھونپڑی کا پتہ لگا آیا ہوں۔''

''چل پھر ہمیں وہاں لے چل، کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں۔ پر ایک کام کریں تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

''وہ کیا؟''

''گھوڑوں کو یہیں باندھ دیں سرکار۔ اس ٹیلے کی آڑ میں اتنی جگہ ہے کہ اگر بارش
بہت تیز بھی ہو جائے تو گھوڑے بھیگیں گے نہیں۔''

''باندھنے کی بھی کوئی جگہ ہے۔''

''ہاں مہاراج یہ درخت ہے جس کی جڑیں اس خالی جگہ میں نکل گئی ہیں۔ بڑی
مضبوط جڑیں ہیں پہلے تو میں انہیں سانپ سمجھا تھا مگر پھر بعد میں ٹٹول کر دیکھنے سے پتہ چلا
کہ وہ سانپ نہیں درخت کی جڑیں ہیں۔''

''چل یہ بھی اچھا ہوا، تو یہ دونوں گھوڑے باندھ آ......'' پرکاش اور نندراج دونوں
گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور گوندو نے دونوں گھوڑوں کی لگامیں تھام لیں۔ تھوڑی دیر
کے بعد وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آ گیا۔ بوندیں ایک بار پھر رک گئی تھیں لیکن سرد
ہوائیں چلنے لگی تھیں لیکن یہ ہوائیں اتنی سرد بھی نہ تھیں کہ ان کے کھلے ہوئے جسم کے حصوں
کو نقصان پہنچاتیں۔ بلکہ موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ گہری تاریک رات میں وہ بھوتوں کی
طرح آگے بڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد بستی کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے۔

بستی کے گھروں میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ جل رہے تھے۔ البتہ کتے بہت تھے اور
بھونک رہے تھے۔ اس وقت گو وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید موسم کی شدت نے انہیں کہیں
پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، لیکن یہ بات نندراج اور پرکاش کے لئے بہت بہتر تھی۔ کیونکہ اگر
کتے ان کے پیچھے لگ جاتے تو ان کی آمد کا راز بہت سے لوگوں پر آشکار ہو جاتا اور یہ بات
بہر حال نندراج کے لئے بہتر نہ تھی، چنانچہ گوندو کی رہنمائی میں وہ گوپی ناتھ کے مکان پر پہنچ

گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ بالکل کچا تھا، اس کے کسی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی اور
روشنی کی ہلکی سی رمق مکان کی بیرونی دیوار پر نظر آ رہی تھی۔ نندراج نے پرکاش کی طرف
دیکھا اور پرکاش نے گردن ہلا دی۔ ''کیا خیال ہے مہاراج، آپ اکیلے جائیں گے یا ہم
بھی آپ کے ساتھ چلیں۔'' پرکاش نے پوچھا اور نندراج پُر خیال انداز میں کچھ سوچنے لگا،
پھر بولا۔

''نہیں پرکاش ساتھ میں چلو...... نجانے گوپی ناتھ میرے ساتھ کس طرح پیش
آئے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج چلئے۔'' پرکاش نے کہا اور وہ گوپی ناتھ کے دروازے پر پہنچ
گئے۔ تب پرکاش نے گوپی ناتھ کے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار دستک دینے پر اندر
سے ایک کانپتی سی آواز سنائی دی۔

''بابا واپس آ گئے کیا...... کیسے ہیں بدری چاچا۔'' یہ آواز نندراج کو جانی پہچانی معلوم
ہوئی اور اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اس آواز میں وہ گالیاں اور کوسنے سن چکا تھا اور جن
خوبصورت ہونٹوں سے یہ آواز نکل رہی ہے۔ وہ آج بھی اس کے ذہن اور آنکھوں میں
محفوظ تھے۔ وہ خاموش رہا اور اس نے دروازے پر دستک دی جس کے جواب میں
دروازے کے قریب ہی آواز آئی۔

''بولتے کیوں نہیں بابا...... واپس آ گئے، بدری چاچا کے ہاں سے...... ٹھہرو میں دیا
لاتی ہوں۔'' آواز اس بار دروازے کے قریب سے سنائی دی تو پرکاش نے نندراج کے
شانے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

''ایسے لگتا ہے جیسے وہ اکیلی ہے۔''

''ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

''تو کہیں وہ ڈر نہ جائے۔'' پرکاش بولا۔

''وہ دیا لینے گئی ہے۔'' نندراج نے کہا۔ ''دروازہ کھلے تو دیکھا جائے۔ پوچھ لیں
گے اس سے۔ یوں کرو پرکاش کہ تم اور گوندو پیچھے ہٹ جاؤ۔ اگر وہ مجھے اندر بلا لے گی تو میں
اندر چلا جاؤں گا۔ تم باہر انتظار کرنا۔'' نندراج نے کہا۔

''ٹھیک ہے جو آ گیا۔'' پرکاش نے کہا اور وہ دونوں دیوار کے ایک سمت سٹ گئے۔
چراغ کی روشنی اب دروازے کے نزدیک ہی نظر آئی اور پھر لوہے کی سا کر کھڑکھڑانے کی

آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

''کیوں واپس آ گئے بابا...... اور تم بول کیوں نہیں رہے۔'' چراغ کی روشنی چہرے پر پڑ رہی تھی وہ خود بھی چراغ ہی تھا۔ اس روشنی میں نندراج نے سنجوگتا کو پہچان لیکن پھر سنجوگتا اس ہیولے کو دیکھ کر سہم کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''کک...... کون ہے۔ کون ہو تم؟'' اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''تمہارا مہمان ہوں سنجوگتا۔ بڑی دور سے آیا ہوں تم سے ملنے، پہچان سکتی ہو تو پہچان لو۔'' نندراج نے ایسے لہجے میں کہا جس سے محبت کا امرت ٹپک رہا تھا۔ یہ لہجہ کسی کرو نہیں ہو سکتا تھا جو کسی بری نیت سے اس کے دروازے پر آیا ہو اور شاید سنجوگتا نے اس بات محسوس کر لیا۔

اس نے دیا اٹھایا اور نندراج کے چہرے کے نزدیک کر دیا۔ پھر اس کے حلق۔ عجیب سی آواز نکلی۔

''ہائے رام یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا...... کیا میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں۔'' اس نے چراغ کو اوپر اٹھایا اور اسے نندراج کے چہرے کے نزدیک کر کے دیکھا۔ ''وہی ہے...... وہی تو ہے۔ مگر...... مگر ہائے رام...... ہائے رام۔'' اب اس کی آواز میں ہلکی خوف کی آمیزش پیدا ہو گئی تھی۔

''مجھے دیکھ کر ڈر رہی ہو سنجوگتا۔'' نندراج رسمی لہجے میں بولا۔

''نن...... نہیں تو...... نہیں تو...... میں بھلا تمہیں دیکھ کر کیوں ڈروں گی۔ میں تو میں تو بہت بہادر ہوں مم...... مگر تم کیا سچ مچ راج کمار ہی ہو...... راج کمار نندراج۔''

''مجھے راج کمار نہ کہو سنجوگتا...... اپنا مجرم کہو تو مجھے خوشی ہو گی۔''

''مجرم...... مجرم...... مگر تم...... تم تو راج کمار ہو۔ راج کمار مجرم تو نہیں ہوتے'' سنجوگتا نے کہا۔

''مجھے مجرم ہی کہو...... کیونکہ میں تمہارا مجرم ہوں سنجوگتا۔''

''نندراج جی تمہیں بھگوان کی سوگند تم زندہ ہو یا مر چکے ہو؟''

''ارے میں تمہیں مرا ہوا نظر آ رہا ہوں۔'' نندراج کسی قدر مسکرا کر بولا۔

''مرے ہوئے نظر تو نہیں آ رہے پر یہ تمہارا بھوت ہی ہو سکتا ہے۔ بھلا راج نندراج جی راج کمار ہونے کے باوجود اچھوتوں کی بستی میں کیسے آئیں گے۔ یہ تو ناپا کی بستی ہے اور پھر رات کے سمے، مجھے یقین نہیں آ رہا۔ نندراج مہاراج...... اچھا

بھگوان کی سوگند کھاؤ کہ تم نندراج مہاراج ہو۔''

''اچھا چلو بھگوان کی سوگند، میں نندراج ہی ہوں۔'' نندراج نے آہستہ سے ہنس کر کہا۔

''ہائے رام...... ہائے رام بھوت تو بھگوان کا نام نہیں لیتے۔ سنا ہے بھوت بھگوان کا نام لے کر جل جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے تم نندراج ہی ہو۔''

''دیکھو سنجوگتا میں تمہارا مہمان ہوں۔ بھوت پریت کہو یا انسان سمجھو۔ آدھی رات کو میں نے دریا پار کر لیا ہے، لیکن ایک بات بتاؤ کیا گوپی ناتھ گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''نہیں ہے۔ بابا ہی تو نہیں ہے۔ اگر بابا ہوتا تو میں بھوت سے بھی نہیں ڈرتی۔ مگر راج کمار...... راج کمار میں کیسے وشواش کروں۔ بھگوان میری سہائتا کرے۔''

''بھگوان تمہاری سہائتا کرے گا سنجوگتا۔ مجھے اندر نہیں بلاؤ گی۔'' نندراج نے کہا۔

''اندر بلا لوں تمہیں۔ اکیلی ہوں پھر بھی بلا لوں۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ نہ چاہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

''نہیں...... نہیں...... میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گی۔ تم جو کوئی بھی ہو آ جاؤ۔ جو بھگوان کرے گا دیکھا جائے گا۔'' آواز میں، انداز میں، لہجے میں، گفتگو میں، کہیں بھی بناوٹ کا شائبہ نہیں تھا۔ معصومیت ہی معصومیت تھی۔ ایسی لافانی معصومیت جس کا تصور بھی ذہن میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ بھلا اس کومل پھول کو کون مسلنے کی سوچے گا۔ کون اس کو نقصان پہنچانا پسند کرے گا۔

صحن سے گزر کر وہ چھوٹے سے دالان میں پہنچا جہاں چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سنجوگتا نے چراغ اس کے قریب رکھنے کی کوشش کی۔ چراغ اس کے ہاتھ سے گر پڑا، چراغ کا تیل زمین پر گر گیا تھا۔ وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔ نندراج جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

''جلی تو نہیں تم؟''

''نہیں! جلی تو نہیں ہوں...... مگر اب کیا کروں۔ میں کیا کروں۔ مگر ٹھہرو میں ابھی تلاش کر لیتی ہوں۔ کوئی میں اندھی تھوڑی ہوں۔ ابھی چراغ میں دوسرا تیل ڈال لاؤں گی۔ بتی تو ہو گی ہی چراغ جل جائے گا۔ ابھی جلا کر لاتی ہوں۔ بس تم یہاں کھڑے رہنا۔''

ایک لمحے کے لئے وہ زمین پر بیٹھ گئی اور چراغ تلاش کرنے لگی۔ چراغ مل گیا تو وہ کھڑی ہو گئی لیکن نندراج سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''ارے ارے شما کرنا مہاراج جی، معاف کرنا بس ابھی آئی۔'' وہ دوڑتی ہوئی جانے لگی۔

''دیکھو سنجوگتا اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ دیا آرام سے جلا لاؤ اس کے بعد روشنی ہو جائے گی۔''

''میں کاہے کو پریشان ہوئی۔ میں کبھی پریشان ہوئی ہوں آج تک واہ......بس میں ابھی آئی۔'' اس کی آواز دور ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور نندراج اپنی جگہ کھڑا مسکراتا رہا۔

ایک ایک آواز، ایک ایک لفظ اس کے دل پر گھاؤ ڈال رہا تھا۔ ایسی پوتر ایسی معصوم لڑکی اچھوت کیوں ہے۔ شودر کیوں ہے۔ اسے نیچ ذات کیوں سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنی جگہ کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اس نے دور روشنی کی رمق دیکھی اور یہ روشنی آہستہ آہستہ اس کے قریب آ گئی۔

سنجوگتا نے اس بار چراغ بڑے اطمینان سے رکھا تھا اور پھر وہ گردن ہلا کر مطمئن ہو گئی پھر دوسرے لمحے پلٹ کر اندر کی جانب بھاگی۔

''اب کیا ہو گیا؟'' نندراج نے سہمتے ہوئے کہا۔ اندر سے وہ ایک چادر اٹھا لائی تھی۔ یہ چادر اس نے چارپائی پر بچھائی اور بولی۔

''اب بیٹھ جاؤ۔ اب بیٹھ جاؤ۔ اب سب ٹھیک ہے۔'' وہ جیسے خود کو مطمئن کر رہی تھی۔ نندراج کے بیٹھنے سے پہلے وہ خود ہی اچک کر دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بولی۔

''ہائے رام تم آ کیسے گئے۔ تم تو راج کمار ہو۔ راج کمار تو اچھوتوں کے ہاں کبھی نہیں آتے اور پھر ہم جیسے معمولی لوگ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ بھگوان کی سوگند میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''سنجوگتا دھیرج کرو...... دھیرج۔ مجھے افسوس ہے کہ گوپی ناتھ جی اس وقت موجود نہیں ہیں، میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔''

''مگر ایک بات بتاؤ۔'' اس کی بات ختم ہونے سے پہلے سنجوگتا بولی...... ''کیا محل میں لوگوں کو معلوم ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔''

''نہیں کسی کو نہیں معلوم۔'' نندراج نے جواب دیا۔

''بس ٹھیک ہے۔'' سنجوگتا جیسے مطمئن ہو گئی اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر نندراج کو دیکھنے لگی۔ اس کی ایک ایک حرکت پر نندراج کا دل چاہ رہا تھا کہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ

ہو جائے لیکن وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کی ہر ادا بھا رہی تھی۔ تب نندراج نے آہستہ سے کہا۔

''دراصل سنجوگتا۔ میں اسی دن سے پریشان تھا۔ بھگوان کی سوگند...... میرا من اسی دن سے اداس تھا۔ جس دن پاپی گھوڑ سواروں نے تمہارے بھائی کو ہلاک کیا۔ میرے دل میں بڑی آرزو تھی سنجوگتا کہ تم سے معافی مانگوں۔ میں تمہارا بھائی تو واپس نہیں کر سکتا مگر میری گردن حاضر ہے۔ بھگوان کی سوگند میں کسی کو کچھ بتا کر نہیں آیا۔ تم اگر چاہو تو مجھ سے اپنے بھائی کا بدلہ لے لو۔'' نندراج نے گردن جھکائی اور سنجوگتا عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں! راج کمار جی، میں...... میں...... آپ کو شما کر چکی ہوں۔ دوش آپ کا تو نہیں تھا۔ سپاہیوں کو ادھیکار تو مہاراج نے دیا ہے، ہم اچھوت جو ہیں۔ غلطی میری ہی تھی کہ میں نے اپنے بھائی کو ایسے چھوڑ دیا تھا۔ بس آنکھ بچ گئی تھی، سو وہ نکل گیا۔ موت ہی آ گئی تھی بیچارے کی پر نندراج جی بھگوان کی سوگند مجھے بڑا ہی دکھ ہے اس کی موت کا۔'' سنجوگتا نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مجھے بھی بہت دکھ ہے سنجوگتا۔ وہ میرا خون نہیں تھا۔ تمہارا بھائی تھا، لیکن بھگوان کی سوگند مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے پاپی ساتھیوں نے میرے بھائی کو مار دیا ہو۔''

''ہاں میں نے دیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ دوش تمہارا نہیں ہے۔ تم اچھے آدمی ہو۔ میں نے اس سے سمجھ لیا تھا۔ میں جانتی ہوں تم مہاراج یدھ راج جیسے برے آدمی نہیں ہو مہاراج یدھ راج تو بہت برے ہیں۔ بہت ہی برے......انہوں نے یہ حکم ہی کیوں دیا ہے کہ اگر کوئی اچھوت راستے میں آ جائے تو اسے مار دیا جائے۔ واہ! کیا اچھوت انسان نہیں ہوتے۔ اگر انسان نہیں ہیں تو تمہاری طرح کیوں جیتے ہیں اور تمہاری طرح کیوں مرتے ہیں پھر تمہارے سامنے آ جانے سے کون سا اتنا بڑا فرق پڑتا ہے۔'' سنجوگتا نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سنجوگتا، میں اپنی پوری برادری کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے شما کر دو......اگر گوپی ناتھ جی ہوتے تو میں ان کے چرن چھو کر بھی معافی مانگ لیتا۔''

''تم...... تم راج کمار ہو۔ ہم اچھوتوں سے معافی مانگ رہے ہو۔''

''ہاں سنجوگتا میں تم سے ایک وعدہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسا وعدہ......؟''

''جب میں راجہ بنوں گا تو اچھوتوں کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ انہیں انسانوں
ں طرح برہمنوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے گی اور برہمنوں کو حکم دیا جائے گا کہ
و اچھوتوں کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ لفظ اچھوت مٹا دیا جائے گا۔ سب کے سب
سان کہلائیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے سنجو گتا۔ اگر میں جیتا رہا تو اپنا وعدہ ضرور پورا
روں گا۔'' نندراج نے کہا۔

''میں پرارتھنا کروں گی۔''

''ضرور کرنا سنجو گتا...... میں نے تمہارا وقت خراب کر دیا۔ سنجو گتا اب میں جاؤں۔''

''ایک بات من میں آ رہی ہے راج کمار، پر ہمت نہیں پڑ رہی۔'' سنجو گتا نے کہا۔

''کہو کیا بات ہے؟''

''من چاہ رہا ہے کہ تم ہمارے ہاں کچھ کھاؤ...... کھاؤ پیو...... پر ہم اچھوت ہیں۔
رے برتن بھی گندے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ بھی گندے ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں
چیزیں ہوتی ہیں وہ بھی گندی ہوتی ہیں۔ تم کیسے کھاؤ گے۔ تم تو بڑی ذات کے ہو، برہمن
نا تم۔''

''سنجو گتا تم نے ابھی تک میری بات پر وشواش نہیں کیا۔ میں نے جو بات کہی ہے
چے من سے کہی ہے اور سنو کیا کھلا رہی ہو مجھے؟''

''کھاؤ گے۔'' وہ خوشی سے اچھل پڑی اور اچھلنے کے ساتھ ساتھ ہی چارپائی سے
یچے بھی اتر گئی۔

''بتاؤ کیا کھلا رہی ہو؟''

''میں نے گوجے پکائے ہیں۔ صبح ہی بادل تھا نا...... بابا تو بھیا کو یاد کر کے روتا رہتا
ہے میں کہتی ہوں ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔ تو اور رونے لگتا ہے ہیں۔ گوجے
ت پسند ہیں۔ سو آج میں نے بابا کے لئے پکا ڈالے، لیکن دو ہی کھائے بس...... باقی سب
ے سب رکھے ہیں۔''

''تم نے نہیں کھائے؟''

''میں نے بھی کھائے ہیں...... لیکن ابھی اور رکھے ہیں، لاؤں۔''

''لے آؤ۔'' راج کمار نے جواب دیا۔ کسی اچھوت لڑکی کے لئے یہ اس کی زندگی کا
ب سے حیرت ناک واقعہ تھا۔ جسے وہ سینے میں سمو نہیں پا رہی تھی۔ وہ رسوئی میں گئی اور
ک تھالی میں گوجے رکھ کر لے آئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گلاس دودھ بھی بھر کر لائی تھی۔

دونوں چیزیں اس نے راج کمار کے سامنے رکھیں جیسے اس کے مذاق کا اندازہ کرنا چاہتی
ہو اور راج کمار نے صدیوں پرانی وہ رسم سنجو گتا کی اس کٹیا میں توڑ دی۔ جو برہمنوں کی شان
تھی۔ اس نے ایک اچھوت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اچھوت کے برتن میں کھا کر یہ ثابت
کر دیا کہ وہ اپنے قول کا پکا ہے اور اس نے جو عہد سنجو گتا سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔
سنجو گتا اس بات سے اتنا خوش ہوئی کہ اس نے نیچے بیٹھ کر راج کمار کے دونوں پیر پکڑ لیے۔

''تم نے ہمیں جو مان دیا ہے راج کمار...... تم نے وہ عزت دی ہے۔ جس کا ہم لوگ
تصور بھی نہیں کر سکتے...... بھگوان کی سوگند اگر مجھ سے تم میرا جیون مانگو تو میں اس سے اپنا
جیون دینے کو تیار ہوں۔ راج کمار نے اچھوتوں کا مان بڑھا دیا ہے۔'' سنجو گتا نے کہا۔ خوشی
سے اس کی آنکھوں کی کوریں بھیگ گئیں۔

''ابھی نہیں سنجو گتا...... میرے من میں جو کچھ ہے اسے اگر بھگوان نے پورا کر دیا تو
میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' راج کمار نے سنجو گتا کے ہاتھ
کے بنے ہوئے گوجے کھائے دودھ پیا اور سنجو گتا بے حد خوش نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد راج کمار اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ''مجھے آ گیا ہو تو...... سنجو گتا اب میں
جاؤں گا۔''

''کیوں؟'' سنجو گتا حیرت سے بولی۔

''ارے تو کیا اب میں یہیں رہ پڑوں۔''

''نہیں یہاں تو نہ رہو مگر اتنی جلدی کیا ہے؟''

''کوئی جلدی نہیں ہے تم کہتی ہو تو بیٹھ جاتا ہوں۔''

''ہاں اور کیا ابھی بیٹھو تھوڑی دیر کے بعد چلے جانا۔''

''لیکن ایک بات کا ڈر اور بھی ہے۔'' نندراج نے کہا۔

''کس بات کا۔'' وہ بولی۔

''اگر اس سمے گوپی ناتھ جی آ گئے تو مجھے تمہارے پاس بیٹھے دیکھ کر ناراض ہوں
گے۔ ہوں گے نا......''

''کیوں، ناراض کیوں ہوں گے۔'' وہ بولی۔

''سنجو گتا تم جوان ہو اور کسی جوان لڑکی کا کسی جوان مرد کے پاس بیٹھنا اچھی بات نہیں
سمجھا جاتا۔''

''میں جوان ہو گئی ہوں نا...... یہ بات کہی تم نے میرے من کی...... بابا سے جب بھی

کہتی ہوں وہ مان کر ہی نہیں دیتا۔ کہتا ہے بچی ہوں...... بچی ہوں...... اچھلتی کودتی ہوں۔
اب کیا جوان ہو کر آدمی اچھلنا کودنا بھی چھوڑ دے۔ کیا راج کمار تم اچھلتے کودتے ہو۔'' اس
نے شوخ انداز میں پوچھا اور راج کمار آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگا۔

''اب مجھے آ گیا دے ہی دو سنجوگتا۔ ہاں اگر تم آ گیا دو تو دوبارہ بھی تم سے مل لوں۔''

''لو اس میں آ گیا کی کیا بات ہے۔ تم تو ہمارے اپنے ہو گئے۔''

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو سنجوگتا۔''

''ہاں اور کیا؟ دوسرے برہمنوں کی طرح تم برے آدمی نہیں ہو۔ بلکہ بہت ہی اچھے
ہو، ہمارے پاس آئے، مجھ سے اتنی ڈھیروں باتیں کیں، اگر میں یہ ساری باتیں بابا سے
کہوں تو وہ کبھی نہ مانے گا۔''

''تم اسے یقین دلا دینا اور یہ بھی بتا دینا کہ میں اس سے معافی مانگنے آیا تھا۔''

''میں اسے بتا دوں گی۔ مگر وہ بڑی مشکل سے مانے گا۔ اچھا تو اب یہ بتاؤ کب آؤ
گے۔''

''جب تم کہو۔''

''میں تو تمہارا انتظار کیا کروں گی۔''

کب۔''

''جب تم چاہو۔''

''مگر سنجوگتا ایک مشکل پیش آئے گی۔'' نندراج نے کہا۔

''کیا......؟''

''بستی میں ابھی میرا دیکھا جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہاں یہ بات تو ہے اور میں سوچ بھی رہی تھی۔ یہاں تو بڑے بڑے اپرادھی رہتے
ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو وہ چپ نہ رہ سکیں گے اور راجہ یدھ راج مہاراج
کو پتہ چل جائے گا کہ تم یہاں آئے ہو۔ تو یدھ راج تمہارے آنے پر پابندی لگا دیں
گے۔''

''ہاں سنجوگتا یہ خیال میرے ذہن میں بھی ہے۔''

''تو پھر تم یوں کرونا...... لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے۔ رات کے سمے آیا کرو اور رات ہی
میں چلے جایا کرو۔''

''رات کو آؤں گا تو تم سے کیسے مل سکتا ہوں۔''

''کیوں نہیں مل سکتے۔ ایسے ہی ملنا جیسے اس سے ملے ہو۔'' سنجوگتا بولی اور نندراج
مسکرانے لگا۔

''اس سمے کی بات دوسری ہے سنجوگتا...... اتنی رات گئے روز آنا بھی ٹھیک نہیں ہوگا
اور پھر تمہاری بستی میں کتے بھی بہت ہیں۔''

''ارے ہاں یہ بات بھی ہے۔'' سنجوگتا ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''تو پھر کیا کرنا چاہیئے۔'' نندراج نے پوچھا...... پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''اچھا سنو!
میں تمہیں ایک ترکیب بتاؤں۔''

''ہاں ضرور بتاؤ۔'' سنجوگتا نے کہا۔

''تم نے گوچ گھاٹ پر وہ چھوٹی سی بگیا دیکھی ہے۔ جس میں سیب اور سنگترے کے
درخت ہیں۔''

''ہاں دیکھی ہے وہ تو ادھر ہی ہے نا۔''

''ہاں ادھر ہی ہے۔''

''دیکھی ہے۔ میں تو کئی بار وہاں جا چکی ہوں۔'' سنجوگتا نے کہا۔

''گوچ گھاٹ کے باغ میں ہم لوگ ہر دوسرے تیسرے دن مل سکتے ہیں۔ کیا تم
وہاں تک آ سکتی ہو۔''

''ہاں ضرور ہم لوگ وہاں مل لیا کریں گے۔''

''تم آ بھی سکو گی وہاں۔''

''ہاں۔''

''کس سمے؟''

''جس سمے تم کہو۔'' سنجوگتا نے جواب دیا۔

''تم رات کو اس سمے وہاں آ سکتی ہو۔ جب چاند نکلنا شروع ہو تو تم وہاں آ جایا کرنا،
میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' نندراج نے کہا۔

''ٹھیک ہے چاند نکلے نہ نکلے میں اس سمے پہنچ جایا کروں گی۔'' سنجوگتا خوشی سے
بولی۔

''کل آؤ گی وہاں۔''

''ہاں ضرور آؤں گی۔''

''تو میں تمہیں وہاں تلاش کروں۔''

''ہاں تلاش کر لینا یا میں وہاں خود تمہیں دیکھ لوں گی۔''

''میں ضرور آؤں گا۔'' نندراج نے کہا۔

''تو اب تم جا رہے ہو۔'' اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا اور نندراج محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہیں دکھ ہو رہا ہے۔''

''ہاں بڑا دل دکھ رہا ہے میرا...... تم ابھی سے جا رہے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں تمہارا جانا بھی تو ضروری ہے۔ اس سے پہلے کہ یدھ راج مہاراج کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ تم یہاں آئے تھے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ...... جاؤ...... جاؤ...... بھگوان تمہیں سکھی رکھیں نندراج۔''

سنجوگتا نے کہا اور نندراج اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ سنجوگتا سے رخصت ہوتے ہوئے اس کے دل میں بھی بڑے درد سمٹ آئے تھے لیکن اسے اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ سنجوگتا نے اسے قبول کر لیا تھا۔ دونوں کے دلوں میں محبت کے چراغ روشن ہو گئے تھے۔ نندراج دروازے سے باہر نکل آیا۔ سنجوگتا دروازے پر کھڑی اسے اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک نندراج نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

پرکاش اور گوندو پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر وہ تینوں مل گئے. نندراج خاموش تھا اور پرکاش کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دریا پار کر رہے تھے۔

☆======☆======☆

تلک راج بے کل تھا، پریشان تھا، بہت بری طرح...... رہ رہ کر اس کے کانوں میں وہ گونج رہی تھی جسے آج اس نے دھوکا دے دیا تھا۔ کسی طور پر نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ میں سینے سے لگا لوں۔ میرا سینہ کسی اور کی امانت ہے۔ ہے بھگوان میں کیا کروں، کہاں کہاں ہے؟ مجھے اس سمے تیری ضرورت ہے۔ میں اتنا پریشان ہوں کہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ تلک راج نے بے قرار ہو کر اپنے تصور کو پکارا اور ایک نقرئی سرگوشی اس کے کانوں میں گونج اٹھی اور وہ اچھل پڑا۔

''تلک راج پریشان ہو...... بار بار بھول جاتے ہو...... میں تو تم سے کہہ چکی ہوں کہ جب من چاہے آواز دے لیا کرو۔ اگر تمہاری آواز سچی ہوئی تو میں ضرور تم تک پہنچ جاؤں گی۔'' تلک راج کو آواز سنائی دی اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔

''بھگوان یہ میرے کانوں کا قصور تو نہیں...... یہ میرا وہم تو نہیں۔''

''نہیں تلک راج! یہ وہم نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس موجود ہوں۔ میری آتما تو ہر سمے تمہارے پاس رہتی ہے۔''

''میں بہت پریشان ہوں۔ میں بڑا بے کل ہوں، تم میری مجبوریاں جانتی ہو۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔''

''میں سب کچھ جانتی ہوں تلک راج! اور میرے من میں خوشیاں ناچ رہی ہیں کہ تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔ تم چنتا کیوں کرتے ہو۔ وہ پاپی لڑکی کون ہے تم نہیں جانتے، لیکن میں جانتی ہوں اسے۔''

''مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' تلک راج نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''تم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو۔''

''ہاں! میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ کیا

کررہی ہے وہ۔ میں تو بڑا پریشان ہوں۔'' تلک راج نے کہا۔

''تلک راج یہ گھنشیامی کی نئی چال ہے۔''

''گھنشیامی۔'' تلک راج نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں گھنشیامی ہمارا مشترکہ دشمن، ہمارا سب سے بڑا دشمن، جواب گروگردھاری کے نام سے مشہور ہے۔'' یہ سن کر تلک راج گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

''اوہ گردھاری لال...... ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''وہ گھنشیامی ہی ہے۔ پاپی گھنشیامی جو کبھی ہمیں ایک نہیں ہونے دے گا۔ وہ ہر ہماری ہی تاک میں لگا ہوا ہے۔ وہ گیانی ہے اور اسے معلوم ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو والا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ پاپی لڑکی اس کی بھیجی ہوئی ہے'' آواز نے کہا۔

''مم...... مگر یہ کون ہے؟''

''پوجا ہی ہے۔''

''اچھا لیکن کیا یہ گیانی بھی ہے؟''

''نہیں گیانی نہیں ہے...... جھوٹ بول رہی ہے پاپن کہیں کی۔''

''لیکن اس نے مجھے میرے ماتا پتا جی اور دوسرے لوگ بھی دکھائے تھے...... یہ تھا؟''

''کچھ نہیں تھا...... اس کے پاس کوئی گیان دھیان نہیں ہے۔ البتہ گھنشیامی نے ا کچھ منتر سکھا کر بھیج دیا ہے۔ چنانچہ وہ تم پر اپنا منتر آزما رہی ہے۔''

''تم جانتی ہو وہ کیا چاہتی ہے؟''

''ہاں میں جانتی ہوں۔''

''مجھے بتاؤ میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''سنو! گروگردھاری لال اس جنم میں بھی نہیں چاہتا کہ ہم تم ایک ہوں۔ وہ نہیں چاہتا کہ میں تمہاری بن جاؤں اور یہ ایک بہت پرانی خواہش ہے۔ یہ شیطان ہمیشہ اسی میں جنم لیتا ہے۔ جب میں سنسار میں آتی ہوں اور پھر وہ ان کوششوں میں مصروف ہو ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان دیواریں کھڑی ہو جائیں اور ہم تم مل نہ سکیں۔ سوا اس نے نئی چال چلی ہے۔ تم نہیں جانتے تلک راج کہ تم تو دریودھن تھے۔ تو اس نے بڑی چالاکی سے ختم کرادیا تھا اور اب بھی وہ یہی چاہتا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ میں تمہاری

نہیں اور مجھ سے پہلے پوجا تمہاری بن جائے اور اگر پوجا تمہاری زندگی میں آجائے گی تو میں کبھی تمہاری نہ بن سکوں گی۔ بھگوان کی سوگندھ میں کبھی تمہاری نہ بن سکوں گی۔''

''نہیں میری دوست میری ساتھی میں کبھی پوجا سے شادی نہیں کروں گا۔ بھگوان کی سوگندھ میں کبھی پوجا سے شادی نہیں کروں گا۔'' تلک راج نے کہا۔

''مجھے تم پر وشواش ہے۔'' آواز سنائی دی۔

''مگر یہ بتاؤ میں کیا کروں؟''

''یہی بتانے آئی ہوں تم اتنے پریشان نہ ہو میں جو ترکیب بتاؤں گی تم اس پر عمل کرنا۔''

''بتاؤ بھگوان کے لئے جلدی بتاؤ؟''

''پوجا جس طرح تمہارے پاس آرہی ہے۔ اسے آنے دو...... اس سے پریم کی باتیں کرو۔ مجھے بالکل دکھ نہ ہوگا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ مصلحت کے تحت ہوگا۔ اسے وشواش دلا دو کہ تم اسے چاہنے لگے ہو۔ دیکھو تلک راج اگر وہ کوئی اچھی لڑکی ہوتی اور تم اسے وچن دے دیتے تو یہ اچھی بات نہ ہوتی کہ وچن کو توڑ دیا جائے، لیکن جو ایک شیطان بن کر تمہارے جیون میں داخل ہوئی ہے۔ اسے شیطان بن کر ہی شکست دی جا سکتی ہے۔ اسے اپنے پریم کا وشواش دلا دو۔ وہ پاگل ہوجائے گی اور سب کچھ ہی تمہارے سامنے اگل دے گی۔''

''مم...... مگر...... مگر وہ کس ارادے سے یہاں آئی ہے؟''

''بس اسی ارادے سے کہ تمہیں اپنے جال میں پھانس لے اور تمہاری رانی بن جائے۔ ایک بات وہ اور بھی چاہتی ہے؟''

''وہ کیا؟'' تلک راج نے پوچھا۔

''وہ چاہتی ہے کہ راجہ کیدو راج کو قتل کردیا جائے اور تمہیں راجہ بنادیا جائے۔ کیونکہ اس کے من میں رانی بننے کی خواہش زیادہ کروٹیں لے رہی ہے۔''

''اوہ...... تو وہ راجہ کیدو راج کو قتل کرنا چاہتی ہے؟'' تلک راج نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں میں جانتی ہوں وہ اتنی گہری نہیں ہے جتنی بننے کی کوشش کرتی ہے۔ تم اگر ذرا کوشش کرو تو اس سے اس کا راز اگلوا سکتے ہو؟ بھگوان کی قسم! تم نے میرا من شانت کردیا ہے۔ تم نے میری وہ بے چینی ختم کردی ہے۔ جو میرے من میں سلگ رہی تھی۔ میرے سینے

میں دھواں اٹھ رہا تھا۔ میرا من آگ بنا ہوا تھا۔ تم نے اس آگ پر پانی کی
ہے۔ میں تمہاری متر ہوں تمہاری ساتھی ہوں۔ تم سے پریم کرتی ہوں۔ بھلا میں
میں کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ بس مہاراج تم یوں کرو جس طرح پوجا تمہیں بے وقوف بنا
الٹا تم اسے بے وقوف بنا کر رکھ دو۔'' آواز نے کہا اور تلک راج مسکرانے لگا۔

''تم نے میرا دل ہاتھ بھر کا کر دیا ہے۔ اب وہ مجھ سے چالاکی کی کوئی
کر سکے گی۔ تم چنتا مت کرو، کل صبح سے ہی لو، جے سے میں اسے بے وقوف بنا
کر دوں گا۔'' اور تلک راج مطمئن ہو گیا۔ وہ پریشانی جو اس کے دل میں کروٹیں
تھی۔ سچ مچ ختم ہو گئی۔ وہ خاصا ہشاش بشاش ہو گیا۔

دوسری صبح جب وہ کیدوراج کے سامنے پہنچا تو وہاں پر بھان متی اور پوجا بھی
تھیں۔ تلک راج نے بڑے پریم سے مسکرا کر پوجا کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں
محبت ناچ رہی تھی اور پوجا نے اس محبت کو محسوس کیا اور اس کا دل بھی خوشی سے ناچ اٹھا
نے فاتحانہ انداز میں اپنی ماں کی جانب دیکھا۔ بھان متی بھی تلک راج کی یہ کیفیت
تھی۔ وہ مسرت سے مسکرانے لگی، ان کے خیال میں ان کا کام بن گیا تھا لیکن کسی کو
نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

تلک راج کے دل میں کیا ہے۔ یہ بات تو کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ تلک راج اب
ندر پریشان نہیں تھا۔ ان دیکھی آواز گم ہو جانے کے بعد اس کے ذہن نے بہت کچھ
تھا۔ رہی پوجا کے گیان کی بات، اب وہ اس کے بارے میں بھی اچھی طرح جان گیا تھا

یوں مختلف لوگوں کے من میں مختلف خیالات تھے۔ ناشتے کے بعد پوجا اٹھ
ہوئی۔ ''ماما جی اگر آپ آگیا دیں تو میں ہری راج جی کے ساتھ سیر کر آؤں، مجھے آ
بستی بڑی پسند آئی ہے۔''

''مجھے کیا اعتراض ہے۔'' کیدوراج نے کہا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد
متی نے کیدوراج کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھیا یہ دونوں کیسے لگتے ہیں؟''

''کون دونوں؟''

''میرا مطلب ہے ہری راج اور پوجا۔''

''دونوں بچے ہیں اور بچے کس کو سندر نہیں لگتے۔''

''میں کسی اور خیال سے کہہ رہی ہوں۔''

''کس خیال سے۔''

''اگر ہم دونوں کا وواہ کر دیں تو؟'' بھان متی نے کہا اور کیدوراج چونک پڑا۔ اس کے
چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ پھر اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''بھان متی بہن! پوجا بھی میری ہی بچی ہے، لیکن تم جانتی ہو کہ میری کوئی اولاد نہیں
ہے اور ہری راج کو میں نے منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔ وہ آئندہ ہونے والا راجہ ہے اور راجاؤں
کی شادیاں سیاسی ہوتی ہیں۔ میں اپنی حکومت اپنی ریاست کو وسیع کرنا چاہتا ہوں۔ میرے
من میں تو بڑی آشا تھی کہ حکومت دور دور تک پھیلاؤں پر تقدیر نے میرا ساتھ نہیں دیا اور
میں ناکام رہا، لیکن یہ کام میں ہری راج کے ذریعے کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیسے؟''

''جگ پور کے راجہ ہرنام سہائے کے یہاں کوئی بیٹا نہیں ہے۔ بس اس کی ایک بیٹی
ہے جسے ہرنام حکومت کے لئے نامزد کر چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہری راج کی شادی
ہرنام سہائے کی بیٹی سے کر دوں تا کہ یہ دونوں سلطنتیں ایک ہو جائیں اور اس کے بعد میں
ایک پرانی خواہش پوری کروں...... بہت پرانی۔''

''وہ کون سی خواہش ہے۔'' بھان متی نے پوچھا۔

''جے چند کی سلطنت کو قابو میں کرنے کی۔''

بھان متی عجیب سی نظروں سے کیدوراج کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں شعلے سلگ
رہے تھے، لیکن چالاک عورت تھی، حالات پر قابو پانا جانتی تھی۔ اپنے اعصاب کو قابو میں
رکھ سکتی تھی۔ اس لئے چند لمحات کے اندر اندر اس نے خود کو پُرسکون کر لیا اور کیدوراج کو یہ
محسوس نہ ہونے دیا کہ اس کے دل میں کوئی خاص بات ہے۔ کیدوراج خوشی کے عالم میں
اپنے دل کی کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''بھان متی وشواش کرو، یقین کرو میری اس بات پر کہ جے چند کی حکومت پر قبضہ کرنا
میری اولین خواہش ہے۔ میں نے اس کے بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے لیکن جب میں
اپنی محنت میں کامیاب ہو گیا تو مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ ایک بھول ہو گئی مجھ سے، میں جے
چند کے میلے میں شریک ہو گیا۔ وہاں نجانے کیسے جے چند کو میرے ارادوں کے بارے میں
معلوم ہو گیا اور اس کمبخت نے میرے خلاف ایک سازش کی، ایسی سازش جس نے مجھے
گہرے گڑھے میں دھکیل دیا۔ لوگ طنزیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ حتیٰ کہ مجھے اپنی
حیثیت بچانا مشکل ہو گئی۔ مجھے راجہ کے بجائے چور سمجھنے لگے اور یہ سب جے چند کی وجہ سے

ہوا۔ اس کی کوششوں کی وجہ سے ہوا، میں تو ناکام ہوکر واپس آ گیا لیکن اس وقت میرے من میں چتا سلگ رہی ہے۔ ایسی چتا جسے بجھایا نہیں جا سکتا۔'' کیدوراج کی آنکھوں میں واقعی شعلے سلگ رہے تھے۔

''مگر کیدوراج مہاراج جے چند تو مر چکا ہے۔'' بھان متی نے کچھ سوچ کر کہا۔

''جے چند تو مر چکا ہے۔ بھان متی بہن اس کی سلطنت تو باقی ہے اور اس وقت جے چند کی سلطنت پر جو شخص حکومت کر رہا ہے اس کا نام مادھولال ہے۔''

''مادھولال کون ہے؟'' بھان متی نے پھر ہنستے ہوئے پوچھا۔

''مادھولال جے چند کا بھائی ہے۔ اس نے راجہ جے چند کو قتل کرنے کے بعد اس کے تخت پر قبضہ کیا ہے اور اب مجھے اس تخت پر قبضہ کر کے ایک بار خود کو اس راجدھانی کا راجہ ضرور کہلوانا ہے۔'' کیدوراج نے جواب دیا۔

''مگر میں نے تو سنا ہے کہ مادھولال سے تمہاری دوستی ہے۔'' بھان متی نے پوچھا۔

''ہاں مادھولال سے ایسی ہی دوستی ہے جیسی کہ راجاؤں کی راجاؤں سے ہوتی ہے۔ دوسرے معنوں میں سلطنتوں کی سلطنتوں سے ہوتی ہے۔ ہم اس دوستی کو راج نیتی کہہ سکتے ہیں اور تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوگی بھان متی کہ دوستی الگ چیز ہوتی ہے اور راج نیتی الگ چیز۔ میں مادھولال سے ملنے گیا تھا۔ بدھائی دی تھی میں نے اسے۔ لیکن اس سے بھی میرے من میں یہی بات تھی کہ مادھولال جب بھی میرا بس چلا تو میں تجھے اس گدی سے اتار کر خود اس گدی پر قبضہ کرلوں گا اور یہ خیال آج بھی میرے من میں موجود ہے۔ تم جانتی ہو بھان متی، میری کوئی اولاد نہیں تھی۔ میں نے ایک گمنام لڑکے کو لے کر پالا ہے جس کا دعویدار کوئی نہیں ہے۔ جس جگہ سے میں نے اسے لیا اور جس شخص کے پاس وہ موجود تھا خود بھی اس کی بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ آنے والے وقت میں وہ اس بات کو بھول جائے گا کہ کیدوراج میرا باپ نہیں ہے۔ میری سلطنت کا حکمران بننے کے بعد اس وقت جب میں اس کی شادی کرنے کے بعد ایک سلطنت پر قابض ہو جاؤں گا۔ تو یہ دونوں تو نہ مادھولال کے خلاف صف آراء ہوں گی۔ اور پھر...... پھر مادھولال سڑکوں اور گلیوں کی خاک چھانتا پھرے گا۔ راج کی گدی ہماری ہوگی بھان متی۔ تم اس بات سے سمجھ گئی ہوگی کہ ہری راج کا جیون ایک مقصد کی وجہ سے ہے۔ اگر میرے پاس یہ مقصد نہ ہوتا تو ہری راج میرے پاس نہ ہوتا۔ بھان متی میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، ظاہر ہے تو میری بہن ہے اگر ہری راج میرا بیٹا ہوتا تو کوئی ایسی بات میرے من میں نہ ہوتی۔ جو میری ضرورت ہے

تو میں بڑی خوشی سے پوجا کا دواہ اس سے کر دیتا لیکن ان حالات میں تم خود اچھی طرح جانتی ہو۔''

''ہاں میں جانتی ہوں۔'' بھان متی نے گہری سانس لے کر کہا۔

''مجھے یقین ہے بھان متی تمہیں میری اس بات کا دکھ ہوا ہوگا۔ مگر میری مجبوری کو بھی تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔''

''ہاں میں تمہاری مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔'' بھان متی نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''پھر تم مجھے بتاؤ کہ تم نے اس بات پر مجھے شما کر دی ہے۔'' کیدوراج نے محبت سے پوچھا۔

''ارے نہیں کیدوراج، کیسی باتیں کرتے ہو، یہ بات تو بس میرے من میں یونہی آ گئی تھی۔ اگر تم پوجا کو سویکار کر لیتے تو دوسری بات تھی اور اگر تم نے یہ بات کہہ دی ہے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ مجھے تو بس تمہاری خوشی چاہیئے۔ آخر تم بھی میرے بھائی ہو اور میں اگر تمہیں کچھ دے نہیں سکتی تو، تو تم سے کچھ لوں گی بھی نہیں، بس ٹھیک ہے۔ میں نے تم سے اپنے من کی بات کہہ دی اور تم نے بھی مجھے اپنی اچھا بتا دی۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔'' بھان متی نے مسکرا کر کہا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ تم نے مجھے ایک پریشانی سے بچا لیا۔''

''کیوں تمہیں کیا پریشانی ہوئی؟''

''تمہارا من ٹوٹنے کی۔''

''اوہ!'' بھان متی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''ہاں وشواش کرو بھان متی تمہارا من ٹوٹتا تو مجھے بڑا ہی دکھ ہوتا۔ مجھے تم سے بڑا ہی پریم ہے میں نہیں چاہتا کہ تم میرے بارے میں کوئی بری رائے رکھو۔''

''اچھا چھوڑو اس سارے قصے کو ایک بات بتاؤ۔'' بھان متی بولی۔

''ہاں پوچھو پوچھو......''

''کیا ہری راج اس شادی کے لئے خوشی سے تیار ہو جائے گا۔ جو تم چاہتے ہو؟''

''ہری راج کی کیا مجال کہ وہ تیار نہ ہو۔'' کیدوراج بولا۔

''بچہ ہے۔ ممکن ہے دماغ میں کوئی اور خیال آ جائے۔''

''اسے وہی کچھ کرنا ہوگا جو میں چاہوں گا۔ اسے اپنی مرضی سے کوئی کام کرنے کی

اجازت نہیں ہے۔'' کیدوراج نے کہا اور بھان متی اسے دیکھنے لگی۔

''تو تم شادی میں اس کی اچھا معلوم نہیں کرو گے؟''

''نہیں اس کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ میں جو چاہتا ہوں وہی ہو جائے اور اسے میرے حکم کی تعمیل کرنا ہوگی۔ بڑا ہی ہونہار بچہ ہے جس ماں کی اولاد ہے واقعی قابل فخر ہے۔ بڑی ہی عزت کرتا ہے وہ میری، میرا احسان مند ہے، کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے مجھے تکلیف ہو۔'' کیدوراج نے کہا اور بھان متی مسکرانے لگی۔ اس کے دل میں کیا تھا یہ بات سنسار میں کسی کو معلوم نہیں تھی۔''

پوجا ہواؤں کے دوش پر سوار تھی۔ خوبصورت رتھ ان دونوں کو لئے اڑا چلا جا رہا تھا۔ رتھ میں چار گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گھوڑوں کی لگامیں پوجا نے اپنے ہی ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں راج کمار تلک راج بھی اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

پوجا کے لمبے لمبے بال ہواؤں میں اڑ رہے تھے اور اس کے چہرے پر عجیب سی تمکنت اور جیت کا غرور تھا۔ آئی تو وہ کسی اور کی سازش کا شکار ہو کر تھی لیکن خود ہی محبت کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ تلک راج کی شخصیت نے اس پر ایسا جادو کر دیا تھا کہ اب وہ تلک راج کے بغیر کچھ نہیں سوچ سکتی تھی۔

گھوڑے دوڑانے والوں کے اشارے پر دوڑ رہے تھے اور ان کی منزل نامعلوم تھی۔ کافی دیر ہوگئی تو تلک راج نے ہی پوجا کو مخاطب کیا اور وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کہاں چل رہی ہو پوجا۔''

''جہاں یہ رتھ لے جائے۔'' پوجا نے مسکرا کر کہا۔

''واہ...... لیکن کوئی منزل تو ہوگی تمہاری۔''

''منزل...... بھگوان کی سوگند تلک راج منزل کے تصور ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ یہ گھوڑے فضا میں بلند ہو جائیں اور ہمیں بادلوں کے ان سفید سفید بادلوں کے درمیان لے جائیں۔ جو نیلے آکاش پر اڑتے ہوئے بڑے ہی حسین لگتے ہیں۔ بادلوں کے سرمئی ٹکڑے ہمیں خود ہی بھینچ لیں اور ان کے اندر سے پھوٹتی ہوئی پھواریں ہمیں بھگو دیں۔ پھر ہمارا یہ رتھ چاند کی بستی میں پہنچ جائے جہاں سونے کے درخت ہوتے ہیں۔ جہاں دریاؤں کا سنہرا پانی بہتا ہے۔ ہم اس سنہرے پانی کے پاس بیٹھ کر ایک دوسرے سے پریم کی باتیں کریں اور سنہرا پانی ایک دوسرے پر اچھالیں۔ پھر یوں ہو کہ ہم دونوں کے

بدن سنہرے پانی میں بھیگ جائیں اور بدن کا رنگ سونے کا رنگ ہو جائے اور یہ رنگ کبھی نہ چھوٹے، یہ سنہرا پن لئے جب ہم آکاش سے زمین پر آئیں تو لوگ یہ سمجھیں کہ چاند کے باسی آکاش سے دھرتی پر اتر آئے ہیں۔ پھر یوں تلک راج کہ ہمیں سنسار کے باسیوں کی حیثیت سے نہ جانا جائے بلکہ ہم جہاں بھی ہوں انوکھے ہوں، لوگ ہم دونوں کو دیکھ کر یوں سمجھیں کہ پوجا تلک راج کے لئے ہے اور تلک راج پوجا کے لئے ہے۔ کوئی اور ان کے درمیان دخل دینے والا نہیں ہے۔''

''اوہ۔'' تلک راج نے گہری سانس لی اور ہنسنے لگا۔ ''واہ پوجا واہ...... تم نے تو مجھے بھی خوابوں کی وادیوں میں پہنچا دیا تھا۔''

''تلک راج بھگوان کی سوگند میرا من یہی چاہتا ہے۔''

''ضرور چاہتا ہوگا، مگر من ایسی انوکھی باتیں چاہنے لگے تو...... تو یہ اچھا نہیں ہے پوجا۔''

''مجھے چاہنے دو۔ تلک راج مجھے چاہنے دو۔ بس میری یہ آشا ہے کہ ہم یونہی دوڑے چلے جائیں۔''

''تمہاری آشا پہ گھوڑے تھک جائیں گے پوجا۔ ان بے چاروں کو کیوں تھکا رہی ہو۔'' تلک راج نے کہا اور پوجا ہنسنے لگی۔

''تمہیں ان پر رحم آ رہا ہے؟''

''ہاں۔''

''روک دوں انہیں؟''

''ہاں روک دو۔''

''اس جگہ؟'' پوجا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ ''نہیں تلک راج یہاں نہیں۔''

''کیوں؟''

''بس تھوڑی سی دور اور...... وہ دیکھو وہ جو سامنے پہاڑی نظر آ رہی ہے، یوں لگتا ہے جیسے زمرد کی بنی ہوئی ہو۔ اس کے پاس چل کے اس کے دامن میں بیٹھیں گے۔ پھر وہیں باتیں کریں گے۔'' پوجا نے دور ایک سمت اشارہ کیا اور تلک راج ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ دل ہی دل میں وہ پوجا کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

پاگل لڑکی جو خیالات تُو نے اپنے دل میں قائم کر رکھے ہیں وہ کبھی پورے نہیں ہوں

گے یہ سارے خیالات میرے لئے ایک خواب سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے جب اس خواب سے تیری آنکھ کھلے گی تو تُو حیران رہ جائے گی، تو میرے خلاف سازش کرنے آئی تھی۔ میں تیرے سامنے بے بس ہوگیا تھا۔ اگر میری زندگی، میری روح میری مدد نہ کرتی تو شاید میں پوری نیند سو بھی نہیں پاتا اگر وہ تیرے بارے میں مجھے آگاہ نہ کرتی، تو میں یہ سوچتا رہ جاتا کہ تجھے میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا، بڑا پریشان ہوتا میں لیکن پوجا جس طرح تُو نے میرے اوپر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح میں تجھ پر قابو پاؤں گا۔ تُو نے میرے خلاف سازش کی ہے۔ میں بھی تیرے خلاف سازش کروں گا۔''

پوجا ان باتوں سے بے خبر رتھ اڑائے چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس سرسبز پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئی جو زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن اوپر سے نیچے تک سرسبز گھاس سے لدی ہوئی تھی۔ یہ گھاس اتنی ہری تھی کہ دور سے دیکھ کر زمرد کا ہی گمان ہوتا تھا۔ پوجا نے رتھ پہاڑی کے دامن میں روک دیا۔

ایک چھوٹا سا بر ساتی تالاب بنا ہوا تھا۔ جس میں بطخوں کے کئی جوڑے تیر رہے تھے۔ دیکھنے میں یہ جگہ واقعی بہت حسین لگتی تھی۔ تلک راج اس سے پہلے یہاں نہیں آیا تھا۔ اس نے مسکرا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بڑی حسین جگہ ہے پوجا۔ کیا اس سے پہلے تم یہاں آ چکی ہو؟''

''ہاں۔''

''کب؟''

''خوابوں میں۔''

''اوہ تم تو ہر وقت خواب ہی دیکھتی رہتی ہو۔''

''نہیں تلک راج تم یقین کرو میں نے خوابوں میں اس جگہ کو دیکھا ہے۔''

''تعجب کی بات ہے۔ تمہیں خوابوں میں ایسی جگہیں نظر آتی ہیں۔''

''ہاں...... دیکھو نا مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔''

''غلط۔'' تلک راج بولا۔

''کیا مطلب؟''

''یعنی اس سے تو تم نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ جب تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ اگر تمہارے خوابوں کی وادی مل گئی ہے تو میں اس میں کہاں ہوں گا؟''

''نہیں تلک راج تم موجود تھے۔

''اچھا جی اب تم ہمیں خوابوں میں بھی دیکھتی رہی ہو۔''

''ہاں میں تمہیں خوابوں میں بھی دیکھتی رہی ہو۔ اگر نہ دیکھتی تو تم تک کیسے پہنچتی۔''

''تمہارا گیان تمہیں میرے پاس لایا ہے۔''

''ہاں میرے گیان نے ہی تمہیں دیکھا تھا۔ تلک راج یہ گیان میرے من میں ہے اور میرے من کی آنکھوں میں تمہاری صورت بسی ہوئی ہے۔''

پوجا نے کہا۔ اور دونوں رتھ سے نیچے اتر آئے۔ پوجا اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے حسین مرغزار کے ایک خطے میں پہنچ گئی۔ جہاں جنگلی پھول کثرت سے اگے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ گھاس کا ایک قطعہ دور تک چلا گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر تالاب کی بطخیں نظر آتی تھیں۔ تالاب میں کنول کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان سے گزرتی ہوئی یہ حسین بطخیں بے حد دلکش لگتی تھیں وہ کافی دیر تک اس منظر کو دیکھتے رہے۔ پھر پوجا نے کہا۔

''ایک بات محسوس کر رہے ہو تلک راج۔''

''کیا؟'' تلک راج نے پوچھا۔

''سارے سنسار میں پریم ہی پریم بکھرا ہوا ہے۔ اگر پریم منش کے من کی بھاؤنا نہ ہوتی تو بھگوان اسے دھرتی پر کیوں اتارتا۔ تم نے دیکھا تلک راج سارے سنسار پر اس پریم کا اثر ہے۔ یہ جانور جو معصوم ہوتے ہیں۔ جو کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ بھی پریم کرتے ہیں اور نقصان پہنچانے والے جانور بھی ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان پریم نہ ہوتا تو ان کی درندگی ان کی ہلاکت کا باعث بن جاتی۔ اس سے تم اس بات کا اندازہ کرو کہ پریم کتنی بڑی چیز ہے۔''

''تو میں نے کب اس سے انکار کیا ہے پوجا۔''

''کس سے؟'' پوجا نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''پریم سے۔''

''تم پریم کرتے ہو تلک راج۔''

''ہاں۔'' تلک راج نے جواب دیا اور پوجا کی آنکھیں بے خودی سے بند ہونے لگیں۔ پھر اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ۔ رات کو تم نے کوئی سپنا دیکھا تھا۔''

''کوئی سپنا نہیں دیکھا۔''

''جھوٹ بول رہے ہو۔''

"کیوں......اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ رات کو تم نے کوئی سپنا دیکھا ہے۔"

"واہ بھئی......خود بھی خواب دیکھتی ہو اور دوسروں کے بارے میں بھی یہ یقین کر لیتی ہو کہ وہ بھی رات بھر خواب دیکھتے رہتے ہوں گے۔ ارے نہیں پوجا دیوی میں بڑے آرام کی نیند سوتا ہوں۔ خوابوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" تلک راج نے کہا۔

"میں نہیں مانتی۔"

"آخر کیوں نہیں مانتیں۔"

"اس لئے کہ جب صبح تم مجھے ملے تھے تلک راج، تو تمہارے اندر ایک خاص تبدیلی محسوس کی تھی میں نے۔"

"کیوں......کیا تبدیلی تھی بھلا؟" تلک راج نے پوچھا۔

"تمہاری آنکھوں میں پریم بسا ہوا تھا۔"

"مجھے تو نظر نہیں آیا۔"

"مجھے نظر آیا تھا۔" پوجا نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے کسی ایک کو نظر آنا چاہیئے۔ تمہیں نظر آ گیا اچھی بات ہے۔" تلک راج نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"مجھے بتاؤ گے نہیں تلک راج۔"

"کیا بتاؤں بھئی؟"

"یہی کہ تمہارے من میں اچانک یہ پریم کیسے جاگ اٹھا۔"

"پوچھے بغیر نہیں مانو گی۔" تلک راج نے کہا۔

"ہاں نہیں مانوں گی۔"

"بس میں تمہاری باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ منش کو اگر سنسار میں پریم ملے تو اسے پریم ٹھکرانا نہیں چاہیئے۔ وہ ہمیشہ پریم کا بھوکا رہتا ہے۔ میرے من نے یہ نہیں چاہا پوجا کہ میں تمہارا من توڑ دوں۔ پر مجھے پریشانی ہے۔"

"کیا پریشانی ہے۔ ہری راج مجھے نہیں بتاؤ گے۔" پوجا نے کہا۔

"کہیں میں تم سے پریم کر کے کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤں۔"

"کیوں۔" پوجا نے پوچھا۔

"بس تم جانتی ہو ابھی میں راج کمار ہوں۔ راج گدی مجھے نہیں ملی۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ

دیوراج جی کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ مگر تم یہ سوچو کہ اگر انہوں نے ہم دونوں کو یکجا کرنا پسند نہیں کیا تو کیا ہوگا۔" تلک راج نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" پوجا نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم کیسے کہہ رہی ہو؟"

"بس میں کہہ رہی ہوں۔"

"تمہارا گیان بھی یہی کہتا ہے کیا۔" تلک راج نے پوچھا۔

"میں نے اپنے گیان سے یہ بات کبھی معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، لیکن ہری راج مجھے تمہارے لئے یہی سب کچھ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو میں کر لوں گی۔"

"کیا؟"

"یہ آنے والا سمے بتائے گا۔" پوجا نے جواب دیا۔

"بڑے خطرناک ارادے ہیں تمہارے پوجا۔" تلک راج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی سمجھو۔" پوجا نے جواب دیا اور پھر محبت بھری نگاہوں سے ہری راج کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتی تلک راج۔" اور تلک راج پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھو پوجا تم مجھے بار بار تلک راج کہہ رہی ہو۔ تمہارا یہ کہنا میرے حق میں برا بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا کروں بھول جاتی ہوں۔ بس دل چاہتا ہے تمہیں تلک راج ہی کہوں۔"

"تمہارا تو دل چاہتا ہے، پر اگر کسی نے سن لیا تو میری تو جان ہی چلی جائے گی۔"

"بھگوان نہ کرے تلک راج...... اوہ......بھگوان نہ کرے ہری راج اچھا میں وعدہ کرتی ہوں آئندہ تمہیں تلک راج نہیں کہوں گی۔ ہری راج ہی کہوں گی۔"

"ہاں پوجا میں ہری راج ہی ہوں۔ اس لئے تم مجھے ہری راج ہی رہنے دو میرا فائدہ اسی میں ہے۔" تلک راج نے کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔

لیکن واپس آنے کے بعد بھان متی کی پوجا سے ملاقات ہوئی اور بھان متی نے جو کچھ پوجا کو سنایا اسے سن کر پوجا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ بھان متی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شام ڈھلے پوجا گھر پہنچی تھی، بھان متی نے اس سے کوئی سخت سوال نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں ماں بیٹیوں کا گٹھ جوڑ تھا، ماں بھی یہی چاہتی تھی کہ بیٹی پوری طرح ہری راج

کو اپنے قبضے میں لے لے اور بیٹی ماں کی خواہش ہی پوری کرنے گئی تھی۔ اب یہ
بات ہے کہ وہ خود بھی ہری راج کا شکار ہوگئی تھی۔

بھان متی کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر پوجا مسکرا دی۔ ''کیا بات ہے ماتا جی
چپ چپ سی ہیں۔''

''میں بڑی بے چینی سے تیرا انتظار کر رہی تھی پوجا۔''

''اچھا کیوں؟ میں نے تو تم سے کہا تھا ماتا جی کہ میں دیر سے آؤں گی۔''

''یہ بات نہیں ہے ری۔''

''تو پھر کیا بات ہے۔''

''تیرے آنے کی تو مجھے چنتا نہیں تھی، میں جانتی تھی کہ تُو دیر سے آئے گی ظاہر ہے
تُو ہری راج کے ساتھ گئی تھی۔ چنتا تو ایک اور بات کی ہے۔''

''کس بات کی ماتا جی۔'' پوجا نے پوچھا۔

''جا پہلے دروازے بند کر دے اور ادھر آ میرے پاس آ کر بیٹھ۔ سنا نہیں ہے کہ
دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے نہایت ہوشیاری سے کرنا ہے۔ کسی کو
اس کی خبر نہیں لگنی چاہیئے۔''

''کوئی خاص ہی بات معلوم ہوتی ہے ماتا جی؟''

''ہاں...... ہاں خاص ہی بات ہے۔ چل تو دروازہ تو بند کر دے جلدی سے۔''

بھان متی نے کہا اور پوجا نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ یوں بھی آج وہ بہت خوش
تھی کیونکہ ہری راج نے اس سے اپنے دل کی ساری باتیں کہہ دی تھیں۔ وہ جو یہ عظیم مقصد
لے کر اتنا فاصلہ طے کر کے آئی تھی۔ اس میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
کامیابی رقصاں تھی جبکہ بھان متی کی آنکھوں میں فکر و تردد کی پرچھائیاں تھیں۔ پوجا اس کے
سامنے بیٹھ گئی تو بھان متی نے کہا۔

''جب تم دونوں اجازت لے کر وہاں سے چلے تو میں نے تمہارے جانے کے بعد
کیدو راج کے من کو ٹٹولا۔''

''اچھا ماتا جی کیا کہا آپ نے ان سے۔'' پوجا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں نے اس سے یہی پوچھا تھا کہ آپ کو یہ دونوں کیسے لگتے ہیں۔ اس کے جواب
میں کیدو راج نے جو کچھ کہا وہ بہت ہی پریشان کن بات ہے۔''

''کیا کہا ماتا جی۔'' پوجا نے اب کسی قدر تشویش سے پوچھا۔

''میں نے صاف صاف کہا کیدو راج سے کہ اگر ان دونوں کو ایک کر دیا جائے تو کیسا
رہے گا اور اس نے اس بات سے منع کر دیا۔''

''کیا ماتا جی۔'' پوجا چلا اٹھی۔

''ہاں پوجا اس نے مجھے منع کر دیا ہے اور افسوس بھی کرنے لگا اس کا لیکن جو بات اس
نے مجھ سے کہی وہ بڑی عجیب ہے۔''

''کیا کہا اس نے۔''

''اس نے کہا۔ راجاؤں کی شادیاں سیاسی ہوتی ہیں۔ میں اپنی ریاست کو وسیع کرنا
چاہتا ہوں۔ میرے من میں بڑی آشا ہے کہ اپنی حکومت دور دور تک پھیلاؤں اس کے لئے
میں نے جگ پور کے راجہ رام سہائے کی بیٹی سے ہری راج کا وواہ کرنے کی سوچی ہے
کیونکہ رام سہائے کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور اس لئے اس کی بیٹی کی شادی جس شخص سے ہوگی
وہی اس کی سلطنت کا وارث بنے گا۔ میں رام سہائے کی بیٹی سے ہری راج کی شادی کروں
گا۔''

''پھر...... پھر ماتا جی۔'' پوجا نے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں روشنی اچانک مدھم پڑ گئی
تھی اور اب وہ کسی قدر تشویش زدہ نظر آ رہی تھی۔

''کچھ نہیں پوجا اس کے بعد میں نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ بلکہ خاموش ہوگئی۔'' بھان
متی نے کہا۔ ''کیوں ماتا جی تم نے ضد نہیں کی؟''

''نہیں پوجا اگر میں ضد کرتی تو کیدو راج ہماری طرف سے دل برا کر سکتا تھا اور
بہرصورت وہ راجہ ہے، اگر وہ آج ہمیں اپنی راجدھانی سے چلے جانے کا حکم دے دے تو
کون سی طاقت ہمیں یہاں روک سکتی ہے۔''

''گرو گردھاری لال بھی نہیں ماتا جی۔''

''نہیں گرو جی اس مسئلے میں کچھ نہیں کریں گے۔ اگر وہ خود ہی کچھ کرنا چاہتے تو پھر
ہمیں اس مقصد کے لئے یہاں نہ بھیجتے بلکہ خود ہی سارا کام کر لیتے۔''

''مم...... مگر پھر کیا ہوگا ماتا جی؟ پھر کیا ہوگا۔ یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے۔''

''کوئی گہری ہی بات سوچنی پڑے گی پوجا، میں تو اس لئے خاموش ہوگئی کہ کیدو راج
ہمارے لئے کسی پریشانی کا شکار نہ ہو اور ہم اطمینان سے اپنا آئندہ کا منصوبہ سوچیں۔''

''تو تمہارے من میں کچھ ہے ماتا جی؟''

''ابھی تک تو کچھ نہیں ہے پوجا، لیکن کچھ نہ کچھ تو سوچنا پڑے گا۔''

''ایک بات میں کہے دیتی ہوں ماتا جی کہ میں ہر قیمت پر ہری راج سے شادی کرواں گی۔ اگر مہاراج کیدوراج نے اس سلسلے میں ہم سے سختی کی تو پھر بہت برا ہوگا۔ بہت ہی برا، میں جان کی بازی لگا دوں گی۔'' پوجا نے کہا اور بھان متی پریشان ہوگئی۔

''ہوش کی باتیں کرو پوجا...... ہوش کی بات کر...... کیسی باتیں کر رہی ہے تُو۔ دیکھئے ہیں حالات کون سے رخ اختیار کرتے ہیں، کوئی عمدہ سی ترکیب سوچتے ہیں۔ تُو ایسی ایسی باتیں سوچ کر اپنے من کو خراب نہ کر۔''

''نہیں ماتا جی ہری راج اب میرا جیون بن چکا ہے۔''

''تو کون تیرا جیون چھین رہا ہے۔ پگلی کہیں کی۔ میں کہہ رہی ہوں نا عقل سے کام لے، ابھی تو ہری راج ہمارا آلہ کار بن سکتا ہے، تو مجھے اس بات کا جواب دے کہ خود ہی اس سے من ہار بیٹھی ہے۔ یا وہ بھی تیری طرف متوجہ ہوا ہے۔''

''نہیں ماتا جی آگ دونوں طرف برابر لگی ہے۔''

''تو پھر کس بات کی چنتا ہے۔'' بھان متی اچانک خوش ہوگئی۔ ''ہری راج خود سوچے گا۔''

''نہیں ماتا جی وہ بڑا معصوم ہے۔ بری باتیں وہ سوچ ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ سوچنا ہوگا ہمیں ہی سوچنا پڑے گا۔''

''ہاں ہاں معصوم تو تُو بھی ہے جو پریم کا ناٹک رچا کر بیٹھ گئی۔ پاگل ہری راج سے بات کرنا، میری یہ بات اس سے کہہ دینا کہ ماتا جی نے کیدوراج سے یہ بات کہی تھی تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہری راج اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔ ہری راج کے من کی یہ بات معلوم ہو جائے تب پھر ہم کچھ اور سوچیں گے۔''

''مگر ماتا جی اب تو اس سے کل ہی بات ہو سکے گی۔''

''تو کل کر لینا مری کیوں جا رہی ہے۔''

''میں رات کو سکھ کی نیند کیسے سو سکوں گی؟''

''بستر پر لیٹنا آنکھیں بند کرنا اور سو جانا۔''

''نہیں ماتا جی اب یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔''

''پوجا تُو اپنی ماتا کے سامنے ہے یہ بات کیوں بھول رہی ہے۔''

''میں جانتی ہوں ماتا جی۔ مگر میں تو اتنا لمبا سفر کر کے یہاں نہیں آئی تھی۔ تم ہی مجھے لائی تھیں نا اور اب جب میرے من کو [illegible] ملا ہے تو تم مجھے ڈانٹ رہی ہو۔''

''میں ڈانٹ نہیں رہی پگلی، میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ جو بھی کام کرو شانتی سے کرو۔ منش کے من سے شانتی چلی جائے تو پھر اسے کچھ نہیں ملتا۔ تو اس بات کو اچھی طرح سوچ لے، تیری کوئی لغزش تیرے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ تیرے ہی لئے نہیں بلکہ میرے لئے بھی اور پھر ہمارا سارا ناٹک دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور ابھی تو ہم کیدوراج کی راجدھانی میں ہی ہیں اور کیدوراج کوئی بڑی بات معاف نہیں کرے گا۔ میں اس کے من کو اچھی طرح جانتی ہوں بڑا کینہ پرور آدمی ہے۔ جس سے دشمنی کرتا ہے ساری زندگی اس سے دشمنی نبھاتا ہے۔ کیا تُو چاہتی ہے کہ ہم کیدوراج کو دشمن بنا لیں۔''

''نہیں ماتا جی میں یہ تو نہیں چاہتی لیکن اب تو وہ ہمارا دوست بھی نہیں رہا۔''

''ٹھیک ہے دشمن کو گڑ سے مارنا چاہیئے پگلی، گڑ سے۔'' بھان متی نے گہری سانس لے کر کہا اور پوجا پریشان انداز میں کچھ سوچنے لگی۔ دن کے گزرے ہوئے واقعات اس کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔ وہ ہری راج کی ایک ایک ادا پر واری جا رہی تھی۔ یوں بھی ہری راج اسے پسند تھا اور اوپر سے ہری راج نے اس سے پریم کا اظہار کر دیا تھا۔ ہری راج بھی اسے اس طرح چاہنے لگا تھا جیسے وہ ہری راج کو چاہتی تھی۔ یہ ساری باتیں پوجا کو یاد آ رہی تھیں اور ان باتوں نے اسے رات بھر سونے نہ دیا۔ صبح کو جب بھان متی نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھیں تو اسے گھور کر رہ گئی۔

''تو وہی ہوا جس کا مجھے شبہ تھا۔'' اس نے کہا۔

''کیا ماتا جی۔''

''تُو سوئی نہیں ساری رات؟''

''ہاں ماتا جی۔ بھگوان کی سوگندھ بڑی کوشش کی پر نیند نہ آئی مجھے۔''

''دیکھو پوجا آخری بار کہہ رہی ہوں جو لوگ جلد بازی کرتے ہیں وہ جیون میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ جو کچھ کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے اور اس کے لئے من کو شانت رکھنا بہت ضروری ہے۔ چل اشنان کر لے۔'' بھان متی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا اور پوجا اشنان کرنے چلی گئی لیکن اشنان کے دوران بھی وہ یہی باتیں سوچتی رہی تھی۔ ماں چاہے کچھ بھی کہہ لے لیکن اسے اس وقت سکون نہیں ملے گا جب تک ہری راج سے بات نہ کرے۔ یہ کیدوراج اپنی شامت کو ہی آواز دے رہا ہے۔ ہری راج کا حصول اب میرے لئے میرے من کے لئے سب سے بڑی آشا ہے۔ میں اسے کسی بھی طرح نہیں چھوڑ سکتی چاہے اس کے لئے مجھے کیدوراج کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اشنان کرتے وقت وہ یہ

سوچ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اشنان کر کے نکل آئی تو بھان متی نے اسے بتایا کہ باندیاں انہیں بھوجن کے لئے بلانے آئی تھیں اور میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ پوجا اشنان کر کے نکل آئے تو بس پہنچ رہی ہوں۔ بھان متی نے پوجا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو پوجا کیدو راج پر یہ بات بالکل ظاہر نہ ہو کہ تیرے من میں کوئی خاص بات ہے۔ جیسے کل ملی تھی، ویسے ہی آج ملنا اور یہ نہ کہنا کہ ہری راج کے ساتھ کہیں جا رہی ہوں۔''

''کیوں ماتا جی۔'' پوجا نے پوچھا۔

''اس لئے پوجا کہ اب یہ بات کیدو راج کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔ وہ اس بات سننے کے بعد تیرا ہری راج سے زیادہ میل جول پسند نہیں کرے گا۔ اس کے من میں یہی بات رہے گی کہ کہیں ہری راج اور تو آپس میں پریم نہ کرنے لگیں۔''

''ہاں ماتا جی یہ بات تو ہے۔ دشمن کو ہوشیار کرنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''بے شک اب تو وہ ہمارا دشمن ہی ہے۔'' بھان متی نے کہا اور پوجا سر ہلانے لگی پھر پوجا ہی بولی۔

''ماتا جی ایک بات بتاؤ؟''

''ہاں کیا؟''

''اگر میں ہری راج سے نہ ملی تو پھر میں اس سے کیسے کہوں گی۔''

''پگلی ہے تو بالکل، ہر بات مجھے ہی سمجھانی پڑے گی۔''

''کیوں ماتا جی اس میں پگلی ہونے کی کیا بات ہے۔''

''بے وقوف کیدو راج کے سامنے یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد کیدو راج ہری راج کے ساتھ ہی چمٹا رہے گا۔ ارے کہیں بھی جا کے اسے پکڑ لینا اور خاموشی سے کہیں نکل جانا، یا اگر نہ چاہو تو تب بھی بہتر ہے کہ تو کسی بھی سنسان جگہ پر اس سے ساری باتیں کر لینا۔

''سمجھ گئی ماتا جی۔'' پوجا نے مسکرا کر کہا اور دونوں اس جگہ پہنچ گئیں جہاں کیدو ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کے پہنچتے ہی بھوجن پروسا جانے لگا اور سب لوگ بھوجن میں مصروف ہو گئے۔

☆======☆======☆

پرکاش اور گوند سخت پریشان تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر کہیں مہاراج کو اس بارے میں معلوم ہو گیا تو ان کی زندگیاں مشکل میں پڑ جائیں گی لیکن دونوں ہی راج کمار نندراج کے بے حد وفادار تھے اور ان کے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ چنانچہ جب راج کمار نندراج نے ان سے کہا کہ وہ پھر دریا پار کر کے اچھوتوں کے علاقے میں جانا چاہتا ہے تو وہ تیار ہو گئے۔ سفر کرتے ہوئے پرکاش نے دبے لہجے میں نندراج سے کہا۔

''مہاراج ہماری جانیں تو ہمیشہ آپ پر نثار رہیں گی لیکن مہاراج اگر یدھ راج کو معلوم ہو گیا تو آپ سوچیں کہ ان اچھوتوں کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔''

''دیکھو پرکاش تم مجھے یہ بتاؤ کہ مہاراج یدھ راج کو یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟''

''راج کمار کوئی بھی بھیدی خبر کر سکتا ہے۔''

''مثلاً وہ بھیدی کون ہو سکتا ہے پرکاش۔'' نندراج نے کہا۔

''کوئی بھی مہاراج، اب ان اچھوتوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کوئی آپ کو دیکھ کر پہچان لے اور جا کر یدھ راج کو خبر کر دے اور اس خبر کے نتیجے میں وہ کسی قدر انعام پانے کا خواہشمند ہو۔''

''چھوڑو یار خبر ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ ہاں ایک بات کا وعدہ کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تمہارے اوپر کوئی بات نہ آنے دوں گا۔ یہ سمجھ لو کہ یہ میرا وچن ہے۔''

''مجھے اپنی فکر نہیں ہے مہاراج۔''

''میں اچھوتوں پر بھی کوئی مصیبت نہیں آنے دوں گا پرکاش، میرا قصور ہے، سزا بھی میں ہی بھگتوں گا، تم بالکل بے فکر رہو، لیکن میں اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا کہ اچھوتوں سے ملنا پاپ ہے۔''

''مہاراج جو آپ کی آگیا، مگر جو کچھ کریں سوچ سمجھ کر کریں۔'' پرکاش نے کہا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم چنتا مت کرو۔ آؤ دریا قریب آ گیا ہے ہمیں دریا عبور کرنا چاہیے۔'' راج کمار نندراج نے کہا اور وہ تینوں دریا میں اتر گئے۔

دریا سے تھوڑے فاصلے پر وہ گھاٹ تھا۔ جہاں سنجوگتا نے نندراج سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو سنجوگتا اس کی منتظر تھی۔ اس کے پیروں کی پائل چھن چھنا رہی تھی اور پائل کی آواز کے ساتھ ساتھ نندراج سنجوگتا کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا اٹھی۔ خوشی سے اس کا انگ انگ ناچ رہا تھا۔

''راج کمار'' وہ محبت بھرے انداز میں آگے بڑھی اور نندراج نے اسے اپنے سینے

میں دبوچ لیا۔ کافی دیر تک وہ اسے لیے کھڑا رہا۔ پھر اس کے بالوں کو چوم کر پُرسرور لہجے میں کہا۔

''کتنی دیر ہوئی تمہیں آئے ہوئے؟''

''بہت دیر ہوگئی۔'' سنجوگتا مخمور لہجے میں بولی۔

''تمہارے بابا نے تمہیں نہیں روکا۔''

''میں نے بابا کو بتایا ہی نہیں۔''

''پھر بھی کیا وہ تمہیں تلاش نہیں کریں گے۔''

''نہیں......''

''کیوں؟''

''بس میں ان سے کہہ آئی ہوں کہ میں اپنی سکھی کے پاس جا رہی ہوں۔''

''اوہ......اور اگر وہ سکھی کے پاس پہنچ گئے تو۔'' نندراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واہ بھئی واہ......کیسے پہنچیں گے۔''

''کیوں تمہاری سکھی تک پہنچنا کوئی مشکل کام ہے کیا۔''

''ہاں اور کیا؟''

''کیوں کیا بہت دور رہتی ہے وہ؟''

''ارے نہیں میری کوئی ایک سکھی تھوڑی ہے۔ بہت ساری سکھیاں ہیں۔ میں نے بابا کو اپنی سکھی کا نام بھی نہیں بتایا۔''

''ہوں......تو میں تمہاری سکھی ہوں۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہو تو تم میرے دوست ہی نا۔''

''تو تم نے مجھے اپنا دوست بنا لیا سنجوگتا۔''

''میں نے کیا بنا لیا بھگوان نے بنایا ہے۔ ہم کیا کریں؟''

''ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ بھگوان نے واقعی مجھے تمہارا ہمیشہ کے لئے دوست بنا دیا ہے۔'' نندراج نے کہا اور ایک بار پھر سنجوگتا کو سینے سے لگا لیا۔ پھر وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے۔ نندراج اب بھی اس کو دیکھے جا رہا تھا۔

''ایک بات بتاؤ سنجوگتا۔''

''ہوں پوچھو۔''

''تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟''

''بہت سی باتیں سوچتی ہوں۔''

''کیا۔''

''بتاؤں گی نہیں؟''

''کیوں؟''

''بس میری مرضی۔''

''یہ تو غلط بات ہے سنجوگتا۔''

''کیوں غلط بات ہے؟''

''میں تو تمہیں اپنے من کی ساری باتیں بتا دیتا ہوں اور تم اپنے من کی باتیں مجھ سے چھپاتی ہو۔''

''سچ تم نے اپنے من کی ساری باتیں مجھے بتا دی ہیں۔'' سنجوگتا کھکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہاں بتا دی ہیں اور جو رہ گئی ہیں وہ پوچھ لو۔''

''اچھا تو تم یہ بتاؤ کہ تمہارے من میں میرے لئے کیا ہے؟''

''میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔''

''کیوں؟ ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ پوچھ لو۔''

''ہاں کہہ تو رہا تھا پر پہلا سوال میرا ہے۔ اس لئے یوں کرو کہ تم اپنے من کی بات مجھے بتا دو۔''

''میں ذرا سا شرما رہی ہوں۔ جب تم مجھے اپنے من کی باتیں بتا دو گے تو پھر میری شرم بھی کھل جائے گی اور پھر میں بھی تمہیں اپنے من کی ساری باتیں بتا دوں گی۔''

''ہوں تو یہ بات ہے؟'' راج کمار نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں یہی بات ہے۔''

''تو پھر سنو! لیکن ایسے نہیں آنکھیں بند کر کے۔''

''آنکھیں کیوں بند کر لوں۔ بس میں سمجھ گئی۔'' وہ پھر ہنس پڑی۔

''کیا سمجھ گئیں۔''

''یہی کہ تمہیں بھی شرم آ رہی ہے۔''

''اچھا تو چلو ایسا ہی سہی۔ آنکھیں بند کرو۔'' نندراج نے کہا اور سنجوگتا نے آنکھیں بند کر لیں۔ تب نندراج نے آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے، جھکا اور اس کی دونوں آنکھوں کو چوم لیا۔ سنجوگتا نے گھبرا کر دونوں آنکھیں کھول دی تھیں۔

''یہ کیا؟''

''جو من میں تھا۔'' راج کمار نے جواب دیا۔

''ہوں اب تم سوچو گے کہ میرے من میں بھی یہی بات ہے تو نہیں۔ میں نے کوئی ایسی بات سوچی ہی نہیں۔'' وہ کسی قدر شرمیلی آواز میں بولی۔

''اچھا تو تم بتاؤ تم نے کیا سوچا؟''

''بس میں سوچتی رہی کہ تم راج کمار ہو کر کتنے مہان ہو اور یہ بھی سوچتی ہوں کہ تم...... کہ تم کتنے سندر ہو؟''

''میں سندر ہوں......'' راج کمار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں تم بے حد سندر ہو۔ بھگوان کی قسم اس سنسار میں مجھے سب سے زیادہ مہان اور سب سے زیادہ سندر لگتے ہو۔ تمہاری من موہنی صورت ایک لمحے کے لئے بھی میرے من سے نہیں نکل سکی۔ جانتے ہو یہ پریم میرے من میں کیوں پیدا ہوا؟''

''میں کیا جانوں۔'' نندراج نے اپنے لہجے کی مسرت چھپاتے ہوئے کہا۔

''تم اتنے اچھے ہو۔ تم نے میرے لئے ایک سپاہی کو مارا تھا، تبھی سے میرے من میں تمہاری بڑائی کا احساس پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد تم ہمارے گھر آئے اور سب سے بڑا کام جو تم نے کیا ہے وہ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ اسی کام کی سندرتا میرے شریر میں بس گئی ہے اور میرا رواں رواں اسی سندرتا سے بھرا ہوا ہے۔''

''بھلا وہ کیا؟''

''تم نے میرے ہاتھ کے بنے ہوئے گوجے کھائے تھے۔''

''اچھا...... اچھا...... وہ گوجے تو بہت ہی اچھے تھے۔''

''اور کھاؤ گے۔''

''کیا مطلب؟''

''پسند آئے تھے تمہیں؟''

''بہت زیادہ۔''

''تو میں آج بھی تمہارے لئے گوجے بنا کر لائی ہوں۔''

''آج بھی۔'' نندراج نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں آج بھی۔''

''تو لاؤ جلدی لاؤ۔ وہ گوجے تو مجھے بہت زیادہ پسند آئے تھے۔'' نندراج نے کہا۔

سنجوگتا نے تھوڑے فاصلے پر موجود ایک درخت کی نچلی شاخ سے ایک پوٹلی نکالی اور لا کر نندراج کے سامنے رکھ دی۔ نندراج نے پوٹلی کی گرہ کھول کر اس میں سے گوجے نکالے اور اپنے ہاتھ سے سنجوگتا کو کھلانے لگا اور گوجہ سنجوگتا کو کھلانے کے بعد اس نے باقی گوجہ اپنے منہ میں رکھ لیا۔ سنجوگتا سحر زدہ رہ گئی۔

''تم نے ہمارا جھوٹا بھی کھا لیا۔ نندراج مہاراج۔''

''نندراج مہاراج نہیں صرف نندراج ہوں۔ میں تمہارا نندراج ہوں سنجوگتا۔ اب وہ ساری باتیں من سے نکال دو، جو اجنبیت رہنے دیتی ہیں۔ میں تو پریم کرتا ہوں، میں اس سارے سنسار میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں میں تمہارے لئے سارا سنسار چھوڑ سکتا ہوں سنجوگتا، میں تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملیں تو بھگوان کی سوگندھ میں آتما ہتیا کر لوں گا۔ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔ سنجوگتا میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور میں تصور نہیں کر سکتا کہ تم مجھ سے علیحدہ ہو۔''

''نندراج مہاراج...... مم...... مہاراج۔'' سنجوگتا کی حالت بری ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا پڑ گیا تھا۔ بمشکل اس نے کہا۔ ''مم...... مہاراج میں...... میں تو اچھوت ہوں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سنجوگتا۔ تم اچھوت ہو لیکن دنیا کی نگاہوں میں، میرے لئے تم میری زندگی ہو۔ میں تو سرے سے اچھوتوں اور برہمنوں کو مانتا ہی نہیں۔ میرے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ میرے نزدیک کسی اونچ نیچ ذات کا تصور نہیں ہے۔ ہم ایک جیسے انسان ہیں اور ہمیں ایک دوسرے سے پریم کرنے کا حق ہے اور ہمیں ہمارے اس حق سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' نندراج نے جذباتی لہجے میں کہا اور سنجوگتا آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کرنے لگے۔

اب تک وہ ساری باتیں سحر زدہ انداز میں سن رہی تھی لیکن اب اس کی آنکھوں میں بہت چمکنے لگی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور اس پر بے خودی طاری تھی وہ آہستہ سے آگے جھکی اور اپنا سر نندراج کے سینے سے لگا دیا۔

''نندراج کیا سنسار ہمیں ایک ہونے دے گا۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ آخر ہم نے سنسار کا کیا بگاڑا ہے۔ یہ ہمارے من کی بات ہے جب سنسار میں سب اپنے من کی باتیں کرتے ہیں تو کوئی ہمیں کیوں روکے گا۔'' نندراج نے کہا اور سنجوگتا کی معصومیت اس کے وجود میں تحلیل ہو گئی۔

نجانے وہ دونوں کب تک ایک دوسرے کے لمس سے آشنا ایک دوسرے میں کھوئے بیٹھے رہے۔ وقت گزر رہا تھا اور چاند آہستہ آہستہ ابھرتا نظر آ رہا تھا۔ چاند پورا نکل آیا تو نندراج اس بے خودی سے چونکا۔

''سنجو گتا تمہیں دیر تو نہیں ہو رہی۔''

ایک دم...... سنجو گتا چونک پڑی۔ پھر اس کی نگاہیں آکاش پر نکلے ہوئے چاند پر پڑیں تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''ہائے رام اتنی رات ہو گئی۔''

''کیوں پریشان ہو گئیں۔''

''ہاں میں نے پتا جی سے اتنی دیر کے لئے تھوڑی کہا تھا۔ اگر میں کبھی اپنی سکھیوں کے پاس جاتی بھی ہوں تو تھوڑی دیر کے لئے اور پھر واپس آ جاتی۔ میرا خیال ہے کوئی مشکل پیش آ جائے گی پتا جی تو مجھے ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوں گے۔''

''اوہ اب کیا ہوگا سنجو گتا۔''

''کچھ نہیں...... تم چنتا مت کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔''

''چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے، جاؤ بھگوان تمہاری رکھشا کرے۔'' سنجو گتا نے کہا اور نندراج اسے دیکھنے لگا۔

''نہیں سنجو گتا پہلے تم جاؤ۔ جب تک تم میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاؤ گی میں یہیں کھڑا رہوں گا۔''

''نہیں راج کمار تم پہلے جاؤ۔''

''نہیں سنجو گتا تم جاؤ۔'' نندراج ضد کرنے لگا اور سنجو گتا مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''اب کب ملو گے راج کمار۔''

''کل شام کو اسی جگہ۔'' نندراج نے کہا اور سنجو گتا مسکراتی ہوئی واپس چل پڑی نندراج دوسری شام کے تصور میں گم وہاں سے چلا آیا۔

سنجو گتا سے ملنے کا خیال سنسار میں سب سے خوبصورت خیال تھا۔ وہ سوچتا تھا جیون کی صبح اسی سے ہوتی ہے۔ جب سنسار میں شام پھیل جاتی ہے۔ نگر باسیوں کے میں شام کے اندھیرے آرام اور سکون کا پیغام ہوتے ہیں۔ پر من کے مارے پریمی

کے ساتھ ہی جیون کی صبح کا آغاز کرتے ہیں اور یہ شام کی اور رات کی تاریکیاں پریمیوں کی صبح ہوتی ہے۔ سنجو گتا کے انتظار میں سورج بھری شام کی صبح کا انتظار ہونے لگا۔

☆======☆======☆

اچانک ایک ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے کتاب ان کے ہاتھ سے لے لی۔ نریشا اور دیوالی بری طرح اچھل پڑیں۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ آسمان کی بلندیوں سے گر پڑی ہوں۔ وہ خود کو اسی ماحول میں محسوس کرنے لگی تھیں۔ جو ہاتھ ان کی طرف بڑھا تھا وہ کشنو تا بھگونت کا تھا۔ کتاب انہی کے پاس تھی۔ نریشا نے کہا۔

''ابھی تو یہ کتاب باقی ہے مہاراج۔''

''کیوں نہیں۔ پرتھوی ابھی جیوت ہے ڈاکٹرنی۔''

''میں سمجھی نہیں مہاراج؟''

''کرنت کندھیر تا اپرنت ہے۔ سنسار بڑا بھیدی ہے اور منش کا مستک چھوٹا۔ سارے پھل آنکھوں کے سامنے آ جائیں تو بدھی نشچنت ہو جاتی ہے کچھ آنے والے سمے کے لئے بھی رہنا چاہئے۔''

''مگر اس سے آگے؟''

''میں بتاتا ہوں۔''

''تو بتایئے پربھو۔'' نریشا نے کہا۔

''سنسار چار یگوں پر سنت ہے۔ جانتی ہو؟''

''جی مہاراج، تھوڑا تھوڑا۔''

''ہر یگ میں نیا جنم ہوتا ہے۔ اور پچھلے یگ کے کرموں کا بھوگ بھی۔''

''جانتی ہوں مہاراج۔''

''دیوالی کون سے یگ میں کیا تھی بھگوان جانے، پر اس کے پچھلے جنم کی کہانی بڑی دلچسپ ہے جب یہ بڑی سندر ناری تھی اور بہت بڑے باپ کی بیٹی تھی اور وہ...... ایک پرشو ناری، کرتوی۔''

''کون......؟''

''نئے جنم میں جس کا نام وجے کپور ہے۔''

''کیا'' دونوں اچھل پڑیں۔

''ہاں مگر پچھلے جنم میں وہ کرتوی تھا۔''

"یعنی جانور؟"

"کہہ لے جانور۔ یہ میں بتا چکا ہوں کہ وہ یہ شوناری تھا۔ جانور، پرانسان۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مہاراج؟"

"کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں؟"

"میں سمجھ گئی وہ اچھا دھاری تھا۔ یعنی اپنی اچھا سے اپنی پسند کا روپ دھارن کر سکتا تھا۔" نریشا نے کہا۔ اور کشنوتا بھگونت سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے۔

"یہ اس کے کرموں کا بھوگ ہی ہے کہ اس جنم میں اس کے پاؤں الٹے ہیں۔ پچھلے جنم میں وہ اپرنا تھی جانتے ہو اپرنا کون تھی؟" کشنوتا بھگونت نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں بھگونت۔"

"اپسرا، آکاش سے اتری ہوئی اپسرا جس نے کہا تھا کہ ہے کوئی اس سنسار میں مجھ جیسا۔ ماتا پتا کی آنکھوں کا تارا تھی۔ راج رجا دیئے تھے بدری ناتھ نے اسے، سولہ گاؤں کا مالک تھا۔ رئیس ابن رئیس، اس پورے علاقے میں اس سے بڑا جاگیردار دوسرا نہیں تھا۔ اور اپرنا اکلوتی تھی اس کی، پر بدنصیب نے واکال بھوانا کو بھڑکا دیا تھا۔

"اکال بھوانا کو۔"

"ہاں مہادیو کا پرکاشتی، ہر ہر مہادیو کا سیدھا ہاتھ۔"

"تو پھر......" نریشا نے دلچسپی سے پوچھا۔ دیوالی پر تو سکتہ طاری تھا۔ اس کے پچھلے جنم کی کہانی اس کے سامنے کھل رہی تھی۔

"اکال بھوانا نے اس کے شبد سنے اور اسے برے لگے۔ اس نے مہادیو سے کہا۔

"ہر ہر پربھو۔ یم دود سے کہیں اس کے پران نکال لے۔"

"نہیں۔" پربھو نے کہا۔

"یہ سمجھاؤ میں ڈوب گئی ہے۔"

"سزا دو اسے۔"

"کیا سزا دیں پربھو۔"

"سزا...... پربھو دیو سوچ میں ڈوب گئے۔" کشنوتا سوچ میں ڈوب گیا۔ جب بہت دیر گزر گئی تو نریشا بولی۔

"آپ بھی سوچ میں ڈوب گئے کشنوتا مہاراج۔"

"ایں......" کشنوتا چونک پڑا۔

"آپ بھی سوچ میں ڈوب گئے۔"

"ہاں یاد کر رہا ہوں۔"

"کیا مہاراج۔"

"اس کا پچھلا جنم۔"

"آپ کا گیان اپرم پار ہے دیال کنٹھ پہ۔"

"خاموش رہو کچھ مجھے یاد کرنے دو۔ بھادوں کنشد رہی تھی۔ ساون ہریال چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ساون اپنی بہاریں چھوڑ گیا تھا۔ بہاروں کو رولانے کے لئے کماری اپرنا اس بار اپنی حویلی میں ساون میں نہیں آ سکی تھی۔ ولایت سے بدری ناتھ کے دوست اپنے اہل خاندان کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ اس خاندان میں ایک نوجوان لڑکا بھی تھا اور بدری ناتھ کے دوست کا خیال تھا کہ اپنے بیٹے کے لئے اپرنا کا ہاتھ مانگ لیں گے۔ مگر بدری ناتھ نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں رام سروپ جی آنکھوں کی روشنی کون اپنے آپ سے دور کرتا ہے۔ اپرنا تو میرے لیے نین سکھ ہے اپنی آنکھوں کی روشنی کو میں تمہارے ساتھ ولایت نہیں بھیج سکتا۔ ہاں اگر تم یہاں آ کر آباد ہو جاؤ تو اپرنا کی مرضی پوچھ کر میں سوچ سکتا ہوں۔" بہرحال یہ بات بدری ناتھ کے دوست نے پسند تو نہیں کی تھی لیکن منہ سے کچھ بولا بھی نہیں تھا۔ اپرنا کو البتہ اس کی وجہ سے شہر ہی میں رہنا پڑا اور جب وہ چلے گئے تو اس نے اپنے پتا جی سے کہا۔

"قید کے دن اور باقی ہیں پتا جی یا ختم ہو گئے۔"

"قید۔"

"تو اور کیا۔ وہ تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے سارا ساون گزر گیا اور میں پریتم پور نہیں گئی آپ جانتے ہیں کہ ساون کے مہینے میں پریتم پور میری جان ہوتا ہے۔"

"بھادوں باقی ہے پتری۔ جاؤ چلی جاؤ۔ میں تیاری کیے دیتا ہوں۔" اپرنا منہ بنا کر خاموش ہو گئی تھی۔ پریتم پور میں ان کی آبائی حویلی تھی۔ پرکھے اسی حویلی میں پلے بڑھے تھے اور بہت عرصے تک اپرنا بھی یہیں رہی تھی۔ ساون بھادوں کی بہاریں یہاں روپ ہی ہرا دکھاتی تھیں اور اپرنا شہر جا کر خوش نہیں تھی۔ شہر کی رنگینیاں کچھ دنوں کی اور اس کے بعد پریتم پور کی یادیں بہرحال موسم بہار میں ہر سال وہ یہاں آتی تھی۔ خوب رنگ رلیاں، چہلیں ہوتی تھیں۔ بدری ناتھ جی نے سارے انتظام کر دیئے اور اس کے بعد وہ پریتم

پور چل پڑی اور یہ سچ ہے کہ پریتم پور یہاں کا دروازہ تھا اور وہاں بہار جب آتی تھی۔ جب
اپرنا یہاں پہنچ جاتی تھی۔

حویلی کے مرجھائے ہوئے پھول کھل اٹھے۔ نوکروں نے کام شروع کر دیا۔ درختوں
میں جھولے پڑ گئے رسیوں پر پھولوں کی بیلیں چڑھ گئیں اور مدھ بھری جوانیاں فضاؤں میں
تتلیوں کی طرح اڑتی نظر آنے لگیں۔ امنگوں بھرے گیت گائے جانے لگے۔ جن میں پریتم
کی یادیں بسی ہوتیں کس کے من میں کیا ہے کون جانتا، مگر من موہنیاں من کے راگ گانے
لگتی تھیں۔ اس لئے قہقہوں سے فضاء مہکنے لگتی تھی۔ پھولوں سے کہیں زیادہ حسین مہک جوان
کنواریوں کے بدن سے اٹھتی تھی۔ ایسی کہ کوئی منچلا اس خوشبو کو پالے تو پاگل ہو جائے۔
جینے کی آرزو چھوڑ دے یا پھر جیئے تو پریتم پور کی اس حویلی میں آ کر۔ بادل جیسے ان
سندریوں کے انتظار میں تھے۔

پانی کے بوجھ سے جھکے جھکے آسمانوں کی وسعتوں میں تیرتے ہوئے۔ بھادوں کی
پیاس سے تپتے کنوارے پینڈے دھوپ جلی دھرتی کی مانند جو پانی پائے تو آگ اگلے،
ٹھنڈی ہو تو کونپلیں وہ کونپلیں کھلیں تو پھول بنیں اور رنگ بکھیر دیں۔

''کتنے دن ہو گئے رام سری یہ بادل اس بار ہم سے کیوں روٹھ گئے ہیں۔'' اپرنا نے
جھولے پر اداس بیٹھ کر کہا۔

''دیر سے جو آئی ہو اپرنا۔''

''بھگوان کرے سوکھ جائیں۔ یہ بادل برستے ہی نہیں۔''

''جوانی ایسے ہی مچلتی ہے کسی کے بس میں نہیں آتی بادلوں کی جوانی تو بس بھگوان ہی
کے بس میں ہو سو ہو۔''

''تو بھگوان کو کون اس دھرتی پر بلائے کہ وہ ان بھاگتے ہوئے بادلوں کو دبوچ لے
ان کا سارا پانی نچوڑ دیں۔'' اپرنا بولی۔

''چلو بھگوان نہ سہی کوئی بھگوان داس ہی آ جائے۔ ان بادلوں کو نچوڑنے۔'' رام سری
نے تیکھی نگاہوں سے اپرنا کے ابلتے ہوئے جوبن کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپرنا غصے سے
دہاڑی۔

''تو نے پھر اس کالے بینگن کا نام لیا۔''

''کالا بینگن۔''

''بھگوان داس کون تیرا چاچا ہے۔'' اپرنا غرا کر بولی۔ رام سری ایک لمحے تک سوچ

رہی اور اس کے بعد جو اس کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تو رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

''ہرے رام...... ہرے رام۔ یہ تو گھڑے میں پانی بھرنے والی بات ہوئی میں نے
ان بھگوان داس کے لئے تھوڑی کہا تھا بھگوان نہ کرے وہ کالا کلوٹا یہاں پریتم پور میں نظر
آئے ساری بہار چلی جائے گی۔'' یہ ایک دلچسپ کہانی تھی۔

بھگوان داس بھی ایک بڑے گاؤں کے زمیندار کا بیٹا تھا اور اس کا رشتہ آیا تھا ایک بار
اپرنا کے لئے اور جب وہ بردکھاوے کے لئے آیا تو اپرنا نے چائے کی ٹرے اس کے منہ پر
دے ماری تھی۔ کیونکہ بھگوان داس کالا اور بھدا تھا اور اس کی اس حرکت سے دونوں
خاندانوں کے درمیان دشمنی کھڑی ہو گئی تھی۔ حالانکہ بدری ناتھ نے اس حرکت کی معافی
بھی مانگی تھی لیکن معافی مانگنے سے بھگوان داس کی ناک تو ٹھیک نہیں ہو سکتی تھی جو چینی کے
برتن سے کٹ گئی تھی اور اب وہ کالا ہونے کے علاوہ نکٹا بھی ہو گیا تھا۔

''تو پھر کون سے بھگوان داس کے بارے میں کہا تھا تم نے۔'' اپرنا نے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ بھگوان کا کوئی بھی داس کوئی سہادیو جو لمبے ہاتھ کر لے
بادلوں کو پکڑے اور انہیں دبائے اور پانی برس پڑے۔'' رام سری شوخی سے بولی۔

''بس کیا کیا جائے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اپرنا آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرا دے اور
بادلوں سے کہے کہ بادل جی برس جاؤ پھر دیکھو کہ بادل برسیں گے کہ نہیں برسیں گے۔''
راجی کہنے لگی۔

''تیری تو بس باتیں ہی باتیں ہیں۔'' اپرنا کو اپنے حسن کی تعریف سن کر خوشی ہوتی
تھی۔ بارہا اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر کہا تھا۔ ''واقعی بھگوان ایسا کسی کسی کو ہی
بناتا ہے جو اپنے آپ کو دیکھے تو اس پر نثار ہو جائے۔'' بادل گرجے تو سب اچھل پڑیں۔

''کوئی آ گیا۔'' اپرنا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پانی کی پہلی بوند نے اپرنا کو چھوا تو امر
ہو گئی اور اس کے بعد برکھا شروع ہو گئی۔ دھوپ جلی دھرتی چھن چھن بجنے لگی۔ فضا میں
بھاپ بلند ہونے لگی۔ سارا ماحول اگن کنڈ بن گیا۔ پر بادل بھی ایسے برسے کہ ساری آگ
بجھا کر ہی دم لیا۔ دھرتی ٹھنڈی ہو گئی۔ جھولے لد گئے اور ہواؤں میں گیت لہرانے لگے۔
ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال بھادوں بھائی سے گلے مل کر روتی چلی گئی۔ کوئی
بھی کوئی منی اس طرف نہیں آیا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور اپرنا زندگی کے
مزے سکھ اٹھا ہی رہی تھی۔ پر کیا کرتی پاگل۔ اپنی بات سے مات کھا گئی اور اس نے پاپ
کر دیا کہ کسی کو اپنا ساتھی نہ سمجھا اور نقصان تو اٹھانا ہی ہوتا ہے اور نقصان وہی اٹھاتے ہیں جو

سب کو بھول جاتے ہیں اور سچ تو کچھ اور ہی ہے۔ روپ سروپ بھگوان کا، بھلا کون بھگوان کے سامنے سر اٹھائے، اکال گورنا مہادیو کا پرکاشتی بھلا یہ کہاں برداشت کر سکے کہ کسی منش کی تعریفیں بھگوان سے زیادہ کی جائیں۔ لڑکیاں مزے کر رہی تھیں اپرنا غرور کی مٹی میں گوندھی ہوئی تھی۔ لڑکیوں نے طے کیا کہ تھوڑے فاصلے پر جوندی ہے۔ وہاں پکنک منائی جائے۔ بس زبان سے نکلنے کی دیر تھی۔ تیاریاں ہوگئیں۔ سمے بڑا حسین تھا۔ ڈھلے ڈھلے آسمان پر چاند نکل آیا تھا اور دھرتی پر دیئے جل اٹھے تھے۔ یہاں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا ندی کا اور یہ ندی بڑی سبک روی سے بہہ رہی تھی حالانکہ رات ہوگئی تھی، لیکن لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔ راجی کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیرے تو اپرنا نے اس کی پیٹھ پر دھول جماتے ہوئے کہا۔

''جوانی ٹوٹی پڑ رہی ہے۔ میں کہتی ہوں ذرا سمے دیکھ، منظر دیکھ یہ سونے کا وقت ہے۔''

''تو کیا کرنا ہے۔''

''نرکھ میں جانا ہے۔''

''واپس آؤ تو مجھے جگا دینا۔'' راجی شرارت سے بولی لیکن پھر اپرنا کا گھونسا دیکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ارے رام...... رام...... رام۔ کوئی غلط بات کہہ دی کیا میں نے چلو چھوڑو معاف کردو۔'' اور اس کے بعد ساری لڑکیاں تیار ہوگئیں جنگل میں منگل ہوگیا۔ وہ سب کھلے آسمان تلے اپسرائیں لگ رہی تھیں۔

''ہائے رام یہ دھرتی کتنی سندر ہے۔ پر اس سندرتا میں ایک بڑی کمی ہے۔'' رام سری بولی۔

''کیا ری۔'' اپرنا نے پوچھا۔

''کسی من موہن کی، کسی کے موٹے موٹے مسکراتے ہونٹ، چوڑی چھاتی مضبوط بازو ساتھ نہ ہوں تو جیون ادھورا لگتا ہے۔'' رام سری مستی بھری آواز میں بولی اور اپرنا کے من میں شرارت اٹھ گئی اس نے کوشل کو پاس بلایا۔ اس کے کان میں کچھ کہہ کر اسے آگے بھیج دیا پھر بولی۔

''کوئی من موہن ہے تیرے من میں۔''

''ہائے اس کا سمے ہی کہاں ہے ہمارے پاس۔''

''کتنا سمے چاہیے تجھے۔'' اپرنا نے پوچھا۔

''سارا جیون بلکہ وہ بھی کم ہوتا ہے۔'' ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کوشل ایک موٹے تازے نوکر کو لے کر آگئی۔ جس کا سر گھٹا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لگا کاجل گالوں پر پھیلا ہوا تھا۔ سر کے عین درمیان چٹیاں جھول رہی تھیں۔

''جے دیوی!'' اس نے قریب آ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا نام ہے رے تیرا۔'' اپرنا نے پوچھا۔

''من موہن دیوی جی۔'' موٹے تازے سر منڈے آدمی نے کہا۔

''یہ رام سری تجھے یاد کر رہی تھی۔ جیسے یہ کہے ویسا ہی کرو۔'' اپرنا نے کہا اور رام سری کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اپرنا دوسری لڑکیوں کو لے کر وہاں سے ہٹ گئی سب نے قہقہے لگانا شروع کر دیئے تو اپرنا بولی۔

''میں کیا کرتی وہ من موہن کو پکار رہی تھی۔ میں نے من موہن کو اس کے پاس بھیج دیا۔'' ادھر من موہن بے چارہ پریشان کھڑا تھا۔ رام سری کی حالت بھی خراب تھی اس نے ایک لمحے تک کچھ سوچا پھر بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اپرنا کی شرارت بڑی دلچسپ تھی۔ وہ خود بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، پھر اس نے کہا۔

''کیا نام ہے رے تیرا۔''

''من...... من...... من موہن۔'' گنجے نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''کس نے رکھا ہے تیرا نام۔''

''مم...... میرے ماتا پتا نے۔''

''تو تمہارے ماتا پتا کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔'' رام سری نے گردن اکڑا کر کہا۔

''مم...... ماتا پتا...... ماتا پتا تو کبھی کے اس سنسار سے جا چکے ہیں۔''

''یہاں کیوں آئے ہو۔''

''وہ دیوی جی بلا کر لائی تھیں۔''

''کیا کہا تھا انہوں نے۔''

''کہا تھا جو کچھ آپ کہیں وہ کروں۔''

''ہوں...... ہاں ٹھیک ہے۔ ایسا کرو الٹے کھڑے ہو جاؤ اور زور سے کہو کہ تمہارا نام من موہن نہیں بلکہ گوبردھن ہے۔ چلو جلدی کرو ورنہ تمہاری کھال اتار دی جائے گی۔''

''ارے دیا رے دیا۔ الٹا نا ہی کھڑا ہوا جائے گا ہم سے کماری جی۔''

"میں کہتی ہوں جلدی کرو ورنہ۔" رام سری نے ایک لکڑی کا ٹکڑا اٹھا لیا اور بے چارہ من موہن الٹا کھڑا ہونے کی کوشش میں دھپ دھپ گرنے لگا، لیکن اس کی زبان تیزی سے چل رہی تھی۔

"میرا نام گوبردھن ہے میں گوبردھن ہوں۔"

"کہتے رہو جو کر رہے ہو کرتے رہو۔ ایک پل کے لئے رکے تو۔"

"ٹھیک ہے دیوی جی۔" من موہن کو جان پیاری تھی۔ الٹا تو اس سے ایک بار بھی نہ کھڑا ہوا گیا البتہ وہ گوبردھن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بن گیا۔ لڑکیاں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھیں۔ رام سری انہیں دیکھ رہی تھی اور سلگ رہی تھی۔ پھر وہ ان کے پاس پہنچ گئی۔

"ارے ارے من موہن کو چھوڑ کر یہاں آ گئی۔"

"کیا کروں اپرنا جی وہ من موہن سے گوبردھن بن گیا۔" رام سری نے کہا اور خود بھی پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگی۔

"تیرے ستیاناس۔ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی تو کر کیا رہی ہے یہ۔"

"میں کیا کر رہی ہوں۔ وہ اپنا نام یاد کر رہا ہے۔ ایسا یاد کرلے گا پاپی کہ جیون بھر نہ بھولے گا۔" بہر حال یہ ہنسی مذاق جاری رہا۔ کھلے آسمان کے نیچے جیون بڑا ہی سکھی گزر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپسی آ گئیں، لیکن اپرنا کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ لڑکیاں تو سو گئیں۔ وہ اپنی آرام گاہ سے باہر نکل آئی دور دور تک حسین چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی اور پھر دفعتاً وہ رک گئی دریا کے کنارے اسے دو ننھی ننھی روشنیاں جلتی نظر آ رہی تھیں۔ یہ روشنیاں کچھ دیر تک تو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں، لیکن اس کے بعد اس نے ان روشنیوں کے مرکز کو دیکھا اور اس کے پورے بدن میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ چکی کے پاٹ کی طرح چوڑے پھن والا چمک دار بدن ناگ تھا جو کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اپرنا کے حلق سے چیخ نکلنے والی تھی کہ اس کی آنکھیں ناگ کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اسے ایسا لگا جیسے ناگ کی آنکھوں سے کوئی تیز شعاع نکلی ہو اور اس کے دماغ میں چپک گئی ہو۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چیخ اس کے منہ سے نہیں نکل سکی تھی۔ یہ کیفیت تھوڑی دیر رہی اور اس کے بعد وہ اس سے آزاد ہو گئی اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی لیکن ابھی تک وہ روشنی اور ان آنکھیں بھولے نہیں بھول رہی تھی۔ ان آنکھوں سے اسے شدید خوف محسوس ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی اور پھر اس نے سوچا کہ ایسی جگہوں پر ناگ نہیں نکلیں گے

اور کیا نکلے گا۔ بہر حال اس طرح اکیلے جانا خطرناک تھا۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگی اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ اس طرح کہیں منہ اٹھا کر نہیں نکلے گی۔ یہ ایک خطرناک عمل بھی ہو سکتا ہے۔ غرض یہ کہ دوسری صبح تک وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ دن بھر بادل چھائے رہے تھے۔ دو تین بار ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑی تھی۔ باورچیوں نے پکوان چڑھا دیئے تھے۔ خوب رنگ رلیاں ہوتی رہیں۔ پھر شام ہو گئی اور پھر رات، رات کو وہ بستر پر سوئی ہوئی تھی۔ کوئی چیز گری اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ اس روشنی میں اس نے چاروں طرف دیکھا اور ایک بار پھر اس کے دل پر دہشت طاری ہو گئی۔ دو آنکھیں دو چمکدار آنکھیں، لیکن یہ آنکھیں سانپ کی آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ تو بڑی بڑی روشن آنکھیں تھیں جن کی پتلیاں گہری نیلی اور پلکوں کی جھالر آنکھوں پر پڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ آنکھیں روشندان سے اسے تک رہی تھیں جونہی وہ اٹھ کر بیٹھی کوئی روشندان سے نیچے ہو گیا۔ اپرنا دہشت سے چیخ اٹھی۔ حویلی کا ملازم اور راجی جو برابر والے کمرے میں تھی دوڑتے ہوئے آ گئے دروازہ کھلا ہوا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی صورتِ حال پوچھی تو اپرنا نے انگلی سے روشندان کی طرف اشارہ کر دیا۔ روشندان اونچی چھت کے بیچ میں تھا اور چھت کوئی بیس فٹ اونچی تھی۔ نیچے بارہ فٹ کی بلندی اور اوپر آٹھ فٹ کی بلندی اور درمیان میں یہ روشندان تھا۔ جب اس نے ان آنکھوں کے بارے میں اسے بتایا تو دونوں حیران رہ گئے۔ ملازم نے کہا۔

"معافی چاہتے ہیں۔ دیوی جی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ نیچے سے اس روشندان تک کوئی نہیں جا سکتا اور نہ ہی اوپر سے کوئی پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو بیچ و بیچ میں ہے۔"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

"نہیں...... مم...... مگر ہم دیکھتے ہیں۔" ملازموں نے پوری حویلی چھان ماری لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے یہ اندازہ ہو کہ کوئی وہاں آیا تھا۔ دفعتاً اپرنا کو کسی چیز کے گرنے کی آواز یاد آئی اور اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ مینٹل پیس پر تصویر کا ایک فریم رکھا ہوا تھا۔ جو اس وقت نیچے پڑا ہوا تھا اور یہ فریم روشندان کے بالکل نیچے تھا۔ [illegible] ہے۔ پھر وہ آنکھیں اسے اکثر نظر آنے لگیں۔ کبھی کیاریوں میں کبھی کھڑکی پر، کبھی الماری میں، کبھی ننھی کبھی بڑی اور اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کوشل ہم واپس چلیں گے میں تو بہت عرصے سے یہاں آ رہی ہوں لیکن اس بار پہلی مرتبہ ڈر لگا ہے۔"

☆======☆======☆

بوڑھی ناگن نے محبت بھری نگاہوں سے اس نوجوان سانپ کو دیکھا۔ چمکدار خوبصورت بدن، چکی کے پاٹ جیسا چوڑا پھن، جوانی سے بھرپور۔ بوڑھی ناگن جس کا نام گرگھا گنی تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی اور پھر اس نے کہا۔

''آؤ پورنا پڑ گئے نا ہزارے کے پھیر میں۔''

''ہاں پرمسنی ہاں۔ ہمارے پُرکھوں کی رکھوالی گرگھا گنی! سچ مچ پھیر میں پڑ گئے۔''

''کہا تھا میں نے۔ کہا تھا نا تم سے کہ روپ دھارن مت کرو ہزارے کا پھیر بہت برا ہوتا ہے۔ ناگ ہو ناگ ہی رہو ویسے تم نے ایک سپیرا مار دیا ہے۔ یہ تم نے بہت برا کیا۔ بھینٹ دینی تھی مگر ایسے میں یہ تو تم نے اپنے من کو روگ لگا لیا۔ سپیرا اب تمہارا پیچھا کرے گا۔''

''بھاڑ میں جائے سپیرا! تم اپنی کہے جا رہی ہو، راستہ روک رہا تھا وہ میرا۔ تو کیا میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتا۔ میرا دوش تو نہیں ہے کہ میں شیش ناگ بن چکا ہوں یہ تو ہزارے کا پھیر ہے۔''

''ارے بزرگوں کی بات بھی مان لی جاتی ہے۔ ہر اچھا دھاری منش کا روپ دھارن کر کے انسان کے بیچ تو نہیں جا گھستا، ناگ ہو ناگ رہتے تو کیا برا تھا۔ پر بھیا کیا کیا جائے۔ جس کی عمر ہزار سال پوری ہوئی۔ وہ پھیر میں پڑ گیا کہ روپ بدل کر سنسار کی سیر میں لگ جائے۔ یہ سنسار جو ہے نا پورنا بڑا کٹھور ہے۔ بڑا نردوئی ہے کیا معلوم تمہیں کیسے پھیر ہیں۔ اس سنسار سے جتنا بچا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ ورنہ پھر جو ہوتا ہے وہ دیکھنے والا ہوتا ہے۔''

''ارے مگر اپنی کہے جا رہی ہو میں نے کوئی روپ دھارن نہیں کیا۔ اپنے ہی روپ میں گھومنے پھرنے نکل گیا تھا۔ پر کیا کروں مار کھا گیا۔'' گرگھا گنی نے اسے غور سے دیکھا اور پھر بولی۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ مگر پڑے تو انسانوں ہی کے پھیر میں نا۔''

''کیا مطلب؟''

''کیا ہوا تمہیں یہ بتاؤ۔''

''میں نے ایک ایسا سندر روپ دیکھا ہے گرگھا گنی کہ بس کوئی سوچ بھی نہ سکے پاگل ہو گیا ہوں اس کے لئے۔ انسان ہے وہ۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟''

''وہی تو میں کہہ رہی تھی۔ تمہارے مستک پر یہ کالا دھبہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ لمبے پھیر میں پڑنے والے ہو۔''

''گرگھا گنی، مجھے کچھ بتاؤ۔ کچھ بتاؤ نا مجھے۔''

''اب ایسے کیسے بتا دوں۔ تمہارے منہ پر تو لکھا نہیں ہوا اور نہ ہی آکاش پر لکھا ہوا ہے۔ منتر پڑتی ہوں پھر بتاؤں گی۔'' بوڑھی ناگن نے کہا جس کے منہ پر لمبے لمبے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔ ہزاروں سال کی عمر گزار چکی تھی وہ۔ سنسار کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا اسے روحانیت کا درجہ مل چکا تھا۔ ناگ نگری میں اس نے تھوڑی سی زمین خریدی اور اس میں منہ چھپا لیا۔ کالا چمکدار ناگ خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا ہوا اپنا چوڑا پھن ہلاتا رہا پھر گرگھا گنی نے کہا۔ ''بڑی عجیب کہانی ہے پورنا بڑی ہی عجیب کہانی ہے۔ وہ سندر ناری سنسار کے برے جال میں پھنس گئی ہے۔ اپنے حسن پر ناز کر کے اس نے اکال گھورنا سے دشمنی مول لی ہے اور اکال گھورنا مہا دیو شکتی رکھتا ہے اور طے کیا ہے اکال گھورنا نے کہ اسے سزا دے گا۔ کیونکہ یہ بات ہر ہر مہا دیو کو پسند نہیں۔''

''تیری باتیں کبھی کبھی ایسی پریشان کر دینے والی ہوتی ہیں کہ بھاگ جانے کو جی چاہے۔''

''بھاگنا تو تیرے بھاگوں میں لکھا گیا ہے پورنا! بھاگتا ہی پھرے گا اب تُو۔ پر میں نے جو کہا ہے اکال گھورنا اسے سزا دیئے بغیر نہیں رہے گا۔ سزا تو اسے ملے گی۔''

''کوئی اپائے بتا گرگھا گنی۔''

''جا رے جا۔ یہ دیویوں اور دیوتاؤں کے کھیل ہیں۔ میرے پاس اس کا کوئی اپائے نہیں ہے۔ ہاں تجھے بتا رہی ہوں۔ دھرم وستو سے بچتے رہنا۔ تُو نے دھرم وستو کے بھائی کو مار دیا ہے۔''

''پکڑ رہے تھے وہ مجھے، کیا کرتا میں۔''

''بہرحال دشمنی مول لے لی ہے تُو نے یہ دشمنی تو چلے گی۔'' گرگھا گنی نے کہا۔

''ارے ہاں ہاں دیکھ لوں گا۔ سب کو دیکھ لوں گا۔ سب سے پہلے تو مجھے اس کی فکر ہے۔ اپرنا ہے اس کا نام، اس کی سکھیاں یہی نام لے رہی تھیں۔'' گرگھا گنی نے پھن ڈالا لہراتی ہوئی ایک طرف چل پڑی۔

پورنا، اپرنا نے ایسا سپنا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ بڑا ڈر لگا تھا اسے اس بار اپنی اس آبائی حویلی میں، وہ آنکھیں اس کے حواس پر طاری ہو گئی تھیں۔ پتہ

نہیں کس کی آنکھیں تھیں وہ۔ تھیں تو سندر ایک عجیب سا پریم ٹپکتا تھا ان آنکھوں سے، کئی بار اس نے اپنی سہیلیوں سے اس کے بارے میں بات چیت کی تھی۔ پر صحیح بات کوئی نہ بتا سکا۔ البتہ وہاں سے آنے کے بعد اپرنا کچھ اداس سی رہنے لگی تھی اور یہ اداسی خود اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آتی تھی...... تم اپنی کہانی سن رہی ہو نا دیوالی!'' کشنوتا بھگونت نے دیوالی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر نریشا بھی پتھر کی بت بنی ہوئی کھڑی تھی۔ دیوالی کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں اس نے کہا۔

''ہاں۔ کشنوتا بھگونت میں سن ہی نہیں رہی دیکھ بھی رہی ہوں۔ مجھے ایسے سپنے کبھی نہیں آئے تھے۔ کبھی بھی نہیں۔ پر واپس آنے کے بعد میرے من پر ایک بوجھ سا طاری تھا۔ وہ بوجھ مجھے چین نہیں لینے دے رہا تھا اور کشنوتا بھگونت! پھر یوں ہوا کہ ایک رات میں نے ایک بڑا بھیانک سپنا دیکھا۔ وہ منش چھوٹے سے قد کا تھا اس کا بدن بھاری تھا اس کی مونچھیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ وہ جواہرات کا تاج سر پر رکھے ہوئے تھا۔ اس کا اوپری بدن ننگا تھا۔ نچلے بدن پر وہ لال رنگ کی دھوتی باندھے ہوئے تھے۔ اس کے بازوؤں پر بھبھوت ملے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر سونے کے زیورات تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سندر تھیں۔ وہ میرے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔

''یم دود میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ جیون تو تیرا سماپت ہونے والا تھا پر ہر ہر مہادیو نے تیرے لئے دوسری سزا طے کی۔''

''میرا دوش مہاراج۔''

''ستیم، شیوم، سندرم، سچ ہے شیو کے علاوہ اور کوئی سندر نہیں ہے۔ تُو نے اپنی سندرتا کو غرور بنا لیا۔ تُو نے اپنے آپ پر مان کیا اور بھگوان کی سندرتا کو مذاق کا نشانہ بنایا۔ مرنے کے بعد کسی کو دیکھا ہے۔ جیتا ہے تو اس کی کھوپڑی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے اور مر جاتا ہے تو جل کر راکھ ہو جاتی ہیں ساری ہڈیاں، اس پر تو اپنے آپ کو سندر کہتی ہے۔ شیو کی سندرتا پر انگلی اٹھاتی ہے۔ تجھے اس کا بھرپور نقصان اٹھانا پڑے گا۔ سزا ملے گی تجھے، تیری سندرتا دو کوڑی کی ہو جائے گی۔ جس بھگوان نے تجھے اتنا سنمان دیا۔ وہ تجھ سے سب کچھ چھین لے گا۔ جا اب موت کی وادی میں چلی جا اور وہاں سے سزا کی وادی میں۔'' مجھے یوں لگا جیسے جیسے میں فضا میں اڑی جا رہی ہوں۔ مجھے یوں لگا جیسے بہت سے لوگ میرے گرد جمع ہوں، سب کے سب مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک بوڑھی عورت چیخ چیخ کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی ''ہٹ جاؤ سب لوگ۔ ہوا آنے دو کیا جان لو گے میری ودیا کی۔ جان لو گے

میری ودیا کی۔ ودیاوتی! میری جان، میرا جیون، ودیاوتی...... ودیاوتی، ہوش میں آ...... وتی!'' پر کشنوتا بھگونت مجھے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ بس پریشان ہو رہی تھی میں تب کسی نے مجھ سے کہا۔

''بس اب اٹھ کر بیٹھ جا۔'' اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی، چاروں طرف سے آوازیں ابھر رہی تھیں۔ بھگوان تیرا شکر ہے بھگوان تیرا شکر ہے۔ بوڑھی عورت بے حد پریشان نظر آ رہی تھی۔ میں بول نہیں پا رہی تھی۔ پر نجانے کیا ہو رہا تھا یہ سب کچھ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اپنے گھر میں نہیں ہوں۔ میرے ارد گرد جو لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ اور ہیں اور پھر مجھے وہاں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی چلی گئیں۔ مجھے پتہ چلا کہ یہ ناچنے والی کا کوٹھا ہے۔ یہاں جیون شام ڈھلے شروع ہوتا ہے اور آدھی رات گزرے ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سب کے سب چلتی پھرتی بے جان لاشیں بن جاتے ہیں جو کبھی کسی کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور کبھی اپنے بستر کی تنہائیوں میں، مجھے اس جیون کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا مہاراج۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتی تو نجانے کہاں کہاں سے ناچنے والیوں کو بلایا جاتا اور جشن پر مجرے ہوتے۔ واہ واہ کی آوازیں بلند ہوتیں۔ پھر وہ سب چلی جاتیں، اچھے گھروں میں انہیں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ میں بھی ان لوگوں کو انہی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ ان کے تھرکتے بدن، کھنکتی مسکراہٹیں ہر شخص کے لئے ہوتی ہیں اور یہ عورتوں سے الگ کوئی چیز ہوتی ہیں۔ لیکن آج کشنوتا بھگومت، آج میں وہی بن گئی تھی وہ بوڑھی عورت جو میرے لئے رو رہی تھی۔ میرے نئے روپ کی ماں تھی۔ ہاں بھگونتا مجھے نیا روپ مل گیا تھا۔'' اچانک ہی دیوالی خاموش ہو گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر نریشا بھی پاگلوں کی طرح اسے گھور رہی تھی۔

''یہ تم کس کی باتیں کر رہی تھیں دیوالی۔''

''اں...... میں کیا باتیں کر رہی تھی۔ کیا باتیں کر رہی تھی میں۔'' دیوالی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے دیوالی! تم تو بالکل ہی دیوانی ہو گئی ہو'' دیوالی نے سر جھکا لیا تو تینوں دونوں نے کشنوتا کے چہرے کو نہیں دیکھا تھا جس پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جب خاصی دیر تک یہ دونوں خاموش رہیں تو کشنوتا نے کہا۔

''ہاں ہاں۔ بولو...... بولو۔ دیوالی کون سی زبان بول رہی تھی۔ مجھے یاد ہے دیوالی تو کیا کہہ رہی تھی۔''

"نہیں بھگونت! مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ میں تو عجب پھیر میں پڑ گئی ہوں۔ مجھے یہ لگ رہا ہے جیسے میرا وجود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ تیرا وجود ایک ہی ہے۔ پر تُو اپنے پچھلے جنم کی بات کر رہی ہے اس جنم کی نہیں اور یہ بات میری باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا تھا آگے کی کہانی میں سناتا ہوں تجھے۔ تو نے اس کہانی کا چھوٹا سا ٹکڑا سنا کر میری اس کہانی کی تصدیق کر دی ہے جو میں تجھے سنا رہا تھا۔ تو، تُو شکار ہوئی اپنے غرور کی۔ سوچ، دیکھ اور سنسار باسیوں کو بتا کہ غرور کی سزا کیا ہوتی ہے ایک بہت بڑے جاگیردار کی بیٹی جس کے ہاتھوں سے چراغ جلتے تھے۔ جس کی ایک نگاہ لوگوں کی تقدیر بنا دیتی تھی۔ کوٹھے پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا پہلا دن تو خاموشی سے گزر گیا، لیکن دن خاموشی ہی سے گزرتے ہیں ایسی جگہوں کے، یہاں تو زندگی رات کو جوان ہوتی ہے۔ شام ڈھلے کوٹھے سجنے لگتے ہیں اور جیون کی ساری کہانیاں یہاں مکمل ہوتی ہیں۔ تو پھر یوں ہوا کہ اپرنا یہاں کے ماحول سے واقف ہونے لگی۔ دو اور لڑکیاں یہاں اسے سب کچھ سمجھا رہی تھیں اور اس کا نیا نام کملا تھا۔ نہ شریر بدلا تھا نہ آتما، نام بدل گیا تھا۔ آئینے میں چہرہ بھی نہیں بدلا تھا۔ پتہ نہیں اکال گھورنا نے اس کے چہرے میں تبدیلی کیوں نہیں کی تھی۔

بہرحال اب وہ یہاں رہ رہی تھی اور اسے بتایا جا رہا تھا کہ کوٹھے پر آنے والے گاہکوں کے ساتھ کس طرح وقت گزارا جاتا ہے۔ بہرحال چندر پرکاش اس کا نیا عاشق تھا اور اسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے کیا کیا باتیں کی تھیں۔ واقعی بے چارے رام داس کو اس نے بری طرح ڈانٹ ڈپٹ کی تھی اور اسے سزا بھی دی تھی۔ انسان تو تھا وہ دل کی بات بھی نہیں کہہ رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا گیا تھا۔ پر سب کچھ معمولی نہیں ہوتا۔ اپرنا سے کملا بننے تک کا سفر بڑا دکھ بھرا تھا۔ کہاں تو کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی اور کہاں اب روپ متی اسے سمجھا رہی تھی۔

"میری بات سن یہ جو لوگ آتے ہیں نا یہاں، ان میں سے کسی سے بھی کبھی من مت لگانا۔ یہ تو سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ جب تک ان کی جیبیں گرم ہیں ان کا دل بھی گرم رہے گا اور جب اور کچھ نہیں ہوگا تو باقی ساری باتیں دیکھی جائیں گی۔"

بہرحال یہ کہانی یہاں تک اپرنا کی پہنچی تھی لیکن اس کہانی میں فی الحال ایک اور نام شامل ہو چکا تھا۔ "یاد دلاؤں تجھے کون سا نام۔" کشنوتا نے کہا اور دیوالی کھوئی کھوئی نگاہوں سے کشنوتا کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"مجھے میرے پچھلے جنم ہی میں رہنے دیں مہاراج! بار بار مجھے نئے سنسار میں نہ کھینچ لایا کریں۔ میں اپنے پچھلے جنم کو جان رہی ہوں۔"

"ہاں۔ اس بے چارے کا نام پورنا تھا۔ پورنا جو اچھا دھاری تھا اور اپنی اچھا دھارا نے کے بعد کایا جال میں پھنس گیا تھا۔ وہاں بڑی لے دے ہو رہی تھی۔ بدری ناتھ پاگلوں کی طرح ایک ایک سے پوچھ رہا تھا کہ اس کی پتری کہاں گئی، لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سب کی زبانیں بند تھیں۔ نجانے کہاں کہاں لوگ دوڑا دیئے گئے تھے۔ جو اپرنا کو تلاش کر رہے تھے، لیکن اپرنا ان سے اتنی دور تھی کہ وہاں تک جا ہی نہیں سکتی تھی لیکن بس ایک تھا جو نجانے کتنے فاصلے طے کر کے اپرنا کی بو سونگھتا ہوا وہاں تک پہنچ گیا۔ تب اس نے اپرنا کو دیکھا۔ لمبے کوڑیالے سانپ کی شکل میں وہ اس کوٹھے پر پہنچا اور وہاں اس نے اپرنا کو دیکھا۔ یہ سانپ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی لمبائی اتنی تھی کہ آنکھوں کو یقین نہ آئے۔ اس کا چوڑا پھن ایک تھال کی طرح اور اس کی سرخ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ اس ماحول کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھی اور وہ شدید غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

بہرحال یہ ساری باتیں عجیب و غریب تھیں۔ پورنا کو اپنی پریم پجارن کے ساتھ یہ صورتِ حال بالکل برداشت نہیں تھی۔ غرض یہ کہ پورنا وہاں سے واپس پلٹا اور آہستہ آہستہ کسی خاص سمت چل پڑا۔ اس کا رخ ویرانوں کی طرف تھا۔ بہت سا فاصلہ اس نے طے کیا۔ سانپوں کی اپنی دنیا ہوتی ہے۔ ان کا اپنا سنسار اپنا جیون ہوتا ہے۔ پورنا کا رخ ویرانوں کی طرف تھا۔ بہت دور کالے جلے ہوئے پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ان پہاڑوں کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں کسی زمانے میں آتش فشاں تھا۔ جو آتش فشانی کرنے کے بعد سرد ہو گیا تھا۔ صدیوں پہلے یہ آتش فشاں گرم تھا۔ بعد میں وہ سرد ہو گیا لیکن اس کے اثرات آج تک موجود تھے۔ جلے ہوئے پہاڑوں سے کوئلہ نکالا جاتا تھا اور یہاں پتھروں کا نام و نشان بھی نہیں تھا، لیکن پورنا انہی پہاڑوں کی سمت سفر کر رہا تھا۔ بہت دور چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں کوئلے کے پہاڑ نہیں تھے۔ بلکہ پوری مٹی سے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ یہ پہاڑ کافی بلند و بالا تھے۔ اس ایک پہاڑ کے دامن میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ بے ترتیب اور ناہموار سیڑھیاں جن پر صدیوں سے کسی انسان کے قدموں کے نشان نہ پہنچے ہوں گے۔ نجانے کس نے یہ سیڑھیاں بنائی تھیں۔ ممکن ہے یہ دیوتاؤں کی بنائی ہوں۔ کیونکہ اتنی پرانی محسوس ہوتی تھیں کہ اگر ماہر آثار قدیمہ اس کا جائزہ لیتے تو اس کی

صحیح تاریخ نہیں بتا سکتے تھے۔ سیڑھیاں بلندی پر جانے کے بعد ایک سمت گھوم گئی تھیں اور یہاں چٹانوں نے انہیں چھپالیا تھا، لیکن یہاں چٹانوں کے آخری سرے پر جہاں سیڑھیوں کا اختتام ہوتا تھا۔ ایک چھوٹا سا غار نما سوراخ بنا ہوا تھا، لیکن یہ سوراخ انسانی ہاتھوں کی تراش محسوس ہوتی تھی کیونکہ بالکل چوکور تھا۔ اس سوراخ میں پہنچنے کے بعد ایک بار پھر سیڑھیاں تہہ خانے میں اترتی تھیں اور اس تہہ خانے میں ایک انتہائی ہیبت ناک اور تقریباً پچاس فٹ چوڑا سانپ کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ سانپ کے اس مجسمے کے آس پاس مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔ غار میں طرح طرح کے جانور چکراتے پھر رہے تھے۔ ان کی ہیبت انتہائی خوفناک تھی۔ سانپ کے پیٹ کے پاس ایک ہیرا جڑا ہوا تھا۔ جو چمک رہا تھا اور اس کی روشنی پورے غار کو منور کر رہی تھی۔ سانپ کی دونوں آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ پورنا سانپ کے چرنوں میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک وہ اسے گھورتا رہا اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا روپ بدلتا چلا گیا اور وہ ایک خوبصورت نوجوان کی شکل اختیار کر گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا اس کے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں بنی ہوئی تھیں اور پھر اس کے بعد اس کی گھمبیر آواز ابھری۔ ''ماتم دھرموتنا! تو جانتا ہے کہ میں نے سارا جیون تپسیا کر کے بتایا ہے۔ تب تم نے مجھے شکتی دی کہ میں انسانی روپ دھارلوں۔ تم نے ہی مجھے آگیا دی ماتم دھرم نا کہ میں اب جیون جس طرح چاہوں بتاؤں۔ تم نے مجھے روپ دھارن کی اجازت دی۔ مجھے بتاؤ مہاوتی سارے جیون کی تپسیا کا پھل کیا پایا میں نے۔ میں نے تو اپنے من کی کہانی کسی کو سنائی بھی نہیں۔ تبھی تو کہتے تھے کہ من بھگوان کا گھر ہوتا ہے۔ بتاؤ...... کیا ہوا ہے یہ...... کیا ہوا ہے۔''

''شریر سے تجھے کچھ لینا بھی نہیں تھا پاگل، آتما کا پجاری ہے نا تو۔ جا اس کی آتما تلاش کر ہم تجھے بتاتے ہیں کہ اس کی آتما اسی سنسار میں موجود ہے۔ وہ آکاش پر نہیں۔ نئے شریر میں موجود ہے اور اگر تو اس کے شریر کی پوجا نہیں کرتا۔ تو جا اس شریر کی حفاظت کر۔ وہ اپنے کیے کا شکار ہوئی ہے۔ اس نے اکال گھورنا کو ناراض کر دیا ہے اور جب تک اکال گھورنا راضی نہیں ہوگا۔ وہ اسی طرح جگہ جگہ پھرتی رہے گی۔ تیرا کام اتنا ہے کہ اس کی حفاظت کر، جا اس کے پیچھے جا اس وقت بہت سے زہریلے لیٹرے اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے ہیں۔ تجھے ان لٹیروں سے اسے بچانا ہے۔ سوچ لے اچھی طرح سوچ اور اپنی پوری کر یہی کہتا ہے نا تو کہ تجھے شریر کی ضرورت نہیں ہے۔ تو من سے اسے چاہتا ہے تو

اس کا من سنبھال۔ آخر ایک دن تیری یہ تپسیا سپھل ہوگی۔'' ایک گڑگڑاہٹ سی ابھری اور اس کے بعد مٹی سی جھڑنے لگی۔ پورنا نے دونوں ہاتھ جوڑے اور اس کے بعد اس غار سے باہر نکل آیا۔ کافی دور تک وہ انسان کی شکل میں پیدل چلتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی اس کا جسم پتلا ہونا شروع ہوگیا اور وہ ایک بار پھر ایک چمکدار کوڑیالے سانپ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے بعد وہ تیزی سے وہاں سے واپس چل پڑا تھا۔

☆======☆======☆

سب کچھ یاد آتا تھا، تھوڑے ہی دن پہلے کی بات تو تھی۔ شہزادیاں بے شک اس دور میں نہیں ہوتیں، لیکن یہ تو ایک لفظ ہے۔ بہت سی اب بھی اس طرح زندگی گزار رہی ہیں کہ شہزادیاں ان کے سامنے کچھ نہ ہوں۔ اپرنا بھی اتنے ہی بڑے جاگیردار کی بیٹی تھی۔ بدری ناتھ نے اپرنا کی تلاش کے لئے ہر طرف جال پھیلا دیئے تھے، لیکن اکال گھورنا نے سب کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں۔ کوئی اپرنا تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور اپرنا یہاں زندگی کے سب سے مشکل دور سے گزر رہی تھی۔ جس طوائف کے گھر اسے پہنچایا گیا تھا اس کا نام روپ متی تھا۔ مکمل طوائف تھی۔ گنیوں کی بھری ہوئی ادھر چندر پرکاش تھا کہ اس کا دیوانہ ہو چکا تھا۔ حالانکہ اچھی خاصی عمر کا تھا لیکن بڑا ہی عیاش آدمی تھا۔ اپرنا کو دیکھ کر اس کا دل ریجھ گیا تھا۔ اور اس نے روپ متی سے بات چیت شروع کر دی تھی۔

''روپ متی جی! جانتی ہیں آپ کا کتنا پرانا سیوک ہوں میں۔''

''داسی ہیں آپ کی چندر پرکاش جی!''

''اور آپ کے اس گھرانے پر میرا حق بنتا ہے۔''

''اوش بنتا ہے۔ اس سے کسے انکار ہے۔''

''بس تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ کملا صرف اور صرف میری ہے۔''

''ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں چندر پرکاش جی! آپ نے کہہ دیا اتنا کافی ہے اور پھر آپ بھی ہمارے لئے کیا کچھ نہیں کرتے۔ خیر کھیت کھلیانوں سے تو ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن مجھے آپ کی نیلم حویلی بڑی بھائی ہے۔ نیلم حویلی کب دے رہے ہیں آپ ہمیں۔ اب دیکھئے نا منش کے من میں کوئی چیز جاگ اٹھے۔ تو پھر اس کے خواب آتے رہتے ہیں آپ کو کملا کے خواب آ رہے ہوں گے اور ہم اپنے سپنوں میں نیلم حویلی ہی دیکھتے ہیں۔'' چندر پرکاش کا چہرہ اتر گیا۔ نیلم حویلی تو اس کی ملکیت بھی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی دھرم پتنی کی ملکیت تھی۔ سمترا بہت اچھی عورت تھی، لیکن حویلی اس سے کیسے مانگی جاتی۔ جبکہ سمترا کو

پتہ تھا کہ چندر پرکاش جی تماش بین ہیں اور شوقین مزاج بھی۔ بہر حال یہ ایک کٹھن مرحلہ آ گیا تھا اور چندر پرکاش جی اس بارے میں غور کر رہے تھے کہ کون سا گر کون سا داؤ انہیں کامیاب بنا سکتا ہے۔ یا تو کملا آسانی سے حاصل ہو جائے یا پھر کوئی ایسی چال چلی جائے کہ روپ متی دیوی چکر میں آ جائیں۔ دونوں باتیں سوچنے والی تھیں، لیکن اسی دوران ایک اور کام ہو گیا۔ شیر چرن جیل سے چھوٹ کر آ گیا تھا اور وہ روپ متی کے کوٹھے کا مستقل گاہک تھا۔ بہت بڑا بدمعاش تھا اور اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بس ہونی ہو کر رہتی ہے۔ اس دن روپ متی کملا کو تماش بینوں کے سامنے پیش کرنے پر تیار تھی۔ کملا کو بال بال موتی پروئے جا رہے تھے۔ حسین تو وہ تھی ہی لیکن اس وقت اسے سجانے والیوں نے قیامت ڈھا دی تھی۔ اپرنا کو سب یاد آ رہے تھے، پوجا، رام سری، ہرنیا، راجی، کوشل وہ بھی اسے ایسے ہی سجایا کرتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ رہی تھی، لیکن وہ آنسو پیے ہوئے تھی۔ دل کی حالت جیسی بھی ہو۔ وہ الگ بات تھی۔ آئینہ سامنے آیا تو اس نے حسرت بھری نگاہوں سے آئینے کو دیکھا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

''پاپی! کاش تُو میرے سامنے نہ آتا۔ کاش وہ شبد میرے منہ سے نہ نکلتے تو آج میں اس طرح رسوا نہ ہوتی۔ تیرا ستیاناس۔'' سجانے والی نے اس سے کہا۔

''بھگوان کی سوگند۔ کملا جی! آکاش سے اتری ہوئی اپسرا بھی اتنی سندر نہیں ہوگی۔ جتنی اس سمے تم نظر آ رہی ہو۔ ذرا درپن تو دیکھو۔'' اپرنا نے منہ پھیر لیا تھا۔ بہر حال وہ محفل میں آئی اور محفل جیسے دیوانی ہو گئی۔ سازندے جو سازوں کی لے ملا رہے تھے سکتے میں رہ گئے۔ محفل میں بیٹھے ہوئے لوگ پتھرا گئے۔ خود چندر پرکاش بھی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ یہ انسان تھی یا اپسرا۔ ایسا رنگ و روپ بھلا کس نے دیکھا تھا۔ بہر حال بڑی مشکل سے محفل جاگی۔ روپ متی محفل کا رنگ دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں بڑی خوش تھی کہ بھگوان نے کیا گوہر نایاب دیا ہے۔ جھجکتی ہوئی اپرنا روپ متی کے پاس بیٹھ گئی اور ایک بار پھر ایک حیرت بھری آواز لوگوں کے منہ سے نکلی اس وقت جب شیر چرن اندر داخل ہوا تھا۔

سنسار کے بھید بھاؤ کیا کیا ہوتے ہیں یہ تو عمر کے ساتھ ساتھ ہی پتہ چلتا ہے۔ دیوالی بہر حال اپنے آپ کو بہت زیادہ تجربے کار نہیں کہہ سکتی تھی۔ بلکہ تجربہ تو اسے ابھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی جہاں رشتے دار اس کے اپنے نہیں تھے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ایک طرح سے ان لوگوں نے اسے دودھ کی مکھی بنا رکھا تھا۔ کا نتا اور کسم بس عمر کے حساب سے اس سے مل لیا کرتی تھیں۔ ورنہ ان کی الگ ہی منڈلی تھی۔ ان

حالات میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا تو وہ بہت زیادہ دباؤ میں آ کر بالکل ہی پس کر رہ جاتی یا پھر اس طرح سر ابھارتی کہ لوگوں کے لئے شدید خطرہ بن جاتی، لیکن الٹے پاؤں والی ہونے کی وجہ سے اسے ایک الگ راہ نظر آ گئی اور اس الگ راہ پر چلتے ہوئے اس نے اپنے ماتا پتا کی بڑی مدد کی اور انہیں اس نرک سے نکال لائی۔ بے چارہ نند کشور جسے بھائیوں کی نفرت حاصل تھی اور راج وتی جو انسانوں میں شمار ہی نہیں کی جاتی تھی۔ اب راج رج رہے تھے یہ بھی ایک بہت بڑی سچائی تھی کہ وہ لوگ پس ماندہ سے پس ماندہ ہوتے جا رہے تھے ان کے وسائل نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ جبکہ رمانند کی وجہ سے ان لوگوں کی زندگی بدل گئی تھی، لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اگر رمانندان کے حالات بدلنے کا ذریعہ نہ بنتا تب بھی وہ اس گھر میں چراغ ہی چراغ روشن کر دیتی۔ شاید وہ اپنے نام کی طرح تھی۔ زندگی میں کئی جوار بھاٹے آئے لیکن شاید وہ بھی اس کی معصوم اور سادہ فطرت کی وجہ سے رک گئے اور کوئی بڑی بات نہ بن سکی۔ ہاں اس کے اپنے خیال کے مطابق وجے کپور ایک ایسا کردار بن گیا تھا جو اس کی زندگی پر آہستہ آہستہ حاوی ہوتا جا رہا تھا اور اس کے بعد یہ نئی کہانی جو کشنوتا بھگونت کے ذریعے اس تک آ رہی تھی۔ انسان کو تو اپنے صندوق میں رکھی ہوئی چیزوں تک کے بارے میں تجسس ہوتا ہے کہ وہ کس حال میں ہیں کسی کو اگر اس کے جنم جنم کی کہانی سننے کو ملے تو اس پر کتنا سحر طاری ہو جائے یہ جان کر کہ وجے کپور اس کا جنم جنم کا ساتھی ہے، دیوالی کے دل میں بڑی خواہش جاگی تھی کہ وہ اپنے جنموں کا سار دھان کر کے یہاں تک آ جائے اور یہ معلوم کر لے کہ اس جنم میں وجے کپور اس سے کتنے فاصلے پر ہے بہر حال کشنوتا بھگونت نے جو نئی کہانی شروع کی تھی اس میں وجے کپور ایک ناگ کی شکل میں تھا اور بات یہ دیوالی تک ہی محدود نہیں تھی خود ڈاکٹر نریشا جو ایک رحم دل اور دیوالی سے محبت کرنے والی عورت تھی۔ اس داستان میں بری طرح کھو گئی تھی۔ کشنوتا بھگونت کی آواز ابھری۔

''ہاں وہ بے چاری جو اکال بھوانا کے غصے کا شکار بنی تھی۔ جیون کے کشٹ سے گزر رہی تھی۔ روپ متی کے کوٹھے پر عجیب کھیل شروع ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو دولت مند چندر پرکاش اپرنا موجودہ کملا کے بدن کے وزن برابر دولت تول کر دینے کو تیار تھا۔ تو دوسری طرف یہ نامی گرامی غنڈہ جس کا نام شیر چرن تھا۔ اچانک ہی نازل ہو گیا تھا اور اس کی نگاہیں بتاتی تھیں کہ اس نے لمحوں کے اندر، اندر اپرنا کو پسند کر لیا ہے۔ وہ سیدھا روپ متی کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا اور روپ متی خوب بے چین ہو رہی تھی۔ جانتی تھی کہ شیر چرن کوئی معمولی غنڈہ نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ محفل میں جتنے لوگ بیٹھے تھے ان میں [illegible] جو بھی شیر

چرن کو جانتا تھا وہ کوئی بہانہ لگا کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ایسا کچھ لوگوں نے کر بھی ڈالا اور شیر چرن کے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لوگ اسے دیکھ دیکھ کر بھاگ رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شیر چرن کی نگاہوں کا مرکز بن گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ شیر چرن کو نہیں جانتے پھر شیر چرن کی آواز ابھری۔

''روپ متی! ان لوگوں کو بتا دو کہ جب کہیں ہم آ جاتے ہیں تو کوئی دوسرا نہیں ہوتا یہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ یہ نہ اٹھے تو نقصان اٹھائیں گے۔'' روپ متی کا منہ پُر اضطراب انداز میں کھلا اور پھر...... بند ہو گیا اور اس کے بعد اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''کیوں ہماری روزی چھین رہے ہو شیر چرن۔ آئے ہو بیٹھو کبھی کبھی من مارنا بھی پڑتا ہے۔ کسی کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ ناچ دیکھو گانا سنو، خود بھی خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رہنے دو۔'' شیر چرن ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ ہم نے تمہاری سفارش مان لی۔ آج تم نے اپنے کوٹھے پر ایسا دیا جلایا ہے۔ جس کی جوت ہی کچھ اور ہے۔ کون ہے یہ سندری؟''

''کملا۔''

''ہماری ہے ناں۔'' شیر چرن نے سوال کیا اور روپ متی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ آہ شیر چرن نے یہ ساری باتیں مدھم لہجے میں نہیں کہی تھیں بلکہ خوب زور سے کہی تھیں اور چندر پرکاش کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی اس کے یہ الفاظ سن رہے تھے۔ چندر پرکاش کا تو پتہ پانی ہو کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہ شیر چرن کو جانتا تھا، لیکن نجانے کیوں کملا کے من میں ایک خیال جاگا اور وہ اس پر غور کرتی رہی شیر چرن کہہ رہا تھا۔

''بات بڑی تو نہیں ہے روپ متی جی۔ ہم نے ہمیشہ آپ کی مدد کی ہے۔ یاد کریں غنڈے آپ کی بیٹیوں کو اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ ہم ہی تو تھے جس نے انہیں مار پیٹ کر بھگا دیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں آپ اب سوچ میں ڈوب گئی ہیں۔''

''نن...... نہیں شیر چرن یہ بات نہیں ہے۔''

''کوئی بھی بات نہیں۔ ہمیں آپ کے من میں کھوٹ نظر آ رہی ہے۔ لے جا رہے ہیں ہم اس سندری کو۔ پندرہ بیس دن کے بعد واپس آپ کے کوٹھے پر پہنچا دیں گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ شیر چرن جو وعدہ کرتا ہے اسے ہمیشہ پورا کرتا ہے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔''

''میری بات تو سنو شیر چرن۔''

''جس طرح عدالت میں کوئی جج کسی ملزم پر جرمانہ کرتا ہے اور ملزم احتجاج کرتا ہے تو جج جرمانے کی رقم بڑھاتا رہتا ہے اسی طرح اگر آپ نے کوئی دوسرا لفظ کہا تو ہم بھی بات کچھ بڑھا دیں گے۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ۔ آپ نے ہمارا دماغ گھما دیا۔'' شیر چرن اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپرنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سندری ہم غنڈے کہلاتے ہیں۔ مگر بہت اچھے آدمی ہیں ہم۔ دیکھو نا منش کے من میں کسی چیز کو حاصل کرنے کی بھاؤنا پیدا ہو جائے اور اسے وہ چیز حاصل نہ ہو تو اس کا برہم ہو جانا تو لازمی ہو جاتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلنے میں کوئی اعتراض نہ کرنا ورنہ ہمارا دل تمہاری طرف سے کھٹا ہو جائے گا۔ لاؤ ہاتھ آگے بڑھاؤ۔'' اور نجانے کس طرح اپرنا کا ہاتھ آگے بڑھ گیا۔ شاید یہ اس منصوبے کی ایک کڑی تھی۔ جو اس کے دل میں بنا تھا۔ وہ سہمی سہمی سی آگے بڑھی شیر چرن نے جوتے پہنے تھے اپرنا نے بھی پاس پڑا ہوا جوتا پہنا پھر بولی۔

''مجھے چادر تو لے لینے دو۔''

''ہوں لے لو جاؤ۔ بھروسہ کر رہے ہیں تم پر ورنہ ایک بات ہم جانتے ہیں کہ جیون میں جس پر بھروسہ کیا وہ دھوکہ دے جاتا ہے جانو۔'' اور اپرنا اندر چلی گئی۔ اس نے سادہ سی چادر اوڑھی اور باہر نکل آئی۔ شیر چرن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ادھر جس کمرے میں رقص و سرور کی محفل جاری تھی۔ وہاں ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی تھی۔ خاص طور سے چندر پرکاش جی غصے سے کانپ رہے تھے۔ شیر چرن اپرنا کو لے کر باہر نکل گیا۔ چندر پرکاش جی نے روپ متی سے کہا۔

''تو یہ ہوتا ہے تمہارے کوٹھے پر۔'' روپ متی نے چندر پرکاش کی طرف دیکھا۔ وہ خود بھی اس پر جھلائی ہوئی تھی۔ وہ غصیلے لہجے میں چلائی۔

''ہاں یہ ہوتا ہے میرے کوٹھے پر۔ چونکہ یہاں مرد نہیں ہیجڑے آتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تیرا۔ مجھے بھی انہی میں شامل کر رہی ہے۔'' چندر پرکاش جی ہتھے سے اکھڑ گئے۔

''اور کیا چندر پرکاش جی! روک لیتا تم میں سے کوئی اسے۔ پہلے تو سانپ سونگھ گیا تھا۔''

''دماغ خراب ہے ہمارا کوئی۔ ہم کیوں روک لیتے۔ تُو بھرپور معاوضہ لیتی ہے ہم سے۔ تم حویلی مانگ رہی تھی تو اس کے بدلے میں۔ اب تو تجھے کوئی کوڑا گھر بھی نہیں ملے

گا۔''

''بھگوان جو بھاگوں میں لکھ دیتا ہے وہی ملتا ہے۔ چندر پرکاش جی یہ کوٹھے کسی ایک کے سہارے نہیں چلتے۔ ان کے بہت سے سہارے ہوتے ہیں۔ جیون بھی تو بچانا پڑتا ہے ہمیں۔ وہ بہت بڑا غنڈہ ہے۔ جیون کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ کملا بھی ماری جاتی اور میں بھی۔ اس طرح کا آدمی ہے وہ۔'' چندر پرکاش جی غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد روپ متی کو احساس ہوا کہ بہر حال بہت برا ہو گیا ہے۔ ادھر اپرنا یا کملا کے تعاون سے شیر چرن بہت خوش تھا۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ کملا کو کندھے پر ڈال کر لے جانا پڑے گا۔ وہ چیخے گی چلائے گی اور اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ وہ آسانی سے کملا کو لے جانے میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن باقی معاملات اس کے لئے پریشان کن ہوا کرتے تھے، لیکن کملا کا یہ تعاون اس کے لئے خوشی کا باعث بن گیا تھا۔ وہ نیچے آیا۔ اس کی بگھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کملا سے کہا۔

''آیئے کملا جی...... بیٹھ جایئے۔'' کملا بڑے سکون سے بگھی میں بیٹھ گئی۔ شیر چرن اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔ عام طور پر اس طرح کے تشدد کے کام شیر چرن اگر کرتا تو اس کے لئے اس کے پاس ایک رہائش گاہ موجود تھی، لیکن کملا نے جو رویہ رکھا تھا اس نے شیر چرن کا حوصلہ بڑھا دیا اور وہ اسے بہت ہی خوبصورت کوٹھی میں لے گیا۔ یہ کوٹھی ایک انتہائی خوبصورت مقام پر واقع تھی۔ شیر چرن کی شخصیت بھی معمولی نہیں تھی جیل آنا جیل جانا تو اس کے لئے عام سی بات تھی، لیکن ویسے اس نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کر لیا تھا۔ راستے میں تو اس نے کملا سے کوئی بات نہیں کی، لیکن اپنی کوٹھی پر پہنچنے کے بعد وہ کملا کو لے کر اپنے کمرے میں آیا اور پھر اس نے اپنے دل کی بات کہی۔

''معافی چاہتا ہوں کملا جی۔ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام شیر چرن ہے۔''

''میں سن چکی ہوں۔'' اپرنا نے مدھم سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں بڑا حیران ہوں کملا جی۔''

''کس بات پر؟''

''حیرت انگیز طور پر آپ کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کملا جی، ہم لوگ حالات کے بگاڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ورنہ اتنے بگڑے نہیں ہوتے ہم لوگ۔''

''جانتی ہوں جو بگڑے ہوتے ہیں ان کی شکلیں ہی الگ ہوتی ہیں۔'' شیر چرن کو یہ الفاظ بھی اچھے لگے تھے۔

''یعنی آپ کو میری شکل بگڑے ہوؤں کی نہیں لگتی۔''

''میں کھل کر کہتی ہوں چرن جی کہ میرا تجربہ اس سنسار کے بارے میں بہت زیادہ نہیں رہا ہے، لیکن تھوڑا بہت جانتی ہوں۔ وہ تھوڑا بہت یہ ہے کہ سنسار میں بروں کو اور برا بنانا تو بہت آسان بات ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کر کے انہیں اچھائی کا راستہ دکھانا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔''

''اب تو آپ سے باتیں کرنے کو بڑا من چاہ رہا ہے۔''

''تو کیجئے باتیں، کس نے منع کیا ہے آپ کو۔''

''کملا جی آپ پہلے کبھی روپ متی کے کوٹھے پر نظر نہیں آئیں۔''

''کیسے نظر آتی پہلے میں وہاں تھی ہی کہاں۔''

''تو پھر......''

''بس حالات نے مجھے وہاں تک پہنچا دیا۔''

''کملا جی کیا میں ان حالات کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں۔''

''اس طرح کے واقعات ایک طرح کے ہی ہوا کرتے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے میرے جیون میں۔ بہر حال آپ نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔''

''میں خوش ہوں کہ آپ کھری بات کرنے کی عادی ہیں۔ میں بھی کھری بات کرتا ہوں۔ آپ کو پسند کیا ہے۔ آپ آرام کریں جو ضرورت ہو میں پوری کر دوں گا۔ یہاں نوکر چاکر نہیں ہیں ہم جیسے لوگ نوکر چاکر نہیں رکھتے۔ کیونکہ انہی سے ہمارے جیون کو خطرہ ہے۔'' اپرنا نے یہاں وقت گزارنا اچھا سمجھا۔ وہ یہ بات جانتی تھی کہ روپ متی کے کوٹھے سے عزت بچانا ایک مشکل کام ہے۔ نکلنا بھی ایک آسان کام نہیں تھا اس لئے اس نے وہاں تک آنے کے لئے شیر چرن کا سہارا لیا تھا، لیکن رات کو اس وقت وہ سخت وحشت زدہ ہوئی جب شیر چرن نشے میں چور اس کے پاس پہنچا۔

''کملا آکاش سے اتری ہوئی اپسرا۔ میرے جیون کا نیا پھول، مگر میں تمہیں ایک بات بتاؤں کملا۔ میں پھولوں کو مسل کر پھینک دینے کا عادی ہوں۔ بس اس سے زیادہ میری نظر میں پھولوں کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ آؤ اپنا شریر میرے حوالے کر دو۔''

''یہ کیا بات ہوئی شیر چرن۔ کیا وحشی اسی کو کہتے ہیں۔'' اپرنا نے کہا۔

''دوستی گئی بھاڑ میں۔ سنسار میں کبھی میں نے کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ کیونکہ دوست ہی دغا دیتے ہیں۔ دشمن تو ہوتا ہی دشمن ہے۔'' کملا اپنا بچاؤ کرتی رہی لیکن تھوڑی دیر کے بعد اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ شیر چرن ایک وحشی دیوانہ ہے اس سے عزت کا بچانا اگر مشکل کام ہوگا۔ وہ انتہائی دہشت زدہ ہوگئی اور جب شیر چرن نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔ تو اپرنا دہشت زدہ ہوکر چیخنے لگی۔ تبھی اسے اپنے عقب سے ایک پھنکار سنائی دی۔ ایک خوفناک پھنکار۔ یہ پھنکار شیر چرن نے بھی سن لی تھی۔ اس نے اپرنا کو چھوڑ دیا اور اپرنا نے وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھا جدھر سے پھنکار سنائی دی تھی۔

ایک چوڑے پھن والا ناگ جسے وہ پہچانتی تھی۔ ایسا خوفناک ناگ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگ خونخوار نگاہوں سے شیر چرن کو دیکھ رہا تھا اور شیر چرن کچھ دیر کے لئے وحشت زدہ ہوگیا تھا، لیکن اپرنا نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہاں سے بھاگ نکلی۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر نکلی تھی اور اس کے بعد اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

یہ بھی نہیں سوچا کہ سانپ نے شیر چرن کا کیا حشر کیا۔ سانپ مارا گیا کہ شیر چرن، اسے نہ سانپ سے دلچسپی تھی اور نہ شیر چرن سے۔ وہ تو بس اپنی زندگی بچانے کے لئے بھاگ رہی تھی اور وہ نجانے کب تک بھاگتی رہی۔ سمت کا اندازہ بھی نہیں تھا لیکن جب ہوش میں آ کر رکی تو اسے احساس ہوا کہ وہ تو بہت دور جنگل میں نکل آئی ہے۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ جگہ جگہ پیڑ نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں گیدڑوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی آ جاتی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اپرنا کا دل خوف سے کانپ اٹھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، نجانے یہ کون سی جگہ ہے۔ شک کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی آگے بڑھی۔ اب تو پکی سڑک بھی ختم ہوچکی تھی۔ نجانے کس طرح وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ ''اے بھگوان اب کیا کروں؟ کیا ہے یہ سب کچھ؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اس کا پورا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ نہ ڈاکٹر نریشا نظر آ رہی تھی۔ نہ کشنوتا بھگونت، وہ تو بس جنگل میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور اس کا دل سینے میں کانپ رہا تھا۔ کہیں اس جنگل میں درندے نہ ہوں۔ بھلا وہ درندوں کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے۔ مگر درندے کہاں نہیں ہوتے۔ جنگل میں بھی ہوتے ہیں شہروں میں بھی ہوتے ہیں۔ آبادیوں اور بستیوں میں بھی ہوتے ہیں۔ درندوں سے کوئی کہاں تک بچ سکتا ہے۔ اس کی نگاہیں بھٹک رہی تھیں کہ بہت دور سے کوئی چمکتی ہوئی سی چیز نظر آئی

... پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ تب اسے اندازہ ہوا کہ وہ آگ ہے۔ جو لرز رہی ... نے آگ روشن کر رکھی تھی اور آگ روشن کرنے والا کوئی انسان ہی ہوگا۔

... انوکھا خیال اس کے دل میں ابھرا۔ انسان ہر حالت میں انسان کی مدد حاصل ... کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بھگوان نے انسان کو انسان کے لئے مجبور کیا ہے۔ اگر ایسا ... شخص الگ الگ طلب اپنا لیتا لیکن انسان، انسان ہی کی طلب کرتا ہے۔ اس کے ... اس کا اختیار نہیں تھا۔ وہ اسی جانب چل پڑی تھی۔ جدھر آگ روشن تھی۔ فاصلہ ... کٹھن۔ نجانے کتنا وقت لگ گیا اسے وہاں پہنچتے ہوئے۔ تب اس نے دیکھا کہ ... چن کر ایک مٹھ بنایا گیا ہے۔ آس پاس بہت سے درخت تھے اس کے ساتھ ساتھ ... کے اندر روشنی ہو رہی تھی اور اس کے باہر بھی آگ کا الاؤ روشن تھا۔ موسم کی خنکی یہاں ... کے الاؤ کی وجہ سے تھوڑی سی کم ہوگئی تھی۔ کوئی نہ کوئی تو ہوگا ضرور۔ جگہ بھی بے حد ... اور سنسان تھی یہاں کون ہوسکتا ہے۔ یہاں مٹھ کی موجودگی بتاتی تھی کہ کوئی رشی منی ... استھان کیے ہوئے ہے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کھانسی کی ہلکی سی آواز سنائی دی ... کے بعد مٹھ کے دروازے سے کوئی باہر نکلا۔ یہ ایک لمبے چوڑے بدن کا تندرست و ... سادھو تھا۔ جو اپرنا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ آگ کے شعلے اس کے چہرے کا طواف کر رہے ... یہ چہرہ بڑا پُر رعب نظر آ رہا تھا لمبی سی داڑھی، بڑی بڑی آنکھیں، ماتھے پر تلک کا ... سفید دھوتی، اوپری بدن برہنہ اور انتہائی طاقت کا مظہر وہ اپرنا کو حیران نگاہوں سے ... پھر دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

''تت...... تھا...... استو۔'' اس کی آواز ابھری۔ ''کون ہے سندری تو؟''

''مم...... مم...... میں مہاراج۔''

''... ایسا ہی ہوسکتی ہے۔ کوئی برا نام تو دیا نہیں جاسکتا تجھے۔''

''مہاراج میں ایک دکھیاری ہوں۔''

''... ہے۔ دکھیاروں نے یہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ سنسار کو تیاگ کر اس ... میں آن پڑے ہیں۔ پر تم لوگ...... آ اندر آ جا۔''

''نن...... نہیں مہاراج۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''تو بیٹھ جا آگ کے پاس۔ پنڈا ٹھنڈا ہو رہا ہوگا۔'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ اپرنا ... سردی سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آگ کے قریب بیٹھ گئی۔ اتنا فاصلہ طے کر کے آئی ... پھول رہا تھا۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ سادھو آگ کے دوسری طرف

کھڑا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اپرنا نے اسے دیکھا تو سادھو خاموشی سے اندر واپس
گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک مٹی کے پیالے میں گرم گرم دودھ لے کر نمودار ہوا
ہاتھوں سے پیالہ اس نے اپرنا کی طرف بڑھا دیا۔ پھر بولا۔

''لے پی لے۔''

''نہیں مہاراج دھنے واد، میں......''

''بہت برے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ہر کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ یہ میرا استھان
ہے یہاں تو اپنی مرضی سے آئی ہے میں اپنی مرضی استعمال کر کے تجھ سے یہ کہہ سکتا ہوں
یہاں سے چلی جا۔ فوراً چلی جا اور اس کے بعد اپنے لیے جو مشکلیں خرید لے گی وہ تیری ذمہ
داری ہوگی چونکہ یہاں آس پاس خون پینے والے جانور پائے جاتے ہیں۔ ورنہ تو
جا چلی جا یہاں سے اتنا تو میں تجھ سے کہہ سکتا ہوں۔'' اپرنا ایک دم سمجھ گئی وہ شرم سار لہجے میں
بولی۔

''شما چاہتی ہوں مہاراج۔''

''کیا خاک شما چاہتی ہے۔ تجھ سے جو کہا تو نے انکار تو کر دیا۔''

''نن......نن......نہیں، میں۔'' اپرنا نے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے اور اس گرم دودھ
نے اسے واقعی بڑی تقویت دی تھی۔ سادھو مہاراج کہہ رہے تھے۔

''اچھی بات ہے۔ رحم سے بات کرو تو لوگ مانتے ہی نہیں ہیں۔ ارے پاگل میں
تجھے کہیں سے اٹھا کر نہیں لایا تو خود یہاں آئی ہے اور کیوں آئی ہے۔ روشنی دیکھ کر اور
روشنی کا ذمہ دار میں ہوں تو پھر کم از کم ایک اچھی مہمان بن کر تھوڑا سے گزارا لے۔ جتنی
ضرورت ہے۔''

''ایک بار پھر شما چاہتی ہوں مہاراج۔''

''دودھ پی لیا اور پیئے گی؟''

''نہیں۔''

''ابھی آگ کے پاس ہی بیٹھ۔ کچھ باتیں کرنی ہیں تجھ سے۔'' یہ کہہ کر سادھو خود
کچھ فاصلے پر ہی بیٹھ گیا۔

''نام کیا ہے تیرا۔'' اپرنا کے منہ سے سچ نکل گیا تھا۔

''اپرنا۔''

''کہاں سے آئی ہے۔''

''دکھوں کی ماری ہوں مہاراج، زمانے کی ستائی ہوئی۔ بس یوں سمجھ لو کہ اپنی عزت
و جیون بچاتی پھر رہی ہوں۔''

''ماتا، پتا ہیں۔''

''تھے اب نہیں ہیں۔''

''مر گئے۔''

''پتا نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مجھے پتا نہیں مہاراج۔''

اپرنا نے جواب دے کر سادھو سے کہا۔ ''ایک سوال میں بھی کروں آپ سے۔'' اپرنا
نے قدرے کرخت لہجے میں کہا اور سادھو مہاراج اسے غور سے دیکھنے لگے پھر بولے۔

''ہاں ضرور۔ سوال کرنے پر بھلا کس کا ادھیکار ہے۔ تو سوال کر میں جواب دوں

''آپ نے ابھی کہا کہ یہ آپ کی اپنی نگری ہے اور میں یہاں آپ کے اجازت کے
بنا آئی ہوں، لیکن اگر آپ کی مہمان بنی ہوں تو مجھے آپ کی بات ماننی بھی چاہیئے۔''

''ہاں کہا تھا میں نے۔''

''تو مہمان کو اتنا ادھیکار نہیں ہوتا کہ وہ میزبان کے ہر سوال کا جواب نہ دے۔ میں
سنسار کی ماری مشکلوں میں گھری ہوئی یہاں آئی ہوں۔ تو کیا ضروری ہے کہ میں آپ کو
ساری کتھا سناؤں۔'' سادھو کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے
کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''ہاں یہ تو ٹھیک کہتی ہے۔ تیرا ادھیکار ہے کہ تو مجھے اپنے بارے میں کچھ نہ بتا۔ خیر سن
... ہے۔ تو اگر یہاں بیٹھے گی تو سردی سے سکڑ کر مر جائے گی۔ کیونکہ جوں جوں
رات ڈھلتی جاتی ہے سردی بڑھتی جاتی ہے اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی جنگلی جانور ٹہلتا ہوا
... میرے تو سب جاننے والے ہیں۔ برسوں سے ان کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ تجھے
... جانا نقصان پہنچ سکتا ہے تجھے۔ سو تو اندر جا کر آرام سے سو جا۔ تجھے یہاں کوئی
... یہ میرا وچن ہے تیرے لیے۔'' اپرنا کو یہ الفاظ بڑے مضبوط محسوس ہوئے
... اور اندر چلی گئی۔ مٹھ کے اندر کافی کشادہ جگہ تھی۔ باہر سے دیکھنے پر یہ اندازہ
... تھا کہ اندر اتنی بڑی جگہ ہوگی۔ یہاں جگہ جگہ مرگ چھالائیں اور پیال کے ڈھیر

تھے۔ سادھومہاراج وہیں سویا بیٹھا کرتے تھے۔ کوئی بت وغیرہ وہاں موجود نہیں تو
کھانے پینے کی بے شمار چیزیں وہاں موجود تھیں۔ یقینی طور پر آبادیوں سے یہ چیزیں
جاتی ہوں گی۔ ہوسکتا ہے سادھومہاراج کے عقیدت مند یہاں آتے ہوں یا سادھو
خود ان چیزوں کے حصول کے لئے وہاں جاتے ہوں۔ بہرحال آدھی رات تک
رہی۔ یہ سنسان پناہ گاہیں بھی بعض اوقات بڑی اچھی ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ایسے کسی
مہاراج کے چرنوں میں جگہ مل جائے تو اس سے اچھی تو اور کوئی بات ہی نہیں ہے۔
تک لیٹی گزرے ہوئے ماضی پر غور کرتی رہی تھی۔
اس نے کہا۔

"کال بھوانا یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ منش تو غلطیوں کا پتلا ہے۔ ایک بات
سے نکل گئی کہ تم نے اسے میرے جیون کا روگ بنا دیا۔ ایسا تو کچھ نہیں کیا تھا میں نے
سزا دینی تھی تو بس ایک انسان کی حیثیت سے سزا دیتے۔ یہ کیا کہ مکمل طور پر زخمی بنا دیا۔
راج دھانی چھوڑی راجکماریوں کی طرح زندگی گزر رہی تھی۔ یہ کیا کر دیا تم نے
جیون میں یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ برائیوں کی طرف آؤں تو اتنی بری بن جاؤں گی
میں پھر تمہیں اپنے کیے پر افسوس ہوگا۔ میں یہ سب کچھ نہیں بننا چاہتی۔" اس کی آنکھوں
سے آنسوؤں کی دھاریں بہتی رہیں اور پھر اسے وہ چوڑا چکلا پھن یاد آیا۔ حیرت کی بات
تھی کہ پھن کو دیکھتے ہی اس کے تصور میں وہ آنکھیں ابھر آتی تھیں جو بہت خوبصورت
آنکھیں تھیں۔ کالی گہری سیاہ آنکھیں۔ ان آنکھوں کے دیکھنے کا انداز یا تو اتنا خوبصورت
تھا کہ وہ اتنی اچھی لگتی تھیں یا پھر۔ وہ آنکھیں تھیں ہی اتنی اچھی۔ اس سانپ نے کتنی
اس کی مدد کی تھی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ایسا کیوں کیا تھا اس نے۔

بہرحال یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی دوسری صبح بہت خوشگوار تھی۔ ماحول
بے مثال اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔ ساون کے جھولے اور سہ دن کے ساتھی
پیار کرتی تھیں وہ اس سے، لیکن اب سب کچھ چھن گیا تھا۔ سب کچھ..... سادھومہاراج نے
باہر سے آواز دی۔

"باہر آ جا اگر جاگ گئی ہے تو۔ میں نے تیرے لیے گرم گرم چائے بنائی
باہر آ گئی۔ سادھومہاراج مجسم محبت نظر آ رہے تھے۔ گرم گرم چائے اور اس کے
چیزیں اپرنا کے سامنے رکھ دیں پھر بولے۔

"ارے رام رام۔ میں تو بھول ہی گیا جا وہ ادھر پانی ہے۔ جا منہ ہاتھ

کے پاس آئی ناشتا کر کے اس نے کہا۔

"آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔ مہاراج۔"

"پوچھتی تو بتاتا تجھے۔ تیرا نام تو اپرنا ہے تو مجھے بتا چکی ہے لوگ مجھے پنڈت ہری
کیرتن کہتے ہیں۔ ہری کیرتن۔"

"پنڈت جی مہاراج آپ یہاں ان ویرانوں میں کیا کر رہے ہیں۔"

"سنسار اتنا برا ہو گیا ہے اپرنا کہ اس سے ہٹ جانے کو ہی من چاہتا ہے۔ بہت دکھ
اٹھائے ہیں میں نے سنسار میں اور جب دکھ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا تو یہ ویرانے آباد
کر لیے۔ تو یقین کر یہ ویرانے آبادیوں سے کہیں زیادہ پرسکون ہیں۔"

"سو تو ہے مہاراج۔ ارے ایک بات پوچھوں آپ سے۔"

"اوش۔"

"سنسار اتنا کٹھور کیوں ہے؟"

"زمین پتھراتی جا رہی ہے کچی مٹی پتھر بن گئی ہے۔ بس بھگوان اپنی عنائتیں سمیٹ رہا
ہے۔"

"تو منش کہاں جائیں گے۔"

"زمین کے نیچے، خاتمہ ہو جائے گا سب کا، ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب اکال بہت بڑھ
جاتا ہے۔"

"مہاراج میں بھی بڑی دکھیاری ہوں۔ سنسار کی ماری ہوئی۔ مجھ سے میرے بارے
میں کچھ نہ پوچھیں بس مجھے اتنا بتا دیں کہ کیا میں آپ کے ساتھ اس ویرانے میں رہ سکتی
ہوں۔" ہری کیرتن مہاراج کچھ دیر تک سوچتے رہے۔ پھر بولے۔

"سوچ لے تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی۔"

"مہاراج! اگر آپ مجھے یہاں رہنے کی آگیا دے دیں تو میری تو بہت سی تکلیفیں
ختم ہو جائیں گی۔"

"تو ٹھیک ہے۔ تو میری مہمان ہے۔ مگر اب تو اس گھر کی مالک ہے۔ یہاں سب
سچے جی ہیں مگر اس وقت تک جب تک تیرے دوست نہ بن جائیں اور یہ بڑی
دوست بن جاتے ہیں اور جب یہ دوست بن جاتے ہیں تو سب سے سچے دوست
ہوتے ہیں۔"

پھر اپرنا وہاں رہ پڑی۔ سارے کام سنبھال لیے اس نے۔ چھوٹے سے مٹھ کے

اطراف کی صفائی کرتی۔ جنگلی جانوروں کی آوازیں ضرور سنی تھیں اس نے، مگر کسی جنگلی جانور کو قریب سے نہیں دیکھا تھا، لیکن ایک رات ایک جنگلی جانور اس کے قریب آ گیا۔ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ چاند کی روشنی ایک سوراخ سے پوری طرح اندر پڑ رہی تھی اور مڈھ کا اندرونی حصہ پوری طرح روشن تھا کہ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ قدموں کی چاپ ایک تنومند انسانی جسم کی تھی اور جب اس چہرے پر روشنی پڑی تو وہ ہری کیرتن مہاراج تھے اور ان کی آنکھیں عجیب وغریب انداز میں چمک رہی تھیں۔ ان کا انداز اچھا نہیں تھا۔ اپرنا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''مہاراج۔''

''ارے جاگ رہی ہے تُو۔''

''مہاراج خیریت اندر کیسے آ گئے اس سے پہلے تو آپ کبھی اس طرح اندر نہیں آئے۔''

''ہاں اپرنا انسان ضرورتوں کا پتلا ہے۔ ان ضرورتوں ہی نے اسے جانور بنا دیا ہے۔ ہر طرح کی ضرورتیں ہوتی ہیں پیاس لگتی ہے تو انسان پانی پیتا ہے بھوک لگتی ہے تو خوراک کھاتا ہے۔ ایک اور بھوک ہوتی ہے اپرنا جو بھگوان نے اس کے وجود میں رکھی ہے۔ اس وقت میں اسی بھوک کا شکار ہوں۔''

''آپ...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں مہاراج؟''

''دیکھ میں نے آج تک تیری ہر طرح سے رکھشا کی ہے۔ تیرے من پر کوئی میل نہیں آنے دیا۔ پر میں کیا کروں۔ ہم سنسار باسی سنسار کے تمام واسفاؤں میں گھرے ہوئے ہیں۔ تُو ایک اچھے اور سچے ساتھی کی حیثیت سے میرے ساتھ تعاون کر۔ جیون بھر سکھی رہے گی۔''

''کک...... کک...... کیا کہہ رہے ہیں مہاراج۔'' اپرنا کے ہوش اڑ گئے تھے۔

''ہاں اپرنا یہ سب کچھ تیرا ہے۔ جیون بھر میرے ساتھ رہے گی۔ جب تک میں ہوں اس کے بعد جیسا تو کہے گی ویسا ہی کروں گا بڑی دھن دولت ہے میرے پاس۔''

''آپ کو کیا ہو گیا مہاراج! آپ تو سچ مچ ہری کیرتن مہاراج ہی ہیں۔''

''ہاں میں نے کہا ناں ہری کیرتن بعد میں ہوں پہلے انسان ہوں اور انسان واسفاؤں کا روگی ہوتا ہے۔'' اپرنا نے چاروں طرف دیکھا تھا۔ ہری کیرتن کی آنکھیں

وحشت جھانک رہی تھی۔ وہ بتا رہی تھی اسے کہ صورتِ حال اس کے لئے بڑی خوفناک ہے۔

''مہاراج! بھگوان کے لئے مجھے شما کر دیں۔''

''ایسی باتیں مت کر اپرنا۔ بھگوان نے ہی تو انسان بنائے ہیں۔ منش کے اندر ضرورتیں بھی تو اس نے رکھی ہیں۔ تو تعاون کر مجھ سے۔'' ہری کیرتن نے کہا اور آگے بڑھ کر اپرنا کے باوز پکڑ لیے۔ اپرنا نے جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑایا تو وہ بولے۔

''نہیں اپرنا۔ وہ مت کر جو میں نہیں کرنا چاہتا۔''

''آپ...... آپ پاگل ہو گئے ہیں کیرتن مہاراج! آپ پاگل ہو رہے ہیں۔ میں تو ایک پتا کی طرح آپ کی عزت کرتی ہوں۔''

''پتا کی طرح کرتی ہے نا عزت۔ پتا تو نہیں ہوں نا میں تیرا۔ چل اب دیر مت کر۔ میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر ہری کیرتن نے اپرنا کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے اور اسے زمین سے اونچا اٹھا لیا۔ اپرنا بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن ہری کیرتن پتھر کی چٹان تھا۔ اس نے اپرنا کو زمین پر لٹا دیا اور اس کے اوپر جھک گیا۔

''مہاراج مہاراج...... مان لیں مان لیں میری بات۔''

''تُو میری بات مان لے۔ میں جیون بھر تیری باتیں مانوں گا۔'' ہری کیرتن مہاراج کے ہاتھ گردش میں آ گئے۔ لیکن اچانک اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور اپرنا ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ وہ اچھل کر ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔ تب اس نے اس لمبے چمکدار کوڑیالے سانپ کو دیکھا۔ جس نے ہری کیرتن مہاراج کی پنڈلی میں ڈس لیا تھا۔ یہ سانپ...... یہ سانپ...... اپرنا اسے کسی اپنے کی طرح پہچانتی تھی۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ حالانکہ اس وقت اس کا رواں رواں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا تو جو کوئی بھی ہے۔ میرے سامنے تو رک مجھ سے بات تو کر تو میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ آج تک تو نے ہی تو میری عزت بچائی ہے۔ ورنہ میرا پتہ نہیں کیا سے کیا ہو چکا ہوتا۔

کوڑیالہ سانپ اسے دیکھتا رہا۔ ایک لمحے کے لئے پھن کھڑا کر کے کھڑا ہوا اور اس کے بعد خاموشی سے ایک سوراخ میں غائب ہو گیا۔ اپرنا کا ہاتھ اسے روکنے کے لئے اٹھا، لیکن اس کے منہ سے وحشت کی وجہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔

ادھر ہری کیرتن اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ وہ سانپ ہی کی طرح زمین پر بل کھا رہا تھا۔ اس کے منہ سے نیلا نیلا پانی بہہ رہا تھا۔ آنکھیں وحشت سے پھٹی ہوئی

تھیں۔ چند ہی لمحوں کے اندر اس نے اس طرح دم توڑ دیا کہ جیسے اس کے اندر کی ہر ہڈی اکڑ کر چٹخ گئی ہو۔

اپرنا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ہری کیرتن کی لاش اب اس کی نگاہوں کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کا گوشت گل رہا تھا اور نیلا نیلا پانی بہہ رہا تھا۔ کتنا زہریلا سانپ تھا وہ، اس کا اندازہ اپرنا کو پہلی بار ہو رہا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سانپ کون ہے۔ اس کا رکھوالا کیوں بن گیا ہے اور بہت وقت گزر گیا تھا، اس وقت سے یہ سانپ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ کون ہے؟ یہ کون ہے؟ اپرنا کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ مٹھ سے باہر نکل جائے۔ کافی دن ہو گئے تھے اسے یہاں۔ کسی کو اس نے یہاں نہیں دیکھا تھا آس پاس کسی انسان کا وجود نہیں ملتا تھا۔ وہ اکیلی ہے۔ اب کیا کرے کہاں جائے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور اس کے منہ سے دکھ بھری آواز نکلی۔

''ہائے میں کہاں جاؤں۔ کہاں جاؤں میں۔'' تھوڑی ہی دیر بعد ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ نیلا پانی بہت دور تک بہہ گیا تھا۔ وہ اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتی تھی۔ زہریلا پانی ہے ہوسکتا ہے پاؤں کو گلا دے۔ بہر حال وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆======☆======☆

''گرگھا گنی میں کیا کروں۔'' پورنا کی آواز میں شدید کرب چھایا ہوا تھا۔ بوڑھی ناگن نے اس جوانی میں ڈوبے ہوئے سانپ کو دیکھا اور پھر تشویش سے بولی۔

''تُو تو سچ مچ پاگل ہوا جا رہا ہے پورنا۔ پاگل کیوں اپنے من کو روگ لگا رہا ہے۔ وہ انسان ہے اور تُو ناگ۔ اگر وہ تجھے حاصل ہو بھی جاتی ہے۔ تو تیرا اور اس کا ملاپ ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے۔''

''میں نے کب کہا گرگھا گنی کہ مجھے اس کے شریر کی خواہش ہے۔ میں تو اس سے پریم کرتا ہوں۔ پاگل ہو گیا ہوں میں اس کے لئے۔''

''ایک بار پھر تجھ سے وہی بات کہتی ہوں میں۔ وہ منش ہے اور تُو کرتوی تیرا اور اس کا کوئی سمبندھ تو نہیں ہے۔''

''پر پریم تو ہے میرے من میں اس کے لئے۔ وہ کشٹ میں ہے۔ کیسی کیسی مصیبتیں بھوگ رہی ہے اور میں کچھ بھی نہیں کر سکتا اس کے لئے۔''

''تجھے اس کے شریر کی خواہش نہیں ہے۔'' گرگھا گنی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں۔ پاپ سمجھتا ہوں میں اس کے شریر کے بارے میں سوچنا۔''

''ہوں تب تو پھر وہ کشٹ میں ہے اس کی سہائتا کر۔''

''مگر میں کیا کر سکتا ہوں اس کے لئے ہر اس پاپی کو نشٹ کر دیتا ہوں جو اس کی آبرو لوٹ لینا چاہتا ہے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو اسی طرح بھٹکتی رہے گی۔ تُو مجھے بتا اس کے بارے میں کہاں ہے وہ۔ اس سے۔'' گرگھا گنی نے پوچھا اور پورنا اسے تفصیل بتانے لگا۔ گرگھا گنی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''اس کو تو کہتے ہیں جوانی کا اندھاپن۔ ہزار سال کا ہو گیا پر بچپن ابھی تک نہیں گیا۔ بے وقوف بدھی سے کام لے بدھی سے۔''

''بھلا کیا کر سکتا ہوں میں، کیا کر سکتا ہوں میں۔''

''میں بتاؤں تجھے۔'' گرگھا گنی نے کہا۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ پورنا کو کچھ سمجھانے لگی۔

☆======☆======☆

پورنا شہر میں آ گیا۔ ابھی اسے انسانوں کے درمیان رہتے زیادہ سے نہیں بیتا تھا کوئی ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ بس جنگلوں پہاڑوں اور ویرانوں میں زندگی گزاری تھی اس نے اپنے جیسے ناگوں کے درمیان۔ ان ناگوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ جو دونوں پیروں سے چلتے تھے۔ مگر تھوڑی بہت واقفیت ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران خود بھی اسے ان جیسا بننے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ جب چاہتا تھا انسانوں جیسا روپ دھار لیا کرتا تھا، لیکن بہر حال گرگھا گنی نے اسے بہت کچھ سمجھا کر بھیجا تھا اور وہ گرگھا گنی کے اشاروں کے مطابق انسان بنا کسی ایسے انسان کی تلاش میں تھا۔ جس سے گرگھا گنی کے کہنے کے مطابق کام بن سکے اور سیٹھ دوارکا ناتھ اس کے لئے کارآمد ثابت ہوا۔ سیٹھ دوارکا ناتھ کئی ملوں اور فیکٹریوں کا مالک تھا۔ زبردست جائیدادیں تھیں اس کی۔ بہت کچھ تھا اس کے پاس اور بھگوان نے صرف ایک بیٹا دیا تھا اسے۔ اکلوتا اتنا سندر کہ دیکھنے والی آنکھ اس پر ٹکے تو ٹکی کی ٹکی رہ جائے۔

بہت سے لوگ چاہتے تھے اسے۔ یہ بیٹا دوارکا ناتھ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اس کا نام وجے ناتھ تھا۔ وجے ناتھ نے زندگی کو اتنا خوبصورت دیکھا تھا کہ زندگی کے دوسرے رخ

کے بارے میں اسے پتہ ہی نہیں تھا۔ عیش وعشرت کی آغوش میں پلنے والا وجے ناتھ اس وقت ایک خوبصورت مقام پر شکار کھیل رہا تھا۔ حالانکہ ہندو دھرم کا ہونے کی وجہ سے اسے شکار کی منادی تھی، لیکن اس کے دوستوں میں مسلمان لڑکے بھی تھے۔ منصور نے اسے شکار کی دعوت دی تھی اور اسے خود بھی شکار کی لت لگ گئی تھی۔ جنگل میں جانوروں کو گولی کا نشانہ بنا کر انہیں وہیں ذبح کر کے کھانا اس کا بھی محبوب مشغلہ بن چکا تھا، لیکن اس بار جو حادثہ ہوا اور بہت ہی افسوس ناک تھا۔ وہ لوگ شکار کھیلنے کے لئے جنگل میں کیمپ لگائے ہوئے تھے۔ یہ جگہ شہری آبادی سے زیادہ دور نہیں تھی، لیکن انسان کی حیثیت سے اپنی ضرورت کی جگہ تلاش کرتے ہوئے پورنا کو وجے ناتھ کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی تھی۔ اس کا کام وجے ناتھ ہی کے ذریعے بن سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت جب وجے ناتھ ایک جھاڑی میں چھپا ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا۔ پورنا سانپ بن کر اس کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر اس نے وجے ناتھ کی کمر کے پاس کاٹ لیا۔ وجے ناتھ کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی تھی۔

وہ جھاڑیوں میں تڑپنے لگا۔ چیخ کی آواز سن کر منصور اور دوسرے ساتھی آ گئے۔ انہوں نے ایک انتہائی بھیانک سانپ کو تیزی سے جھاڑیوں سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا اور خود چیخیں مار کر پیچھے ہٹ گئے تھے، لیکن پھر منصور پھرتی سے آگے بڑھا۔ اس نے وجے ناتھ کو دیکھا اور بولا۔

''اف وہ۔ سانپ نے ڈس لیا ہے اسے اور سانپ بھی بہت بھیانک تھا۔ ویسے تو پورنا کا زہر اس قدر شدید تھا کہ انسان کا جسم پانی ہو کر رہ جائے، لیکن گرگھا گنی نے اسے جو گر سکھائے تھے۔ ان کے تحت اس نے اس وقت بہت معمولی سا زہر وجے ناتھ کی رگوں میں اتارا تھا، لیکن پورنا کا ہزار سال پرانا زہر ایسا نہیں تھا کہ کوئی سپیرا یا کوئی ڈاکٹر اسے ٹھیک کر سکے۔ یہ بات صرف پورنا ہی جانتا تھا کہ وجے ناتھ کا اس زہر سے ایک مہینے تک دیہانت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال خوب لے دے مچ گئی۔ منصور کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ وجے ناتھ کا رنگ نیلا پڑتا جا رہا تھا اور اس کی سانسیں دوبھر ہوتی جا رہی تھیں۔ منصور نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کیا کریں اب بتاؤ کیا کریں۔''

''یار مصیبت آ جائے گی۔ کتے کی موت مارے جائیں گے ہم سب۔''

''دوارکا ناتھ پھانسی چڑھا دے گا ہمیں۔ یہی کہے گا کہ ہم اس کے بیٹے کو بہکا کر لے

آئے تھے اور ہم نے اسے ہلاک کر دیا۔ کوئی یہ بات نہیں مانے گا کہ وہ ہمارا اتنا گہرا دوست تھا اور شکار کے شوق میں یہاں آ جاتا تھا۔''

''بھائی ہم گھر چلتے ہیں چلو۔ منصور چھوٹو ادھر سے۔ چھوڑ دو اسے یہاں۔ اس کی لاش ملے گی تو کوئی نہ کوئی خود دیکھ کر لے جائے گا۔ تمام دوست ایک ایک کر کے کھسکنے لگے لیکن منصور اپنے دوست کے پاس کھڑا رہا۔ سارے کے سارے بھاگ گئے۔ وجے ناتھ نیم غشی کی کیفیت میں تھا۔ منصور نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور جیپ میں لٹا دیا۔ اس کے بعد وہ جیپ ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چل پڑا۔ مطلبی دوست ساتھ چھوڑ گئے تھے لیکن منصور مطلبی دوست نہیں تھا۔ وہ وجے ناتھ کو لیے ہوئے سیدھا ایک اسپتال پہنچا۔ پرائیوٹ اسپتال میں پہنچ کر اس نے ڈاکٹروں کو اکٹھا کر لیا اور بولا۔

''یہ سیٹھ دوارکا ناتھ کا بیٹا ہے۔ ہم لوگ پکنک منانے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہاں اسے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ آپ لوگ فوراً اس کا علاج کریں۔ اخراجات کی بالکل پرواہ نہ کریں۔ اول تو اس کے اخراجات میں ادا کروں گا۔ دوئم یہ کہ سیٹھ دوارکا ناتھ کو آپ لوگ جانتے ہی ہیں۔'' ڈاکٹر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ بڑی محنت کے ساتھ وہ تمام حکمت عملی اختیار کر رہے تھے جو سانپ کے کاٹے کا علاج ہوتی ہے، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ زہر رگ رگ میں پھیل گیا ہے اور خون کی سرخی نیلاہٹ میں تبدیل ہو گئی ہے۔ زندگی بچانا ایک مشکل کام ہے۔ منصور کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ جب ڈاکٹروں سے اس کی بات چیت ہوئی اور ڈاکٹروں نے اس بات کا اظہار کیا تو اس نے سیٹھ دوارکا ناتھ سے رابطہ قائم کیا۔ دوارکا ناتھ کی حویلی میں تو کہرام مچ گیا۔ حویلی کا ایک ایک فرد اسپتال پہنچ گیا۔

اور پھر لے دے شروع ہو گئی۔ منصور نے تفصیل بتا دی تھی بس اتنا چھپایا تھا کہ یہ لوگ شکار کے لئے گئے تھے۔ شکار کو پکنک کا نام دے دیا گیا تھا۔ منصور نے بتایا دوسرے لوگ بھی تھے لیکن سانپ کو دیکھ کر سب بھاگ گئے۔ ایک انتہائی زہریلا کوڑیالہ سانپ تھا۔ ہر طرح کی جدوجہد کی جانے لگی۔ اس اسپتال سے اسے شہر کے ایک جدید ترین اسپتال میں داخل کیا۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا جانے لگا۔ وجے ناتھ کی موت تو نہیں ہوئی تھی، لیکن وہ زندگی اور موت کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ پہلا دن اور دوسرا دن گزر گیا۔ کہاں کہاں کے ڈاکٹر حکیم اور وید یہاں آ گئے، لیکن کچھ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اس کا کوئی علاج ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے عرصے زندہ رہے، لیکن وہ اسی کیفیت میں رہے

گا۔ رگ رگ سے زہر نکالنا کوئی آسان بات نہیں ہے البتہ اس کوشش سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ پھر تمام خاندان سے مشورہ ہوا۔ عورتیں کہہ رہی تھیں کہ حکیم، وید، سادھو اور سنیاسیوں سے علاج کروایا جائے۔ چنانچہ وجے ناتھ کو اسی عالم میں گھر لایا گیا۔ حویلی ماتم کدہ بنی ہوئی تھی اور اس ماتم کدہ میں چاروں طرف رونے پیٹنے کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ ہر طرف وجے ناتھ کے جیون کے لئے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ ہر آنکھ اشک بار تھی سیٹھ دوارکا ناتھ گم سم بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمدردی کرنے والے ان کے آس پاس تھے لیکن یہ ہمدردی ایک بے کار چیز تھی۔ بیٹا جس حال میں تھا۔ اسے دیکھ کر دوارکا ناتھ کا دل خون ہوکر رہ گیا تھا۔ حکیم، وید جگہ جگہ کے ڈاکٹر ہر دس منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی آتا۔ ہر طرف ایک ہاہا کار مچی تھی۔ پورے سات دن گزر گئے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ زندگی ابھی موت سے ہمکنار نہیں ہے۔ دونوں باتیں ہوسکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کی دعا کارگر ہوجائے اور کام بن جائے پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ ایسے کام دعاؤں کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ آنے والا ایک نوجوان سپیرا تھا۔ کندھے پر بائے گی اٹھائے ہوئے ہاتھ میں بین، چہرہ تھا کہ دیکھنے کے قابل۔ تھا تو ایک غریب سپیرا لیکن ایک انوکھی شان تھی اس کی۔ بغیر کسی کے بلائے ہوئے اندر گھس آیا تھا۔ چونکہ اس طرح کے لوگ آجا رہے تھے اس لئے کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔

لیکن جب وہ سیدھا دوارکا ناتھ جی کی طرف بڑھا تو لوگ چونک چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے پھر کسی نے اس سے کہا۔ ''اندر چلے جاؤ اندر سیدھے۔'' لیکن اس نے کسی کی نہ سنی اور دوارکا ناتھ جی کے پاس پہنچ گیا۔ دوارکا ناتھ جی نے چونک کر اسے دیکھا۔ سپیرے نے اپنی بائے گی نیچے رکھ دی تھی۔ پھر وہ زمین پر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

'''کیسا ہے آپ کا سپوت۔'' دوارکا ناتھ جی نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی آواز نہیں نکلی تھی۔ البتہ ان کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

''تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔''

''ہاں سنا ہے سانپ نے کاٹا ہے۔ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا۔ بہت سے دن بیت گئے۔ آپ کے آس پاس یہی باتیں ہورہی تھیں۔ میں اپنے ڈیرے سے ادھر آیا تو یہ باتیں سن کر ادھر آگیا ہوں۔''

''تو جاؤ بابا کچھ کرنا چاہتے ہو تو اندر جاؤ۔ کچھ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو جو مانگو گے وہ ملے گا۔''

''سب سے ایسا ہی کہا ہے تم لوگوں نے؟'' سپیرے کی آواز چونکا دینے والی تھی۔

''مطلب؟'' اسی شخص نے جس نے یہ بات کہی تھی چونک کر کہا۔

''بھیک میں اور انعام میں فرق ہوتا ہے مہاراج۔ آپ بھیک دینے کی زبان اختیار کررہے ہیں۔ جیون کا بدلہ اگر بھیک ہے تو رکھیے سنبھال کر بھیک نہیں چاہیئے ہمیں۔''

دوارکا ناتھ چونک پڑے۔ سپیرے نے اپنی بائے گی اٹھائی تھی، لیکن دوارکا ناتھ نے کہا۔

''رکو بھائی رکو۔ بات سنو...... بات سنو۔ شما کردو ہمیں شما کردو۔ بھیک نہیں اپنے بیٹے کے جیون کے لئے بھلا بھیک کیا دیں گے ہم۔ انعام مانگو اگر تم نے اسے ٹھیک کر دیا۔ تو منہ مانگا انعام دیں گے بولو۔ پہلے سے طے کرنا چاہتے ہو تو پہلے سے طے کرلو۔''

''ایک گھر رہنے کے لئے، بہت سارو پیہ جیون بتانے کے لئے سمجھ رہے ہونا۔''

''ملے گا، ملے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اپنا کام کرو'' سیٹھ دوارکا ناتھ نے کہا اور سپیرے نے حقارت بھری نگاہوں سے اس آدمی کو دیکھا جس نے یہ بات کہی تھی۔ سب کے سب عجیب سے رعب کا شکار ہوگئے تھے۔ کوئی بات تھی سپیرے کے اندر جوان لوگوں کو مرعوب کررہی تھی۔ سپیرا بائے گی اٹھا کر پھر بولا۔

''ایک آدمی میرے ساتھ آؤ۔ مجھے اس تک پہنچا دو۔'' سپیرے کو اندر لے جایا گیا دیکھنے والے بہر حال اسے غور سے دیکھ رہے تھے اور بڑے عجیب انداز میں دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ایک اور کردار بھی ان کے درمیان تھا وہ بھی ایک سپیرن تھی ایک نوجوان سپیرن جس کا ڈیرہ یہاں سے کچھ فاصلے پر تھا۔ وہ ایک پُراسرار کردار کی حیثیت سے مشہور تھی اور تھوڑی ہی دیر پہلے کوئی اسے تلاش کرکے یہاں لایا تھا۔ اس نے ابھی تک اپنے کام کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بس وجے ناتھ کے پاس پہنچایا گیا تھا اور عورتیں اس کے ارد گرد تھیں۔ سپیرے کو بھی وہاں پہنچایا گیا۔ تو سپیرے نے چونک کر اسے دیکھا۔ نوجوان اور انتہائی خوبصورت سپیرن تھی۔ جس نے اگر چہرے پر طرح طرح کی چیزیں نہ لگائی ہوتیں اور صاف ستھری بنی ہوتی تو بلاشبہ ایک انتہائی سندر ناری کہلائی جاسکتی تھی۔ اس کا نام مندریکا تھا۔ مندریکا اپنے کام کا آغاز کرنے جارہی تھی۔ اس نے کچھ جڑی بوٹیاں نکالی تھیں اور وجے ناتھ کے زخموں کو دیکھ رہی تھی کہ سپیرا وہاں پہنچ گیا۔ مندریکا نے ابھی تک گردن نہیں اٹھائی تھی۔ کسی نے کچھ کہنا چاہا تو سپیرے نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا اور سرگوشی کی انداز میں کہا۔

''اسے اپنا کام کرنے دو ہمارا کام تو یہ ہے کہ یہ لڑکا ٹھیک ہوجائے۔ اگر سارے

انعامات بھگوان نے اس کے بھاگ میں لکھ دیئے ہیں تو ہمیں بھگوان کے کاموں کو نہیں روکنا چاہیئے۔'' سپیرن نے ابھی تک سپیرے کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی اس نے پانچ گول گول ٹکیاں زخم کے اردگرد رکھیں اور اس کے بعد پیتل کی ایک تھالی نکال لی اور اسے بجا بجا کر بھجن اور منتر پڑھنے لگی۔ سپیرا خاموش کھڑا تھا اور دوسرے لوگ بھی خاموش تھے۔ کھیل تماشے تو سات دن سے ہو رہے تھے۔

اس وقت بھی وہ سپیرن کے اس تماشے کو اسی انداز میں دیکھ رہے تھے۔ ہاں جو نوجوان لڑکے تھے وہ سپیرن کے حسین ترین جسم کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ جو حسن و جمال کی اعلیٰ مثال تھا۔ ان میں سے بہت سوں کے دلوں میں یہ احساس تھا کہ دیکھو۔ بھگوان کی دین ہے جس کو چاہے بخش دے اس سپیرن کو اس نے سنسار کا سارا حسن دے دیا ہے۔

مندریکا کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں۔ وجے ناتھ پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اپنا منتر پڑھ رہی تھی۔ تھالی بجا رہی تھی۔ دیر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ سپیرن پسینہ پسینہ ہوگئی اور پھر اس نے تھالی بجانا بند کردی اور اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں نمودار ہوگئیں۔ پھر اس کی پاٹ دار آواز ابھری۔

''نہیں میں اسے ٹھیک نہیں کرسکوں گی۔ تم لوگوں سے جھوٹ کیوں بولوں۔ پتا نہیں کون سے ناگ نے ڈسا ہے اسے۔ میں جانا چاہتی ہوں۔'' تبھی سپیرا آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔ مندریکا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔ سپیرے نے اس سے کہا۔ ''یہ باٹیاں اٹھا لو۔ تم ٹھیک کہتی ہو اسے کسی انوکھے سانپ نے ہی ڈسا ہے یہ اس طرح ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تم اپنا کام کر چکے ہو؟'' مندریکا نے سپیرے سے سوال کیا۔

''نہیں ابھی آیا ہوں اور کام شروع کرنا ہے۔''

''میں نے اس پر کئی جاپ کر لیے ہیں مگر کچھ نہیں ہوا۔'' سپیرے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی جھولی سے ایک سفید کپڑا نکالا اور اسے وجے ناتھ کے زخم پر پھیلا دیا۔ پھر اس نے کمرے میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تھوڑی دیر کے لئے بالکل تنہائی چاہتا ہوں۔''

''چلو سب لوگ باہر نکل جاؤ۔'' وجے ناتھ کے ماموں نے کہا۔

مندریکا نے گہری نگاہوں سے سپیرے کا جائزہ لیا پھر بولی۔ ''میں بھی؟''

سپیرے نے سادہ سی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولا۔

''ہاں۔'' مندریکا کے چہرے پر روشن چراغ بجھ گئے۔ وہ گردن جھکا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ سپیرے نے اندر سے دروازہ بند کیا اور اس کے بعد وہ وجے ناتھ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے زخم پر سے کپڑا ہٹایا۔ گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا اور اس کے بعد اس نے زخم پر ہونٹ رکھ دیئے اور زخم کو چوسنے لگا۔ حیرت انگیز عمل ہوا تھا۔ وجے ناتھ کا جسم جو کہ نیلا ہونے کے بعد اب کالا پڑ چکا تھا۔ جگہ جگہ سے رنگ بدلنے لگا۔ پہلے اس میں سے نیلاہٹیں ہلکی ہوئیں۔ سیاہی گئی اور اس کے بعد سفید سفید دھبے نظر آنے لگے۔ پورنا کا اپنا زہر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیسے واپس لیا جاسکتا ہے۔ وہ اس کی رگ رگ سے زہر نچوڑنے لگا۔ کوئی بیس یا پچیس منٹ لگے۔ سارا زہر وجے ناتھ کے جسم سے نکل گیا اور اس کے حلق سے ہلکی کراہیں نکلنے لگیں۔

خون کی روانی میں تھوڑا سا وقت لگا، لیکن اس کے بعد خون رگوں میں گردش کرنے لگا اور وجے ناتھ نے آنکھیں کھول دیں۔ سپیرا اس کے سامنے تھا۔ وجے ناتھ اسے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس کے ہونٹوں سے مدھم سی آواز نکلی۔

''میں کہاں ہوں۔''

''اپنے گھر میں مہاراج۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''ناگ نے ڈس لیا تھا آپ کو۔''

''ناگ......'' وجے ناتھ کے چہرے پر سوالیہ نشانات ابھر آئے۔

''ہاں...... ناگ۔''

''پھر......''

''میں نے آپ کا علاج کیا ہے۔''

''تم کون ہو؟''

''سپیرا۔''

''کیا نام ہے تمہارا۔''

''پورنا۔''

''پورنا میرے جسم سے ناگ کا وش نکل گیا ہے۔''

''ہاں مہاراج اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''مگر میں تو بہت کمزور ہو رہا ہوں۔ مجھ سے تو ہلا جلا بھی نہیں جا رہا۔''

''ابھی تھوڑی دیر کے بعد آپ کے بدن میں غذا جائے گی تو آپ کی طاقت بحال ہو جائے گی۔''

''تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ ورنہ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ میں مر گیا ہوں۔ ہوش و حواس تھے میرے اندر لیکن نہ میں بول سکتا تھا نہ ہل جل سکتا تھا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' مہاراج پورنا نے کہا۔

''جانتے ہو۔''

''ہاں......''

''کیسے......'' وجے ناتھ نے سوال کیا۔ تو پورنا ایک دم سنبھل گیا پھر بولا۔

''علاج جو کیا ہے آپ کا۔ سانپ کے کاٹنے کے جو اثرات آپ پر ہو سکتے تھے وہ میرے منہ میں ہیں۔''

''اتنی چھوٹی سی عمر میں تم اس قدر......''

''آپ ابھی باتیں نہ کریں مہاراج۔ میں باہر جا کر خبر دیتا ہوں آپ کی تکلیف سے سارے کے سارے مر گئے ہیں اس گھر میں۔ بڑا دکھ پھیلا ہوا ہے۔ میں انہیں نئے جیون کی خبر دے دوں۔''

''جانا نہیں پورنا۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''جی مہاراج۔'' اور اس کے بعد پورنا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ کمرے سے تھوڑے فاصلے پر ایک مجمع لگا ہوا تھا۔ بے چارے دوارکا ناتھ جس کے جسم میں تو جان ہی نہیں تھی۔ ماما جی دوڑے دوڑے آئے اور سوالیہ نگاہوں سے پورنا کو دیکھنے لگے۔ ''اسے گرم دودھ پلائیے مگر تھوڑا تھوڑا۔'' پورنا نے کہا۔

''کک...... کک...... کیا...... کیسے۔'' ماما جی کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا۔

''اپنے بھانجے وجے ناتھ کو اور کسے وہ جاگ رہا ہے۔ جیتا ہے ٹھیک سے باتیں کرتا ہے۔''

''کیا......'' ماما جی کی چیخ بڑی زوردار تھی۔ سب لوگ اچھل پڑے، ایک دوسرے سے صورتِ حال معلوم کرنے لگے اور پھر ماما جی نے لرزتی آواز میں پورنا کے الفاظ دوسروں کو بتائے۔ وجے ناتھ کی ماتا جی دوڑتی ہوئی آئیں اور کمرے میں گھس گئیں اور اس کے بعد تو وہ ہنگامہ ہوا کہ دیکھنے کے قابل تھا۔ کچھ فاصلے پر مندریکا بھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں پورنا پر جمی ہوئی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکان تھی۔

ہنگامے ہوتے رہے پورنا ایک کونے میں کھڑا ہو گیا تھا۔ جانا نہیں تھا اسے۔ لوگ اپنے اپنے ہنگامے میں مصروف تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ وجے ناتھ کو جیون دینے والا سامنے ہی کھڑا ہوا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مندریکا پورنا کے پاس پہنچ گئی۔

''انعام کے لالچ میں کھڑے ہو۔'' پورنا نے مندریکا کو غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اسے مندریکا کے الفاظ بُرے لگے تھے، لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

''ہاں انعام کے لئے کھڑا ہوں۔''

''کتنا انعام چاہئے تمہیں۔''

''تمہیں بتانا ضروری ہے کیا۔ اس گھر میں نوکری کرتی ہو تم کیا؟''

''میں اور نوکری۔'' مندریکا کو یہ الفاظ بہت برے لگے تھے۔

''تو پھر کیا کرتی ہو؟''

''تم یہ بتاؤ تمہیں کتنا انعام چاہئے۔ جو مانگو گے میں دوں گی۔''

''یہی تو تم سے پوچھ رہا ہوں اس گھر کیا کرتی ہو۔''

''کچھ نہیں کرتی۔''

''تو پھر جاؤ اپنا راستہ ناپو۔ دوسروں کے معاملے میں ٹانگ کیوں اڑاتی ہو۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔''

''جیسی باتیں مجھے کرنی چاہئیں۔ میں تم سے انعام کیوں لوں۔ کون ہو تم اس گھر کی اور کیوں مجھ سے سوال کر رہی ہو۔''

''تمہیں اپنا سمجھ کر تمہارے من کی ساری منو کامنائیں میں پوری کرنے کو تیار ہوں۔''

''کیا سچ مچ؟'' پورنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہہ کر دیکھو۔'' مندریکا پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''مان لو گی۔''

''ہاں مان لوں گی۔''

''وچن دیتی ہو۔''

کہا نا وچن دیتی ہوں۔''

''تو پھر جاؤ یہاں سے میرا دماغ مت کھاؤ۔'' پورنا نے کہا اور مندریکا چونک پڑی۔ اس کے چہرے کے نقوش بدلنے لگے۔ کچھ لمحے کھڑے سوچتی رہی تو پورنا نے جلدی سے

"وچن دے چکی ہو زبان سے نہ پھرنا۔" مندریکا زخم خوردہ تھی۔ وہاں سے آگے
بڑھ گئی اور باہر نکل گئی۔ پورنا مسکرانے لگا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کسی کو اس کا خیال آ گیا
ہی تو تھا جس نے وجے ناتھ کو نیا جیون دیا تھا اور اس کے بعد پورنا کی پوجا شروع ہو گئی
بڑے احترام سے اسے اندر لے جایا گیا۔ ایک کمرے میں جگہ دی گئی۔ دوارکا ناتھ جی نے
اس کے لئے دو نوکر مقرر کر دیئے۔ پورنا کو آگے کے اقدامات کا انتظار تھا۔ اس نے خاموشی
کے ساتھ ہی وقت گزارا۔ پھر وجے ناتھ ہی اپنے قدموں سے چل کر پورنا کے پاس پہنچا۔

"جے ہو مہاراج کی۔"

"کیسے ہو وجے ناتھ۔"

"مہاراج کی کرپا سے ٹھیک ہوں۔"

"تم نے ہم سے کچھ انعام مانگا تھا۔ پورنا مہاراج۔" دوارکا ناتھ کہنے لگے۔

"جی مہاراج وہ میری ضرورت تھی۔"

"ٹھیک ہے ہم تمہیں تمہاری پسند کا گھر دیں گے جس طرح تم چاہو گے۔ تمہاری سیوا
کریں گے۔ تم نے ہمارے اس پریوار کا جیون رکھا ہے۔ ہم تمہیں دیوتاؤں کا درجہ دیں گے
کیونکہ تم ہمارے لئے دیوتا ہی ہو۔" پورنا کو ایک انتہائی خوبصورت مکان کی چابی دے دی
گئی۔ دوارکا ناتھ جی نے کہا۔ "اس مکان کے تمام کاغذات تمہارے حوالے کر دیئے جائیں
گے۔ بالکل چنتا مت کرنا۔ ہم خلوص سے یہ سب تمہیں دے رہے ہیں۔ اس میں کوئی کھوٹ
مت سمجھنا۔" پھر جب مکان میں سب کے جانے کے بعد پورنا چکر لگانے لگا اور مکان کی
سجاوٹ کو دیکھنے لگا۔ تو اس کے دل میں بڑے عجیب عجیب خیالات آئے۔ پتھروں کی وادی
میں ناگ منڈل میں سوراخوں میں رہنے والا پورنا یہ سب کچھ دیکھ کر ششدر تھا۔ انسان
کیسے کیسے زندگی گزارتے ہیں وہ چاروں طرف گھومتا رہا گھومتا رہا۔ پھر اس نے ایک کمرے
کا دروازہ کھولا تو اندر دیکھ کر ایک دم ششدر رہ گیا۔ ایک گوشے میں کوئی کھڑا ہوا تھا۔ اس
نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا اور پھر اسے پہچان لیا یہ مندریکا تھی جو اس وقت بے
خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اس کے پیروں تک بکھرے ہوئے کالے سیاہ گھیرے لانبے بال
بہت خوبصورت لگ رہے تھے اور اس کی آنکھیں۔ وہ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔"

"تم....." پورنا کے منہ سے آواز نکلی۔

"ہاں..... تمہارا گھر بسانے آئی ہوں۔" مندریکا نے وارفتگی سے کہا اور پورنا کو

الفاظ بہت برے لگے۔

"ایسے کام کیا زبردستی کیے جاتے ہیں۔" وہ بولا۔

"زبردستی؟"

"ہاں تم سے کس نے کہا کہ میرا گھر بساؤ؟"

"میرے من نے۔"

"تمہارے من نے تمہیں اپنا گھر بسانے کے لئے نہیں کہا۔"

"اپنا گھر ہی تو بسا رہی ہوں میں۔"

"کیسے....."

"تمہارے گھر میں آ کر۔"

"کیا تم پاگل ہو۔"

"ہو گئی ہوں..... تھی نہیں۔"

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" پورنا نے پوچھا۔

"پریم کرو مجھ سے۔"

"زبردستی؟"

"نہیں من سے چاہو مجھے۔"

"کیا کسی کے کہنے سے ایسے کام ہو جاتے ہیں۔"

"اپنے من میں میرا پریم پیدا کرو۔"

"افسوس مجھے تم پاگل لگتی ہو۔ پریم پیدا نہیں ہوتا بس اس کی کہانی تو کوئی جان ہی نہیں
سکا۔"

"دیکھو ہنسی ٹھٹھے کی باتیں بہت ہو گئیں۔ میں تمہیں اپنے من کی بات بتا رہی ہوں۔ تم
میرے من میں آن بسے ہو۔ جیون کی طرح چاہنے لگی ہوں میں تمہیں اور تم سے اپنے پریم کی
بھیک چاہ رہی ہوں۔"

"دیکھو مندریکا۔ بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو تم۔ پریم اس طرح نہیں ہوتا اور نہ ہی تم
کسی سے پریم کی بھیک مانگ سکتی ہو۔"

"پریم اگر بھیک میں ملے تو بھی برا تو نہیں ہوتا۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تم
میرے من میں آ بسے ہو۔ اسی سمے جب میں نے تمہیں سیٹھ دوارکا ناتھ کے گھر میں دیکھا
تھا۔ ایک بات بتاؤ..... اکیلے ہو تم اس سنسار میں۔"

"میں تمہیں کوئی بھی بات نہیں بتانا چاہتا۔ اس لئے کہ میرے من میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔" اچانک ہی مندریکا کے چہرے پہ آگ سلگنے لگی۔ اس نے کہا۔

"تو کیا تمہارے من میں کوئی اور ہے۔"

"بات وہیں آ جاتی ہے۔"

"کہاں۔"

"میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتانا چاہتا۔ اپنے بارے میں۔"

"مگر میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں تم سے صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ بیکار کوشش کر رہی ہو۔"

"بس ایک بات بتا دو تمہارے من میں کوئی اور ہے کیا۔"

"ہاں ہے۔"

"نہیں رہ سکتا، میں اسے تمہارے من سے نکال پھینکوں گی کون ہے وہ؟"

"اچھا اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے گھر سے فوراً نکل جاؤ۔"

"یہ گھر تمہارا ہی نہیں میرا بھی ہے۔"

"تو پھر میں سیٹھ دوارکا ناتھ جی سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ انہوں نے یہ گھر کسی اور کو بھی دے رکھا ہے اور میں ان سے یہ بھی کہہ دیتا ہوں مندریکا کو دینا ہے تو مجھے اکیلا گھر چاہیئے۔"

"اکیلے رہو گے یہاں۔" مندریکا پھر بولی، لیکن پورنا نے کوئی جواب نہیں دیا تو تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"سنو پورنا۔ میں تم سے پریم کرتی ہوں اور اپنے پریم میں کسی اور کی ملاوٹ پسند نہیں کروں گی۔ آتی رہوں گی یہاں اور تم دیکھ لینا، سوچ لینا تمہیں میرا پریم سویکار کرنا ہوگا۔"

"زبردستی کا پریم۔"

"ایک دن یہ پریم زبردستی کا نہیں رہے گا۔" مندریکا نے کہا اور آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ پھر گھر کے دروازے سے بھی باہر نکل گئی۔ پورنا نفرت بھری نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور بولا۔

"پگلی ایک ایسے من سے پریم مانگ رہی ہے جو پہلے ہی کسی کا دیوانہ ہو چکا ہے۔ تیرے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے مندریکا۔ میں تو بس اسی کا پریم پجاری ہوں

نجانے کب سے میرے من کو لوٹ رکھا ہے۔ پر اب میں اسے کہاں تلاش کروں، کہاں ڈھونڈوں اسے۔" اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر گھر سے باہر نکل آیا۔ اب اسے اپرنا کی تلاش تھی جو ہری کیرتن کے جال سے نکل کر نجانے کہاں بھٹک رہی تھی بہت دیر تک وہ انسان بنا پھرتا رہا۔ اور اس کے بعد ایک سنسان جگہ دیکھ کر اس نے اپنی جون بدلی اور اسی خوفناک ناگ کے روپ میں آ گیا۔ اس طرح اس کے اندر دوسری حس بیدار ہو جاتی تھی۔ مثلاً سونگھنے کی حس جس کے ذریعے وہ میلوں دور کی چیزیں تلاش کر لیتا تھا۔

☆======☆======☆

ہری کیرتن کا جھونپڑا چھوڑ دیا تھا اس نے۔ بھگوان سے اس نے سوال کیا تھا کہ اے بھگوان! اب میں کہاں جاؤں؟ کوئی راستہ نہیں تھا۔ بس تقدیر کی سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ نجانے کتنا فاصلہ طے کر لیا۔ تھکن سے چور ہو گئی تھی۔ سارے کپڑے چہرہ اور بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی پوری کی پوری۔ ادھر بھوک سے نڈھال بھی تھی۔ جب بالکل ہی بدن میں جان نہ رہی تو ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئی۔ اندازہ بھی نہیں تھا کہ کون سی جگہ ہے۔

وہ اسے بھکارن سمجھ رہے تھے۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔ پھر جب سکوں کی کھن کھن کانوں میں پڑی تو اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ اسی وقت سامنے سے ایک بوڑھی فقیرنی نظر آئی۔ اچھی جسامت کی مالک تھی۔ ہمدردی کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی کچھ لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی اس کے بعد اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیکیدار سے پوچھ کر بیٹھی ہو یہاں۔ وہ بڑا کمینہ ہے۔ کسی کو اپنے علاقے میں نہیں بیٹھنے دیتا۔ شکر کرو کہ ابھی اس نے یا اس کے آدمیوں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ نہیں تو بڑی گڑبڑ کرتے تمہارے ساتھ۔ جلدی سے یہ سکے اٹھاؤ اور یہاں سے چلی جاؤ جلدی کرو نہیں۔ بلاوجہ مشکل میں پڑ جاؤ گی۔" بوڑھی نے کچھ اس طرح کہا کہ اپرنا سہم گئی۔ سکے تو سامنے ہی اٹھائے لیکن خود کھڑی ہو گئی۔ بوڑھی نے کہا۔

"اب تو سکے اٹھانے کا بھی وقت نہیں ہے۔ سامنے دیکھو ٹھیکیدار چلا آ رہا ہے۔" اپرنا نے سہمی ہوئی نگاہوں سے سامنے دیکھا۔ چوڑے چکلے بدن والا ایک گدڑی پوش نظر آ رہا تھا۔ اس کا رخ اسی جانب تھا۔

"دیکھ لیا حرامی نے۔" بوڑھی عورت نے کہا اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ ان کے ساتھ ہی چوڑے چکلے بدن والا آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے منہ سے

شراب کی بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ آنکھیں بے حد خوفناک تھیں اس نے غور سے بوڑھی کو دیکھا اور اپرنا کو اور پھر بولا۔

''کون ہے یہ بڑی مائی۔''

''بھانجی ہے میری گگن پور سے آئی ہے۔ بیچاری مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔''

''خوب ہے تیری بھانجی۔ جوانی کا گدرایا ہوا پھول کب تک رہے گی تیرے ساتھ۔''

''میں نہیں جانتی۔''

''کام پہ لگانا چاہے تو مجھے بتا دینا اور باقی بھی اگر اسے کچھ چاہیئے تو مجھے بتا دینا۔ کیا سمجھی اور تم رانی ایسا حسین جوبن تو محلوں میں رہنے کے قابل ہوتا ہے۔ چلو ٹھیک ہے بڑی مائی کے ساتھ رہو۔ محل میں رہنے کو من چاہے تو بڑی مائی سے کہنا ہمارے پاس پہنچا دے گی بڑی مائی۔ مہینہ پہنچا دیا یا نہیں۔''

''ابھی تاریخ ہی کون سی ہے ٹھیکیدار جی۔'' بوڑھی فقیرنی نے کہا۔ اپرنا حیرانی سے ساری باتیں سن رہی تھی۔ ٹھیکیدار آگے بڑھ گیا۔ تو بوڑھی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''کسی کتیا نے جنم دیا ہے اسے بھگوان کی سوگندھ اگر کتیا کی اولاد نہیں ہے تو باپ ضرور کتا ہوگا۔ آ تُو میرے ساتھ۔'' اپرنا اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کافی فاصلے پر بڑھیا کی کٹیا تھی۔ فقیروں کا علاقہ تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ ننگ دھڑنگ کالے پیلے بچے ان ڈیروں کے درمیان کھیل رہے تھے۔ بوڑھی نے اپرنا سے اندر آنے کے لئے کہا اور بولی۔

''بیٹھ جا آرام سے۔ تجھے کھانے پینے کو دیتی ہوں۔ لگتا ہے بڑی بھوکی ہے۔ پر ایک بات بتا۔ لوگ تیرے پاس پیسے پھینک رہے تھے۔ تو نے وہ پیسے اٹھائے کیوں نہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم کیا ہو رہا ہے۔ ہاں تم مجھے کھانے کو دو بڑی بھوکی ہوں میں۔ بھوک کی وجہ سے آنکھیں بھی دھندلا گئی ہیں۔ کوئی چیز نظر نہیں آ رہی۔'' بوڑھی نے اسے کھانے پینے کی چیزیں دیں۔ اپرنا کے بدن میں غذا کی طاقت پہنچی تو ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے۔ وہیں کھردری زمین پر لیٹ گئی۔ ماضی کو یاد کرنے لگی ہونٹوں سے آخری الفاظ نکلے۔

''اکال بھوانا کب تک ناراض رہے گا؟'' اور پھر وہ گہری نیند سو گئی۔ جاگی تو کافی بہتر حالت میں تھی۔ بوڑھی کی آواز خیمے کے باہر سے آ رہی تھی۔ کسی سے باتیں کر رہی تھی اپرنا نے سنا۔

''ہاں میری بھانجی ہے۔ بہت عرصے کے بعد آئی ہے کچھ دن کے لئے تھوڑے دن

پاس رہے گی۔ پھر چلی جائے گی یہاں سے۔'' تھوڑی دیر تک اپرنا بیٹھی رہی۔ پھر خیمے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل آئی۔ باہر رات اتر چکی تھی۔ بوڑھی نے اسے دیکھا تو بولی۔

''وہ ادھر پانی رکھا ہے۔ من چاہے تو منہ دھو لے۔ ویسے ہمارے ہاں منہ ہاتھ دھویا نہیں جاتا پر تیری مرضی ہے۔'' اپرنا نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ پانی کے پاس پہنچی اور منہ ہاتھ دھویا اور واپس پلٹی تو بوڑھی اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

''اے بھگوان...... یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہو گیا ماں۔''

''بار بار ماں کہے جا رہی ہے مجھے۔ کہے گی تو ذمہ داریاں آن پڑیں گی میرے اوپر تو تو بڑی سندر ہے اور اس حرام کے پلے نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ بڑا ہی کتیا کا جنا ہے۔ پتہ نہیں کتنی بچیوں کو خراب کر چکا ہے۔''

''کون ہے وہ۔''

''ٹھیکیدار ہے۔ ہم سب سے بھیک منگواتا ہے۔ مہینہ لیتا ہے۔ مرضی کی بات ہے روز دے دو، ہفتے میں دے دو یا مہینے میں دے دو۔ طے کر کے وصول کر لیتا ہے۔ پاپی کی آنکھ میں سور کا بال ہے۔ ایک دن رحم نہیں کھاتا۔ اب تُو اپنے بارے میں بتا کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے اگر ٹھیکیدار کو برداشت کر لے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ راتوں رات یہاں سے بھاگ جا۔ میں نمٹ لوں گی جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''میں جا رہی ہوں ماں۔ زمانے کی ستائی ہوئی ہوں کیا کرے گی میرے بارے میں جان کر۔''

''تیری مرضی ہے۔ جو تیرا جی چاہے۔ ارے ہائے رام یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ یہ پاپی تو بڑی جلدی آ مرا۔ تُو جلدی سے ڈیرے میں چلی جا۔'' آنے والا ٹھیکیدار تھا۔ اپرنا اندر گھسی تو وہ دوڑ کر قریب آ گیا۔

''ارے...... ارے کہاں جا رہی ہے۔ تیرے لئے تو آج پہلی بار رات کی دعا مانگی تھی۔ ورنہ ہم تو دن کے پجاری ہیں۔ رک تو سہی کچھ نام پتہ تو بتا اپنا۔ جب سے دیکھا ہے دل کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ بڑھیا یہ کیا ہو رہا ہے، ہم سے دھوکہ کر رہی ہے تُو۔''

''کیسا دھوکا ٹھیکیدار جی۔'' بوڑھی نے کہا۔

''یہ تیری بھانجی ہمیں دیکھ کر کیوں بھاگ رہی تھی اندر۔''

''تمہیں کون سا جانتی ہے وہ ٹھیکیدار جی۔'' بوڑھی نے کہا۔

''ارے تو بتایا ہوتا نا۔'' ٹھیکیدار نے کہا اور وہ گرجدار آواز میں بولا۔ ''چل اس سے کہہ کہ ہمارے ساتھ آئے اور باقی باتیں ہم خود اس سے کرلیں گے۔''

''مرضی کی مالک ہے ٹھیکیدار جی۔ ماتا پتا نے میری ذمہ داری پر بھیجا تھا۔ ایسے نہ لے جاؤ اسے۔''

''ستیاناس ہو تیرا ہمیشہ غداری کی باتیں کرتی ہے۔ ہم کون سا کھا جائیں گے اسے کام پر لگے گی تو کل سے لگا دیں گے۔ گھر پر رہنا چاہے گی تو راج رجا دیں گے۔ تُو جانتی ہے کہ ہم اسی طرح کے آدمی ہیں۔ چل لڑکی آجا۔ یا پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج ہم تیرے ہی مہمان رہ جاتے ہیں۔'' بوڑھی نے بے بسی کی نگاہوں سے اپرنا کو دیکھا تھا۔

☆======☆======☆

آغاز ہری کیرتن کے ڈیرے سے کیا تھا۔ کیونکہ یہیں اس نے ہری کیرتن کو ڈسا تھا اور اپرنا کی عزت بچائی تھی، لیکن اپرنا اب یہاں موجود نہیں تھی۔ البتہ پورنا نے صحیح جگہ سے اپنا کام شروع کیا تھا۔ کیونکہ اس کے اندر سونگھنے کی طاقت حد سے زیادہ طاقتور تھی۔ وہ قدموں کے نشانات سے پتہ چلا لیتا تھا کہ کون کس طرف گیا ہے، لیکن راستے بڑے طویل تھے وہ نجانے کتنے فاصلے طے کر کے اس شہری آبادی میں داخل ہوا تھا جہاں اسے اپرنا کی خوشبو ملی تھی۔ یہاں تک کہ وہ فقیروں کے اس ڈیرے تک پہنچ گیا جہاں اپرنا موجود تھی اور وہاں کا ماحول دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ ایک عجیب ڈرامہ ہو رہا تھا۔ یہ اپرنا جب بھی ملتی ہے کسی نہ کسی مشکل میں پھنسی ملتی ہے۔ ڈیرے کے اندر ایک خونخوار شکل کا آدمی اپرنا پر دست درازی کر رہا تھا اور ایک بوڑھی عورت اس آدمی کی منت سماجت کر رہی تھی۔ اپرنا کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ وحشت کی تصویر بنا ہوا تھا اور قوی ہیکل آدمی نے اس کا پاؤں پکڑا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''دیکھ لڑکی ادھر تیری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ میں اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ ٹھیکیدار ہوں میں ان لوگوں کا۔ تُو پاگل کی بچی ہی لگتی ہے۔ اس بوڑھی عورت نے تجھے یہ بات نہیں بتائی کہ جس پر ٹھیکیدار کی نظر ہوتی ہے وہ راج کرتا ہے اس علاقے پر میرے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں۔ بڑی بڑی سندر ناریاں یہ آرزو کرتی ہیں کہ میری نظر ان پر پڑ جائے اور ان کا جیون سپھل ہو جائے۔''

''چھوڑ دے ٹھیکیدار اسے..... چھوڑ دے اسے..... مہمان ہے یہ ہماری جب یہ یہاں رہنا منظور کر لے تو پھر تو اس کے ساتھ جو من چاہے کرنا ابھی تو مہمان ہے یہ ہماری۔ چھوڑ دے اسے ٹھیکیدار چھوڑ دے۔''

''تجھے تو میں خوب اچھی طرح مزہ چکھاؤں گا بڑھیا۔ میں کہتا ہوں تُو اندر گھسی ہی رہ۔ مجھے جانتی ہے، کیا سلوک کروں گا میں تیرے ساتھ۔ اس عمر میں کتیا بننا چاہتی ہے۔

دفعہ ہو جا یہاں سے باہر نکل ورنہ مار ڈالوں گا میں تجھے۔''

''مار ہی دے مجھے پاپی، مار ہی دے۔ اس طرح برے حال میں جینا تو اچھا نہیں ہوتا مار دے مجھے اور سن ایسا نہیں کرے گا۔ تو کبھی اسے نہیں پا سکے گا۔ مجھے مار دے پہلے۔'' ٹھیکیدار نے اپرنا کا پاؤں چھوڑ دیا اور خونی نگاہوں سے بوڑھی کو دیکھتا ہوا بولا۔

''تو جی رہی ہے تو کون سا احسان کر رہی ہے مجھ پر۔ آخری بار کہہ رہا ہوں غرق ہو جا یہاں سے نہیں تو؟''

''تُو ہی غرق ہو جا پاپی کتے اب تُو ہی غرق ہو جا۔'' بوڑھی نے روتے ہوئے کہا اور ٹھیکیدار نے اپنے لباس سے چاقو نکال لیا۔ بوڑھی عورت تو نہیں دیکھ سکی تھی لیکن اپرنا نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیرے کے نچلے حصے سے ایک خوفناک کوڑیالہ سانپ نمودار ہوا تھا اور بڑے خوفناک انداز میں چھلانگ لگا کر ٹھیکیدار تک پہنچا تھا۔ پہلی بار اس نے ٹھیکیدار کے چہرے پر حملہ کیا تھا اور اس کے گال کو چبا ڈالا تھا۔ ٹھیکیدار کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی۔ اس نے اپنے چہرے کے مدمقابل اس خوفناک سانپ کو دیکھا تھا اور اس کے بعد وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے سارے وجود میں انگارے بھر گئے ہوں۔ ایک لمحے کے اندر اندر وہ پانی بن کر بہنے لگا تھا۔ اس کا دل دماغ اور سارا جسم جیسے نرک کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ زہریلے سانپ کے زہر نے اسے آن کی آن میں پانی بنا دیا تھا۔ بوڑھی کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ چیختی ہوئی باہر بھاگ گئی۔ ٹھیکیدار نے دو تین بار ہاتھ پاؤں مارے اور اس کے بعد پانی بن کر بہنے لگا۔ اپرنا پہلی بار اس سانپ سے خوفزدہ نہیں ہوئی تھی۔ سانپ نے اپنا کام سرانجام دیا تو اپرنا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''آج تم اس طرح نہیں جاؤ گے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو۔ تم تو میرے سب سے بڑے متر ہو ہر بار اس سے میری مدد کرتے ہو جب میں سارے سنسار سے مایوس ہو چکی ہوتی ہوں۔ دوستوں سے ڈرا نہیں جاتا۔ میں تم سے بالکل نہیں ڈر رہی۔ پر تمہارا ایسے جانا......؟'' اسی وقت باہر سے شور شرابے کی آواز سنائی دینے لگی۔ بوڑھی نے دوسرے فقیروں کو بتا دیا تھا کہ ٹھیکیدار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور لوگ اس طرف دوڑ پڑے تھے۔ ناگ ڈیرے کے پردے کے نیچے سے باہر نکل گیا اپرنا مسلسل کہے جا رہی تھی۔

''رک جاؤ مجھے بتاؤ کون ہو تم۔ میں تمہاری مدد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مدد چاہتی ہوں میں تمہاری۔ اگر تم اکال بھوانا ہو تو مجھ سے بات کرو۔ میری آبرو تو بچا رہے ہو تم۔ میرا

جیون بھی بچالو۔'' لیکن لوگ ڈیرے میں گھس آئے تھے اور ٹھیکیدار کی پانی بن کر بہہ جانے والی لاش کو گھور رہے تھے۔ سانپ غائب ہو چکا تھا اور اپرنا ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ لوگوں نے بوڑھی سے ٹھیکیدار کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ تو بوڑھی ہکلا ہکلا کر انہیں بتلانے لگی کہ ٹھیکیدار اس کی بھانجی پر دست درازی کر رہا تھا کہ کہیں سے یہ سانپ گھس آیا اور اس نے ٹھیکیدار کو ڈس لیا۔ طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ ٹھیکیدار کے رشتے دار بھی آ گئے۔ مگر اب اس کی لاش کی جگہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نظر آ رہا تھا۔ مگر وہ بوڑھی کو مارنے لگے اور اپرنا کو بھی گالیاں دی گئیں اور اسے منحوس قرار دیا گیا ٹھیکیدار کے رشتے داروں نے کہا کہ بوڑھی فوراً اپنی اس منحوس بھانجی کو لے کر باہر نکل جائے۔ ورنہ وہ ان دونوں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

انہوں نے بوڑھی کا ڈیرہ گرا دیا اور پھر اسے آگ لگا دی اپرنا وحشت زدہ سی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مطالبہ کرنے لگے کہ وہ فوراً باہر نکل جائیں۔ مجبوری کے عالم میں انہیں وہاں سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ اور بوڑھی اسے ساتھ لے کر ایک طرف چل پڑی تھی۔ اپرنا نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

''کہتے وہ لوگ ٹھیک تھے بڑی ماں۔ میں واقعی بے پناہ منحوس عورت ہوں۔ آپ نہیں جانتیں میری نحوست نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ خوامخواہ میری وجہ سے آپ کا ٹھکانہ بھی چھوٹ گیا۔ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ورنہ پتہ نہیں آپ کو کیا کیا نقصانات پہنچیں گے۔''

بوڑھی ایسی ویسی عورت نہیں تھی اس نے ملائمت بھری نگاہوں سے اپرنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھگوان کے کاموں میں کوئی روک ٹوک کر سکتا ہے پاگل۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا بھگوان ناراض ہو گئے تو سنسار میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ میرا جیون ہے ہی کتنا جو میں کس سے ڈروں۔ یہ پاپی حیثیت کیا رکھتے ہیں۔ ٹھیکیدار کتے کو مرنا ہی تھا۔ آج نہیں کل مرتا اور اس کی جو حرکتیں تھیں۔ ان کی وجہ سے اس کی موت اسی طرح ہونی تھی۔ تُو آ جا سنسار بہت بڑا ہے۔'' بوڑھی نے کافی فاصلہ طے کیا اور پھر ایک اور سنسان سی جگہ اس نے قیام کیا۔ اپرنا تقدیر کو روتی رہی تھی دوسری صبح بوڑھی نے اس سے کہا۔

''تُو یہیں آرام کر یہ ویران جگہ ہے یہاں کوئی نہیں آئے گا میں جاتی ہوں ابھی کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ سارے کا سارا سامان ادھر ڈیرے پر ہی جل گیا۔ میں ڈھونڈ کے لاتی ہوں، لیکن دیکھ ایک بات کہوں تجھ سے جانا نہیں اگر تو چلی گئی تو میں سمجھوں

گی کہ میں نے بلاوجہ ایک گناہ کیا اور اپنا گھر بار کھو بیٹھی۔ تو اگر یہیں رہی تو میری ساری محنت پوری ہو جائے گی۔'' اپرنا نے وعدہ کیا کہ وہ یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔ جب تک کہ بوڑھی ماں خود اسے جانے کی اجازت نہ دے اور پورنا اسی تاک میں تھا۔ کافی دور وہ بوڑھی کے پاس پہنچ گیا اس وقت وہ ایک شاندار لباس میں ملبوس کوئی بڑا آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے بوڑھی کو اشارے سے روکا اور بوڑھی رک گئی۔

''دے دو بیٹا بھگوان کے نام پر کچھ۔'' اس نے ہاتھ پھیلا کر کہا تو پورنا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

''بڑی ماں تُو تو خیر مجھے کیا ہی پہچانے گی مگر میں تجھے نہیں بھول سکتا۔ سخت بیمار تھا میں تیرے سامنے رکا تھا تو تُو نے ہاتھ پھیلا کر کہا تھا دے دے بھگوان کے نام پر بیٹا کچھ، بھگوان تیری مشکل دور کرے گا اور میں نے جیب میں جو کچھ تھا تجھے دے دیا تھا۔ بڑی ماں مگر تیری دعا مجھے ایسی لگی کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ میں اس دن سے تجھے تلاش کر رہا ہوں چھوڑ دے یہ بھیک مانگنا آ میں تجھے تیرا گھر دکھاؤں۔ اس گھر میں تو میری ماں کی حیثیت سے رہنا۔''

''کیوں مذاق کر رہا ہے بیٹا۔ تجھ جیسا خوبصورت پھول مجھ جیسی بدصورت اور بدنما عورت کو ماں بنانا کیوں پسند کرے گا۔ کہیں تُو میرا تیل تو نہیں نکال لے گا۔ سنا ہے آج کل انسانوں کا تیل نکال کر بھی بیچا جاتا ہے۔''

''تجھ میں سے تو تیل بھی نہیں نکلے گا بڑی ماں اور پھر کیا میں تجھے شکل سے تیلی نظر آتا ہوں۔ آ جا میرے ساتھ۔'' بوڑھی ماں تیار ہو گئی۔ تب پورنا اسے اس گھر میں لے گیا جو دوار کا ناتھ نے اسے دیا تھا اور بڑی ماں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور میں یہاں رہوں گی۔''

''تیرے لئے ہی یہ گھر میں نے بنوایا ہے بڑی ماں۔ میں تو کہیں اور ہی رہتا ہوں۔'' پورنا نے کہا۔

''بیٹا کیوں میرا مذاق اڑا رہا ہے۔''

''نہیں بڑی ماں۔ تیری بزرگی کی قسم۔ میں تیرا مذاق نہیں اڑا رہا۔''

''لیکن بیٹا میں اکیلی نہیں ہوں میری بھانجی بھی ساتھ ہے۔''

''اسے بھی اس جگہ لے آ۔'' پورنا نے کہا پھر بولا ''دیکھو اس گھر میں ساری چیزیں موجود ہیں۔ تو کسی چیز کی چنتا مت کرنا۔ میں کبھی کبھی آیا کروں گا اور تیری ضرورت کی چیزیں دے جایا کروں گا۔ تم دونوں یہاں رہو۔ کوئی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔ اپنی جون

بھی بدل لو میں بھی تمہارے بیٹے کی جگہ ہوں۔'' بہرحال بوڑھی فقیرنی کے دن پھر گئے تھے۔ پورنا کو لے کر وہ اس گھر میں آئی تھی۔ اپرنا نے اس گھر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں بڑی ماں۔ میں نہیں مانتی سنسار میں کوئی اتنا دیالو نہیں ہے کہ اتنا بڑا گھر اتنے سارے ساز و سامان کے ساتھ تمہیں سونپ دے۔''

''بیٹا جتنے دن کی چاندنی ہے اتنے دن اس چاند کے نیچے بسیرا کر لیتے ہیں۔ جب برا سمے آئے گا یہاں سے بھی نکل جائیں گے۔ ہم پر کیا فرق پڑتا ہے۔ بھگوان کی دھرتی ہمارا گھر ہے۔ جہاں بھگوان نے کچھ دن لکھ دیئے۔'' لیکن بوڑھی نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اپرنا کہ پورنا تو اپنے من کے گھاؤ بھر رہا تھا۔ وہ گرگھاگنی کے پاس پہنچ گیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تُو مجھے سارے راستے دکھا رہی ہے گرگھاگنی، میں نے اسے ایک اچھے گھر میں پہنچا دیا ہے۔''

''منش بن کر تُو سارے فائدے اٹھا رہا ہے پورنا۔''

''گرگھاگنی اب کیا کروں میں۔''

''شریر چاہتا ہے اس کا۔''

''دیوتاؤں کی قسم نہیں۔''

''تو پوجا کر اپنی پریم ملکہ کی۔ پوجا کر اس کی۔ رات کی تاریکیوں میں جایا کر اس کے پاس دیکھنا ہی تو چاہتا ہے نا تو اسے اور کیا چاہتا ہے۔''

''ہاں بس میں اسے دیکھنا ہی چاہتا ہوں۔'' اور پھر آدھی رات کو وہ سانپ بن کر اپنے ہی گھر میں داخل ہوا اور ایک ایک کمرے میں اپرنا کو تلاش کرنے لگا۔ تب اسے اپرنا نظر آ گئی۔ ایک خوبصورت مسہری پر جوانی کی بھرپور نیند سو رہی تھی۔ چاند ستارے اس کے بدن پر چمک رہے تھے۔ روشندان سے آنے والی چاندنی کی ایک کرن اس کے چہرے کو منور کر رہی تھی۔ پورنا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اپرنا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور وہ اس پر نثار ہو رہا تھا۔ نجانے کیا ہوا اپرنا کی آنکھ کھل گئی۔ یہ کوئی ایسی ہی شکتی تھی۔ جس کی بنا پر اپرنا جاگ گئی تھی۔ پھر اس کی نگاہیں کھڑکی پر پڑیں۔ پھر اس نے سانپ کے چوڑے پھن کو دیکھا۔ پھن کھلا ہوا تھا۔ اپرنا جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھا دیکھ کر پورنا برق رفتاری سے اپنی جگہ پر سے ہٹا لیکن اپرنا کی چیخ ابھری۔

''رکو...... رک جاؤ۔ رک جاؤ تم۔ میں تم سے ڈر نہیں رہی۔ میں تمہارے پاس آنا

چاہتی ہوں۔ رکو رک جاؤ رکو تو سہی۔'' اپرنا کھڑکی کی طرف بھاگی۔ شیشے بند ہونے کی وجہ سے اس کی آواز پورنا تک نہیں پہنچی تھی۔ اپرنا وہاں سے واپس پلٹی۔ اپنے کمرے کے دروازے سے نکل کر اس طرف بھاگی جہاں کھڑکی کا پچھلا رستہ تھا لیکن وہ پورنا تک نہیں پہنچ سکی۔ پورنا بہت دور نکل گیا تھا۔ اپرنا کا دل نجانے کیسا ہونے لگا۔ اس کی بھاگ دوڑ کی آواز سے بڑی ماں بھی جاگ گئی تھی۔ وہ حیران پریشان باہر آ کھڑی ہوئی اور اس نے اپرنا کو دیکھ کر کہا۔

''کیا ہوا بیٹی......؟'' نجانے کیوں اپرنا کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

''کیا ہوا بیٹی کس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔'' اور اس ہمدردی سے اپرنا کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سارا ماضی ہی غم کی کہانی تھا، لیکن اس وقت اسے ماضی کا غم نہیں تھا۔ وہ تو اس انوکھی صورت پر غور کر رہی تھی جو ناگ کی شکل میں تھی لیکن حیرانی کی بات اس کی آنکھیں تھیں۔ جو اپرنا کے دل میں رہتی تھیں۔ نجانے کیوں اسے یہ آنکھیں یاد آتی رہتی تھیں اور اس وقت بھی اسے وہی آنکھیں یاد آئی تھیں۔ بڑی ماں اسے تسلیاں دیتی رہی۔ اس سے پوچھتی رہی اپرنا خاموش ہوئی تو بڑی ماں نے کہا۔

''دیکھ بیٹی ویسے تو میں تیری کوئی نہیں ہوں پر نجانے کیوں میرے من میں تیرے لئے پریم پیدا ہو گیا ہے۔ بھیک مانگتی تھی سنسار سے جیون بیتانے کے لئے۔ کوئی بھی نہیں تھا میرا اس دنیا میں۔ مانتی ہوں کہ کوئی نہیں ہوں تیری، پر کیا کروں سمے اتنا پاپی ہے کہ کوئی ہو نہ کسی کا، سمے اتنا ہی دیوانہ بنا دیتا ہے۔ کیا بات ہے من کا روگ نہیں بتائے گی مجھے؟''

''نہیں بڑی ماں ایسی بات نہیں ہے۔ مگر کیا بتاؤں تمہیں من کا روگ بڑی ماں۔ کیا جیون ایک کشٹ ہوتا ہے۔ ایک دکھ ہوتا ہے جیون؟''

''کبھی کبھی ہوتا ہے۔ پر کہہ دینے سے درد میں کمی ہو جاتی ہے۔ تیرے جیون کا کشٹ کیا ہے۔''

''بہت بڑا کشٹ ہے میرے جیون کا بڑی ماں۔ بڑے باپ کی بیٹی تھی پتا نہیں کتنے سمے پرانی بات ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے جنم جنم بیت گئے بدری ناتھ تھا میرے پتا جی کا نام بہت بڑے ساہوکار تھے وہ، بہت ہی بڑے۔ راجکماریوں کی طرح جیون بتا رہی تھی میں۔ کچھ شبد منہ سے بڑے نکل گئے۔ اکال بھوانا ناراض ہو گئے اور مجھے سزا میں دی جانے لگیں۔ اس وقت بھی میں اپنے جیون کی سزا بھگت رہی ہوں ماری ماری پھر رہی ہوں سب کچھ مان لیا۔ بھاگ کے سارے کھیل قبول کر لیے۔ پر بڑی ماں وہ نجانے کون ہے جو

نہیں بھلا پا رہی۔''

''کیسے......''

''یہی تو خرابی ہے جانتی نہیں ہوں اسے، پر اس کی آنکھیں من میں رہتی ہیں بڑی ماں ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کسی سانپ کو دیکھا تھا یہاں۔''

''ناگ......'' بڑی ماں چونک پڑی۔

''ہاں وہی ناگ جس نے ٹھیکیدار کو ڈسا تھا۔ بڑی ماں وہ ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے۔ میرا جیون بچاتا ہے۔ کون ہے وہ بڑی ماں! جانتی ہو تم کیا اسے۔''

''نہیں ری میں بھلا کیا جانوں اسے۔ میں نے تو بس جیون میں پہلی بار تجھے جانا ہے اور اب میرا من چاہتا ہے کہ سنسار کی ساری خوشیاں تیرے چرنوں میں لا ڈالوں۔''

''بڑی ماں وہ کون ہے۔ کوئی ہے اس سنسار میں جو مجھے بتا دے وہ کون ہے؟''

بوڑھی فقیرنی بھلا کیا جان سکتی تھی۔ اس نے تو زندگی ہی دوسرے انداز سے گزاری تھی۔ اپرنا نے آہستہ سے کہا۔

''میں کب تک یہ کشٹ اٹھاؤں گی بڑی ماں پتہ نہیں کون ہے وہ میرے سامنے تو آئے۔ نہیں ڈروں گی اس سے بڑی ماں نہیں ڈروں گی۔'' اپرنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

اس واقعہ سے تیسرے چوتھے دن کی بات ہے۔ کسی نے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا تھا۔ دستک دینے والی اچھی شکل وصورت کی جوان لڑکی تھی۔

''پرنام، بڑی ماں۔'' اس نے فوراً ہی کہا۔

''پرنام بیٹی کون ہے تو۔''

''مندریکا ہے میرا نام۔ آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے اندر بلائیں گی نہیں؟''

''ہاں ہاں بیٹا آ جا...... آ...... اندر آ جا۔ اپرنا دیکھ کون آیا ہے بیٹی۔'' بوڑھی عورت نے کہا تو مندریکا چونک کر بولی۔

''اپرنا کون ہے؟''

''بیٹی ہے میری۔''

''تمہارا گھر تو بہت خوبصورت ہے۔''

''ہاں بھگوان اسے نظر نہ لگائے۔''

''کہاں ہے اپرنا؟'' اور کچھ لمحوں کے بعد اپرنا سامنے آ گئی۔ بڑی ماں نے کہا۔

''یہ مندریکا ہے، کسی کام سے آئی ہے ہمارے پاس۔''

''اصل میں، میں پورنا سے ملنے آئی تھی۔'' مندریکا اپرنا کے چہرے کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''کون پورنا۔''

''تم لوگ اس کے گھر میں رہتی ہو اور اسے نہیں جانتیں۔''

''جس نے یہ گھر ہمیں رہنے کے لئے دیا ہے نا۔ ارے ہاں تم ٹھیک ہی تو کہتی ہو پورنا ہی تو بتایا تھا اس نے اپنا نام۔''

''کون ہو تم لوگ اس کے، یہ لڑکی اس کی کون ہے؟''

''پتہ نہیں۔ کوئی نہیں ہیں ہم اس کے۔''

''کہاں ہے وہ اس سمے؟''

''یہ بھی نہیں جانتے وہ یہاں کہاں ہوتا ہے؟''

''تعجب کی بات ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔'' مندریکا کو نجانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی لمبا ہی چکر ہے۔

''بیٹی تم یہ بتاؤ تم یہاں کس کام سے آئی ہو؟''

''نہیں کوئی کام نہیں ہے مجھے۔ پورنا کے گھر آئی تھی میں تو۔ اس سے میری بڑی جان پہچان ہے۔''

''آؤ بیٹھو مجھے تم بڑی اچھی لگی ہو میری سکھی بن جاؤ۔'' اپرنا نے کہا اور پھر وہ بڑی ماں کی طرف دیکھ کر بولی۔

''بڑی ماں مندریکا کے لئے کچھ کھانے پینے کو لاؤ۔''

''میں لاتی ہوں۔'' بڑی ماں نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔ مندریکا مسلسل اپرنا کو دیکھے جا رہی تھی، پھر اس نے اپرنا سے کہا۔

''تمہارا نام بڑا سندر ہے پر ایک بات بتاؤ اپرنا۔ پورنا کو تم کیسے جانتی ہو۔''

''بھگوان کی سوگندھ میں اسے بالکل نہیں جانتی۔ میں نے تو یہ نام ہی آج پہلی بار تمہاری زبانی [illegible] بڑی ماں مجھے یہاں لائی ہے بھگوان جانے کیا پھیر ہے۔''

''بڑی ماں تمہاری سگی ماں تو نہیں ہے۔''

''سگی ماں نہیں ہے مگر سگی ماؤں جیسی ہے۔'' اپرنا نے جواب دیا۔ بوڑھی عورت تھوڑی دیر بعد کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آ گئی تھی۔ مندریکا دیر تک ان لوگوں کے [illegible] ٹھہری رہی اور پھر اس نے کہا۔ ''پھر آؤں گی مجھے جانے دو۔''

''بیٹھو مندریکا، بیٹھو۔'' مگر مندریکا وہاں بیٹھی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ وہاں سے باہر نکل آئی۔ پر نجانے کیوں اس کے من میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ کون ہے یہ...... اپرنا کون ہے؟ کچھ پتہ تو چلے۔ وہ ایک عجیب سی الجھن میں گرفتار ہو گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کے من میں پورنا کے لئے گہرا پریم جاگ اٹھا تھا اور اسے اس بات کا بھی افسوس تھا کہ پورنا اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ ویسے بھی اس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں معلوم تھا۔ مندریکا چاہتی تھی کہ پورنا اس کا بن جائے خود مندریکا کا ماضی کیا تھا یہ بات ابھی صیغۂ راز میں تھی اور جب بھی وہ کبھی کسی مشکل کا شکار ہوتی ایک ہی راستہ تھا اس کے سامنے، چنانچہ وہ چل پڑی۔ سوامی سکھی داس اس کے ہر دکھ کا علاج تھے اور سکھی داس سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ یہ بات بھی صیغۂ راز میں تھی۔

شہر سے دور وہ ایک مندر میں رہتے تھے اور یہ مندر شہر کے آخری کونے پر واقع تھا۔ بہت بڑے علاقے میں اس کا احاطہ تھا اور ویسے بھی وہ تقریباً دو فٹ کی بلندی پر تھا۔ اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور اس کے اطراف میں بڑی بڑی گھاٹیاں تھیں۔ دیکھنے میں یہ جگہ بڑی خوبصورت معلوم ہوتی تھی اور یہاں پجاریوں اور عقیدت مندوں کے رہنے کے لئے بھی الگ الگ ٹھکانے بنے ہوئے تھے۔ لوگ دور دور سے اس مندر میں پوجا کرنے کے لئے آتے تھے۔ اس وقت بھی جب وہ وہاں پہنچی تو پجاری بھجن گا رہے تھے۔ جگہ جگہ سے آوازیں ابھر رہی تھیں۔ مندریکا سیدھی مندر کے راستے کی طرف نہیں گئی۔ بلکہ مندر کے صدر دروازے سے باہر کی سمت جانے والی سڑک پر اتر کر وہ ایک گھاٹی میں داخل ہو گئی۔ گھاٹی کے عقبی حصے سے کچھ سیڑھیاں اوپر چڑھتی مندر تک پہنچتی تھیں اور ان سیڑھیوں سے گزر کر مندر کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ یہاں کا راستہ سارا سنسان پڑا ہوا تھا۔ بہت بڑے صحن میں پیپل کے درخت لگے ہوئے تھے۔ جن کے پتے گر گر کر اس صحن میں اڑتے پھر رہے تھے۔ سامنے ہی کچھ عمارتیں بنی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ مندریکا ان میں سے ایک عمارت میں داخل ہو گئی۔ اندر سے ایک موٹے تازے جسم کا پجاری نکلا اور مندریکا کو دیکھ کر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے مندری جی آپ۔''

''ہاں مہاراج! سکھی داس کہاں ہیں۔''

''مہاراج تو اس لمحے پوجا میں ہیں۔آپ آیئے بیٹھیے۔''

''کتنی دیر میں فارغ ہو جائیں گے وہ۔''

''میرا خیال اب زیادہ وقت نہیں رہا ہے۔کچھ پریشان ہیں آپ؟''

''ہاں......''

''تو پھر اگر آپ چاہیں تو مہاراج سے ان کی اپنی رہائش گاہ پر مل لیں۔''

''نہیں اسی وقت ملنا ضروری ہے۔ایک اہم کام ہے ان سے۔''

''پھر تو آپ کو انتظار کرنا پڑے گا دیوی جی۔'' پجاری نے کہا اور اسے ساتھ لیے ہوئے مندر کے بغلی حصے میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک بڑا سا دالان بنا ہوا تھا۔اس دالان میں زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ایک طرف پانی کا مٹکا اور گلاس رکھا ہوا تھا۔بس یہی کچھ چیزیں یہاں تھیں۔مندریکا اس چٹائی پر بیٹھ گئی۔پجاری چلا گیا تھا۔بیٹھے بیٹھے اسے تھکن محسوس ہوئی تو وہ لیٹ گئی۔پجاری جی پوجا میں مصروف تھے۔اس لئے ابھی تک نہیں آئے تھے۔تقریباً پون گھنٹے انتظار کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد دالان کا دروازہ کھلا اور ایک موٹے تازے بدن کا لمبا تڑنگا آدمی اندر داخل ہو گیا۔اس کے سر پر بڑی بڑی جٹائیں لٹک رہی تھیں اور آنکھیں گہری سرخ تھیں۔بڑی بڑی مونچھیں اور لمبی داڑھی میں وہ انتہائی ہیبت ناک نظر آتا تھا۔بدن پر لباس برائے نام تھا۔البتہ گلے میں موٹے موٹے منکوں کی مالائیں پڑی تھیں۔اندر آنے کے بعد اس نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور مندریکا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔پجاری کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''مندریکا میرے من کا مندر۔''

''جے ہو مہاراج کی۔''

''جیتی رہو۔کہو کیسے آنا ہوا۔''

''ایک ضروری کام سے آئی ہوں مہاراج۔بہت ہی ضروری کام سے۔''

''ہاں ہاں بیٹھو بیٹھو آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' پجاری جی خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''آپ کو جلدی تو نہیں ہے مہاراج۔''

''نہیں ہم پوجا سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب تمہاری پوجا کا انتظار کر رہے تھ

''نہیں مہاراج آج آپ میری پوجا نہ کریں بلکہ جو کام میں آپ سے کہوں اس پر غور کریں اور میری مدد کریں۔''

''ٹھیک ہے تو پریشان کیوں ہو۔ویسے کوئی خاص ہی کہانی ہے۔تمہارے چہرے کا رنگ بھی بتاتا ہے۔''

''ہاں مہاراج میرے لیے خاص ہی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی ایک وفادار ساتھی ہوں اور اپنے کام کے لئے دوسرے لوگوں پر بھی نگاہ رکھتی ہوں۔ مہاراج تھوڑے دن پہلے شاید آپ کو خبر ہو کہ بدری ناتھ نامی ایک بڑے سیٹھ کے بیٹے کو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔

''اچھا پھر......''

''اس کے بیٹے کا نام وجے ناتھ تھا۔وجے ناتھ کئی دن تک موت اور زندگی کے درمیان لٹکتا رہا۔سانپ نے کاٹا تھا اسے شما چاہتی ہوں مہاراج میں نے غلط نام بتایا آپ کو اس کا نام بدری ناتھ نہیں بلکہ دوارکا ناتھ تھا۔''

''ہم سمجھ گئے ہیں۔بدری ناتھ اس کے پتا کا نام تھا، میرا مطلب ہے دوارکا ناتھ کے پتا کا اور دوارکا ناتھ کے بیٹے کا نام وجے ناتھ۔''

''مہاراج کے بارے میں، میں جانتی ہوں کہ ان کی معلومات بھی کسی سے کم نہیں ہوتیں۔میں اسی کی بات کر رہی تھی۔''

''اچھا بولو پھر......''

''مہاراج میں بھی وہاں گئی تھی لیکن کچھ نہ کر سکی۔پھر وہاں ایک سپیرا آیا۔جو عجیب ہی چیز تھا۔مہاراج! اس سپیرے نے سب کو باہر نکال دیا اور اس کے بعد وجے ناتھ کو ٹھیک کر دیا۔''

''ٹھیک کر دیا۔کیا وہ جی گیا۔''

''ہاں بالکل ٹھیک کر دیا۔'' سوامی سکھی داس نے اپنا ہاتھ سیدھا کیا جیسے مندریکا کو خاموش رہنے کا اشارہ کر رہے ہوں۔پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبداتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

''ناگ......!''

مندریکا کچھ دیر خاموش نگاہوں سے سوامی سکھی داس کو دیکھتی رہی۔اس کے کانوں نے جو الفاظ سنے تھے وہ اس کے لئے حیران کن تھے۔سوامی سکھی داس بدستور آنکھیں بند

کیے ہوئے تھے پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے بولے۔

''سوفیصدی، سوفیصدی ناگ، وہ ناگ ہے مندریکا ایک اچھا دھاری ناگ جس نے اپنی جون بدل لی ہے۔ یہ ناگ تو بڑا ہی کام کا ہوسکتا ہے۔ اگر تیرے ذریعے وہ ہمارے قبضے میں آجائے تو ہمارا بھی جیون بن جائے۔ ارے دیا رے دیا اچھا دھاری ناگوں کے بارے میں سنا تو ہے۔ پر تو نے پہلی بار ہمیں ایک ایسی خبر دی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اچھا دھاری ناگ ایسی جگہ موجود ہے جہاں سے اسے دیکھا جاسکے۔''

''آپ اپنی باتیں کررہے ہیں مہاراج میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس سے پریم کرنے لگی ہوں آپ اپنی باتیں کیے چلے جارہے ہیں۔''

''ہاں ہاں تجھے اس سے پریم کرنے سے کون روکتا ہے ہمارا تو مطلب صرف اتنا سا ہے کہ اچھا دھاری ناگ اگر تیرے قبضے میں آجائے۔ مطلب یہ کہ تجھ سے پریم کرنے لگے۔ تو ہم بھی اس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھائیں گے۔ تو فکر نہ کر تجھے کرم دچھنا دینا ہوگی اور کرم دچھنا دینے کے بعد وہ تیرے چرنوں میں سر جھکا دے گا۔''

''کرم دچھنا!'' مندریکا نے سوال کیا۔

''ہاں کرم دچھنا۔''

''تو آپ مجھے بتائیے مہاراج کہ مجھے کیا کرنا ہوگا، آپ نے تو میرے چودہ طبق روشن کردیئے ہیں۔''

''تجھے پندرہویں طبق میں جانا ہوگا۔'' سکھی داس نے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب صاف صاف کہیں۔''

''سات راتیں، سات کالی راتوں کو تجھے جاپ کرنا ہوگا اور یہ جاپ پورا ہونے کے بعد جب تُو اسے دیکھے گی تو وہ تیرا ہوجائے گا...... صرف تیرا۔''

''اور اس پر جو بھوت سوار ہے، اس کا کیا ہوگا۔''

''اپرنا، اپرنا ہے اس کا نام جسے اس نے گھر میں بسایا ہے۔ ... دیکھنے والی آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہیں۔''

''سات کالی راتوں میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''پہلے تو اپنے من کو شانت کر...... اس بات پر وشواس کر کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ پھر ہمیں بتا پھر اس سے آگے کی باتیں ہم بتائیں گے۔''

''مہاراج آپ پر وشواس نہ کرتی تو بھلا اس طرح آپ کے پاس آجاتی۔''

''گویا تو یہ کہنا چاہتی ہے، کہ تو کرم دچھنا دینے کو تیار ہے۔ ٹھیک ہے ہم تجھے بتائے دیتے ہیں کہ تجھے کیا کرنا ہے، یہاں سے ناک کی سیدھ میں جانا ہوگا۔ کوئی سوا کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد تجھے ایک پاٹ شالہ ملے گی۔ پاٹ شالہ میں دروازہ اندر سے جاکر بند کر لینا وہی...... وہی تیری کرم دچھنا کی جگہ ہوگی وہاں تجھے جو بھی ملے اور جو کچھ تجھے کہے تجھے ماننا ہے۔ ڈرنا نہیں، سمجھ لے ڈر گئی تو مرگئی۔ جو کرنا ہے ہمت سے کرنا، اس طرح تیرے پریم کی طاقت کا بھی اندازہ ہوجائے گا اور تیرا کام بھی ہوجائے گا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج۔''

''کھانے پینے کی چیزیں یہاں سے لے جانا۔ میں تجھے سب کچھ دے دوں گا۔'' سکھی داس نے اسے ایک پوٹلی دے کر کہا۔

''اس میں تیرے کھانے پینے کی ساری چیزیں موجود ہیں۔ تجھے صرف ایک سے کھانا ہوگا۔ پیٹ پوری طرح بھرنا نہیں چاہیئے۔ ورنہ تپسیا نہیں ہوسکے گی؟''

''جی بھگون۔'' مندریکا نے کہا اور اس کے بعد اپنی پوٹلی اٹھا کر چل پڑی۔ پاٹ شالہ تک کا سفر واقعی بہت کٹھن تھا۔ وہ وہاں پہنچ گئی۔ بڑی بھیانک جگہ تھی۔ تاحدِ نگاہ ویرانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مندریکا اپنی آگ میں سلگتی ہوئی وہاں پر پہنچ گئی اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس جگہ کو دیکھا اور آخر کار اس پُراسرار عمارت کا دروازہ کھول کر اس کے اندر پہنچ گئی۔ بہت وسیع العریض جگہ تھی، لیکن ایسی کہ دیکھ کر کلیجہ منہ سے باہر نکل آئے، ہر طرف لمبے لمبے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ جو زمین تک پہنچ جاتے تھے اور ان میں بالشت بھر کی مکڑیاں بھاگتی دوڑتی نظر آرہی تھیں۔ جالوں میں بہت سے پرندے پھنسے ہوئے تھے۔ ان کی ہڈیوں کے پنجر باقی رہ گئے تھے۔ مکڑیاں ان کا گوشت چٹ کرگئی تھیں۔ مندریکا خوف سے تھر تھر کانپتی رہی۔ سکھی داس نے جو کچھ بتایا تھا وہ بہت خوفناک تھا اور اب دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ وہ انتظار کرتی رہی دفعتاً ہی اس نے ایک مکڑی کو دیکھا جو بہت بھدی... نیچے اتر رہی تھی اور اس کی خونی آنکھیں مندریکا پر جمی ہوئی تھیں۔

مندریکا کو یوں لگا جیسے مکڑی کی آنکھوں میں شدید نفرت کے آثار ہوں۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ دفعتاً ہی مکڑی نے اس کے اوپر چھلانگ لگائی اور مندریکا کے حلق سے دہشت ناک آواز نکل گئی۔ مکڑی اپنے پیچھے لیس دار جالا چھوڑتے ہوئے اس کے سر پر تھی۔ مندریکا نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے، لیکن مکڑی اس کے بدن کے گرد زور زور سے گھومنے لگی اور اس کا بدن طاقتور جالوں میں لپٹتا چلا گیا۔ مندریکا کو ایسا ہی لگا تھا کہ اسے

کسی نے رسیوں سے جکڑ لیا ہو۔ اس کے منہ سے زوردار چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ جیسے چیخ کی مشین بن گئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے حواس گم ہوتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا ہوش کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ پھر ہوش آیا تو اس نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔ اس کا دماغ بے قابو ہونے لگا۔ سامنے ایک بڑا سا چاندی کا طشت رکھا ہوا تھا۔

چاندی کے اس طشت میں انسانی ہاتھ پاؤں رکھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ درمیان میں ایک سر رکھا ہوا تھا، لیکن یہ سر اس نے اس سر، کو پہچان لیا۔ یہ اس کا اپنا سر تھا۔ اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے اور یہ ٹکڑے اس طشت میں رکھے ہوئے تھے، لیکن...... اسے حیرت اس بات کی تھی کہ وہ یہ منظر خود کیسے دیکھ رہی ہے۔ وہ کچھ دیر تک یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور ایک بار پھر اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ جب ہوش آیا تو وہ ایک صاف ستھرے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہ گھر اس کا جانا پہچانا تھا۔ کیونکہ وہ اس کا اپنا گھر تھا۔ دفعتاً ہی اس نے کسی آہٹ پر پیچھے کی طرف دیکھا۔ سوامی سکھی داس کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تُو بہت بڑی شکتی لے کر آئی ہے مندریکا، اب جو تیرا من چاہے تو کر سکتی ہے۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ تجھے اب کیا کرنا ہے۔" سوامی سکھی داس کے چہرے پر ایک عجیب سی شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مندریکا نے کہا۔

"میں جیتی ہوں مہاراج۔"

"ہاں زندہ ہے تُو۔"

"مگر وہ سب کیا تھا۔"

"وہ گیان کی منزل تھی۔ گیان دھیان سے گزرنا تھا تجھے۔"

"ہوں۔ اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اب جو کھیل کھیلنا ہے، وہ ذرا بالکل مختلف ہوگا۔ تُو اسے غور سے سن اور تجھے اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔" اور اس کے بعد مندریکا تیاریاں کرنے لگی۔ وہ پوری طرح تیار ہونے کے بعد اس گھر کی جانب چل پڑی جہاں پورنا نے اپرنا کو رکھا ہوا تھا۔ اپرنا بڑی بھکارن کے ساتھ سکھ جیون گزار رہی تھی۔ دل پر جو کچھ بھی تھا وہ تو وہی جانتی تھی۔ سب کچھ اچھا تھا۔ وہ آنکھیں، وہ ناگ اس کے لئے اب ایک پریم کا روپ اختیار کر چکا تھا اور پھر مندریکا، اپرنا کے سامنے پہنچ گئی۔ اپرنا نے اسے دیکھا اور کہنے لگی۔

"تم اس طرح آتی ہو کہ مجھے پتہ بھی نہیں چلتا اور پھر اسی طرح غائب ہو جاتی ہو۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"اپرنا میں نے بھی تیرے بارے میں سب کچھ جان لیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تیرے ساتھ کیا ہوا یا آگے کیا ہوگا میں تجھے صرف ایک بات بتا دینا چاہتی ہوں۔ پورنا کو جانتی ہے۔"

"پورنا۔"

"ہاں۔ وہ ناگ جو تیرا پریمی بن چکا ہے۔"

"مجھے تو پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ اس کا نام پورنا ہے۔"

"ہاں اس کا نام پورنا ہی ہے اور وہ ایک سندر مرد ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی نسل تو ناگ کی ہے۔ پر وہ اچھادھاری ہے۔ اپنا روپ بدل سکتا ہے۔ وہ تجھ سے پریم کرتا ہے اور میں اس سے۔ میں تجھے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تو اس کے راستے سے ہٹ جا۔"

"اب ایسا ممکن نہیں ہے۔" اپرنا نے کہا۔

"دیکھا بھی نہیں ہے تو نے اسے ابھی تو۔"

"میں نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اس کا چمکدار کوڑیالہ بدن دیکھا ہے۔ وہ آنکھیں میں کبھی نہیں بھول سکتی اور اسے بھی نہیں بھول سکتی کیونکہ اس نے ہمیشہ میری مدد کی ہے۔"

"اپرنا تجھے اس کے راستے سے ہٹنا ہوگا۔"

"نہیں ہٹوں گی میں۔"

"تو میں تجھے مار ڈالوں گی۔"

"کچھ بھی کر لو۔"

"ختم کر دوں گی میں تجھے۔" مندریکا نے ایک خنجر نکالا اور اپرنا پر حملہ آور ہوگئی، لیکن اچانک دونوں نے اس سانپ کو دیکھا۔ جو ایک سوراخ سے برق رفتاری کے ساتھ پھن اٹھائے باہر نکل رہا تھا۔ اپرنا کا ہمدرد، اپرنا کا پریمی، اپرنا کی مشکل حل کرنے کے لئے دوڑا آتا تھا۔ اس کے من کے تار اپرنا کے من کے تاروں سے بندھے ہوئے تھے اور اسے اپرنا کی مشکل کی خبر ہو جاتی تھی اور جس مشکل کا وہ شکار ہونے والا تھا۔ اس کا اسے کوئی پتہ نہیں تھا۔ سکھی داس سوامی جو اندر سے کچھ اور تھا۔ اچانک ہی ایک خوفناک ہتھیار کے ساتھ نمودار ہوا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا وزنی اور خوفناک ہتھیار جو پتھر کی ایک موسلی کی شکل کا

تھا پورنا کے سر پر دے مارا۔ پورنا کا سارا بدن اینٹھ کر رہ گیا۔ اس نے بل کھائے لیکن سوائی سکھی داس اس پر مسلسل حملے کرتا رہا اور پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو، تو مجھے پہچاننے کے لئے بھی زندہ نہ رہا۔ پورنا میں وہی سپیرا ہوں جس کے بھائی کو تُو نے ہلاک کیا تھا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ تجھے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ آج میری وہ قسم پوری ہوئی ہے، آج تو بیچ سنسار سے چلا گیا۔'' اپرنا اور مندریکا دونوں ہی حیرت سے دنگ کھڑی تھیں اچانک ہی اپرنا کے اندر جوش کی ایک لہر پیدا ہوئی اور اس نے مندریکا پر حملہ کر دیا۔ پھر دونوں ہی ایک دوسرے کے ہاتھوں ختم ہو گئیں۔ اس طرح دیوالی تیرے اس جنم کا خاتمہ ہوا اور تُو نئے جنم میں اپنے پچھلے کرموں کا بھوگ بھوگنے کے لئے آ گئی۔'' دیوالی اور ڈاکٹر نریشا دونوں سکتے کے عالم میں کشنوتا بھگونت کی کہانی سن رہی تھیں۔ دونوں جیسے خواب سے چونک پڑیں دیوالی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اور اب وہ وجے کپور کی شکل میں ہے نا کشنوتا بھگونت۔'' کشنوتا بھگونت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''سنسار کے بھید نیارے ہوتے ہیں۔ ہم ننھے منے پکھچو بھگوان کی اس مایا کا گیان کہاں سے رکھ سکتے ہیں۔ میں تجھے ایک بات بتاؤں کہ وجے کپور نہ تو تلک راج ہے۔ نہ ہی پورنا یہ تو ایک الگ ہی کردار ہے۔''

''کیا۔'' دیوالی کے منہ سے شدید حیرت کے عالم میں نکلا۔

''ہاں۔''

''یہ وہ نہیں ہے۔'' دیوالی نے جلدی سے کہا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں مہاراج۔'' نریشا بولی۔

''میں جھوٹ نہیں بولتا۔'' کشنوتا بھگونت کا چہرہ کچھ بگڑ سا گیا۔

''نہیں مہاراج ہمارا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر کہاں ہے وہ۔''

''رکھا ہے میری گود میں۔ اب تم دونوں جاؤ یہاں سے۔ میں نے تمہیں جنم جنم کی کہانیاں سنا ڈالیں اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کیا میں سچ کہہ رہا ہوں جاؤ۔''

''نہیں بھگونت برا نہ مانیں آپ۔''

''میں نے برا نہیں مانا۔ اب میرا تم سے کیا سمبندھ ہے۔ جاؤ اپنے راستے اپنا مستقبل خود تلاش کرو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' کشنوتا بھگونت کا انداز ایسا تھا کہ اس کے بعد انہیں وہاں سے اٹھنا ہی پڑا اور کوئی ترکیب نہیں رہ گئی تھی۔ وہ دونوں وہاں سے انھیں واپس چل پڑیں۔ دونوں پر گہرے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نریشا نے پریشان لہجے میں کہا۔

''حقیقت یہ ہے دیوالی کہ میرا سر تو بری طرح چکرا کر رہ گیا ہے۔ کیسی کیسی انوکھی داستانیں سنی ہیں میں نے، لیکن میرا خیال ہے کہ تو دنیا میں وہ پہلی لڑکی ہے جسے اپنے جنم جنم کے واقعات معلوم ہو چکے ہیں۔ بہت بڑی بات ہے بھلا کسے پتہ ہوگا کہ پچھلے جنم میں وہ کون تھا۔ یہ اعزاز صرف تجھے حاصل ہے۔ صرف تجھے۔'' دیوالی خود بری طرح چکرائی ہوئی تھی۔ بہر حال ڈاکٹر نریشا اپنے گھر چلی گئی اور دیوالی نے اپنے گھر کا رخ کیا تھا لیکن آج اس کی جو ذہنی کیفیت تھی اس سے پہلے کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا پتا نند کشور اور ماں راج وتی تو اپنے جیون کا عظیم ترین سکھ اٹھا رہے تھے۔ رما نند دیوالی کے نام پر جو کچھ چھوڑ گیا تھا۔ وہ اتنا تھا کہ وہ سب سارا جیون سکھ سے گزار سکتے تھے۔ اکثر راج وتی اپنے پتی سے کہتی تھی۔

''نندو ماتا پتا بھگوان سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں ایک ہونہار سپوت عطا کیا جائے۔ کسی نے بھی کبھی یہ دعا نہ کی ہوگی کہ بھگوان اسے ایک ایسی بیٹی دے دے۔ جوان کا جیون سپھل کر دے بھگوان نے بن مانگے ہمیں ایسی ہی اولاد دے دی۔'' نند کشور کے چہرے پر دکھ کے آثار پھیل گئے راج وتی نے اسے دیکھا تو بولی۔

''کیا بات ہے نندو۔ کچھ دکھی سے ہو گئے تم۔''

''ہاں راجی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بھگوان نے ہمیں ایسی ہی بیٹی دی ہے پر میں سچ مچ خوش نہیں ہوں۔''

''کیوں......''

''بڑے بدنصیب ہوتے ہیں وہ ماتا پتا جو بیٹیوں کی محنت پر سکھ اٹھاتے ہیں۔ اس سے بڑی گالی کسی باپ اور بھائی کے لئے نہیں ہوگی کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کی محنت کا کمایا ہوا کھائے۔ بڑے شرم کی بات ہوتی ہے یہ۔ پر بس بھگوان کی یہی اچھا تھی میرے لئے۔ البتہ دکھی ہوتا ہوں کبھی کبھی۔ اپنے ان بھائیوں کے لئے۔ جنہوں نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا، کبھی پلٹ کر میری خبر نہ لی۔ یہ بات تو میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان کے مالی حالات بھی اچھے نہیں ہیں۔ پاپی ہم سے بنا کر رکھتے تو ہم ان کے لئے کچھ کرتے۔ اب تو ایسا سوچنا بھی پاپ لگتا ہے۔ بیٹی کی کمائی ہے تو ان پر کیسے لٹاؤں۔ غیرت سے مر نہیں جاؤں گا میں۔ میں تو خود وہ کمائی اپنے لئے بری سمجھتا ہوں۔'' معصوم سی فطرت کی مالک راج وتی خاموش ہو گئی بھلا وہ شوہر کی اس بات کا کیا جواب دیتی، لیکن دیوالی نے یہ باتیں سن لی تھیں اندر داخل ہوئی اور بولی۔

''نہیں پتا جی۔ آپ کا جو من چاہے کر سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو خفیہ طور پر
وہاں لے جا سکتی ہوں لیکن ایک بات میں بتاؤں۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے اگر ان
لوگوں کو پتہ چل جائے تو کوئی خوش نہیں ہوگا۔ میں آپ کے من کو مارنا نہیں چاہتی۔ جو من
چاہے انہیں بھیج دیں سوائے اپنا پتہ بتانے کے۔ کیونکہ اس کے بعد وہ شہد کی مکھیوں کی طرح
ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور سارا شہد چوس کر اڑ جائیں گے۔ ان سے بڑا دشمن ہمارا کوئی نہیں
ہوگا۔ اس سے تو ہم دشمنوں سے بچے ہوئے ہیں۔ بعد میں......''

''تو ٹھیک کہتی ہے بیٹی میرے بھائی اور بھاوج ایسے ہی ہیں۔ تو نے ہماری باتیں سن
لیں۔ وہ تو بس اتفاق سے ذکر نکل آیا تھا۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا کسی کے لئے۔ میں بلاوجہ تیری
جان پر کشٹ نہیں لینا چاہتا۔'' دیوالی خاموش ہو گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ تھکے تھکے
سے انداز میں بستر پر گر پڑی یہ جو کچھ ہوا تھا مناسب نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنے ماضی کی کہانیاں
معلوم ہو گئی تھیں۔ راج تلک یا تلک راج یا جو کوئی بھی اس کا محبوب تھا۔ یا پورنا جس نے اپنا
کی اس قدر مدد کی تھی۔ ماضی کے وہ لوگ جو اس کے اردگرد پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سب اس کی
ذات سے منسلک تھا۔ وہ جس کے پاؤں پیچھے کی جانب تھے اور سنسار نے اسے نجانے کیا
سمجھ لیا تھا۔ بڑی عجیب سی بات تھی، لیکن اس کے دل میں ایک ہوک بڑی شدت سے اٹھ
رہی تھی۔ پورنا کہاں ہے؟ اس کا محبوب کہاں ہے؟ وہ وجے کپور نہیں ہے۔ ہاں وہ واقعی
وجے کپور نہیں ہے۔ حالانکہ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وجے کپور اسے چاہنے لگا
ہے۔ خود اس کو اپنے دل کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وجے کپور نے اسے بہت سے شعبدے سکھائے
تھے۔ نئی دنیا میں وجے کپور نے اسے بڑے بڑے رموز سے آگاہ کیا تھا۔

لیکن وجے کپور وہ نہیں تھا۔ اسے راج تلک کی آنکھیں یاد آئیں۔ وہ حسین اور کالی
آنکھیں جن میں محبت کا سمندر موجزن رہتا تھا اور وہ ناگ جس کی وہ اصل صورت نہیں دیکھ
سکی تھی لیکن اس کی وہ کالی آنکھیں، اس کی آنکھیں دیوالی کو پوری طرح یاد تھیں اور یہ
آنکھیں وجے کپور کی آنکھیں نہیں تھیں۔ وجے کپور کی آنکھیں بہت مختلف تھیں اور کشنوتا
بھگونت کا کہنا بالکل صحیح تھا۔ وہ راج تلک یا پورنا نہیں تھا۔ کچھ ایسی کسل مندی طاری ہو گئی
تھی اس پر کہ کئی دن تک وہ باہر نہیں نکلی۔

وجے کپور دو تین دفعہ آ چکا تھا، لیکن اس نے وجے کپور کو منع کرا دیا تھا کہ وہ گھر پر نہیں
ہے۔ ڈاکٹر نریشا سے بھی اس دوران کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پھر چار یا پانچ دن اسی
طرح گزر گئے اور پھر اچانک ڈاکٹر نریشا اس کے پاس پہنچ گئی اس نے پہلے دیوالی سے اس

ے بارے میں پوچھا۔

''کیا بات ہے دیوالی! تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے اور اس دوران تم نے مجھ سے کوئی
ابطہ بھی قائم نہیں کیا۔ تم جانتی ہو کہ اب میں تم سے کس قدر متاثر ہو چکی ہوں۔''

''بس دیدی کچھ ایسی ہی طبیعت ہو گئی ہے جب سے کشنوتا بھگونت نے مجھے یہ بتایا
ہے کہ میرے جنم جنم کا ساتھی وجے کپور نہیں ہے۔ طبیعت پر ایک بوجھ سا سوار ہو گیا ہے۔
چی بات یہ ہے کہ وجے کپور کے لئے میرے من میں ایک جگہ تو تھی لیکن نجانے کیوں کبھی اتنا
اپنا نہیں محسوس ہوا تھا کہ میں اسے یاد کرتی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نے مجھے ایسے
ایسے بھید بھاؤ سکھائے کہ میں خود حیران رہ گئی۔ میں اس سے متاثر تھی اور ہو سکتا ہے کبھی یہ
ہتر جیون کی کوئی بڑی کہانی بن جاتا اور اس سے پہلے یہ ہو گیا اور اب میرے من میں ہمیشہ
ایک ہوک سی اٹھی رہتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پورنا مجھے مل جائے۔ دیدی ایک بات تو
طے ہے کہ اس نے کسی بھیس میں جنم لیا ہوگا۔ دیدی میں اسے تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ کیسے
تلاش کروں میں اسے؟''

''یہ دیوانگی اپنے اوپر سوار مت کرو۔ دیوالی! جس طرح تمہیں کشنوتا بھگونت کے
بتانے سے پہلے اپنے پچھلے جنم کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ اسی طرح ایک لمحہ ایسا
آئے گا۔ جب تمہیں تمہارا پریمی مل جائے گا پر اس سے پہلے اپنے آپ پر دیوانگی طاری
مت کرو۔ یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں جانتی ہوں دیدی اور اس بارے میں سوچتی بھی رہی ہوں۔ واقعی یہ سب
میرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ پر دیدی میں کیا کروں میرا من چاہتا ہے کہ جیسے بھی بن
پڑے اس کے بارے میں معلوم ہو جائے۔''

''ہاں من تو ضرور چاہتا ہوگا۔ اچھا خیر یہ تو رہی ایک بات، میں تمہارے پاس ایک بڑا
ہی اہم سندیس لے کر آئی ہوں۔''

''سندیس......!''

''ہاں۔''

''کس کا دیدی۔''

''رمانند جی کا۔''

''او ہو......اچھا رمانند جی کا سندیس کیا ہے؟ بتاؤ مجھے؟''

''دیدی رمانند جی نے اور ان کی دھرم پتنی نے کچھ اور سوچا ہے تمہارے لئے۔ میرا

مطلب ہے تمہارے ماتا پتا کے لئے۔''

''کیا......'' دیوالی نے حیرانی سے پوچھا۔

''رما نند جی نے کسی ڈاکٹر سے بات کی ہے چاچا جی کے لئے، نند کشور کے لئے۔ ان کے فالج کا علاج ہوسکتا ہے اور وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔''

''سچ!'' دیوالی کو ایک خوشی کا احساس ہوا۔

''ہاں سچ، بالکل سچ کہہ رہی ہوں میں۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے پھر۔''

''انہوں نے انہیں ملک سے باہر بلوایا ہے۔''

''میں بھیج دوں گی انہیں ملک سے باہر۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے پتا جی ٹھیک ہو جائیں۔''

''ماتا جی کو بھی ان کے ساتھ ہی جانا ہوگا۔''

''مجھے پتا ہے۔ پتا جی ٹھیک ہو جائیں اس سے زیادہ خوشی کی بات میرے لئے کیا ہوسکتی ہے۔ نریشا دیدی، مجھے بتاؤ کب جانا ہے میرے ماتا پتا کو اور مجھے اس کے لئے کیا کرنا ہے۔''

''میں ہوں نا، میں تو بس تمہیں یہ بات بتانا چاہتی تھی۔ ان کا سندیس ملتے ہی میں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں اور وہ بہت جلد روانہ ہو جائیں گے۔'' نریشا کے جانے کے بعد دیوالی نے جب نند کشور اور راج وتی کو اس کے بارے میں بتایا تو دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

''تو کیا ہم اکیلے ولایت جائیں گے۔''

''تو اور کیا بارات جائے گی آپ کے ساتھ۔'' دیوالی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں ری، ہم اکیلے تو نہیں جائیں گے۔ تُو ہمارے ساتھ چل۔'' راج وتی بولی۔

''ماتا جی آپ جائیے۔ بچوں کی سی باتیں نہ کریں، ظاہر ہے یہاں جو کچھ ہے اسے سنبھالنا بھی تو ہوگا مجھے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں سارے کام خود بخود تھوڑا ہی ہو جاتے ہیں۔ کرنا پڑتا ہے کچھ نہ کچھ۔''

''مگر دیوالی ہم تجھے یہاں اکیلا چھوڑ بھی کیسے سکتے ہیں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہے تو۔ ہم اس کے لئے کیا کر رہے ہیں یہاں۔ کون سا ہم اس کے معاملات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ ایسی بے وقوفی کی باتیں مت کر۔ یہ الگ بات ہے کہ

اسے چھوڑ کر ہی نہ جائیں۔'' نند کشور نے کہا۔

''نہیں پتا جی بھگوان آپ کو صحت دے دے میرے لئے اس سے بڑی بات اور کون ہو سکتی ہے۔ میرا آپ کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''مگر دیوالی ہم وہاں......''

''رما نند جی نے ہمارے لئے اتنا کچھ کیا ہے۔ انہوں نے ہی آپ کو وہاں بلایا ہے۔ وہی آپ کی وہاں دیکھ بھال کریں گے۔ آپ چنتا نہ کریں۔'' بڑی مشکل سے نند کشور اور راج وتی جانے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ پھر نریشا نے پیشکش کی اور کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی تو ساری باتیں ہی ختم ہو گئیں اور آخر کار وہ دونوں ڈاکٹر نریشا کے ساتھ ولایت چل پڑے۔ دیوالی کے اندر اب اتنی ہمت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اب ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ چنانچہ ہمت سے وقت گزارتی رہی۔ اس دوران وجے کپور بھی نہیں آیا تھا۔ اس کے بارے میں پتہ چلا کہ کسی بڑے آدمی نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی ہے اور وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ یہ تھوڑی سی ناراضگی کا اظہار بھی تھا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے دیوالی اس سے نہیں ملی تھی اور ویسے بھی دیوالی کے اندر کچھ کھچاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا وجے کپور کو پورا پورا احساس تھا۔ البتہ دیوالی ان دنوں بڑی گہری سوچوں میں تھی۔ نہ صرف وجے کپور بلکہ کچھ دوسرے بھی اس سے ملنے چلے آتے تھے۔ چنانچہ اس نے بہت غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ کہیں باہر نکل جائے۔

اور پھر وہ نندنا نامی ایک گاؤں چل پڑی بس فیصلہ تقدیر کا ہی تھا۔ وہاں تک کا ٹکٹ لے کر جہاں تک یہ ٹرین جاتی تھی اور ٹرین میں اس کی ملاقات ایک بوڑھی عورت سے ہوئی۔ بوڑھی عورت نے کچھ اس طرح محبت سے اسے مخاطب کیا اور اس سے پیار کیا کہ دیوالی اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گئی۔

''بڑی غمزدہ ہوں میں بیٹی۔ تین جوان بیٹیوں کی ماں تھی۔ گھر کی چھت گر پڑی تینوں اس میں دب کر ہلاک ہو گئیں۔ اب میں ہوں اور میرا پتی ہے۔ زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے ہیں ہم۔''

''بڑا افسوس ہوا آپ کی بات سن کر ماتا جی! کہاں رہتی ہیں آپ۔''

''نندنا آنے ہی والا ہے۔''

''چھوٹا سا شہر ہوگا۔''

''شہر کہاں بیٹی دیہات ہے۔''

''تم کہاں جارہی ہو۔''

''بس ماتا جی کوئی منزل نہیں ہے میری۔ ایسے ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ کہیں بھی چلی جاؤں گی۔''

''ساس سسر سے لڑائی ہوئی ہے کیا!''

''ساس سسر......'' دیوالی مسکرائی۔

''پتی اچھا نہیں ہے۔''

''جب پتی ہی نہیں ہے ماتا جی تو ساس سسر کہاں سے ہوں گے۔''

''شادی نہیں ہوئی ابھی تمہاری۔''

''ہاں ابھی تک تو نہیں ہوئی۔''

''اچھا......اچھا بیٹی۔ نہ جانے کیوں من تم سے بڑا لگ رہا ہے۔ میرے ساتھ تھوڑا سمے نہیں بیتاؤ گی۔''

''آپ کے ساتھ۔''

''ہاں......ہم بڑے غریب لوگ ہیں۔ پر تمہاری بہت سیوا کریں گے۔'' دیوالی کے ذہن میں پتا نہیں کیا آیا کہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ نندنا اترنا منظور کرلیا اور اب وہ نندنا میں اس کچے گھر میں تھی جس کی گری ہوئی کچی چھت ابھی تک وہیں پڑی ہوئی تھی۔ بوڑھی دیومتی نے بتایا کہ بڑی مشکل سے اس کی بیٹیوں کی لاشیں نکالی گئی تھیں۔ تینوں کی تینوں جوان تھیں۔ ایک کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''بھگوان جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے بیٹی۔ ہم دونوں تو اس قابل بھی نہیں تھے کہ انہیں ان کا کوئی گھر دیتے بھگوان نے انہیں اپنے گھر بلالیا۔'' یہ کہہ کر دیومتی زاروقطار رونے لگی دیوالی کو بھی بہت دکھ ہوا تھا۔ نندنا ایک خوبصورت سی بستی تھی ایک قدیم تاریخ کی حامل۔ دیومتی اسے اپنے گھر لے گئی۔ اس کا بوڑھا شوہر بھی دیوالی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ پھر زاروقطار رویا تھا۔ چونکہ دیومتی دیوالی کو اپنی دکھ بھری داستان سنا چکی تھی اس لئے اسے پتہ تھا کہ دونوں میاں بیوی کیوں دکھی ہورہے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد یاد آرہی تھی۔ دیوالی اپنے ساتھ بہت بڑی رقم لے کر نکلی تھی۔ بہرحال دولت کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ جب چاہتی بینکوں سے نکلوا سکتی تھی۔ اس نے اپنے پاس موجود رقم کا بہت سا حصہ دیومتی کو دیا تو دیومتی حیران رہ گئی۔ ''بیٹی ہم...... بیٹی ہم......ہم ان کا کیا کریں گے۔''

''کچھ نہیں ماں جی، میں کافی عرصے تمہارے پاس رہوں گی۔''

''بیٹی جو کچھ بھی ہیں ہم تیری خدمت کرسکتے ہیں۔ کریں گے ہمیں اس خدمت کا معاوضہ تو نہ دے۔''

''یہ معاوضہ نہیں ہے۔ بیٹی، بیٹی کہہ رہی ہیں تو رکھ لیجئے اسے۔'' بہرحال چند روز یہاں گزر گئے۔ سادہ، سادہ معصوم معصوم سے لوگ دیوالی کو اپنے چاچا، چاچی یاد آنے لگے اور کانتا بھی یاد آئیں وہ اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے دیوالی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ ورنہ کیا بات تھی انسان کے اپنے ہوتے ہی ہیں اور وہ اچھا سلوک بھی کرتے ہیں، لیکن تایاؤں نے زندگی حرام کر کے رکھ دی تھی۔ بھگوان نے بھی بس دنیا کے سہارے پر چھوڑ دیا تھا ان لوگوں کو لیکن بعد میں بھگوان نے ساری رہی سہی کسر پوری کردی۔ اب اگر دیوالی چاہتی تو ان لوگوں کو بھی پال سکتی تھی، لیکن ماتا پتا نے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان نہ جائے۔ چنانچہ اس نے کم از کم اتنی سی بات ماں باپ کی مان لی تھی۔ بوڑھے کانتی لعل نے ایک دن اپنی دھرم پتنی سے کہا۔

''کچھ اتا پتا ہے ہماری اس پیاری سی بٹیا کا۔ ویسے تو وہ سونے کا پھول ہے پر تھوڑی بہت معلومات تو ہوتی ہمیں اس کے بارے میں۔ کون ہے؟ کون ہے اس کا اس سنسار میں۔ کیا کرتی ہے اور کیا نہیں کرتی۔ کوئی ایسی انوکھی داستان تو نہیں ہے اس کے ساتھ۔ جو اسے پریشان کررہی ہو۔ تُو نے کچھ پوچھا اس سے۔''

''نہیں میں کیا پوچھتی اس سے بس سندر ہے، پیاری ہے۔ نرم سی ہے اور مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' اسی شام دیومتی نے اپنے شوہر کانتی لعل کی موجودگی میں دیوالی سے کہا۔

''بٹیا ایک بات بتا۔ دیوالی بتایا تُو نے اپنا نام، اس سنسار میں تیرے اپنے کہاں ہیں۔''

''میرے ماتا پتا تو میں نے تمہیں بتایا کہ ولایت گئے ہوئے ہیں اپنا علاج کرانے گئے۔ میں اکیلی ہوں اور جنم جنم کا کشٹ بھوگ رہی ہوں۔'' دیوالی نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''میں سمجھی نہیں بیٹی۔ کیسا جنم جنم کا کشٹ۔'' دیوالی کے لہجے میں ایک حسرت ابھر آئی۔ اس نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

''مجھے اپنے پچھلے جنم کے ساتھی کی تلاش ہے۔ میرے پچھلے جنم کا ساتھی بچھڑ گیا ہے۔''

[illegible] سے حیران نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ پھر اس نے پتی سے کہا۔

''اگر ایسا ہے تو کیوں نا ہم اسے پنڈت پرتھوی راج کے پاس لے چلیں۔ وہ اسے
اس کی مشکل کا اپائے ضرور بتا دیں گے۔'' دیوالی نے کہا۔

''یہ پنڈت پرتھوی راج کون ہیں۔''

''سنسار تیاگی ہیں بھگوان کے مندر میں جیون بتاتے ہیں۔ سنسار سے انہوں نے
سارے رشتے توڑ رکھے ہیں۔ کوئی مشکل کا مارا وہاں پہنچ جاتا ہے اور ان کا من چاہتا ہے تو
اس کی سہائتا کر دیتے ہیں۔ نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں اور نہ کسی کو دیتے ہیں پر ان کے پاس
جا کر کوشش کی جا سکتی ہے۔'' دیوالی گہری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے
آہستہ سے کہا۔

''مجھے ان کے پاس لے چلو۔ ماں جی ہو سکتا ہے میرے من کی شانتی ان کے پاس مل
جائے۔''

''کل ہی لے، ذرا پیدل چلنا پڑے گا تجھے۔''

''اس کی چنتا بالکل مت کرو۔'' دیوالی نے کہا۔

دیومتی ایک ہمدرد عورت تھی۔ دوسرے ہی دن وہ دیوالی کو لے کر چل پڑی۔ اس کا پتی
ساتھ تھا اور دونوں پتی پتنی دیوالی کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دیوالی
کے لئے من کی شانتی تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اسے لے کر چل پڑے اور واقعی فاصلہ
کافی طے کرنا پڑا تھا۔ بستی سے دور ایک کھنڈر نما مندر جو کہ پہاڑیوں کی بلندیوں پر بنا ہوا
تھا۔ وہاں پہنچ کر دیومتی کہنے لگی۔

''میں اسے لے کر اوپر جاتی ہوں اور تم یہیں انتظار کرو، تم سے اوپر نہیں چڑھا جائے
گا۔''

''ہاں بھاگوان مجھے تو ذرا پریشانی ہی ہوتی ہے۔'' دیومتی کا پتی بولا۔ آخر کار دیومتی
اس ٹوٹے پھوٹے مندر کے پاس پہنچ گئی۔ جو پہاڑی کی بلندی پر تھا۔ اندر بہت تھوڑی سی
جگہ تھی۔ بس مہادیو کا مجسمہ اور اس کے سامنے بچھی ہوئی چٹائی جس پر اس وقت کوئی موجود
نہیں تھا، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مہاراج پرتھوی پرگھٹ ہوئے۔ یہ ایک لمبے چوڑے بدن کا
طاقتور سا آدمی تھا۔ دوسرے پجاریوں اور یوگیوں کی طرح اس کا اوپری بدن بھی لباس سے
عاری تھا اور وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تجھے پہچان لیا ہے دیومتی، پر تیرے ساتھ یہ کون ہے۔''

''دیوالی ہے اس کا نام، دکھوں کی ماری ہے۔ آپ کی سیوا میں آئی ہے۔''

''کس سے پوچھ کر تو اسے ہماری سیوا میں لائی ہے۔''

''کسی سے نہیں مہاراج۔ پر میں یہ بات جانتی ہوں کہ آپ کی نظر جس پر ہو گئی اس
کے سارے دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ بہر حال بیچاری غموں کی ماری ہے۔''

''سبھی غم کے مارے ہیں سنسار میں ہم کس کس کی سہائتا کرتے پھریں۔''

''آپ دیالو ہیں۔ مہاراج انتریامی ہیں میں اسی آس پر اسے آپ کے پاس لائی
ہوں۔''

''کیا کشٹ ہے تجھے دیوی۔'' پرتھوی مہاراج نے دیوالی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میرا جنم جنم کا ساتھی بچھڑ گیا ہے مہاراج، مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''ہوں! کسی چیز کو پانے کے لئے بہت کچھ کھونا ہوتا ہے، سنسار میں سب اپنی اپنی
آگ میں جل رہے ہیں اور جب کبھی سنسار ان سے قربانی مانگتا ہے وہ سب کچھ چھوڑ کر
بھاگ جاتے ہیں۔''

''میں نہیں بھاگوں گی مہاراج۔ میں اپنے پریمی کو پانے کے لئے ہر مشکل سے گزر
جاؤں گی۔''

''کہہ دینا بہت آسان ہے دیوی۔ تجھے جاپ کرنا ہو گا کشٹ اٹھانا پڑے گا۔''

''اگر میرے لئے آس ہو مہاراج کہ کوئی بھی جاپ کرنے یا کشٹ اٹھانے کے بعد
پریمی مجھے مل جائے گا۔ تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

''ہوں دیومتی چھوڑ جا اسے ہمارے پاس۔ دیکھیں گے ہم بھی کتنا بڑا امان ہے اس کا۔
تو ہمارا جیون طبیلے ہی میں گزار چکے ہیں۔ دیکھتے ہیں کتنی بڑی پریمیکا ہے یہ اپنے پریمی
کی۔''

''جو حکم گرو مہاراج آپ تو انتریامی ہیں۔ اس کا کشٹ دور ہو جائے تو میرے بھی دل
کو شانتی ملے گی۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے اس سنسار میں۔ اگر میں کسی کے کام آ جاؤں تو مجھے
لگے گا جیسے میں نے سنسار کی بہت سی خوشیاں پا لی ہوں۔''

''دیوالی رکے گی تو گرو مہاراج کے پاس۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''ٹھیک ہے تو پھر میں چلتی ہوں۔'' دیوالی چاروں طرف دیکھنے لگی۔ گرو مہاراج جس
راستے اندر آئے تھے۔ اسی دروازے سے باہر نکل گئے۔ دیوالی انتظار کرتی رہی کہ
مہاراج واپس آئیں مگر جب بہت دیر گزر گئی تو اس کے دل میں طرح طرح کے خیال

آنے لگے وہ آگے بڑھی اور اس دروازے سے جس سے گرو دیو باہر گئے تھے، جھانکا۔ دروازے سے باہر ایک بہت بڑا سا پلیٹ فارم سا پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایک پہاڑی چٹان تھی جو کافی وسیع تھی۔ اس سے نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں سی بنی ہوئی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر دیوالی دور دور تک دیکھنے لگی اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ گرو مہاراج نجانے کہاں گم ہو گئے تھے۔ بہرحال وہ بہت دیر تک جھانکتی رہی۔ تاحد نظر ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ موسم بھی بہت خوشگوار تھا بادل چھائے ہوئے تھے۔ دیوالی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بولی۔

''یہ تو برا ہوا۔ سنسار میں آنکھ کھولنے کے بعد بھگوان نے مجھے اس سنسار میں لڑنے کے لئے جو شکتی دی تھی اور جس طرح میرے پاؤں پیچھے کی طرف ہونے سے مجھے فائدے حاصل ہوئے تھے۔ وہ تو سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہ نیا کھیل شروع ہو گیا۔ اب میں کہاں تلاش کرتی پھروں اسے جو میرے پاس نہیں ہے، لیکن جس کے لئے میرا من تڑپ رہا ہے، مہاراج سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ مجھے اپنے پچھلے جنم کی کہانی یاد ہے۔ جنم جنم سے میں اپنے پریمی سے جدا ہوتی رہی ہوں۔ ایسا کشٹ آجاتا ہے ہم دونوں کے درمیان کہ ہم مل نہیں پاتے۔ بھگوان کی یہی مرضی تھی کہ انہوں نے مجھے میرے پچھلے جنم کی کہانی یاد دلا دی مہاراج۔ اس سے میں سنسار کے لئے نجانے کے کیا خیال رکھنے لگی ہوں میں اپنے پریتم کو تلاش کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوش، اوش، پر دیکھ ایک بات ہم تجھے بتائے دیتے ہیں۔ سنسار میں کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ محنت کرنا ہوتی ہے۔ یہ محنت تجھے کرنا ہوگی اور اسی کے نتیجے میں تجھے تیرے پریمی کا پتہ مل سکتا ہے۔ اگر کوئی تجھ سے یہ کہے کہ وہ تیرے لئے چاند تارے توڑ کر لا دے گا۔ تو جھوٹ ماننا اس بات کو۔ چاند تارے تو منش کو اپنے لئے خود ہی توڑنا پڑتے ہیں باقی لوگ تو جھوٹی کہانیاں سناتے رہتے ہیں۔ تو جھوٹی کہانیوں میں مت پڑنا اپنی آگ اپنا دامن خود ہی اس آگ سے گزرنا پڑتا ہے۔ سمجھ گئی نا میری بات۔''

''جی مہاراج! مجھے بتایئے میں کیا کروں۔'' دیوالی نے پوچھا۔

''سورج ڈھل جانے دے اس کے بعد میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج میں یہیں بیٹھ جاتی ہوں۔''

''بیٹھ جا! یہاں کوئی نہیں آتا۔ یہ جگہ انسانوں کی بستی سے اتنی دور ہے کہ یہاں آنے کے لئے بڑا کشٹ اٹھانا پڑتا ہے اور یہ پاپی سنسار کسی چیز کے لئے کشٹ نہیں اٹھاتا اور مشکلوں میں بڑا رہتا ہے۔'' دیوالی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ وہ نجانے کیسی

خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مہاراج چلے گئے تھے۔ وہ کہاں غائب ہو جاتے تھے۔ اس کا کوئی پتہ دیوالی کو نہیں چلتا تھا۔ دیومتی نے اسے بتایا تھا کہ مہاراج بڑے انتریامی ہیں۔ لگ رہا تھا۔ دیکھو اس کے جیون کے بارے میں وہ اسے کیا بتاتے ہیں۔ بڑی کٹھنا تھی۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا کہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جائے۔ کوئی ایسی جگہ اپنا لے جہاں کوئی کسی کو نہ پہچانتا ہو۔ ایک عجیب سی بے چینی ایک عجیب سی بے کلی اس کے وجود میں تھی۔ بہرحال نندنا سے خاصے فاصلے پر اس پہاڑی پر بنے ہوئے مندر میں وہ پرتھوی راج مہاراج کے چمتکار کا انتظار کر رہی تھی۔

پرتھوی مہاراج نے اس کے لئے ہر طرح کی آسائشوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہاں سے نہ کھانے کی تکلیف تھی اور نہ پینے کی۔ ویسے اس نے اس دوران دو تین بار یہ دیکھا تھا کہ پرتھوی راج مہاراج اچانک ہی غائب ہو جایا کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اس نے بلندی سے دور دور تک نگاہیں دوڑائی تھیں اس کے بعد اس پرانے مندر کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا تھا، لیکن پرتھوی راج مہاراج کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ یہ ان کا گیان تھا۔ ایک دن اس نے پوچھ بھی لیا۔

''مہاراج آپ کہاں چلے جاتے ہیں۔''

''بس سنسار میں دو ہی تو چیزیں ہیں دھرتی اور آکاش۔ کبھی آکاش پر پرواز کرتے ہیں اور کبھی دھرتی کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ ہم یوگیوں کا اور کام ہی کیا ہے۔''

دیوالی بہت متاثر ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''ایک بات بتایئے مہاراج یہ گیان جو آپ کو حاصل ہوا ہے۔ یہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ کوئی ہے اس کے حصول کی ترکیب۔'' پرتھوی راج مہاراج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے کہا۔

''بالکہ! منش کو اس کے لئے کشٹ بھوگنے پڑتے ہیں۔ مان دینا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر گیانی اور انتریامی بنتا ہے۔''

''کبھی کبھی میرا من چاہتا ہے۔ مہاراج کہ میں یہ گیان حاصل کروں۔''

''تو تو ویسے ہی بہت بڑی چیز ہے۔ میں ان دنوں تیرے ہی بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں۔'' دیوالی خاموش ہو گئی۔ نجانے اس کے چہرے پر کیسے تاثرات پیدا ہوئے تھے کہ پرتھوی راج مہاراج نے کہا۔

''کیا سوچ رہی ہے ری تو۔ میں تیرے چہرے پر ایک عجیب بات دیکھ رہا

ہوں۔''

''کیسی عجیب بات مہاراج۔''

''پپ...... پتہ نہیں...... کیوں، تو مجھے کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔'' پرتھوی راج مہاراج کے چہرے سے ایسا محسوس ہوا کہ وہ جیسے بدحواس ہو گئے ہوں۔ اس بدحواسی کے عالم میں ہی باہر نکل گئے تھے۔ اس وقت تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا لیکن بعد میں دیوالی نے جب پرتھوی راج بہت اچھے موڈ میں تھے۔ ان سے کہا۔

''مہاراج آپ نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''رام...... رام...... رام، ہم تو کوشش یہ کر رہے ہیں کہ ہمارے لئے تیرے من میں کوئی کرودھ نہ آئے۔ کیا بھول ہو گئی ہم سے بتا تو سہی۔''

''اس دن بھی آپ اسی طرح چلے گئے تھے کہ میں حیران رہ گئی تھی۔ آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا۔''

''ہم صرف ایک بات تجھے بتانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس سمے تیرے چہرے پر ایک ایسی بات تھی۔ جو سچی بات یہ کہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ نجانے کیوں ایک خوف کا سا احساس ہمیں تجھ سے ہوا سچ بتا رہے ہیں ہم تجھے، ویسے اب سمے آ گیا ہے کہ ہم تجھے سب کچھ بتائیں جس کے لئے تو یہاں تک آئی ہے۔''

''مہاراج آپ کی کرپا ہوگی۔ میں تو بڑی بے چینی سے اس سمے کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''آ ہمارے ساتھ۔'' پرتھوی مہاراج نے کہا اور اس کے بعد وہ دیوالی کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب چل پڑے پھر اسی مندر کی ایک پہاڑی دیوار کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا۔

''اب تو آنکھیں بند کر لے۔ ہمارا ہاتھ پکڑ اور ہمارے ساتھ چلی آ۔'' دیوالی نے ان کی ہدایت پر عمل تو کیا تھا، لیکن وہ فطرتاً شریر تھی۔ بظاہر اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھوں میں اس نے ایک ایسی جھری رکھی جس میں وہ دیکھتی رہی پرتھوی راج نے ایک جگہ دبایا اور دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ انہوں نے دیوالی کا ہاتھ پکڑا اور اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ ایک چوڑا سا پلیٹ فارم تھا۔ جہاں دیوالی کھڑی ہو گئی، پرتھوی راج نے کہا۔

''آنکھیں بند کر کے اسی طرح نیچے آ سیڑھیاں اترنی ہیں۔ چوبیس سیڑھیاں گن کر اترنا ہے تجھے لیکن خبردار آنکھیں مضبوطی سے بند رکھنا۔''

''جی مہاراج۔'' دیوالی بولی اور اس کے بعد وہ پرتھوی راج کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترتی رہی، لیکن اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ بڑے آرام سے ان سیڑھیوں کو دیکھ رہی تھی جو نیچے گہرائی میں چلی گئی تھیں۔ یقیناً اس مندر کے نچلے حصے میں کوئی تہہ خانہ تھا اور اب اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ پرتھوی راج مہاراج اچانک کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ پہلے اسے ایسے کسی تہہ خانے کا خیال نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ پرتھوی راج نے سچ نہیں بتایا تھا کہ وہ کبھی آکاش میں گم ہو جاتے ہیں اور کبھی دھرتی کی گہرائیوں میں، لیکن ان کا اصل استھان یہ تہہ خانہ تھا۔ جب اس نے چوبیسویں سیڑھی سے نیچے قدم رکھا تو پرتھوی راج مہاراج نے اس سے کہا۔

''اب آنکھیں کھول دے۔'' اس نے دیکھا کہ پرتھوی راج مہاراج نے ایک اور پتھر دبایا ہے اور تہہ خانے کا دروازہ پتھر کی چوڑی سل سے بند ہو گیا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی اس جگہ کوئی مشینی عمل کرنا کتنا مشکل کام تھا۔ پتہ نہیں اس سلسلے میں پرتھوی راج نے کس کس طرح لوگوں کی مدد لی ہوگی اور کیسے یہ کام کیا ہوگا۔ غرض یہ کہ اس نے تہہ خانے میں آنکھیں کھولیں۔ بڑی وسیع و عریض جگہ تھی۔ ایک طرف ایک بہت ہی خوبصورت پرانی طرز کا چھپر کھٹ بچھا ہوا تھا۔ جس کے پائے پیتل کے بنے ہوئے تھے اور جس کے اوپر ایک چھتری بھی لگی ہوئی تھی۔ نیچے قالین بچھا ہوا تھا۔ یہ قالین نہایت قیمتی تھا۔ چھت میں فانوس لگا ہوا تھا جس میں شمعیں روشن تھیں۔ ظاہری بات ہے کہ یہ شمعیں ابھی ابھی روشن نہیں کی گئی تھیں۔ یہ پہلے سے روشن تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پرتھوی راج مہاراج یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز جو یہاں تھی وہ دیوار میں نصب ایک بت تھا۔ ایک بے لباس عورت کا بت۔ جو ایک خاص انداز میں پاسہ مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ پریوگتا ہے۔ پریوگتا بڑی بڑی مشکلوں کا حل اپنے چرنوں میں رکھتی ہے، پر اسے خوش کرنا ہوتا ہے اور پریوگتا جس طرح خوش ہوتی ہے میں تجھے بتاتا ہوں۔''

''جی مہاراج۔''

''اپنا لباس اتار دے اور پریوگتا کے سامنے جنونی رقص کر۔''

''مہاراج اگر یہ رقص لباس اتارے بغیر کیا جائے تو۔''

''نہیں ہر چیز کا ایک ودان ہوتا ہے اور اسی ودان کے تحت کام کرنا ہوتا ہے۔''

''مگر مہاراج آپ کہاں چلے جائیں گے۔''

''میں جاپ کروں گا تاکہ پریوگتا تجھے شانت کر دے۔'' دیوالی چند لمحے سوچتی رہی

پھر اس نے کہا۔

''اور مہاراج اگر میں یہ لباس پہن کر ہی رقص کروں تو۔''

''نہیں میں نے کہا نا ہر چیز کا ایک ودان ہوتا ہے۔''

''جی۔'' دیوالی نے کہا۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ پرتھوی راج مہاراج کے چہرے پر ہوس کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ انسان اور شیطان میں بہت تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے بعض اوقات، مگر حیرت اس وقت ہوتی ہے۔ جب آس کے دیئے بجھتے ہیں۔ یہ شخص وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔ اندازہ تو تھوڑا تھوڑا پہلے بھی تھا کہ وہ جس انداز میں اسے دیکھتا تھا وہ ایسا ہی تھا۔ بہرحال دیوالی سوچ رہی تھی کہ مہاراج پرتھوی راج پر اپنا داؤ آزمائے اگر اس پر بھی بات نہ بن سکی تو پھر پیتل کا وہ مجسمہ جو پری پوگتا کے مجسمے کے برابر رکھا ہوا ہے اٹھا کر مار کر پھاڑ دے گی اور یہاں سے نکل جائے گی کہ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

چنانچہ وہ پوری طرح تیار ہوگئی۔ سب سے پہلے اس نے اپنا نچلا لباس اوپر کیا۔ پنڈلیوں سے اوپر تک کھول لیا۔ پرتھوی راج مہاراج اس کی خوبصورت سڈول مرمریں پنڈلیاں دیکھ رہے تھے، لیکن پھر ان کی نگاہ اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ ایک دم چونک پڑے۔ دیوالی ایسے موقعوں کے لئے اب بہت سے گر سیکھ چکی تھی خاص طور سے وجے کپور نے اسے جو شعبدے سکھائے تھے۔ وہ بھی کمال کے تھے۔ چنانچہ اس کے پاؤں تو الٹے تھے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اس طرح موڑ لیا کہ کسی انسان کے بس کی یہ بات نہیں تھی اور اس کے بعد اس نے اپنے چہرے کو بھی اسی انداز میں موڑ لیا۔ پرتھوی راج کے چہرے کی دہشت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس وقت انتہائی خوفناک روپ اختیار کر چکی تھی۔ الٹے پاؤں ہاتھ الٹا چہرہ۔ جو بار بار گھوم جاتا تھا۔ یہ نظر بندی تھی اور اس سے اچھے اچھوں کے اندر دہشت بیدار ہوجاتی تھی۔ یہ آئٹم اسے خاص طور سے وجے کپور نے سکھایا تھا اور ہنستے ہوئے کہا تھا کہ اس طرح اس کی شخصیت مکمل ہوجاتی ہے۔ یعنی اگر ہاتھوں کا یہ انداز اور چہرے کا یہ انداز کسی ذی روح کے سامنے آجائے تو کبھی کبھی تو اس کی زندگی بھی محال ہو سکتی ہے اور اس وقت پرتھوی راج مہاراج پر جو بیت رہی تھی۔ دیوالی نے ایک لمحے کے اندر دیکھ لیا تھا۔ پرتھوی راج کا پورا بدن کانپنے لگا تھا۔

پھر ان کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ دروازے کی طرف بھاگے لیکن غلطی سے دروازے کی سمت کا اندازہ نہیں لگا سکے اور ایک دیوار سے جا ٹکرائے۔ دیوالی کی ہنسی کی آواز ابھری۔

''کہاں جا رہے ہو۔ پرتھوی راج۔ ناچنے والی ہوں تمہارے سامنے۔ پری پوگتا کے زمانے ناچنے والی ہوں آؤ ذرا میری ضرورت پوری کردو۔ مجھے تمہارا تھوڑا سا خون چاہیئے بس تھوڑا سا۔'' دیوالی پرتھوی راج پر اس طرح جھپٹی کہ پرتھوی راج کے حلق سے ایک اور چیخ نکلی اور اس بار وہ دروازے کا صحیح راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ پتھر کے دروازے کی طرف ایسا لپکا کہ چوٹ بھی اچھی خاصی لگی ہوگی، لیکن وہ پھرتی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ دیوالی اس کے پیچھے چیخ رہی تھی۔

''رک جاؤ پرتھوی رک جاؤ، تھوڑا سا خون بس تھوڑا سا۔'' اور اس کے بعد وہ سیڑھیاں طے کرنے لگی پتہ نہیں پرتھوی راج اوپر جا کر کیا کرے۔ اس کے پیچھے پیچھے نکل جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ بھی پھرتی سے اس وقت دروازے سے باہر نکل آئی جب پرتھوی راج دروازے کا پتھر دبا کر دروازہ بند کر رہا تھا۔ وہ بند ہوتے دروازے سے باہر نکل گئی۔ پرتھوی راج نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی اور اس کے بعد وہ بھاگتا ہی چلا گیا۔ دیوالی اس طرح پاؤں پٹپٹا رہی تھی۔ جیسے اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ پھر پرتھوی راج کو اس نے انہی سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھا جو اسے نیچے آبادی میں لے جاتی تھیں۔ پلیٹ فارم پر پہنچ کر اس نے پرتھوی راج کو دیکھا۔ جس قدر برق رفتاری کا وہ مظاہرہ کر رہا تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا وہ اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے کوئی سرکش گھوڑا بدک کر بھاگتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ دیوالی کو بری طرح ہنسی آرہی تھی۔ وہ بیٹھ کر پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگی۔ پرتھوی راج مہاراج کی ساری پریپوگتا ختم ہوگئی تھی۔

تھوڑی دیر تک تو دیوالی اس کے اس طرح بھاگنے کے انداز پر ہنستی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے وجود پر ایک اداسی سی طاری ہونے لگی۔ اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ اس بھری دنیا میں اکیلی ہے کوئی اس کے من کا میت نہیں ہے۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئی اور ویران نگاہوں سے اس عظیم الشان وادی کو دیکھنے لگی۔ فضاء میں دھندلکوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا اور ان دھندلکوں میں اس کا ماضی کسی فلم کے اسکرین کی طرح روشن تھا۔ ایک معصوم سا وجود جو تقدیر کی بے رحمی کا شکار ہوا تھا۔ کون اپنوں سے جدا ہونا چاہتا ہے کون چاہتا ہے کہ وہ دنیا سے ...رے کوئی تو من کا میت ہو۔ کوئی تو ایسا ہو جو دل و جان کا ساتھی ہو۔ ایسا ہی ایک ...ماضی کے دھندلکوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ کہاں تھا۔ کیا کر رہا تھا کچھ نہیں معلوم تھا البتہ ...بات کا دیوالی کو یقین تھا کہ جس طرح وہ اس نئے جنم کو بھوگ رہی ہے۔ اسی طرح اس کا ...بھی کسی نئے نام کے ساتھ سنسار میں اس کی تلاش میں گھوم رہا ہوگا۔ اسے یہ بھی

احساس تھا کہ جنم جنم سے ایک بیرن اس کی جان کو لگی ہوئی ہے وہ بھی ضرور کسی نہ کسی روپ میں موجود ہوگی۔ وہ بیرن کون ہوسکتی ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا اسے لیکن ہر جنم میں وہ کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آجاتی تھی۔

انہی اداسیوں کے درمیان دیوالی نے یہ بھی سوچا کہ جیون کو صرف ایک دکھ بنالینا عقل کی بات تو نہیں ہے۔ جیون ہر حال میں مختصر ہوتا ہے اور اس کا کوئی انت نہیں ہوتا۔ اپنے لئے ویرانوں میں بھٹکنے کے بجائے کوئی اچھا جیون تلاش کرے۔ زندگی کو کسی ایک جگہ محدود کر دینا ضروری تو نہیں ہے۔ جہاں تک ماتا پتا کا تعلق رہا تو ڈاکٹر نریشا اور رمانند جیسے ہمدرد انسان اس کی زندگی میں شامل تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی جنم جنمان کے محبت کرنے والے ہوں اور ان کی اصل شکل سامنے نہ آئی ہو۔ پتہ نہ چل سکا ہو کہ پچھلے جنموں میں یہ کون تھے۔ بہرحال بے کار ہے سب کچھ زندگی سے تھوڑی بہت دلچسپی ضرور لینی چاہئے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ زندگی کا ایک مقصد نگاہوں کے سامنے آچکا تھا۔ یعنی اپنے پریمی کی تلاش، ضروری نہیں ہے کہ کہیں کسی بھی جگہ، ٹک کر زندگی گزاری جائے۔

ماتا پتا سے فون پر بھی رابطے ہوسکتے ہیں۔ ان کی خیریت مل سکتی ہے جہاں تک وجے کپور کا تعلق تھا۔ تو سچی بات یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں میں کبھی اس کی تصویر نظر نہیں آئی تھی۔ بس ایک اچھا دوست تھا۔ اچھا ساتھی تھا۔ پرتھوی راج بھاگ چکا تھا۔ وہ اس کی سنجوگتا نہیں بن پائی تھی۔ بزدل شیطان تھا دھوکے بازوں کا ایک مجمع ہوتا ہے۔ جو اپنے شکار کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہے۔ وہ اس کی شکار نہیں بن سکی تھی۔ پھر اس کے دل میں ایک اور خیال آیا یہاں سے جانے سے پہلے کیوں نہ یہاں کی تلاشی لے ڈالی جائے۔ ہوسکتا ہے کوئی کام کی چیز مل ہی جائے۔ جانا تو ہے ہی یہاں سے۔ پرتھوی راج ویسے بہت چالاک آدمی تھا جس نے یہاں پرانے غاروں اور گپھاؤں میں ایسا مشینی جال بچھایا تھا۔ اب وہ زیادہ دلچسپی کے ساتھ اس جگہ کا جائزہ لے سکتی تھی۔

چنانچہ وہ وہاں پہنچ گئی جہاں اس نے تہہ خانے میں قدم رکھا تھا۔ پتھر دبانے سے دروازہ کھل گیا۔ وہ دیر تک اسے کھولتی اور بند کرتی رہی۔ تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ اس کے کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ کہیں یوں نہ ہو کہ وہ اس تہہ خانے میں ہی قید ہو کر رہ جائے۔ پھر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچ گئی اور اب اس نے زیادہ ذہانت کے ساتھ اس تہہ خانے کو دیکھا۔

بھگوان جانے یہ انسانی ہاتھوں کی تراش تھا یا پھر قدرتی حالانکہ ایسی جگہوں کو قدرتی

نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہاں جو میکنیزم نظر آرہا تھا۔ وہ انسانی ہاتھوں ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ بہرطور وہ اس پورے تہہ خانے کا جائزہ لیتی رہی وہ بہت بڑا تو نہیں تھا، لیکن تھا واقعی پراسرار اہمیت کا حامل۔ دیر تک وہ تہہ خانے میں رہی۔ کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی۔ پھر مایوس ہو کر وہ وہاں سے واپسی کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ اچانک ہی اس کی نگاہ ایک پتھر پر پڑی جیسا پتھر اس نے اوپر دیکھا ہوا تھا۔ یہاں اس پتھر کی موجودگی، کیا معنی رکھتی ہے۔ اس نے سوچا اور اس پتھر کے قریب پہنچ گئی۔ بالکل اوپر جیسا ہی پتھر تھا۔

اس نے پتھر پر دباؤ ڈالا اور پھر ایک دم سنبھل گئی۔ ایک اور چوکور سل اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور ایک دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ یہ دروازہ کیسا ہے اس نے سوچا اور چند لمحے اس کا جائزہ باہر ہی سے لیتی رہی۔ پھر اس نے ہمت کر کے اندر قدم رکھا اور چند لمحوں کے بعد اس کے سامنے ایک اور تہہ خانہ آگیا اور اس تہہ خانے میں ایک چوکور تابوت رکھا ہوا تھا۔ صندل کی لکڑی سے بنا ہوا تابوت۔ جس کی بھینی بھینی خوشبو تہہ خانے میں پھیلی ہوئی۔

باقی اس تہہ خانے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تابوت کے اندر کیا ہے اس تجسس نے اس کے ذہن میں سر ابھارا اور کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد وہ اس کی جانب بڑھ گئی وہ تو خود ایک ایسا کردار بن چکی تھی جو دوسروں کے لئے خوفناک تھا اور ان لمحات سے گزرنے کے بعد اس کے لئے خوف کی وہ حیثیت نہیں رہی تھی۔ جو عام لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ تابوت کے ڈھکنے کو اٹھاتے ہوئے اسے کپکپی کا احساس ضرور ہوا تھا، لیکن اس نے بہرحال ڈھکنا اتار دیا اور یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی کہ اس کے اندر ایک انسانی جسم موجود تھا۔ کسی سادھو سنت کا جسم جو آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دیوالی کے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ وہی بدمعاش پرتھوی راج نہ ہو۔ جو روپ بدل کر اپنی شیطانی قوتوں کے ساتھ یہاں آلیٹا ہو۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ دفعتاً اس انسانی جسم نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ نرم اور ہمدرد انسان کی آنکھیں تھیں۔ وہ غور سے دیوالی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں۔ میں وہ نہیں ہوں جو تو سوچ رہی ہے۔" دیوالی کا دل ایک دم دھک سے ہوگیا یہ تو بہت بڑی بات تھی کہ اس سادھو نے اس کے دل کی بات، جان لی تھی۔ سادھو نے پھر کہا۔

"ہاں یہ بات تیرے لئے حیران کن ضرور ہے کہ میں نے تیرے دل کی بات کیسے

جان لی، لیکن پہلی بات میں تجھے یہ بتا دوں کہ بھگوان کی سوگندھ میں پرتھوی راج نہیں ہوں۔ کیا تو مجھے سہارا دے گی۔'' دیوالی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ دل و دماغ سناٹے میں آ گئے تھے۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن یہ بات بڑی متاثر کن تھی کہ یہ بوڑھا سادھو دماغ میں پیدا ہونے والے ہر خیال کو جان لیتا ہے۔

''اس کا ایک خاص طریقہ ہے۔ جو تجھے بتایا بھی جا سکتا ہے۔ بہت زیادہ وسوسے دل میں نہ لا۔ مجھے سہارا دے کر اس تابوت سے نکال میں تجھ سے بات کروں گا۔'' دیوالی ایک دم سنبھل گئی۔ دماغ میں آنے والا کوئی خیال اس سادھو سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس سے تعاون کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور سادھو نے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ دیوالی نے اپنے بدن کی قوت سے اسے سہارا دے کر تابوت سے باہر نکالا۔ سادھو گردن جھٹک رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''میرا نام جے راج ہے۔ آ..... اس گھٹے ہوئے ماحول سے باہر نکلیں۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ پاپی بھاگ چکا ہے۔ ڈر گیا ہے تجھ سے تیرے الٹے پیروں سے ڈر گیا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تو کیا ہے۔''

''مہاراج آپ سچ مچ گیانی اور انتریامی ہیں۔ پر مجھے سب سے پہلی بات یہ بتائیے کہ آپ یہاں اس تابوت میں کیا کر رہے ہیں۔''

''پتری آ یہاں سے باہر چلیں۔ اس گھٹی ہوئی فضا میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ بس جب تک تابوت میں اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ اس وقت تک تو ٹھیک تھا، لیکن اب مجھ سے یہاں نہیں رکا جا رہا۔''

''آئیے۔'' دیوالی نے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ غار در غار سے ہوتے ہوئے وہ باہر آ گئے سادھو ایک اچھی خاصی جسامت کا نرم خو آدمی تھا اور دیوالی کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔ بہرحال وہ باہر آ کر کھلی فضا میں بیٹھ گیا۔ دیوالی بولی۔

''مہاراج اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے کھانے پینے کو کچھ لاؤں۔''

''نہیں دیوالی۔ مجھے ابھی ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو بھی کوئی ایسی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔'' دیوالی ایک بار پھر اچھل پڑی۔ اس نے سادھو کو ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا تھا، لیکن سادھو نے اسے اس کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ یہ سوال کیے بغیر وہ نہ رہ سکی اس کے منہ سے نکلا۔

''مہاراج آپ میرے.....''

''ہاں بیٹا..... میں تیرا نام جانتا ہوں۔'' سادھو نے اسے نام لے کر مخاطب کیا۔ دیوالی کے دل کو ایک سکون کا سا احساس ہوا۔ سادھو بولا۔

''بس بھگوان نے کچھ سدھ بدھ دے دی ہے۔ اسی کا سہارا لے کر میں.....''

''آپ مجھے مہان لگتے ہیں بابا جے راج۔ مجھے ایسی ہی کسی پناہ کی ضرورت ہے مجھے پناہ چاہئے مہاراج۔ پناہ چاہئے مجھے۔'' دیوالی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''بھگوان کی پناہ سب سے بڑی ہوتی ہے۔ وہی سنسار میں اپنے بندوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ارے ہم لوگ تو بس اس کی سنتان ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا، بہرحال تو میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔ جو سیوا میں تیری کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔ تو سوال کر رہی تھی کہ میں وہاں اس تابوت میں کیا کر رہا تھا۔ تو میں تجھے بتاؤں کہ وہ شیطان جس کا نام پرتھوی راج تھا۔ دھوکے سے مجھے اس تابوت میں لے آیا تھا۔ اس نے اپنے جیون میں بس یہی ایک کام کیا تھا۔ یعنی ایک ایسے تابوت کی تیاری جو ایک گندی شکتی رکھتا ہے یعنی اس میں داخل ہونے والا خود اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکتا۔

وہ یہاں میرا چیلا بن کر رہنے آیا تھا لیکن اس کے من میں کچھ اور تھا۔ اس جگہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا وہ۔ چنانچہ اس نے مجھے اس تابوت میں داخل کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ تو اگر مجھے اس تابوت سے نہیں نکالتی تو میں..... صدیوں اس میں پڑا رہتا۔ خود سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لئے تیرا یہ احسان بھی ہو گیا مجھ پر اب بول اور بتا کہ میں تیری کیا سہائتا کر سکتا ہوں۔''

''بھگوان نے آپ کو جو شکتی دی ہے مہاراج، آپ نے جس طرح میرا نام اپنے ہونٹوں سے پکارا ہے اور جس طرح آپ نے میرے الٹے پیروں کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور وہ نہیں سمجھا جو زمانہ سمجھتا رہا ہے۔ اس سے میں بہت متاثر ہوئی ہوں۔ مہاراج جنم جنموں کی کہانی جو کشنوتا بھگونت نے مجھے سنائی ہے اس نے میرے من میں بے کلی پیدا کر دی ہے۔ بھلا آپ سے بڑا میرا مددگار اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میرا بیری کہاں ہے۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ میری دشمن کس شکل میں موجود ہے۔ مجھے آپ کی مدد چاہئے۔ میں آپ کا سہارا چاہتی ہوں بھگونت'' جے راج نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور بولا۔

''نہیں بیٹی بھگوان نے سنسار میں بہت سے کام صرف اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ کسی کو یہ بالکل اجازت نہیں ہے کہ وہ بھگوان کے کام خود کرنے کی کوشش کرے اور وہ کر

بھی نہیں سکتا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تو خود وہ گیان حاصل کر۔ جو تجھے سنسار کی کچھ حقیقتوں سے آشنا کرے۔ پرنتو میں تجھ سے ایک بات کہوں سنسار بھوگنا سنسار باسیوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے کہ تم سنسار کو چھوڑ کر گیان دھیان کے طریقے اپناؤ اور پھر تجھ جیسی لڑکی جس نے اپنے جیون میں اپنے ماتا پتا کے لئے وہ سب کچھ کیا ہے جو اس سنسار میں کوئی نہیں کر سکتا۔ بیٹا بہت سی ایسی باتوں کا گیان مجھے ہو جاتا ہے کہ جو بھگوان نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھی ہیں۔ اگر کوئی جان بھی جائے تو اسے کسی کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ تو مجھے بھگوان کا مجرم مت بنا اپنا گیان دھیان خود رکھ اور سن تیرے ماتا پتا وہاں بالکل خیریت سے ہیں۔ تیرے پتا جی کا علاج ہو رہا ہے۔ ان کی چنتا من میں بالکل نہ لا۔ سنسار میں کھو جا اس طرح کہ سنسار کی ہر چیز میں دلچسپی لے یہ ویرانے تیری منزل نہیں ہیں۔ تجھے ان ویرانوں کو چھوڑنا ہوگا۔''

دیوالی کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کی روح میں خوشیاں اتر رہی ہوں۔ کسی ایسے کامل جانا بڑی بات ہوتی ہے۔ جو زندگی کے صحیح راستوں کا انتخاب کر دے۔ جے راج نے کہا۔

''میں تجھے سنسار میں جینے کا سب سے اچھا راستہ بتاؤں اگر تو اس سنسار میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتی ہے تو تجھے طاقت حاصل کرنا ہوگی۔ تو پھر گیان دھیان کی طاقت حاصل کر کے۔ صرف یہ خیال کرنا کہ دنیا کی برائیاں ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کر۔''

''ٹھیک ہے مہاراج۔''

''اور سن سنسار میں اگر تو اپنے دشمن کو تلاش کر رہی ہے۔ یعنی وہ جو تیرے راستے میں ہمیشہ آ جاتا ہے۔ تو اس بار ذرا مزے کی بات ہے۔ تو اپنے من کے میت کو تلاش تو کر ہی رہی ہے، لیکن ایک نام میں تجھے بتائے دیتا ہوں۔ اس نام کو اپنے من میں رکھنا۔ وہ تیری پوری زندگی کے لئے ایک خطرہ ہے اور اس کا نام ہے مدن راج، مدن راج تو سمجھ لے کہ تیرا وہ دشمن ہے جو جنم جنم سے تیرے راستے روک رہا ہے۔'' دیوالی اچھل پڑی تھی۔

''مدن راج کیا وہ مرد ہے۔''

''ہاں۔'' جے راج نے مسکرا کر کہا۔ ''اس بار وہ اپنے کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے مرد کے روپ میں پیدا ہوا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی یہ رقابت ختم ہوگئی۔ جو چلی آ رہی تھی یہ اسے اس کے کرموں کا پھل ملا ہے۔ پر تجھ سے دشمنی اسی طرح ہے اور وہ تیرا دشمن بنا ہوا ہے۔'' دیوالی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ یہ انوکھا انکشاف اس کے دماغ کی

...لیں ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح سوچوں میں ڈوبی رہی۔ پھر ...ں نے کہا۔

''مگر مہاراج وہ میرے اور میرے پریتم کے درمیان آنے کی کوشش تو ضرور کرے گا۔''

''نہ صرف کوشش کرے گا بلکہ ہر طرح سے تجھے نقصان پہنچاتا رہے گا۔ تو اس سے پہلے کہ وہ تجھے نقصان پہنچائے۔ خود اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر اور اس کے لئے تجھے اسے تلاش کرنا ہوگا۔''

''کیا آپ میری سہائتا نہیں کریں گے مہاراج۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ جو کچھ بھاگ میں لکھا ہے وہ تو کرنا ہی ہوگا۔ اکیلا نہیں چھوڑوں گا میں تجھے۔'' جے راج نے کہا اور دیوالی خاموش ہوگئی۔

تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی پھر وہ بولی۔ ''کیا ہمیں یہیں رہنا ہوگا۔'' جے راج ہنسنے لگا پھر بولا۔

''یہاں رہ کر تو کیا کر سکے گی البتہ فوراً ہی ہمیں سنسار میں گھس کر کچھ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے لئے سمے چاہئے مگر یہاں سے چلتے ہیں آ......'' یہ کہہ کر جے راج نے اسے اشارہ کیا اور دونوں پہاڑ سے نیچے اترنے لگے۔ یہ پہاڑوں سے ڈھکی ہوئی وادی تا حد نگاہ انتہائی سرسبز تھی۔ جے راج آگے آگے چل رہا تھا اور دیوالی اس کے پیچھے پیچھے لیکن وادی کو عبور کرنے کا مسئلہ واقعی بڑا سنگین تھا۔ سفر تھا کہ جاری تھا اور وادی تھی کہ ختم ہونے کو نہیں آتی تھی۔ دیوالی کے پاؤں شل ہونے لگے۔ اس کی رفتار میں کمی آئی۔ تو جے راج نے کہا۔

''بس دیوالی اب منزل زیادہ دور نہیں ہے۔ ذرا سی ہمت کر۔ تو، تو ویسے بھی سارا جیون کشٹ اٹھاتی رہی ہے۔'' کوئی آدھے گھنٹے کے بعد دونوں ایک پہاڑی غار کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ یہ غار اندر سے کافی کشادہ تھا اور دروازہ بھی اتنا وسیع و عریض کہ اس سے ایک ہاتھی آسانی سے گزر جائے۔ سورج کی روشنی پوری طرح اندر آ رہی تھی۔ ...ے بھرے، خوبصورت درختوں نے اس غار کے کنارے ایک حفاظتی باڑ سی بنا دی تھی۔ جے راج نے دیوالی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہی میرا اپنا استھان ہے۔''

''اوہ، آپ یہاں رہتے تھے مہاراج۔'' دیوالی بولی۔

''ہاں، اس قدرتی مکان میں کوئی آسائش نہیں ہے، مگر یہاں جیون کا سارا سکون

موجود ہے۔'' اور دیوالی جے راج کے پیچھے پیچھے غار کے اندر داخل ہوگئی۔ اسے ایک دم یہ اندازہ ہوا کہ یہ واقعی ایک انوکھی رہائش گاہ ہے۔ انتہائی صاف ستھری، ہر طرف سے شفاف پُرسکون اور ٹھنڈی۔ یوں لگتا تھا جیسے انسانی ہاتھوں نے اس میں صفائی کی ہو، لیکن جے راج وہاں رکا نہیں تھا بلکہ آگے بڑھ گیا تھا۔ تھوڑی دور چل کر ہی روشنی معدوم ہونے لگی اور اس کے بعد اندھیرا سا آ گیا دیوالی تو سمجھی تھی کہ یہ غار ہی اس کا مسکن ہوگا، لیکن جے راج آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد ہی روشنی معدوم ہونے لگی اور اس کے بعد یہ سفر تاریک ہو گیا۔

دیوالی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی، لیکن جے راج اسے دلاسہ دیتا جا رہا تھا۔
''سفر زیادہ لمبا نہیں ہے۔ تمہیں بس تھوڑا سا اور آگے بڑھنا ہوگا آ، چلی آ۔'' بہرحال اندر ہی اندر کافی دور تک جانا پڑا اور ایک بار پھر روشنی کی کرنیں نظر آنے لگیں۔ جب وہ اس انوکھی سرنگ کے آخری سرے پر پہنچے تو اندازہ تو یہی ہوا کہ اس طرف وہی روشنی ہے۔ جیسی غار کے دروازے پر تھی لیکن اس طرف کوئی اور دروازہ نہیں تھا۔

''یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے بابا۔''

''اس طرف پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی دراڑ پیدا ہوگئی ہے۔ اس سرنگ کا یہ حصہ تاریکی سے بچ گیا ہے۔''

''تو ہمیں اور آگے چلنا ہوگا۔'' دیوالی نے پوچھا اور جے راج مسکرا دیا۔ اس نے کہا۔

''نہیں۔ بس یہاں ہمارا یہ سفر ختم ہوتا ہے۔ دیکھ دیوالی۔ مجھ پر تو بھروسہ کر کے یہاں تک آ گئی۔ تو دل سے ہر طرح کی برائی نکال دے اور تجھے یہاں ایک مخصوص وقت گزارنا ہوگا اور اس کے بعد تجھے آگے کی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔ تو یہاں زندگی کے یہ دن بے فکری سے گزار سکتی ہے۔'' جے راج ایک طرف پڑی ہوئی پیال کے ایک ڈھیر پر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب ہی مٹی کا ایک گھڑا اور پانی پینے کا ایک برتن موجود تھا۔

''بابا مجھے پیاس لگی ہے۔'' دیوالی نے کہا اور جے راج نے اسے برتن میں پانی بھر کر دیا پھر وہ کہنے لگا۔

''پانی کے لئے ہمیں دور نہیں جانا پڑتا۔ بھگوان نے ہماری غذا اور پانی کا انتظام بہت قریب ہی کر دیا ہے۔ یہاں سے دوسری طرف پانی کا ایک جھرنا بہہ رہا ہے اور اس کے آس پاس بے انتہا پھل لگے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کے پھل، جیون کے لئے ایک بہت بڑا سہارا

''یہ تو تم جانتی ہی ہو بیٹی کہ بھگوان پتھر کے اندر موجود کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے اور بھگوان جو کچھ کسی کو دے بھلا اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں یہ پھل دکھاتا ہوں۔''

عجیب وغریب پھل تھے۔ اس قدر لذیذ اور شیریں کہ انہیں کھانے سے پورے بدن کی توانائیاں بحال ہو جاتی تھیں۔ بہرحال دیوالی کے لئے یہاں انتہائی معقول بندوبست کیا گیا۔

پیال کے بستر اس کی زندگی کے لئے ایک انوکھا تجربہ تھے اور وہ بڑا آرام اور سکون محسوس کر رہی تھی۔ بہرحال اس کے دل میں جے راج کی طرف سے خوف و دہشت کی علامت نہیں پائی جاتی تھی۔ جب کہ پرتھوی راج کے ساتھ اسے ایک عجیب خوف کا سا احساس ہوتا تھا اور وہ احساس پرتھوی راج کی نگاہیں تھیں۔ جنہیں پڑھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ اس کے لئے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا۔ پھر نجانے رات کے کون سے حصے میں اسے اچٹتی سی نیند آ گئی۔ اجنبی جگہ تھی اجنبی انداز بہرحال بابا جے راج مرد تھا۔ دل میں ایک لہر سی آ کر یوں گزر جاتی تھی جس پر وہ خود شرمندہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ بابا جے راج اندر کی باتوں کو بخوبی جان لیتا ہے۔ اچانک رات گئے اسے احساس ہوا کہ اس طرف جہاں جے راج سو رہا تھا کسی قسم کی کوئی آواز آ رہی ہے۔ یہ دو عجیب وغریب آوازیں رات گئے کس کی ہو سکتی ہیں۔ اس تجسس سے وہ پوری طرح جاگ اٹھی اور اس کا دل چاہا کہ چل کر دیکھا تو جائے کہ قصہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے بابا جے راج کو اس کی ضرورت ہو۔

وہ بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دبے قدموں اس طرف بڑھنے لگی جہاں جے راج آرام کر رہا تھا، لیکن جب وہ اس طرف پہنچی تو اسے ایک عجیب وغریب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے دیکھا کہ جے راج جنگلی جانوروں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔ جانوروں میں درندے بھی ہیں۔ خونخوار درندے اور یہ تمام جانور بابا کے گرد حصار بنائے بیٹھے ہوئے تھے اور بابا کچھ باتیں کر رہا تھا دیوالی کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ یہ عجیب وغریب منظر تو خوابوں میں بھی نظر نہیں آتے۔ وہ ان جانوروں کو دیکھ رہی تھی۔ جو خونخوار درندے تھے انسانی خون کے رسیا، لیکن اس وقت وہ اس طرح گردن جھکائے، عقیدت سے جے راج کی باتیں سن رہے تھے جیسے اس کے مرید ہوں۔ جے راج کیا کہہ رہا تھا یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور جب دیوالی نے غور سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ زبان ہی بالکل اجنبی ہے جبکہ جے راج کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

یہ ایک اتنا حیرت ناک منظر تھا کہ اس کے بعد دیوالی کو کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی
نہیں رہی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ بابا جے راج انتہائی گیانی دھیانی ہے۔ بھگوان جیون
میں کسی کو کتنی ہی بڑی قوت دے سکتا ہے۔ جے راج اس کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی
ہر بات کو سن لیتا تھا ہر بات کو جان لیتا تھا اور اس کے بعد جانوروں کی اس سے یہ عقیدت
اس کی شخصیت کو بڑھا رہی تھی۔ اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اگر بابا جے راج کی نگاہیں
اس کی طرف ہو جائیں تو وہ روحانی طور پر بہت طاقتور ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اپنی جگہ کھڑی
رہی اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر زیادہ آرام کی نیند سو گئی۔ اب اسے اس بات کا
اطمینان ہو گیا کہ وہ یہاں بالکل محفوظ ہے۔ دوسرے دن خلاف معمول وہ کافی دن چڑھے
تک سوتی رہی۔ بیدار ہونے کے بعد اس نے دیکھا کہ غار کے اس حصے میں جہاں وہ سو رہی
تھی۔ دھوپ کی شعاعیں اندر تک آ رہی تھیں۔ اسی لئے ادھر اندھیرا اور گھٹن وغیرہ بھی نہیں
تھی۔ بہت عرصے بعد اسے فراغت کی نیند نصیب ہوئی تھی۔ اس لئے ایک عجیب سی فرحت کا
احساس دل و دماغ میں موجود تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ دلی سکون کیا چیز ہوتی ہے۔
بھوک پیاس برداشت کی جا سکتی ہے جبکہ دلی سکون بھی ہو۔ اس نے اپنے طور پر ایک فیصلہ
کیا کہ واقعی اگر اس سنسار میں جیون کا سکون ہے تو منش کو سب کچھ حاصل ہے۔ پھر وہ بابا کی
تلاش میں نکل کھڑی ہوئی، لیکن بابا اسے نظر نہیں آیا تھا۔

اس نے اس مخصوص حصے میں آ کر ہاتھ منہ دھویا۔ جہاں کے بارے میں اسے جے
راج نے بتا دیا تھا اور پھر ایک طرف رکھے ہوئے پھلوں میں سے دو پھل اٹھا کر کھائے۔
پھل کھا کر پانی پیا، تو جیسے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ ذرا دیر کے بعد اسے جے راج کے
قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ جے راج کے پاس پہنچ گئی۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے بابا۔ میں تو آپ کو تلاش کر کر کے تھک گئی۔ میں اکیلے کچھ
عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔''

''نہیں بیٹا یہ گوشہ سکون ہے۔ یہاں کسی کو روک ٹوک کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہاں
ہر جاندار آزاد ہے۔ یہ بھگوان کی دھرتی کا وہ حصہ ہے۔ جس میں بھگوان نے اپنا سایہ رکھا
ہوا ہے یہاں ڈر، نفرت، خطرے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہاں زندگی ہر قید سے آزاد ہے۔
کیا سمجھیں، بیٹا ایک بات بتاؤں تجھے میرے ایک گرو تھے۔ گرو مہانند مہاراج نے ایک
امانت میرے سپرد کی تھی اور کہا تھا جب میرے جیون کا انت ہونے لگے۔ تو میں یہ امانت
کسی ایسی ہستی کے حوالے کر دوں جو اسے سنبھالنے کی قوت رکھتی ہو۔ سمجھیں، اور مجھے ایک

ی ضرورت تھی۔ جو دنیا سے کنارہ کش ہو کر صرف اپنی روحانی قوتوں کو بڑھائے۔
یں نے تمہیں دیکھا تو نجانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے تم وہ شکتی شالی ہو۔ جو اس
کو سنبھالنے کی حقدار ہے۔ دیکھو جیون بھگوان کا وردان ہے اور بھگوان نے اس جیون
ارنے کے لئے کچھ راستے بنائے ہیں۔ جو لوگ بھگوان کے بنائے ہوئے ان راستوں
ل پڑتے ہیں۔ وہ جیون کا صحیح انت پا لیتے ہیں۔ اس جیون کو بے مقصد گزارنا اور غیر
ی مقصد کے لئے اسے ختم کر دینا پاپ ہے۔ بھگوان نے پریم کے لئے اس سنسار کو بنایا
ور منش کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے سے انسیت رکھے۔ ایک دوسرے
کام آئے۔ انسان تو انسان جانور اور درندے بھی پریم پجاری ہوتے ہیں اور وہ پریم میں
دوستوں کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کے ان کا جیون بھی سپھل ہو جاتا ہے۔ تم
یکھا ہو گا کہ جہاں برف اور سبزہ اور ندیاں ہوتی ہیں وہاں ہر طرح سے جیون کا سکون
ہے۔ جس زمین پر لوگ آباد ہو جاتے ہیں۔ وہاں مکانات بنتے ہیں اور زمین کی قسمت
جاتی ہے۔ اس غار کو دیکھو اس میں زمین کا وہ حصہ جو ہمارے استعمال میں ہے۔ جس
ہم پریم کرتے ہیں۔ صبح شام اس پر صفائی کرتے ہیں۔ اس پر آرام کرتے ہیں وہ حصہ
ے حصوں سے کتنا زیادہ سندر لگتا ہے۔ میں جانتا ہوں دیوالی تو نے جیون میں بڑے
ل بھوگے ہیں اور تجھے سنسار میں جینے کے لئے بڑے الٹے سیدھے راستے اختیار کرنا
ے ہیں۔ لیکن میں تجھے ایک بات بتا دوں کہ جہاں نفرت کا وجود ہو وہاں نفرت لیکن زیادہ
ت بھی۔''

''جی مہاراج۔'' دیوالی ان باتوں کو بڑے غور سے سن رہی تھی۔ جے راج خاموش ہوا
بولی۔

''بابا جی رات کو میں نے آپ کے گرد جانوروں کا مجمع دیکھا تھا۔''

''ہاں بیٹا میں نے سب سے پہلے اس پہاڑ سے عشق کیا اس غار سے محبت کی اور جب
ں میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس کے باہر سبزہ، میدان، جانوروں سے پریم کیا جو اس
ے میں رہتے بستے ہیں۔''

''یہ جانور یہ تو درندے ہیں جے راج مہاراج آپ ان سے ڈرتے نہیں ہیں اور وہ
نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔''

''سب منش کا کیا ہے۔ اس منش نے جسے اپنے آپ سے طاقتور پایا اس سے نفرت کی
خوف کیا۔ اسے خونخوار قرار دیا۔ حالانکہ یہ سب بھگوان کے بنائے ہوئے تھے۔

بھگوان خود ان کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔'' بہرحال جے راج سے ہونے والی ایک ایک بات دیوالی کے دل میں بیٹھتی جارہی تھی۔ کوئی اور بات ہونہ ہو اسے یہ بات ضرور محسوس ہو کہ اس کے دل میں سکون کا سمندر موجزن ہوتا جارہا ہے۔ انسان کی زندگی میں مختلف خواہشیں، مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں سب سے بڑی ضرورت دل کا سکون ہے اور اگر من شانت ہو جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ بابا اس کے دل کی تمام باتیں جانتے تھے اور اسے تلقین کرتے رہتے تھے۔

''تیرا من شانت ہو جائے گا دیوالی۔ سنسار تیرے لئے اتنا آسان ہو جائے گا کہ تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تجھے تھوڑے سے جاپ بتاتا ہوں۔ ان کا آہستہ آہستہ آغاز کر دے۔'' بہرحال وہ بابا کے بتائے ہوئے جاپ کرنے لگی اور بابا نے اسے اپنے راستے پر لانا شروع کر دیا۔ دیوالی کے دل میں پہلے بھی یہی خیال تھا کہ زندگی کسی منزل تک جا پہنچے اور اب یہ سب کچھ ہوتا جارہا تھا۔ آغاز دل کے سکون سے ہوا تھا۔ وہ جاپ کرتی رہی اور دن بدن اس کی روحانی طاقت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب اس کے دل میں نفرت کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ وہ اپنے اندر نمایاں تبدیلیاں محسوس کر رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرت ناک بات اس دن ہوئی جب ایک دن اسے سونے سے پہلے بھوک کا احساس ہوا اس نے صرف ارادہ ہی کیا تھا کہ اٹھ کر پھل کھائے کہ اسی وقت کسی انجانی طاقت نے پھلوں کی ٹوکری اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی پہلے تو وہ خوف سے اچھل پڑی اور اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔

پھر آہستہ آہستہ اس طرح کے واقعات سے اس کا خوف دور ہونے لگا۔ کچھ پُراسرار قوتیں جس کا اسے خود علم نہیں تھا۔ اس کے اردگرد بکھرتی چلی گئیں۔ پہلے تو وہ قدرتی نقص کا شکار تھی۔ پیروں کا پچھلی سمت ہونا۔ میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے بس ایک انسانی جسم کا نقص تھا، لیکن اب صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی جارہی تھی اور وہ دوسری شکل میں اپنے اندر طاقتوں کو پا رہی تھی جو حقیقی طاقتیں تھیں اور ان میں کسی کو بے وقوف بنانے کا کوئی سوال نہ تھا۔ اسے پیاس لگتی اور جونہی وہ ارادہ کرتی کہ اٹھ کر پانی پیئے۔ پانی کا برتن اس کے سامنے آجاتا۔ اب ہر چیز میں اسے ایک لطف محسوس ہو رہا تھا اور اس دوران سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جے راج بابا سے ملاقات نہیں ہو رہی تھی۔

انہوں نے اسے یہ جاپ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اس دوران ان کا اس سے فاصلہ رہے گا اور اب روز بروز اس کی قوت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ دیوالی نے کبھی خواب میں

بھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی ایسا دور بھی آسکتا ہے۔ اس نے وجے کپور سے شعبدہ بازی سیکھی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اپنے الٹے پیروں کی ہیبت سے ان شعبدوں کے ذریعے شاندار کارنامے دکھا کر فائدے اٹھائے گی، لیکن قدرت نے اسے بالکل نئے راستوں پر ڈال دیا تھا۔ بہرحال اب اس کی سیلانی روح دنیا کے تماشے دیکھا کرتی تھی۔ وہ نجانے کیا کیا سوچتی اور دیکھتی رہتی تھی۔ ذہن کو کسی بھی طرف رجوع کر دے دور تک راستے صاف ہوتے چلے جاتے تھے۔ بہرحال ایک پُراسرار مستقبل اس کے سامنے آنے والا تھا۔ پھر اس نے غسل کا ارادہ ظاہر کیا تو فوراً ہی پلک جھپکتے ہی وہ اس چشمے تک پہنچ گئی۔ جو اس غار سے کم از کم دو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

یہ فاصلے کس طرح طے ہوئے اسے اس بات کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ اس نے خوب جی بھر کر غسل کیا اور قرب و جوار سے بے فکر ہو کر وہ پانی میں نہاتی رہی کیونکہ ادھر اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اور پھر نہا دھو کر فارغ ہوئی۔ تو غار کی جانب چل پڑی آج اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ بابا جے راج سے پوچھے کہ آگے اسے کیا کرنا ہے۔ اس کا جاپ پورا ہو چکا تھا۔ آخر کار وہ غار میں داخل ہو گئی اور جب وہ بابا جے راج کو آوازیں دیتی ہوئی اس حصے میں پہنچی جہاں وہ اکثر نظر آیا کرتے تھے۔ تو یہ دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ بابا جے راج چاروں خانے چت زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

ان کا چہرہ چھت کی جانب اٹھا ہوا تھا اور آنکھیں بے نور تھیں۔ نجانے کیوں دیوالی کو احساس ہوا کہ بابا جے راج کے جسم میں زندگی نہیں ہے۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی اور ان کے جسم کا جائزہ لینے لگی۔ چند ہی لمحوں میں اسے احساس ہو گیا کہ جے راج اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس نے سنسار تیاگ دیا ہے۔ وہ سکتے کے سے عالم میں جے راج کی لاش کے پاس بیٹھ گئی اور پھر اس نے دل میں سوچا کہ کہیں یہ بھی بابا جے راج کا کوئی ایسا روپ تو نہیں ہے جو انہوں نے اچانک اختیار کیا ہو۔ نجانے کتنے عرصے تک پرتھوی راج کی قید میں اس حالت میں پڑے رہے۔ اب یہ کوئی ایسا جاپ یا منتر تو نہیں ہے جس کے تحت ان کے جسم سے روح نکل گئی ہو۔ کیا کرنا چاہیئے کس طرح اس بات کا صحیح طرح اندازہ لگایا جائے۔ یہ خیال میں آیا ہی تھا کہ ایک پُراسرار آواز ابھری۔

''بابا جے راج کا خیال من میں کر اور آنکھیں بند کر لے وہ خود تیری رہنمائی کریں گے۔'' اب یہ آوازیں دیوالی کے لئے حیرت ناک نہیں رہی تھیں۔ بابا جے راج کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے یہی تصور اپنے دل میں کیا اور اس کی

آنکھوں کے سامنے دھواں سا پھیلتا چلا گیا اور پھر دھوئیں میں ایک پرچھائیں سی نمایاں ہوئی۔ قد وقامت، انداز بابا جے راج کا ہی سا تھا۔ اسے ایک دم یہ محسوس ہوا جیسے بابا جے راج اس کے سامنے ہوں، لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ دھوئیں کے اس ہیولے کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے قدموں کی چاپ اور آہٹ تک سنائی دے رہی تھی اور پھر ایک آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''ہاں دیوالی! یہ میں ہی ہوں تیرا گرو، تیرا استاد، سنسار میں میرا اتنا ہی کام تھا۔ کہا تھا نا میں نے تجھ سے کہ میرے گرو کی دی ہوئی ایک امانت ہے۔ جس کے لئے مجھے کسی ایسے انسان کی تلاش تھی۔ جو اس امانت کو رکھنے کا متحمل ہو۔ تو وہ ہی تھی۔ تو مجھے ملی اور میں نے تجھے اپنا لیا۔ مجھے خوشی ہے کہ بھگوان نے میری صحیح رہنمائی کی اور میں اپنے گرو کی امانت تجھ ہاتھوں میں پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ دیوالی! دیکھ سنسار میں برے تو اتنے ہیں کہ اچھائی کا تصور ہی ختم ہوتا جا رہا ہے، لیکن اگر اچھائی کرنے کا ایک بھی موقع منش کو مل جائے تو سمجھ لے کہ اس کا جیون سپھل ہو گیا۔ دیوالی اس سنسار میں دکھوں کے مارے لاکھوں ہیں۔ ان کے دکھوں کو دور تو نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر کوئی ایک بھی تیری وجہ سے جیون کا سکھ پالے تو تو یہ سمجھ لے کہ تُو نے بھگوان کا قرض ادا کر دیا ہے۔ سمجھ لے لوگوں کی سہائتا کرنا تیرا فرض ہے۔ دیوالی گرو دکھشنا اسی کو کہتے ہیں۔ تُو نے مجھے گرو مانا ہے تو یہ دکھشنا مجھے دے۔ مجھے خوشی ہوگی۔ بے شک میں نے سنسار چھوڑ دیا ہے، لیکن میری آتما تجھ سے دور نہیں ہے۔ میری آتما تیرا ساتھ دے گی اور جہاں بھی تو کسی مشکل کا شکار ہوئی۔ بھگوان نے چاہا تو میں پہنچ جاؤں گا۔ اپنے من کا میت بھی تلاش کر، سنسار میں اپنے دشمن کو بھی تلاش کر مدن راج تیرا دشمن ہے۔ وہ تجھے نقصان پہنچانے کی جگہ جگہ کوشش کرے گا۔ تو اپنی گیان تا سے اسے نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی سنسار میں تجھے اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرنا پڑے کر لیکن اگر کوئی مظلوم تیرے سامنے آئے۔ تو اس کی مدد کرنا بھی تیرا فرض ہے۔ اب تجھے ایک ایسی شکتی ملے گی۔ جس سے تو خوش ہو جائے گی تجھے احساس ہوگا کہ اکیلی نہیں ہے سنسار میں بہت سے لوگ تیرے پاس موجود ہیں۔'' دیوالی کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا سارا وجود ہلکا ہو گیا ہو۔ جو الجھن، جو خیال اس کے دل میں تھا وہ ایک دم پُرسکون ہو گیا تھا۔ اس کے اندر سے ایک ایسی خوشی پھوٹ رہی تھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی اسے۔ اس نے اپنے آپ پر غور کیا اور سوچنے لگی کہ بھگوان نے صرف ایک چیز کی کمی کی تھی اس کے شریر میں اور اس کے بدلے بھگوان نے اتنا کچھ

دیا کہ وہ ایک طرح سے اوتار بن گئی۔

بہر حال وہ وہاں سے اٹھی اور اس کے بعد باہر نکل آئی۔ اس نے ہرن کا ایک چھوٹا سا بچہ دیکھا جو قلیلیں مارتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ ہرن کے اس ننھے سے خوبصورت بچے کو دیکھ کر نجانے کیوں اس کے دل میں ایک پیار سا جاگ اٹھا اس نے کہا۔

''پیارے بچے! تم اپنے ماتا پتا سے بھٹک کر ادھر آ نکلے ہو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔'' اور دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بچے کا منہ ہلا اور اس نے بڑی پیاری آواز میں کہا۔

''نہیں دیدی! جے راج مہاراج کے اس سنسار میں کوئی کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ سب ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں۔'' دیوالی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اچانک ہی اسے پیچھے سے ایک گرجدار آواز سنائی دی اور وہ چونک کر پلٹی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ درحقیقت وہ شیر ہی ہے، لیکن بلی کی طرح گردن جھکائے ہوئے اور دم ہلاتے ہوئے۔ پھر شیر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''ہاں۔ جے راج مہاراج نے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ امن کے ساتھ رہنا سکھایا ہے۔ میں گھاس پھونس کھاتا ہوں اور جیتا ہوں یہ پھل میرے لئے جیون کا کام کرتے ہیں۔ یہ ننھا منا معصوم بچہ جے راج مہاراج کی پناہ میں ہے۔ بھلا میں اسے نقصان کیسے پہنچا سکتا ہوں۔'' دفعتاً ہی دیوالی کو یاد آیا۔ ایک بار یہ منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ششدر رہ گئی تھی۔ اس رات جے راج مہاراج کے گرد بہت سے جانور بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں سے کسی نامانوس زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ جے راج مہاراج نے اپنی تمام تر شکتی اسے دے دی ہے۔'' ہے بھگوان! اتنی ساری شکتی کا بوجھ میں کیسے سنبھالوں گی۔'' وہ بولی۔

''اس بوجھ کو تو نہیں ہم سنبھالیں گے دیوالی!'' جے راج کی آواز اس کے کانوں میں ابھری اور اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''دھن واد جے راج مہاراج! مجھے پتہ نہیں ہے کہ میری تقدیر اتنا بڑا امان اٹھانے کی قابل ہو رہی ہے۔ دھن واد...... دھن واد...... دھن واد۔''

بہرحال اب دیوالی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ جے راج مہاراج کی لاش کا انتم سنسکار کرے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے بے شمار پُر اسرار وجود اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں لیکن اس وقت وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔ جب اس نے دیکھا کہ جے

راج مہاراج کی لاش کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ یہ لاش غائب ہوگئی تھی۔

بہرحال وہ سوچتی رہی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ دن گزر گیا۔ رات ہوگئی اور وہ رات کو سوگئی۔ صبح کو جب سو کر اٹھی تو اس طرف کی ویرانی اور سناٹے کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ جے راج مہاراج کے خالی بستر کو دیکھتی رہی۔ ایک بار پھر اسے اپنے پیچھے آہٹیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی ایک آواز ابھری۔

''نہیں۔ پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ تُو اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھ۔ میں نے یہ سنسار ضرور چھوڑ دیا ہے لیکن میری آتما نے تیرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ بہت کچھ مل گیا ہے تجھے، اب تُو سنسار کو برت۔''

بہرحال اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، مہاراج جے راج نے تو اسے اپنے انتم سنکار کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر ایک گوشے میں آ بیٹھی۔ کھانے پینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن جیسے ہی اس نے سوچا کہ کچھ کھالیا جائے۔ اچانک ہی اسے اپنے سامنے کچھ برتن رکھے دکھائی دیئے۔ اس میں انواع واقسام کی چیزیں تھیں۔ جو کھانے پینے کے لئے تھیں۔ وہ ایک دم ہنس پڑی۔

''واہ جے راج مہاراج! آپ نے تو مجھے انسان سے دیوتا بنا دیا۔ پتا نہیں میرے ماتا پتا کس حال میں ہوں گے۔'' ابھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ دفعتاً اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سفید سی دھند پھیل گئی اور اس دھند میں اس نے ایک عجیب سا منظر دیکھا۔ اس کے پتا جی ایک بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ بہت ہی صاف شفاف کمرہ تھا۔ ماتا جی ایک کرسی پر بیٹھی ڈاکٹر نریشا سے باتیں کر رہی تھیں جو دوسری کرسی پر تھیں۔ ماتا جی ہنس رہی تھیں ان کا چہرہ بھی انتہائی صحت مند لگ رہا تھا۔ دیوالی نے اپنے آگے ہاتھ لہرایا جیسے اس دھند کو اپنے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہو، لیکن دھند جوں کی توں برقرار رہی اور اس میں سے مدھم مدھم آوازیں آنے لگیں۔

''ہاں...... بھگوان کی کرپا ہے ڈاکٹر صبح شام آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ نریشا اور دیوالی نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے۔ بھگوان رہتے سنسار تک اسے خوشیاں دے۔''

''ہاں کیوں نہیں؟''

دیوالی ان کی باتیں سنتی رہی یہ نہ صرف خواب تھا اور نہ خالی تصور بلکہ یہ سب کچھ ایک سچائی تھی۔ ہے رام اس کا مطلب ہے کہ میں تصور کی آنکھ سے ہر چیز دیکھ سکتی ہوں

پھر تصور مجھے بتا کہ کانتا کہاں ہے۔ ابھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ ایک بار پھر ایک سفید سی دھند آنکھوں کے سامنے پھیلتی چلی گئی۔ وہ ایک دھند میں جاگنے لگی۔ اس نے اپنی سکھی یا پھر اپنی کزن کانتا کا نام لیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت عمارت کی اوپری فلیٹ میں کانتا ایک نوجوان مرد سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ شخص اس کا شوہر ہرگز نہیں تھا، لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے انتہائی بے تکلف نظر آرہے تھے۔ حالانکہ دن کی روشنی تھی، لیکن کانتا ایک انتہائی ماڈرن قسم کا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس کا کندن سا بدن بار بار اس گاؤن سے جھانک رہا تھا۔ دیوالی ایک دم چونک سی پڑی۔ یہ کیا قصہ ہے۔ پھر ان کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ کانتا کہہ رہی تھی۔

''نہیں دیپک! یہ سچ ہے کہ میں ایک شادی شدہ لڑکی ہوں مگر تم جانتے ہو مجھے اپنے پتی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ آج تک مجھے نہیں پاسکا اور اسے اس بات کا یقین ہے کہ وہ کبھی میرے من میں گھر نہیں کرسکے گا۔ میں بہت دکھی ہوں دیپک۔''

''میں آگیا ہوں نا کانتا۔''

''آئے مگر دیر سے۔ روزی کمانے کے لئے باہر نکل گئے تھے مگر یہ بھول گئے تھے کہ تمہاری کانتا تمہارے بغیر جیون کے سارے سکھ تیاگ دے گی۔''

''مجھے افسوس ہے کانتا! مگر تم نے میرا انتظار کیوں نہ کیا۔''

''تم میرے پتی کو جانتے ہو۔ ہری ناتھ ایک دولت مند آدمی ہے۔ اس نے دولت کے بل پر مجھے ایک طرح سے یہ سمجھ لو کہ خرید لیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرے ماتا پتا بے چارے کتنے غریب ہوگئے ہیں اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ ہری ناتھ نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور میرے ماتا پتا کی مدد کر کے مجھے خرید لیا۔''

''میں ہری ناتھ کو تمہاری قیمت ادا کردوں گا۔''

''میری قیمت! اب مجھے اپنی قیمت کا اندازہ لگانا ہوگا۔''

''چھوڑو کانتا ان باتوں کو، تم میری پریمیکا ہو۔ میں باہر سے جو دولت کما کر لایا ہوں میں نے اس سے ایک کاروبار کا آغاز کیا ہے۔''

''ہیں۔ کاروبار کا آغاز تم نے کر بھی دیا۔''

''ہاں کانتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم پہلے سے آئے ہوئے ہو۔'' کانتا کی تیوریاں چڑھنے

’’نہیں۔ پہلے سے نہیں آیا۔ بلکہ وہیں جہاں میں تھا۔ میں نے کچھ فلمی لوگوں سے معاہدے کیے اور کانتا اب تم میرے ساتھ فلموں میں کام کرو گی۔‘‘

’’میرا پتی مجھے اجازت دے گا۔‘‘

’’میں کوئی ایسی ترکیب نکالوں گا کہ وہ تمہیں اجازت دے دے۔‘‘

’’ہے بھگوان! یہ کانتا کو کیا ہو گیا۔‘‘ دیوالی نے سوچا لیکن صورتِ حال اس کی نگاہوں میں واضح ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کانتا کی شادی کر دی گئی۔ ہری ناتھ نامی کسی آدمی سے اس کا وِیواہ ہو گیا، لیکن کانتا اس شخص کے عشق میں گرفتار تھی۔ جس کا نام دیپک ہے۔ آدمی بے شک خوبصورت تھا لیکن کانتا کا اب بھی اس طرح اس سے بے تکلفی سے ملنا، جس عالم میں اس نے کانتا کو دیکھا تھا۔ وہ تو بڑی بے حیائی کی بات تھی۔ پتہ نہیں اس کے ماتا پتا کس حال میں ہیں۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہرحال وہ اس کے اپنے تھے۔ کانتا دھرم کشور کی بیٹی تھی اور دھرم کشور تایا حالانکہ بہت بڑے تھے ارملا ماسی نے کبھی ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود اسے دکھ ہوا تھا۔ اس نے اپنا ذہن وہاں سے ہٹا دیا اور وہ سوچنے لگی کہ اسے اب آگے کیا کرنا ہے۔ کانتا کو بڑے عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ جس لباس میں اسے دیکھا تھا وہ بڑا عجیب تھا۔ جب کانتا اس کے ساتھ تھی تو اتنی بے حیا نہیں تھی۔ اس کا دل چاہا کہ ایک بار پھر کانتا اور اس کے پریمی کو دیکھے اور یہ اندازہ لگائے کہ ان دونوں کے تعلقات کہاں تک ہیں اور وہ شخص جس کا نام ہری ناتھ ہے۔ اس کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ باقی اب اسے اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ اپنے تایا تائی کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ ایک بار پھر اس کا ذہن کانتا کی جانب متوجہ ہو گیا اور اس بار اس نے جو منظر دیکھا اس نے اس کی آنکھوں میں تاریکی پیدا کر دی تھی۔ کانتا انتہائی قابل اعتراض حالت میں دیپک کے ساتھ تھی اور دیپک ایک وحشی درندہ نظر آ رہا تھا۔

دیوالی نے اپنا ذہن اس طرف سے ہٹانے کی لاکھ کوشش کی لیکن رہ رہ کر اس کے دل میں خیال آتا کہ دیکھوں تو سہی آگے کیا ہوتا ہے کہیں ہری ناتھ نہ آ جائے۔ اس طرح یہ بار بار ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ گہری رات کے سناٹے چاروں طرف پھیلنے لگے۔ دیوالی کے دل میں عجیب سا احساس کروٹیں بدل رہا تھا۔ اسے ماضی کی بہت سی داستانیں یاد آ رہی تھیں۔ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ ونیش وجے کپور اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے وہ لوگ جو اس وقت دیوالی کو دیکھ کر مست ہو گئے تھے جب وہ دلہن بنی ویرانوں میں لوگوں کو نظر آتی تھی اور بعد میں ان کے ہوش و حواس گم ہو جاتے تھے۔ آج پہلی بار اس کے

ذہن میں ایک میٹھا میٹھا تصور جاگ رہا تھا اور وہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

بہرحال اس نے دیکھا کہ دیپک اس جگہ سے باہر نکل رہا ہے۔ پھر وہ ایک قیمتی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ پھر اس کا تصور اپنے گاؤں اپنی بستی کی جانب مڑ گیا۔ اس نے چشم تصور سے اپنی قدیم حویلی کو دیکھا۔ جہاں وہ اپنے پریوار کے ساتھ رہتی تھی اور اس کی نگاہیں بھٹکتی ہوئی اس جگہ پہنچ گئیں۔ جہاں دھرم کشور اپنی پتنی ارملا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سر پکڑا ہوا تھا اور وہ خاصا پریشان اور دکھی نظر آتا تھا۔ وہ ان کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگی۔ دھرم کشور کہہ رہا تھا۔

’’بس یوں سمجھ لے ارملا! عزت لٹنے کو ہے۔ مہاجن کے پیسے نہ دیئے ہم نے تو وہ آئے گا ہماری بے عزتی کرے گا۔ کہہ گیا تھا کہ سیدھا پولیس میں اطلاع دے گا۔‘‘

’’ہائے رام! ہمارے پاس تو اب کوئی زیور وغیرہ بھی نہیں ہے۔‘‘

’’میں نے سندر کشور سے بات کی تھی۔ سندر کشور اپنی الگ رو رہا ہے۔ کہتا ہے کھیت سوکھے پڑے ہیں۔ بیج خریدنے کے لئے رقم تک نہیں ہے۔ ہاریوں نے الگ پیسوں کا مطالبہ کر رکھا ہے۔ کیا کروں سب کچھ چھوڑ کر نہ بھاگ جاؤں۔‘‘

’’جھوٹ بول رہا ہے وہ۔ ظاہر ہے وہ ہمیں پیسے کیوں دے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ سشما کے سارے زیورات جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔ ارے ہم نے تو اپنی بیٹی پر سب کچھ لگا دیا۔ سشما نے کیا کیا ہے ابھی تک۔ کسم بوڑھی ہوتی جا رہی ہے۔ رشتے آتے ہیں منع کر دیتا ہے سندر کشور سوچتا ہے بیٹی کی شادی میں جو خرچہ ہو گا۔ وہ دینے کے بعد اس کے پاس کیا بچے گا۔ بس یہ باتیں ہیں کیا فائدہ ہمیں ایسی باتیں کرنے سے۔‘‘

’’وہ بات الگ ہے اب تم یہ بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟‘‘

’’بس ایک ہی کام رہ گیا ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘

’’سشما کے زیورات چرا لیے جائیں اور مہاجن کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔‘‘

’’ہیں‘‘ دھرم کشور اچھل پڑا۔

نجانے کیوں دیوالی کو ان باتوں میں لطف آنے لگا۔ یہ تو بڑی دلچسپ کہانی تھی۔ اسے اس کہانی سے بڑا لطف حاصل ہوا۔ بہرحال یہ ایک محدود ترین مشغلہ تھا۔ وہ اب ایسی باتوں میں بڑی دلچسپی لینے لگی تھی۔ اس کے اپنے علم میں جتنے کردار تھے۔ وہ ان کرداروں سے بہت متاثر ہو گئی تھی اور ان کے حالات زندگی معلوم کرتی رہتی تھی۔ دو تین دن کے بعد

اس نے ایک بار پھر اپنے تایا تائی کے گھروں میں جھانکا اور ایک دلچسپ منظر دیکھنے کو ملا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کا گریبان پکڑے ہوئے تھے اور ان کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا۔ دھرم کشور کہہ رہا تھا۔

''تو اور کیا پوری حویلی بیچ دی ہے تم نے سب کچھ خود کھا گئے۔ میرا کہاں گیا۔''

''تم نے پورا پورا حصہ لیا تھا دھرم کشور اور اب اس کے بعد تم نے چوری شروع کردی۔ ارے جاؤ ذرا اپنی بیٹی کو دیکھو کیا گل کھلا رہی ہے۔ تم نے تو سارے پریوار کی ناک کاٹ کر رکھ دی ہے۔''

''بکواس مت کرنا سندر۔''

''کیسے بکواس نہ کروں۔ چوری کی ہے تم نے ہمارے سامان کی، پولیس کو خبر کردوں تو اٹھا کر لے جائے گی۔''

''تو کردے خبر۔''

''مجھے خاندان کی لاج کا خیال ہے۔ تم تو اپنا سب کچھ گنوا چکے ہو۔ تمہیں ایسی باتوں کی کیا پرواہ۔''

''ہاں ہاں تُو تو بڑا گیانی ہے۔ تُو نے جیسے خاندان کی لاج سنبھال کر رکھی ہے۔''

''دیکھو۔ اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ میں زبان کھولنا نہیں چاہتا۔''

''زبان کھولے گا کیسے میں تیری زبان کاٹ کر نہ رکھ دوں گا۔'' ایک بار پھر ان کے درمیان لڑائی ہونے لگی۔ دیوالی کو ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں کی چپقلش پر بری طرح ہنس رہی تھی۔ اس کے منہ سے نکلا۔

''آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ بھی تو یہی سلوک کیا تھا تایا جی! دیکھا اسے کہتے ہیں کہ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔ بھگوان نے تمہیں بھی اسی راستے پر پہنچا دیا۔ اب بھگتو زندگی کے کھیل۔'' وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔

بہرحال اب یہ اس کا محبوب مشغلہ ہوگیا تھا۔ کسم اور کانتا کو بھی دیکھتی اس کے علاوہ بہت سے معاملات اس کے علم میں آتے رہتے تھے اور اس کی زندگی بڑی سکھی گزر رہی تھی۔ غالباً یہ اس بات کے چوتھے دن کی بات ہے۔ ایک دن وہ باہر نکلی تو ایک مینا تھوڑے فاصلے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ پرندوں سے بے تکان باتیں کیا کرتی تھی اور وہ اسے اس کی باتوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ اس نے مینا سے کہا۔

''کہو بی مینا! کہاں سے آرہی ہو۔'' مینا نے اسے جواب دیئے بغیر منہ پھیر لیا اور پھ

ے اڑ گئی۔

''ارے مینا بی بی! ناراض ہوگئیں۔'' اسی وقت قریب سے ایک لومڑی گزری تو اس نے لومڑی کو آواز دی۔

''سنو...... کدھر سے آرہی ہو۔'' لومڑی ایک لمحے اسے گھورتی رہی اور پھر اس کے بعد واپس مڑ گئی۔ اس نے بھی اسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس طرح دیوالی نے بہت سے جانوروں کو اپنی جانب مخاطب کیا، لیکن کوئی بھی اس سے مخاطب نہیں ہوا اور وہ منہ پھیر کر چلے گئے۔

''ارے سارے کا سارا جنگل مجھ سے ناراض ہوگیا ہے مگر کیوں؟'' دیوالی نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس سوچ کا جواب تھا، جب انسان کی آنکھوں میں پر پٹی بندھی ہوتی ہے۔ تو اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ دیوالی کو اس قدر شاندار قوت حاصل ہوئی تھی، لیکن اب اس کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی۔

کسی انسان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں پیدا ہوا کہاں پلا بڑھا اور کہاں تک پہنچا۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ گمنامی کی آغوش میں جنم لینے والے شہرت کی انتہائی منزلوں تک پہنچ گئے۔ خیر دیوالی اس پائے کی لڑکی تو نہیں تھی، لیکن یہ ایک بہت بڑی بات تھی کہ ایک ایسے گھرانے میں جنم لینے کے بعد جو مفلوک الحال اور مصائب کا شکار تھا۔ اسے صرف اپنے پیروں کے الٹا ہونے کی وجہ سے نجانے کیا کیا حاصل ہوگیا۔ ابھی تک تو زندگی میں بہت کچھ حاصل کیا تھا اس نے۔ ذرائع اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ انسان اپنے طور پر لاکھوں پلاننگ کرلے، لیکن ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔ دیوالی کو دولت ملی تھی اور بے پناہ دولت ملی تھی اور اس کے علاوہ اس کے پاس اتنے وسائل موجود تھے کہ وہ مزید دولت حاصل کرسکتی تھی۔ اگر اسے اس کی ضرورت ہوتی۔ تایا، تائیاں مصائب کا شکار تھے۔ گھرانہ منتشر ہوچکا تھا۔ کسی زمانے میں اس گھر کی بڑی عزت تھی، لیکن اب صورتِ حال بالکل مختلف ہوگئی تھی۔ دیوالی کے ماں باپ تو اس وقت باہر کے ملک میں بیٹھے ہوئے عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن دونوں بھائی یعنی دھرم کشور وغیرہ اپنا بدترین وقت گزار رہے تھے اور کچھ بھی نہیں تھا ان کے ہاتھ میں۔ بس یوں سمجھ لو کہ دھرم کشور اور سندر کشور لڑ جھگڑ کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ پھر دیوالی اپنی منزل چھوڑ کر جنم جنم کے پھیر میں پڑ گئی۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو صیغہ راز ہی میں رہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ یہاں تک کہ اسے ایک ایسا شخص ملا یعنی جے راج جس نے بلاشک وشبہ اسے

آسمانوں پر پہنچا دیا۔ دیوالی محسوس کرنے لگی کہ وہ اپنے آپ سے تہلکہ مچا سکتی ہے، لیکن نجانے کیا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ابھی تو اسے یہی اندازہ ہوا تھا کہ جنگل رہنے والے اس کے دوست۔ پرند، چرند اور درندے اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ کوئی بھی اس کے پاس نہیں آتا تھا۔ جب کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے جے راج کے کہنے کے مطابق جے راج ہی سے رابطہ قائم کیا اور کوشش کرنے لگی کہ اس کی آتما اس کے سامنے آ جائے۔ کچھ مدھم مدھم نقوش نمودار ہوئے اور پھر جے راج کی آواز ابھری۔

''ہاں بول کیا بات ہے۔ کیا کہنا چاہتی ہے۔''

''گرو مہاراج یہ کیا ہو رہا ہے سب کچھ۔ یہ سارے کے سارے جانور مجھ سے دور کیوں ہٹ گئے۔'' کچھ سے خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد جے راج کی آواز اُبھری۔

''دور تو میں بھی ہٹ گیا ہوں تجھ سے، مجھے اپنے جیون میں بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دیوالی۔''

''میری وجہ سے مہاراج۔''

''ہاں تیری وجہ سے۔''

''مگر کیوں...... میں تو کچھ بھی ہی نہیں ہوں۔''

''کہا تھا میں نے تجھ سے، بھگوان نے منش کو بس ایک حد تک شکتی دی ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا منش سے کہ وہ بھگوان بننے کی کوشش کرے۔ سنسار کے بھید بھاؤ تو قرض ہوتے ہیں، راز ہوتے ہیں۔ ان رازوں کو اس طرح جاننے کی کوشش اور وہ بھی اپنے گیان سے کتنی بری بات ہے۔ میں نے تو تجھے ایک سبق دیا تھا دیوالی۔ بتا دیا تھا کہ جب درخت میں پھل لگتا ہے تو وہ جھکتا چلا جاتا ہے۔ زبردستی کھینچو تو ٹوٹ جائے گا۔ پر تو نے ایسا نہیں کیا۔''

''مم...... مم...... مگر مہاراج میں نے کیا کیا ہے۔ مجھے کچھ بتایا تو جائے۔''

''تیرے پاس لوگوں کے راز جاننے کا گیان تھا۔ تُو نے لوگوں کی خلوتوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ ان کی تنہائیوں میں داخل ہو گئی تو۔ ارے اس سنسار کی برائیاں تو بھگوان بھی چھپا لیتا ہے۔ تُو نے ان کو جاننے کی کوشش کی تھی۔ لوگوں کی خوابگاہوں میں جھانکنے کا سلسلہ شروع کر دیا تُو نے۔ کیا یہ کوئی اچھا عمل تھا۔ ساری تپسیا ختم کر لی تُو نے اپنی۔ بس سب ناراض ہو گئے تجھ سے۔ دیوالی میں بھی کوئی سہائتا نہیں کر سکوں گا تیری اس سلسلے میں۔''

''ارے مہاراج...... میں نے تو...... میں نے تو۔''

''یہی تو سب سے بڑی بات ہوتی ہے دیوالی۔ منش کو جیون کا ایک ایک پل پھونک

پھونک کر گزارنا پڑتا ہے اور خاص طور سے انہیں جنہیں کوئی مہان شکتی مل جائے۔ مگر تُو نے مہان شکتی سے لوگوں کے راز جاننے شروع کر دیئے اور خوش ہوئی اس بات پر کہ تیرے دن گزر رہے ہیں۔ نہ دیوالی نہ...... شکتی اور گیان دھیان تو بنانے کے لئے ہوتے ہیں نا کہ مٹانے کے لئے۔ بڑا برا کیا تو نے کھو دیا یہ سب کچھ۔''

''تت...... تو اب۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔''

''مہاراج ایک بات میں آپ سے کہوں۔ جو کچھ ہوا بھول سے ہوا جان بوجھ کر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میری عمر کو دیکھئے کہیں نہ کہیں تو بہک ہی جاتی ہے یہ عمر۔ مہاراج میں اپنے اس پاپ کا پراشچت کرنا چاہتی ہوں۔''

''سمے خود فیصلے کرتا ہے دیوالی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ تیرے اس پاپ کا پراشچت کیا ہے۔''

''تو کیا آپ اب بھی میری سہائتا نہیں کریں گے۔''

''نہیں، میں نے کہا ہے نا تجھ سے کہ یہی تو ایک امتحان ہوتا ہے۔ دوسروں کے راز جاننے کی کوشش کوئی اچھی بات نہیں ہے ہاں، اگر کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے کوئی ایسی بات نہ ہو جو کسی کو پریشان کر سکے۔ افسوس میں کچھ نہیں کر سکتا تیرا فیصلہ سمے ہی کرے گا۔''

''اور آپ بھی میرے پاس نہیں آیا کریں گے مہاراج۔''

''نہیں، دیوالی۔ ہر پنت کا ایک بھان ہوتا ہے اور اگر یہ بھان نہ رہے تو منش کچھ بھی نہیں رہتا۔ میں نے کہا نہ تجھ سے۔ اب تجھے میری آواز اس سمے سنائی دے گی۔ جب تُو سات پُل پار کرے گی۔''

''سات پُل......''

''ہاں، کشٹ کے سات پُل۔ تجھ پر کیا گزرے گی یہ میں نہیں جانتا۔ پر تجھے یہ بات [illegible] بڑی ہمت سے کام لینا ورنہ جیون ہی ہار جائے گی۔'' پھر وہ جے راج کو آواز دیتی رہ گئی، لیکن جے راج کی آواز دوبارہ سنائی نہیں دی تھی۔ دیوالی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

''اے بھگوان یہ کیا ہو گیا۔ اس سے تو پہلے ہی بہتر تھی۔ کم از کم یہ سب کچھ تو نہیں ہوا تھا۔'' وہ دیر تک بیٹھی روتی رہی اور اس کے بعد اس نے سوچا کہ جب یہاں ہی سارے رابطے ٹوٹ گئے تو پھر ان جنگلوں میں پڑے رہنے سے کیا فائدہ۔ راستے طے کرتے ہوئے

وہ سوچ رہی تھی کہ کیا ملتا ہے ان تمام چیزوں سے۔ انسان انسان ہی رہے اپنی جون میں رہے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر حاصل کر لینے کی کوشش کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ ویرانوں سے آبادیوں تک اور آبادیوں سے ویرانوں کا یہ سفر جاری رہا۔ وہ اپنے آپ کو چھپائے رہتی تھی پھر ایک دن وہ جا رہی تھی کہ اسے ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر نظر آیا۔ کوئی پرانا مندر تھا۔ دیوالی کو پیاس لگ رہی تھی۔ مندروں میں کنوئیں ہوا کرتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ شاید اس مندر میں کوئی کنواں وغیرہ نظر آجائے۔ چنانچہ وہ اس طرف چل پڑی تھوڑی دیر بعد کھنڈر میں داخل ہوگئی، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر سے تو یہ عمارت کھنڈر نظر آتی تھی۔ مگر اندر سے بہت صاف ستھری اور بالکل پختہ تھی۔ وسیع و عریض چبوترے اور دالان کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف پانی کا مٹکا رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی برتن بھی۔ دیوالی نے کچھ سوچے سمجھے بغیر پیالے میں پانی انڈیلا اور خوب پیٹ بھر کر پیا۔ پھر ایک طرف اس نے نہانے کا سامان دیکھا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی یہاں رہتا ہے۔ فوراً دل چاہا کہ وہ کسی کو آواز دے، لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر کے وہ مندر کے ایک کمرے میں گھس گئی۔ وہاں ایک بستر پڑا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ایک الماری تھی۔ اس نے الماری کھول کر دیکھی۔ الماری میں بہت سے زنانہ لباس ٹنگے ہوئے تھے۔ دیوالی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی باقاعدہ پریوار موجود ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی بھوت پریت ہو۔ دیوالی تھوڑی دیر سوچتی رہی اور ابھی وہ انہی سوچوں میں تھی کہ اسے کسی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ دیوالی چونک کر باہر نکل آئی، لیکن دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر واپس ادھر پلٹی اور اس نے الماری میں سے ایک لباس اپنے لئے منتخب کر کے نکال لیا۔ نہانے کا انتظام تو تھا ہی۔ خوب بدن مل مل کر نہائی۔ اتنا فاصلہ طے کرتے ہوئے سارے بال مٹی میں اٹ گئے تھے۔ بدن بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس کا شریر انتہائی سڈول اور سندر تھا۔ وہ نئے کپڑے پہن کر بالکل تازہ دم ہوگئی۔ اس کے بعد اس کا دل چاہا کہ وہ سو جائے۔ چنانچہ وہ اسی جگہ آگئی۔ اب جو کوئی بھی ہوگا اسے خود جگائے گا۔ اس کے بعد اسے پتہ چل جائے گا کہ یہ استھان کس کا ہے۔

وہ بستر پر لیٹ گئی۔ جوانی کی نیند تو ہوتی ہی مست ہے۔ ایسی سوئی کہ رات ہی کو آنکھ کھلی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا، لیکن کہیں روشنی موجود تھی۔ اس کی کرنیں دروازے کے باہر سے نظر آرہی تھیں۔ مجیرے بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اب تک کی تھکن بالکل دور ہوگئی تھی۔ اول تو پُرتکلف غسل، پھر آرام دہ بستر

بہت سے مسائل خود بخود حل ہوگئے تھے۔ چنانچہ اس وقت طبیعت میں بڑی شگفتگی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ دیوالی پاگل ہوئی ہے سسری۔ اتنی اچھی جگہ رہنے کے لئے مل گئی ہے۔ ماتا پتا کا لندن میں علاج ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نریشا جیسی بہترین دوست اور اس کے بعد کا ماحول سب کچھ اتنا اچھا ہے۔ تو کیا پڑی ہے تجھے کہ تو اس طرح ماری ماری پھرے۔ اپنے گھر جا آرام سے جیون بتا۔ جہاں تک بات رہی پریمی کی تو بے وقوف سنسار میں آج ہی سب کچھ ہے جو گزرا سو کل۔ یہی سوچتی ہوئی مجیروں کی آواز پر چلتی رہی اور پھر وہ ستونوں کی اس عمارت میں پہنچ گئی جو مندر کے ایک الگ تھلگ حصے میں تھی۔ یہاں بڑے بڑے اور چوڑے ستون ہی ستون تھے۔ تھوڑے فاصلے پر روشنی ہو رہی تھی۔ روشنی کافی تیز تھی اور سامنے ہی کالی دیوی کا مجسمہ نظر آرہا تھا، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ ایک بھرے بھرے بدن کی عورت تھی۔ چہرے کا تو اندازہ نہیں ہو رہا تھا لیکن باقی دیکھنے کو مل رہی تھی۔ کالی دیوی کے سامنے دیوانہ وار رقص کر رہی تھی۔

دیوالی نے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ یہاں اس کھنڈر میں اسے پہلا انسان نظر آیا تھا۔ نجانے کون ہے یہ۔ وہ دیکھتی رہی اور عورت ناچتی رہی۔ کوئی گھنٹہ گزر گیا۔ دیوالی کھڑے کھڑے تھک گئی تھی لیکن عورت ناچتے ناچتے نہ تھکی تو اچانک دیوالی کو چھینک آگئی اور اس کی چھینک کی آواز ستونوں سے ٹکرا کر دور دور تک پھیل گئی۔ ناچنے والی عورت رک گئی۔ اس نے پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر دیوالی سے بولی۔

''سامنے آ، کون ہے۔'' بڑی گرجدار اور پاٹ دار آواز تھی، خاموش رات بھیانک ماحول، دیوالی سہم کر باہر نکل آئی اور پھر اس عورت کے سامنے پہنچ گئی۔ کیا شخصیت تھی۔ اتنے لمبے قد کی عورت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ قد کوئی چھ فٹ دو انچ کے نزدیک تھا۔ اسی مناسبت سے بھرا بھرا بدن، بہت بڑا چہرہ، رنگ کالا لیکن نقوش جاذب نگاہ۔ دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی شخصیت ہے۔ وہ اپنی بڑی بڑی کالی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

''ہوں الٹے پیروں والی ہے۔ چڑیل ہے مجھے ڈرانے آئی ہے تجھے پتہ ہے میں کون ہوں۔ میں مہارکتا ہوں، مہارکتا۔ کالی دیوی کا اپران کر رہی ہوں، کالی دیوی کا۔ مجھے ڈرانے آئی ہے۔ حرام زادی گردن مروڑ کر پھینک دوں گی۔ ختم کردوں گی تجھے۔ تو نے سمجھا کیا ہے۔'' عورت کی آنکھوں میں اس قدر خوفناک تاثرات ابھر آئے کہ دیوالی کا دل کانپنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''نہیں دیوی جی، نہیں۔ میں چڑیل نہیں ہوں نہ ہی بھوت پریت ہوں۔ آپ میرے الٹے پیروں کو دیکھ کر یہ بات سوچ رہی ہیں۔''

''نہیں ہے تو پھر کون ہے تو۔''

''بس دیوی جی، دکھوں کی ماری ہوں۔ کیا بتاؤں آپ کو مصیبتوں میں پڑ کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ یہ پاؤں پیدائشی طور پر الٹے ہیں۔''

''پیدائشی طور پر، ادھر آ۔'' عورت نے کہا اور دیوالی سہمی سہمی اس کے قریب ہو گئی۔ اس کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ ان خوفناک کھنڈرات میں ملنے والی یہ عورت جو کالی دیوی کے مجسمے کے سامنے رقص کر رہی تھی۔ کوئی معمولی عورت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوئی بہت بڑا گھپلا ہے درمیان میں۔ دیوالی سوچنے لگی اور پھر عورت نے اس کے پاؤں ٹٹول کر دیکھے پھر بولی۔

''تُو ٹھیک کہتی ہے۔ ارے واہ، تُو تو بڑے کام کی ثابت ہو سکتی ہے میرے لیے۔ میرا نام چندر ریکا وتی ہے۔ رانی چندر ریکا وتی۔ اکاس پور کی رانی ہوں میں سمجھی۔ بہت کچھ دوں گی تجھے۔ تیری ساری مشکلیں دور کر دوں گی۔ ٹھہر جا میں سندری کو بلاتی ہوں۔'' اور پھر اس نے زور سے آواز دی۔

''سندری، سندری کہاں مر گئی تُو۔'' جواب میں چھن چھن چھن کی آواز سنائی دی۔ کوئی عورت پازیب پہنے ہوئے بھاگ رہی تھی۔ وہ اندر آ گئی اور اس نے غور سے دیوالی کو دیکھا۔ پھر اس کے پاؤں پر نگاہ پڑی اور وہ اچھل پڑی۔

''بھب...... بھب...... بھوت...... بھب...... بھب...... بھوت۔''

''بھوت کی بچی جو کہہ رہی ہوں وہ غور سے سن۔ یہ بھوت نہیں ہے منش ہے۔ ساتھ لے جا اسے صبح داس آئے گا اس کے ساتھ اسے لے کر گھر چلی جانا۔ مہمان خانے میں اپنے ساتھ رکھنا۔''

''جی دیوی جی، آؤ۔'' سندری نے کہا۔ وہ اچھی شکل وصورت کی ایک جوان عورت تھی۔ دیوالی بادل نخواستہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ حالانکہ رانی چندر ریکا وتی کا حکم ماننے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن وہ سہم گئی تھی اور حالات سے سمجھوتا کرنا چاہتی تھی۔ بلاوجہ مشکل پر مول لینے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مندر ہی کے ایک حصے میں سندری اسے لے گئی۔ یہاں بھی بستر ہی بچھے ہوئے تھے۔ سندری نے کہا۔

''بیٹھ جاؤ، کیا نام ہے تمہارا۔''

''دیوالی۔''

''ارے واہ، کس نے رکھا یہ نام۔''

''ماتا، پتا نے اور کس نے۔''

''بڑے سمجھ دار تھے سچ مچ تم دیوالی ہی لگتی ہو۔ روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے جہاں جاتی ہو۔''

''مم...... مم...... مگر یہ کیا ہے۔''

''کالی کا مندر۔''

''اور وہ۔''

''مہارانی چندر ریکا۔''

''ہاں۔''

''وہ مہارانی ہے۔''

''مگر یہاں۔''

''بس اب اتنی گہرائیوں میں نہیں جاتے۔ زیادہ معلومات مت کرو صبح کو تمہیں جانا ہے۔''

''کیا مہارانی بھی جائیں گی۔''

''ہاں۔ مگر ہمارے ساتھ نہیں، تمہیں کہیں اور تو نہیں جانا۔''

''نن...... نن...... نہیں۔'' دیوالی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''یہ اچھی بات ہے۔'' سندری مسکراتی ہوئی بولی۔ بڑی خوش مزاج اور لطیفہ گو عورت تھی۔

تھوڑی دیر میں دیوالی اس سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گئی۔ اکاس پور کے بارے میں اس نے بہت سارے سوال کیے اور سندری اسے جواب دیتی رہی، لیکن جب بھی چندر ریکا کا ذکر آیا اس نے کہا۔

''نہیں دیوالی، مہارانی کے بارے میں کچھ معلوم نہ کرو۔ نہ تو ہم تمہیں کچھ بتا سکتے ہیں بات یہ ہے کہ ہمیں خود بھی بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں ہم صرف اپنا کام کرنا ہے اور تمہیں بھی بس یہی کرنا چاہیئے۔''

''مگر ایک بات تو بتاؤ سندری۔''

''ہاں پوچھو۔''

''مجھے کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔''

''یہ بھی بھگوان جانے میں کیا جانوں۔'' سندری نے کہا اور ہنس پڑی دیوالی اپنے طور پر کشمکش کا شکار تھی۔ سوچ رہی تھی کہ جائے یا نہ جائے، لیکن پھر نجانے کیوں اس کے دل میں جو تجسس پیدا ہوا کہ کالی دیوی کے اس پُر اسرار مندر میں، ناچنے والی چندریکاوتی جو شکل ہی سے ایک خطرناک عورت معلوم ہوتی تھی، کے بارے میں معلومات تو حاصل کرنی چاہئیں۔ یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ ہی ہوگا۔ بہر حال سندری اسے اکاس پور لے آئی۔ اکاس پور میں رانی کا محل دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بڑا شاندار محل تھا اور دیوالی سوچ رہی تھی کہ جدید دنیا سے ہٹ کر اس چھوٹے سے گاؤں نما قصبے یا قصبے نما گاؤں میں زندگی کا انداز کتنا مختلف تھا۔ شہری آبادیاں، کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو جائیں، لیکن بہر حال گاؤں کا اپنا ایک معیار اپنا ایک انداز ہوتا ہے اور یہ انداز برا نہیں ہے۔ اسے یہاں مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ بھی ایک الگ تھلگ سی جگہ تھی۔ بہر حال یہاں وقت گزرنے لگا۔ سندری اس سے تھوڑے فاصلے پر اپنا پلنگ بچھا کر سوتی تھی۔ بڑی اچھی لڑکی تھی وہ۔ دیوالی نے اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ ایسے ہی ایک کہانی سنا دی تھی۔ جسے سن کر سندری مطمئن ہو گئی تھی۔

رانی نے اب تک دوبارہ ان سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اکثر دیوالی راتوں کو جاگ اٹھتی تھی اور سوچتی تھی کہ اب جیون کے اگلے مرحلے پر اسے کیا کرنا ہے۔ وہ جب بھی چاہتی اکاس پور سے اپنے گھر جا سکتی تھی۔ وہاں آرام کر کے زندگی کو نئے سرے سے شروع کر سکتی تھی، لیکن وہ خود بھی سیلانی تھی اور تجسس اس کی فطرت کا ایک حصہ۔ اس رات بھی وہ پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے برآمدے کے باہر درختوں کے پاس کسی کو دیکھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا جبکہ باہر مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر سے آنے والوں کو یقیناً اس کمرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہوگا، لیکن وہ کون ہے چور یا پھر کچھ اور۔ کچھ اور کا خیال دیوالی کو اس لئے آیا تھا کہ وہ دیوالی کے سامنے املی کے درخت سے نیچے اتری تھی۔ دیوالی کا دل چاہا کہ سندری کو جگا دے مگر ایسا نہ کر سکی۔ سندری بھی کیا کرے گی سوائے شور مچانے کے۔ جو سایہ سامنے املی کے درخت سے نیچے اترا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر کھڑکی کے راستے وہ اندر آ گیا۔ دیوالی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ کوئی عورت ہے اور اسے واقعی کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ دیوالی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے وہ سندری کے پلنگ سے ٹکرائی اور اس پر ڈھیر ہو گئی۔

''ارے دیا رے دیا بچاؤ، بچاؤ۔'' سندری چیخی لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر گرنے والا سایہ بھی چیخ پڑا۔ نسوانی چیخ کے ساتھ ہی آواز بھی ابھری تھی۔

''نہیں بھگوان کے لئے نہیں۔ نہیں بھگوان کے لئے۔''

''ایں۔'' اس بار سندری کی آواز سنبھلی ہوئی تھی۔

''چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ تمہیں بھگوان کا واسطہ۔''

''پپ، پپ، پکڑے کون ہے تمہیں۔ کون ہو تم۔'' سندری گھگیائی۔ اسی وقت دیوالی اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے روشنی جلا دی۔ مدھم روشنی میں اس نے سامنے کے منظر کو نمایاں دیکھا۔ سندری نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور لڑکی اندھوں کی طرح دوڑی۔ اس بار وہ دیوالی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ اس نے دیوالی کو بھی دیکھ لیا اور اس کا چہرہ مزید وحشت زدہ ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''بھگوان کے لئے، بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں ایسا نہیں کروں گی میں تمہیں دعائیں دوں گی۔'' دیوالی نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ لباس میلا کچیلا تھا اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ نقوش بے حد جاذب نظر، آنکھیں بڑی بڑی مگر خوف میں ڈوبی ہوئی۔ بال گھنے اور سیاہ مگر بری طرح الجھے ہوئے۔ عمر بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ سندری بھی اپنے پلنگ سے نیچے اتر آئی تھی۔ وہ لڑکی کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

''ہم نے تمہیں پکڑا کہاں ہے بے وقوف لڑکی اور تم ٹپکی کہاں سے ہو۔'' دیوالی کو سندری کا یہ انداز اچھا نہیں لگا۔ لڑکی کی حالت قابل رحم تھی۔ دیوالی نے نرم لہجے میں کہا۔

''تم اگر جانا چاہو تو جا سکتی ہو جس کھڑکی سے تم آئی ہو دل چاہے تو اس سے چلی جاؤ ورنہ یہ دروازہ سامنے ہے اس سے چلی جاؤ۔'' دیوالی کے نرم لہجے اور انداز پر لڑکی نے اسے غور سے دیکھا اور بولی۔

''تم یہیں رہتی ہو۔''

''ہاں بولو۔''

''مجھے کچھ کھانے کو دے دو۔ کوئی بھی چیز دے دو۔ میں دو دن سے بھوکی ہوں۔ بہت بھوکی ہوں، کوئی بھی چیز دو چاہے وہ اتنی سی ہو، سوکھی روٹی کا ٹکڑا بھی ہو تو وہ بھی میں کھا لوں گی بس اتنا سا ہو۔'' اس نے عاجزی سے کہا اور دیوالی سندری کو دیکھنے لگی۔

''سندری کچھ کرو۔''

''ہاں، ہاں ابھی لو۔'' سندری نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
لڑکی نے خوف بھری نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''وہ کسی کو بتا تو نہیں دے گی۔ وہ انہیں خبر تو نہیں کر دے گی۔''

''کسے؟'' دیوالی نے پوچھا۔

''انہی کو...... انہی کو۔ وہ سب لونا چماری کے داس ہیں۔ لونا چماری مجھے بھی...... مجھے بھی...... وہ میرے خون سے نہائے گی۔ پہلے میری گردن کاٹ دے گی۔ پھر اسے اوپر لٹکا دے گی۔ اس طرح میرے شریر کو بھی۔ میرا خون اس پر گرے گا اور وہ منتر پڑھتی جائے گی۔ ہائے رام...... ہائے رام......'' وہ رونے لگی۔ اس کا بدن تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ ادھر دیوالی بھی پریشان ہو گئی تھی اس نے کہا۔

''سنو، سنو۔ سندری کسی کو نہیں بتائے گی وہ میری دوست ہے۔ بس وہ تمہارے لئے کھانے کو لائے گی کسی کو کچھ نہیں بتائے گی تم بالکل فکر مت کرو۔''

''دو دن ہو گئے ہیں مجھے۔ پورے دو دن۔ پہلے میں ایک سوکھے نالے میں چھپی رہی۔ وہاں کچھ لوگ اندر آئے تو یہاں آ گئی۔ املی کے پیڑ پر چڑھ گئی مگر میں نے انہیں دیکھا ہے وہ مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ بڑی بھوکی ہوں۔ میں نے سوچا کہ رسوئی تلاش کروں کچھ کھانے کو مل جائے گا۔'' اس نے سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

''لونا چماری کون ہے۔'' دیوالی نے پوچھا۔

''لو مجھے کیا معلوم۔ مجھ سے اور کچھ مت پوچھو مجھ سے بولا نہیں جا رہا ہے۔'' وہ چلا کر بولی۔ بڑی پیاری لگی وہ اس انداز میں۔ دیوالی خاموش ہو گئی بڑا ترس آ رہا تھا اسے اس پر بہرحال لڑکی کی کہانی بڑی عجیب سی تھی۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ چونک پڑی۔ اس نے کھلی کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف پھر وحشت زدہ نگاہوں سے دیوالی کو، مگر آنے والی سندری ہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں پتوں سے بنے ہوئے برتن تھے جن میں سے ایک میں پوریاں اور کچھ لڈو رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے میں ترکاری تھی۔

''پوریاں بس تین ہیں۔ تھوڑے سے لڈو کھا لینا کام چل جائے گا۔'' سندری نے یہ چیزیں آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور اس نے انہیں بلی کی طرح جھپٹ لیا اور وہیں زمین پر بیٹھ کر کھانے لگی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ پھر بولی۔

''پانی...... پانی نہیں ملے گا۔''

''وہ بھی آ جائے گا تم کھاؤ۔''

''بھگوان تمہیں سکھی رکھے بھگوان کرے کبھی بھوکی نہ مرو تم لوگ۔'' پھر پوریاں نگلنے لگی بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ مگر بڑی ناقدری کی شکار۔ جو کچھ اس نے دیوالی کو بتایا تھا وہ سندری کو نہیں معلوم تھا۔ دیوالی اس کی کہانی میں الجھی ہوئی تھی اور سندری لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکی نے ایک سالم پوری منہ میں ٹھونس لی تھی اور ایک ہاتھ میں دبا رکھی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ بولتی بھی جا رہی تھی۔

''بس ان کا خطرہ ہے۔ وہ مجھے جگہ جگہ کھوجتے پھر رہے ہیں۔ وہ تو میں بہت تیز دوڑتی ہوں۔ ورنہ ان کے ہاتھ آ جاتی۔ بھگوان کرے......'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے کے پٹ زور سے کھلے اور وہ وحشت سے چیخ پڑی۔ اس کے ساتھ ہی بجلی سی کوند گئی۔ ایسی پی تلی چھلانگ لگائی تھی اس نے کہ سیدھی کھڑکی سے باہر جا گری۔ اس طرح دروازہ کھلنے سے دیوالی اور سندری بھی اچھل پڑی تھیں۔ ان کی گردنیں دروازے کی جانب گھوم گئیں۔ ایک ملازم تھا جو پانی کے برتن سنبھالے اندر آیا تھا اور احمقوں کی طرح منہ کھولے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً سندری اسے پانی لانے کی ہدایت کر کے آئی تھی۔ پھر دیوالی اور سندری۔ دونوں ہی نے کھڑکی کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ انہوں نے کھڑکی سے باہر جھانکا لیکن باہر بری طرح سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ لڑکی کا کہیں نام نشان بھی نہیں تھا۔ سندری نے کہا۔

''آؤ باہر نکل کر...... دیکھیں۔'' دیوالی بھی شدید تجسس کا شکار تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر نکل آئیں اور لڑکی کو تلاش کرنے لگیں۔ سندری نے چیخ کر کہا۔

''تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے وہ ہمارا ساتھی تھا جو تمہارے لئے پانی لایا تھا اگر تم درخت پر چڑھ گئی ہو تو نیچے آ جاؤ ہم لوگ تمہاری حفاظت کریں گے۔'' سندری نے کئی بار یہ الفاظ کہے لیکن آدھا گھنٹہ گزر گیا اور کہیں سے لڑکی کا نام نشان نہیں ملا۔ نجانے کیوں دیوالی کے ذہن میں ایک جھلاہٹ سی پھیلی ہوئی تھی۔ سندری کو کچھ غصہ سا آ رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہو کر ملازم سے بولی۔

''تم انسان ہو یا گدھے۔''

''پپ...... پپ پتہ نہیں۔'' ملازم بوکھلا کر بولا۔

''یوں بیل کی طرح ٹکر مار کر اندر آتے ہیں۔''

''نن...... نن...... نہیں۔''

”گدھے کہیں کے۔“

”تو اب مجھے بتائیں میں کیا کروں۔“

”دفع ہو جاؤ۔“

”پانی چھوڑ جاؤں جی۔“ اس نے پوچھا۔

”جاتے ہو یا بتاؤں ابھی۔“ سندری جھلا کر بولی اور ملازم پھرتی سے باہر نکل گیا۔ پھر سندری افسوس بھرے لہجے میں بولی۔ ”پتہ نہیں کون تھی بے چاری۔ کھانا اب بھی اس کی تقدیر میں نہیں تھا۔“ دیوالی بھی دکھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد سندری نے کہا۔

”پتہ نہیں کون لوگ اس کی تلاش میں تھے۔ مجھے تو اس بات کا افسوس ہے وہ سوکھے ٹکڑے مانگ رہی تھی، لیکن کھا بھی نہ سکی۔ ویسے بھول مجھ سے ہی ہوئی تھی۔ کھانے کے لئے نوکر کو جگانا پڑا تھا۔ یہ کھانا اسی کے پاس بچا ہوا رکھا تھا۔ میں نے اسے پانی لانے کے لئے کہا اور خود کھانا لے کر ادھر آ گئی۔ میرے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے تھے اس لئے میں نے اس سے کہہ دیا تھا مگر وہ تھی کون؟“

”میں کیا جانوں۔“ دیوالی بولی۔

”اس وقت بہت افسوس ہوا ہے مجھے۔“ دیوالی بھی بہت دکھ بھرے انداز میں اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بہر حال اس طرح نجانے کتنا وقت گزر گیا اور وہ دونوں اس کے بارے میں سوچتے رہے دفعتاً سندری نے کہا۔

”تمہیں اس کی صورت یاد ہے۔“

”ہاں کیوں۔“ دیوالی نے پوچھا۔

”بڑی خوبصورت تھی وہ۔“

”ہاں۔ پتہ نہیں بے چاری کس مصیبت میں گرفتار تھی، لیکن اس کے الفاظ۔“

”ارے ہاں عجیب وغریب الفاظ تھے اس کے۔“ سندری نے کہا اور دیوالی بھی اس کے الفاظ پر غور کرنے لگی۔

”لونا چماری، خون کا غسل، آخر ان باتوں کا کوئی نہ کوئی مطلب تو ضرور ہوگا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اسے قید میں رکھا گیا تھا۔ ضرور ایسی کوئی بات ہوگی۔ اس نے ایسا ہی کوئی منظر دیکھا ہوگا جس کی وجہ سے اس کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوا۔ نجانے کون تھی بے چاری اور کہاں سے آئی تھی۔“ بہر حال دونوں بہت دیر تک یہی سوچتی رہیں اور بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہیں۔ دوسری صبح دیوالی کی آنکھ بہت دیر تک نہیں کھلی تھی۔ جب وہ جاگی تو سندری

موجود نہیں تھی۔ دیوالی کی نگاہ خود بخود کھڑکی پر پڑی۔ اس نے املی کے درختوں کو دیکھا۔ رات کا سارا منظر آنکھوں میں اجاگر ہو گیا۔ وہ کسی خیال کے تحت اٹھی اور کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔ زمین کھڑکی سے زیادہ نیچے نہیں تھی۔ لڑکی کا خیال مسلسل دل میں آ رہا تھا اور نجانے کیوں ذہن میں یہ بات بھی آ رہی تھی کہ کہیں وہ خوفزدہ ہو کر دوبارہ املی کے درخت پر تو نہیں جا بیٹھی۔ یہاں بہت سے املی کے درخت تھے۔ جائزہ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ کھڑکی سے نیچے اتر کر املی کے درخت کے قریب پہنچ گئی۔ جس سے اس نے اسے اترتے دیکھا تھا۔ کچی زمین پر قدموں کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ لڑکی ننگے پاؤں ہی تھی اور اس کے قدموں کے نشان واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ اگر وہ کوئی دھوکہ ہوتی یا بری روح ہوتی تو قدموں کے یہ نشانات یہاں نہ ملتے۔ دیوالی ان نشانات کی کھوج کرنے لگی۔ نشان درخت سے کھڑکی تک آئے تھے اور اس کے بعد جب وہ واپس کھڑکی سے کودی تھی تو وہ زیادہ گہرے تھے۔ دیوالی ان کا جائزہ لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی لیکن پھر تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر یہ نشانات گم ہو گئے تھے۔ کیونکہ زمین سخت تھی اور اگر تھوڑے بہت نشانات اس پر بنے بھی ہوں گے تو ہوا نے انہیں مٹا دیا تھا۔

املی کے بہت سے درخت یہاں موجود تھے جن کی شاخیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ دیوالی بھرپور نگاہوں سے ان شاخوں کے درمیان جھانکنے لگی۔ ایک درخت کے نیچے پہنچی اور آوازیں دینے لگی۔ پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس آ گئی۔ اسے اس سلسلے میں مکمل ناکامی ہی ہوئی تھی۔ ابھی واپس کھڑکی کے نزدیک نہیں پہنچی تھی کہ سندری کی آواز سنائی دی۔

”لو تم بھی وہی کر رہی ہو جو دو گھنٹے تک میں کر چکی ہوں۔ نہیں بابا اب وہ املی کے کسی درخت پر نہیں ہے۔ وہ اس عمارت سے بھاگ نکلی ہے۔“ دیوالی نے سندری کی صورت دیکھی اور گردن جھٹک کر بولی۔

”بڑا افسوس ہو رہا ہے اس کے لئے۔“

”افسوس تو ہمیں بھی ہے مگر اب کیا کیا جائے۔ آؤ اندر آؤ ناشتا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ میں نے تمہاری وجہ سے کچھ نہیں کھایا۔ بہت دیر سے ناشتا رکھا ہوا ہے۔“ کھڑکی کے راستے سندری اور دیوالی اندر داخل ہوئی تھیں۔ پھر سندری نے ناشتے کی ٹرے اٹھا کر آگے رکھ لی۔ اچانک ہی دیوالی کو کچھ یاد آیا اور اس نے کہا۔

”وہ ملازم جو رات کو آیا تھا۔“

''ہاں دیپک ہے اس کا نام۔''

''کہاں ہے وہ۔''

''جا چکا ہے۔''

''ویسے ایک بات بتاؤ یہ اکاس پور کتنا بڑا شہر ہے۔''

''بہت بڑی آبادی ہے۔ تم اگر چاہو تو میں تمہیں یہاں کی سیر کرادوں گی۔'' سندری نے کہا۔

''تعجب کی بات ہے مہارانی چندر ریکاوتی مجھے یہاں لانے کے بعد بھول ہی گئیں۔''

''تو تمہارا کیا خیال تھا وہ تمہیں ہی یاد کر کے روتی رہتیں۔'' سندری نے کسی قدر جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ سندری۔''

''ہاں پوچھو۔''

''جادوٹونے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔''

''واسطہ نہیں پڑا کبھی۔ حالانکہ لوگ طرح طرح کی کہانیاں سناتے ہیں۔ کوئی ان خوبصورت چڑیلوں کی داستانیں سناتا ہے جو راہ گیروں پر عاشق ہو جاتی ہیں اور راہگیروں کے مزے ہو جاتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ایسی داستانیں سن کر جی چاہتا ہے کہ ہم بھی کوئی چڑیل ہوتے، لیکن بدقسمتی سے وہ بھی نہیں ہیں۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا۔ کیا تمہارے خیال میں رات والی لڑکی......''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو املی کے درخت سے نیچے اتری تھی۔''

''کیا۔'' سندری چونک کر بولی۔

''ہاں۔ میری آنکھ کھل گئی تھی پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی کہ میں نے اسے املی کے درخت سے نیچے اترتے دیکھا اور اس کے بعد وہ کھڑکی سے اندر آ گئی۔''

''ڈرا رہی ہو مجھے۔'' سندری خوفزدہ ہنسی کے ساتھ بولی اور دیوالی کو بھی ہنسی آ گئی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''قق......قق قسم کھاؤ۔ ویسے تم زیادہ سمجھدار ہو۔ مجھے بتاؤ کہ کیا وہ واقعی کوئی چڑیل ہو سکتی ہے۔'' سندری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہاں ہو تو نہیں سکتی۔ مگر ہمیں چڑیلوں کا تجربہ بھی تو نہیں ہے۔ تم بہت کٹھور ہو دیوالی

ڈرا دیا ہے۔ حالانکہ اتنے عرصے سے یہاں رہتی ہوں۔ مگر نجانے کیوں مجھے اب یہ جگہ بھوت گھر لگنے لگی ہے۔'' دیوالی کو ہنسی آ گئی، سندری بولی۔

''آؤ تمہیں گھما کر لاؤں۔''

''اور اگر بھوت یہ سامان اٹھا کر لے گئے تو۔''

''بھئی اب میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے اب اس ویران جگہ سے ڈر لگنے لگا ہے۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ سندری۔''

''ہاں پوچھو۔''

''اگر وہ رات کو ہمارے کمرے میں رہ جاتی تو۔''

''تو مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ ایک بھوتنی ہے۔ سنا ہے بھوتنی اور چڑیلیں ایسے ہی درختوں پر بسرا کرتی ہیں۔''

''ارے باپ رے میں تو تم سے پہلے اسے ان املی کے درختوں پر تلاش کرتی پھری ہوں۔ یہ سوچ کر کہ کہیں وہ کسی شاخ پر سو نہ رہی ہو۔ پتہ نہیں ڈری ہوئی تھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی تم سے۔''

''نہیں بھوکی تھی بس بے چاری۔ میں نے باتیں کرنے کی کوشش کی تو جھلا گئی کہنے لگی بھوکی ہوں مجھ سے بولا نہیں جا رہا۔ تم سوال پر سوال کیے جا رہی ہو۔''

''تو پھر چڑیل نہیں ہو گی۔ بھلا بھوت پریت کھانے پینے سے کیا دلچسپی رکھتے ہوں اور اگر ان کا من چاہے بھی تو ان کے لئے کیا مشکل۔ جہاں مرضی سے چاہیں حاصل کریں۔ پتہ نہیں یہ کیا مصیبت ہم پر ٹوٹی تھی۔'' سندری واقعی ڈری ہوئی نظر آ رہی تھی۔

دیوالی کو تعجب ہوا اس ٹوٹے پھوٹے کھنڈر میں تو سندری کالی دیوی کے مندر میں رانی چندر ریکاوتی کے ساتھ تھی اور اب اس طرح خوف کا اظہار کر رہی تھی۔ یہ تو بڑی عجیب بات تھی اور اس بات سے یہ سوچا جا سکتا تھا کہ سندری بننے کی کوشش کر رہی ہے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اس مندر سے عقیدت ہو۔ یہ سوال بھی دیوالی نے سندری سے کر ہی ڈالا۔

''ایک بات بتاؤ سندری۔ یہ ہماری مہارانی چندر ریکاوتی کیا کالی کی پجارن ہے۔ وہ دور دراز مندر میں کیا کر رہی تھی۔''

''دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اتنی زیادہ کھوج مت کرو۔ ہاں اگر مہارانی خود تمہیں کچھ بتائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اس چکر میں مت پڑو۔''

''مہارانی تو مجھے یہاں بلا کر بھول ہی گئیں۔''

''بڑی بے وقوف ہو۔ جتنی بڑی شخصیت ہے ان کی تم نے شاید انہیں سمجھا نہیں ہے۔ تمہیں یہاں لے ہی آئی ہیں تو بہت بڑی بات ہے۔ آرام سے رہو جب بھی وہ بلائے چلی جانا۔'' دیوالی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ رات کی تنہائیوں میں اکثر اسے گزرے ہوئے دن یاد آتے تھے۔ مگر اس نے یہاں کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔ ویسے بھی ابھی تک تعلق صرف سندری سے ہی رہا تھا اور کوئی تھا بھی نہیں جس سے بات چیت کرتی۔

بہرحال انتظار کرتی رہی۔ اس دوران سندری نے اسے یہ محل دکھایا تھا۔ زمانہ قدیم میں محلوں کا کیا تصور ہوتا ہوگا یہ ایک الگ بات ہے مگر اس دور میں محل وغیرہ کہاں ہوتے ہین۔ یہ بھی ایک کلاسیکل چیز تھی۔ یہ محل بھی محل کہاں تھا اسے حویلی کہا جاسکتا تھا۔ پرانے طرز کی ایک بہت خوبصورت اور صاف ستھری حویلی۔ ملازمین وغیرہ بھی کافی تھے۔ ویسے یہ سچ تھا کہ ریاستیں بے شک ختم ہوگئی تھیں لیکن ان کی باقیات آج بھی اسی شان و شوکت کی حامل تھیں۔ حویلی میں ملازموں کی جیسے پوری فوج موجود تھی جدھر کو رخ کرو ملازم نکلے چلے آرہے ہیں۔ بڑی شاندار شاندار جگہیں تھیں دیوالی نے ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ دیکھا۔ جس میں خوبصورت قیمتی قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں پر بہت ہی خوبصورت تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ سنگی مجسمے لگے ہوئے تھے۔ قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ جو یقینی طور پر اس خاندان کے بزرگوں کی تھیں۔ دیوالی نے گہری نظروں سے اس محل کا جائزہ لیا تھا بہرحال سندری اسے ہر بات سمجھا دیا کرتی تھی۔ پھر ایک شام اسے اس محل یا حویلی کے ایک خاص کمرے میں طلب کرلیا گیا اور یہ طلبی دیوان پھول داس کی طرف سے ہوئی تھی۔ دیوان پھولداس کو دیوالی نے پہلے نہیں دیکھا تھا، لیکن بہرحال...... اسے...... پھول داس کے پاس لایا گیا تھا۔ دیوالی نے پھولداس کو دیکھا بس اپنے نام کا اپوزٹ تھا۔ بالکل کالی رنگت اتنا کالا کہ شاید اندھیرے میں نظر بھی نہ آئے۔ بڑی بڑی مونچھیں جو اس کے رخساروں سے بھی نکلی ہوئی تھیں۔ خاص قسم کا لباس پہنے ہوئے۔ آنکھیں گہرے سیاہ چہرے پر بالکل سفید سفید نظر آرہی تھیں، لیکن چہرہ بہت بڑا اور رعب دار تھا۔ اچانک ہی پھولداس کی نگاہیں دیوالی کے چہرے پر جمی کی جمی رہ گئیں۔ نجانے کیوں وہ اسے انتہائی غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک تغیر سا محسوس ہورہا تھا۔ اس کی تیز آنکھیں دیوالی کا جائزہ لیتی رہیں۔ بہرحال اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا، لیکن نجانے کیوں دیوالی کے دماغ میں ایک خلش سی پیدا ہوگئی۔ دیوان پھولداس کے چہرے پر چونکنے کا سا انداز تھا۔ نجانے وہ کیوں چونکا تھا بہرحال اس نے کچھ کہا نہیں۔ سندری البتہ اس سے بات کرتی

''رانی جی کب تک یہاں آئیں گی۔''

''کیوں کیا وہ تمہارے حکم کی پابند ہیں۔ آجائیں گی۔'' دیوان سندری سے بات کر رہا تھا لیکن دیوالی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ کالے رنگ کا ہونے کے باوجود اسے بد شکل نہیں کہا جاسکتا تھا، لیکن وہ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر دیوان پھولداس نے تھوڑی دیر کے بعد آکر کہا۔

''رانی جی اس وقت تم سے نہیں مل سکیں گی۔ بعد میں تمہیں بلالیا جائے گا۔'' دیوان پھولداس یہ کہہ کر چلا گیا۔ سندری نے کندھے ہلائے۔

''عجیب نہیں ہیں یہ رانی جی۔''

''خاموش رہو، خاموش رہو۔ ایسی بات کرکے کیوں اپنی جان خطرے میں ڈالنا چاہتی ہو۔'' بہرحال دونوں اپنی رہائش گاہ میں آگئیں، لیکن نجانے کیوں دیوالی کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہورہا تھا۔ اسے جنم جنم کی کہانیاں یاد آرہی تھیں۔ یہ دیوان پھولداس کہیں اس کے ماضی کا تو کوئی حصہ نہیں ہے۔ مہاراج جے راج سے کئی بار ماضی کے بارے میں بات چیت ہوئی تھی۔ انہوں نے کئی بار ہمیشہ ایک ہی بات کہی تھی کہ اگر ان چکروں میں پڑو گی تو نجانے کیسی کیسی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ہزاروں بار دیوالی کے من میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ اپنے محبوب کو تلاش کرے اور جو قوتیں اسے حاصل ہوگئی تھیں، ان سے اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ ان کی مدد لے کر اپنے جنم جنم کے ساتھی کو تلاش کرے لیکن کبھی کبھی اسے خود بھی اپنے اس خیال پر ہنسی آنے لگتی تھی۔ جنم جنمان کی باتیں بھگوان جانے۔ بلکہ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے مجھے اور ڈاکٹر نریشا کو مستقل طور پر بے وقوف بنا دیا گیا ہو۔ ورنہ دوسرے میرے جنم کی کہانیاں کیسے سنا سکتے ہیں۔ بھگوان نے میرے پاؤں کے بنادیئے اور ان پیروں کی وجہ سے مجھے اس سنسار میں اپنا جیون گزارنے کے لئے بہت سے سہارے بھی حاصل ہوگئے۔ بجائے اس کے کہ میں اسی پر قناعت کرتی۔ نجانے کیسے کیسے چکروں میں پڑ کر در بدر ہورہی ہوں۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ اپنے گھر واپس جاؤں آرام سے بیٹھ کر آگے گزرنے والے واقعات کا انتظار کروں۔

خیر ایک بار پھر ان لوگوں کو طلب کرلیا گیا۔ اس بار بھی ملازم انہیں بلانے آئے تھے اور اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے پہلے یہ ناکام واپس آئے تھے۔ پھر اس کے بعد پتہ چلا کہ رانی جی آرہی ہیں اور پھر اس کے بعد رانی جی آگئیں۔ کئی افراد تھے ان کے

بیچ۔ رانی جی چلی آ رہی تھیں۔ دیوالی بھی کھڑی ہو کر ان کی شان و شوکت کو دیکھنے لگی۔ پیچھے خادمائیں۔ کچھ خادم، ساتھ میں پھولداس بھی نظر آ رہا تھا۔ چندریکا وتی انتہائی دراز قامت تھی۔ اس کا اندازہ تو دیوالی کو پہلے بھی ہو چکا تھا۔ مگر اس وقت اس نے اسے جس حالت میں دیکھا تھا۔ یہ عالم اس وقت ذرا مختلف تھا۔ وہ ایک انتہائی قیمتی ساڑھی زیب تن کئے ہوئے تھی اور اس ساڑھی میں اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں۔ گورنگت سیاہ تھی، لیکن کیسی سیاہ گھٹاؤں جیسے لمبے لمبے بال۔ چہرے پر گلوں کا بانک پن اور آنکھوں میں بجلیاں سی کوندتی ہوئی۔ بڑے وقار سے وہ ایک ایک قدم رکھتی ہوئی آ رہی تھی۔ دیوالی نے محسوس کیا کہ پھولداس آہستہ آہستہ رانی سے کچھ کہہ رہا ہے۔ جس کے جواب میں رانی چندریکا وتی نے خصوصاً دیوالی کو دیکھا اور پھر اس کی نظریں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔ دیوالی کو یوں لگا جیسے کچھ انگلیاں اس کے چہرے کو ٹٹول رہی ہوں۔ بے اختیار اس کا دل چاہا کہ اپنا چہرہ ٹٹول کر ان انگلیوں کو تلاش کرے، لیکن پھر خود کو سنبھال لیا۔ چندریکا بالکل قریب آ گئی تھی۔ دیوالی نے اس سے آنکھیں ملائیں اور دیوالی کے دونوں ہاتھ ماتھے سے جا لگے۔ اس کی پُرشوق نظریں مسلسل دیوالی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھولداس نے رانی سے کچھ کہا اور رانی جیسے سنبھل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''آؤ، بیٹھو۔''

''جی رانی صاحبہ۔ بہت بہت دھنے واد۔'' دیوالی نے کہا اور رانی کے اشارے پر بیٹھ گئی۔ باقی سب لوگ کھڑے ہی رہے تھے۔ جبکہ رانی سامنے ایک اور نشست پر بیٹھ گئی۔

''اسے یہاں چھوڑ دو اور سنو! اسے اب مہمان خانے میں نہ لے جانا بلکہ اس کے لئے ہمارے محل کے عقبی حصے میں ایک کمرہ تیار کرا دو۔''

''جی مہارانی جی۔'' پھولداس نے جواب دیا۔ رانی اس کے بعد کھڑی ہو گئی اور ایک ایک قدم بڑھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ پہلے تو یوں لگا تھا۔ جیسے وہ اس سے بیٹھ کر باتیں کرے گی، لیکن نجانے یہ تبدیلی کیوں رونما ہوئی تھی۔ پھولداس تو ساتھ ساتھ ہی باہر نکل گیا لیکن سندری دیوالی کے پاس کھڑی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے دیوالی سے کہا۔

''تمہارے تو بھاگ کھل گئے دیوالی۔''

''کیوں.....''

''مہارانی جی نے جس انداز میں تمہارے لئے یہ بات کہی ہے وہ کوئی معمولی بات

نہیں ہے پتہ نہیں کیوں وہ تم پر اتنا مہربان ہوئی ہے۔''

''ہاں ہوئی تو ہے لیکن میں یہاں محل میں نہیں رہنا چاہتی۔''

''ارے باپ رے، کیا بک رہی ہو۔ رانی جی نے کہا ہے۔ بھلا مجال ہے کہ ان کے حکم کی تعمیل نہ ہو۔ انہوں نے پوچھنے تک کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تم سے کہ تم رکنا چاہتی ہو یا نہیں۔ بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ راج محلوں کی کہانیاں ذرا مختلف ہوتی ہیں ویسے ایک بات کہوں دیوالی۔ تقدیر بنتے دیر نہیں لگتی۔ میں کہتی ہوں دیکھو تو سہی تم رانی صاحبہ کی جس طرح تم پر نگاہ ہے جس طرح وہ مندر سے تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ یقیناً اس کے پس منظر میں کوئی خاص بات ہو گی۔'' دیوالی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔

بہرحال دیوالی کی رہائش تبدیل کر دی گئی۔ محل کے بغلی حصہ میں بنے ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں اسے جگہ دی گئی تھی۔ ہر طرح کا خیال رکھا گیا تھا۔ اس کے دماغ میں بہت سے خیالات تھے مگر وہ بے سکون نہیں تھی۔ بے شک جے راج کی دی ہوئی شکتی اب اس کے کام نہیں آ رہی تھی، لیکن خود وہ اپنے آپ کو کوئی معمولی شخصیت نہیں سمجھتی تھی۔ وجے کپور کے سکھائے ہوئے بہت سے شعبدے اب بھی اسے یاد تھے۔ بے شک رانی صاحبہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ وہ کوئی بدروح نہیں ہے، لیکن دوسرے لوگوں کو وہ آسانی سے اپنے جال میں پھانس سکتی تھی۔ رات خوشگوار گزری۔ دوسرا دن بھی گزر گیا کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ شام کو دیوان پھولداس آیا اور اس نے دیوالی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیوالی ہے تمہارا نام۔''

''ہاں۔''

''رانی جی نے تم سے تمہاری خیریت معلوم کی ہے اور کہا ہے کہ انہیں تم سے کچھ کام ہے۔ تمہیں کچھ دن یہاں آرام کرنا ہو گا۔ تمہیں کوئی جلدی تو نہیں ہے۔''

''نہیں۔''

''ویسے دیوالی ایک بات میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ تم ہماری مہمان ہو قیدی نہیں ہو۔ محل بہت بڑا ہے گھومو، پھرو، اس جگہ رہنا پسند نہ ہو تو جس جگہ کہو تمہارے لئے رہنے کا بندوبست کر دیا جائے گا۔''

''نہیں مہاراج یہاں ہر طرح کا آرام ہے۔''

''ٹھیک دیوالی تمہارے ماتا پتا کہاں ہیں۔''

''بدلیس میں ہیں۔ یہاں نہیں۔''

''بدلیس۔''

''ہاں۔'' ایک بار پھر دیوالی کو احساس ہوا کہ دیوان پھولداس اس کا بہت حیرت سے جائزہ لے رہا ہے۔ اس کے چہرے پر پھر ایک بار شک کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''اور تم جہاں سے یہاں تک آئی ہو وہاں کیا کر رہی تھیں۔''

''بس سیر و سیاحت کی رسیا ہوں۔ گھومنے پھرنے نکل گئی تھی۔'' دیوان پھولداس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''حالانکہ تم جانتی ہو کہ تم سچ نہیں بول رہیں، لیکن بہرحال مجھے کوئی ایسی ہدایت نہیں کی گئی کہ میں تمہارا سچ سنوں۔ یہاں سب لوگ آزاد ہیں۔ بے شمار داسیاں، باندیاں ہیں کسی کو کسی سے ملنے پر پابندی نہیں ہے۔ ہنسی خوشی سے سمے گزارو تم رانی جی کی مہمان ہو۔ کسی ایرے غیرے کی نہیں۔ میں سندری کو تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ کیونکہ شروع ہی سے اس کا اور تمہارا ہی ساتھ رہا ہے۔'' یہ کہہ کر پھولداس باہر نکل گیا۔ دیوالی دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔ یہ تمام تر صورتِ حال بہت پُراسرار تھی۔

بہرحال کچھ دیر بعد دروازے سے سندری داخل ہوئی۔ وہ مسکرا رہی تھی اور خوش نظر آ رہی تھی۔ ''دیکھا میں آ گئی ناں۔''

''سندری میں یہاں بہت کچھ عجیب عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔''

''سہیلی بن چکی ہوں تمہاری جو مشورہ تمہیں دوں گی تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا۔ مانو گی ناں میری بات۔''

''بولو، بولو۔''

''تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ رانی چندریکا تمہیں یہاں لائی ہے ہو سکتا ہے ان کے من میں کوئی خاص بات نہ ہو۔ بس تم انہیں پسند آ گئی ہو اور وہ تمہیں یہاں لے آئی ہیں۔ چنانچہ آرام سے سمے گزارو۔''

''اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو۔''

''اگر ایسی ویسی بات ہونی ہوئی تو اسے کوئی نہیں روک سکتا، آؤ باہر چلیں۔ بڑی پیاری ہوا چل رہی ہے باہر۔ تمہیں پھول کیسے لگتے ہیں۔''

''پھول کسے پسند نہیں ہوتے۔''

''کیوں نہیں تم خود بھی تو پھول ہی ہو۔'' سندری بولی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آؤ میں تمہیں پھول کم لے چلوں، آؤ ناں۔'' دیوالی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

صا فاصلہ طے کر کے محل کے عقبی حصے میں پہنچیں۔ گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ہر طرف ہی ہریالی تھی۔ جگہ جگہ حوض میں فوارے بنے ہوئے تھے اور ان کے گرد سنگی مجسمے یزاں تھے۔ انتہائی حسین سنگی مجسمے جنہیں بڑی مہارت سے تراشا گیا تھا۔ یہ سب مختلف رکھتے تھے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان مجسموں نے باغ کا حسن بڑھا دیا حل کے عقبی حصے میں یہ علاقہ بہت خوبصورت تھا۔ ابھی مدھم مدھم روشنی بکھری ہوئی تھی، شام کہیں سے جھکتی آ رہی تھی۔ ہوا چل رہی تھی اگر موسم اور ماحول کے لحاظ سے دیکھا ئے تو یہ جگہ انتہائی حسین کہی جاسکتی تھی۔ عجیب و غریب خوشبو چاروں طرف بکھری ہوئی ۔ ایک موڑ مڑنے کے بعد دیوالی نے جو منظر دیکھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ انسانی ہاتھوں کا نامہ تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ پھول جیسے دیواروں میں اُگے تھے۔ کہیں بلند کہیں پست ہیں اونچے کہیں نیچے سب کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور پھولوں کے بیچ و بیچ ے اس طرح آویزاں تھے۔ جیسے کوئی پھولوں کے درمیان چلتے چلتے رک گیا ہو۔ ایک حوض اس طرف بنا ہوا تھا۔ جس کے کنارے بیٹھنے کی جگہ بھی تھی۔ اسے مجسموں کی نگری جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ بہت بڑی بات تھی۔ ایسے مجسمے معمولی لوگوں کے پاس نہیں کتے تھے۔ شوقین لوگ بے شک سنگی مجسمے آویزاں کرتے ہیں، لیکن اتنی تعداد میں نہیں، عام لوگ راجہ رانی بھی تو نہیں ہوتے۔ سندری دیوالی کو لیے اس سمت آ گئی۔ حوض کے ک کر اس نے مسکراتی نگاہوں سے دیوالی کی طرف دیکھا اور کہا۔

''یہ ہے ہمارا پھول کم۔''

''ہائے رام بڑی سندر جگہ ہے۔'' دیوالی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''ہمارے مہاراج اودھے چند پھولوں کے رسیا ہیں۔ بس یوں سمجھ لو دیوالی کہ انہوں اس حصے کو پھولوں سے آراستہ کرنے کے لئے اتنی دولت خرچ کی ہے کہ اس سے ایک نیا بسائی جاسکتی ہے۔'' یہ نیا نام دیوالی کے علم میں آیا تھا۔ یعنی راجہ اودھے چند۔ اس کے سے بے اختیار نکل گیا۔

''راجہ اودھے چند۔''

''ہاں مالک ہیں ہمارے۔ اس محل کے مالک۔ رانی چندریکا انہی کی تو دھرم پتنی ہیں۔ نہیں جانتی نہ ہوگی۔''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔''

''آؤ بیٹھو، بیٹھ جاؤ۔ نجانے کیوں تم گھبرائی گھبرائی سی ہو۔ کیا بات ہے ایسی۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔''

''میں نے تم سے کہا ناں، جب منش کے بس میں کچھ نہ رہے تو اسے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہیئے۔''

''راجہ اودھے چند کہاں ہوتے ہیں۔''

''یہیں ہوتے ہیں۔ تم کہاں سے دیکھ لیتیں انہیں۔ ابھی آئے ہوئے سمے ہی کتنا بیتا ہے تمہیں۔ ویسے بھی راجہ جی بیمار ہیں۔''

''ہوں۔'' دیوالی نے آہستہ سے کہا اور سندری گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ''اچھا یہ بتاؤ کوئی مست کرنے والی چیز پیو گی۔''

''مثلاً۔'' دیوالی نے سوال کیا۔

''سوم رس پیا ہے کبھی۔''

''نہیں، سوم رس کیا چیز ہوتی ہے۔''

''سنسار بھلا دینے والا شربت۔''

''نہ بابا نہ میں سنسار بھلانا نہیں چاہتی۔''

''اتنے خوبصورت موسم میں بھی، چاروں طرف بکھرے ہوئے پھول، ہر طرف گنگناتی ہوئی ہوائیں اور ایسے میں اگر سوم رس کا ساتھ ہو جائے تو سمجھ لو کہ جیون کی ہر خوشی پوری ہو جاتی ہے۔''

''نہیں مجھے نہیں چاہیئے۔''

''تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں تمہارے لیے۔ ادھر مہاراج پھولداس کہتے ہیں کہ مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس کا دل بہلاؤ۔ اس سے باتیں کرو۔ وہ جو چاہے اس کی سیوا کرو اور تم ہو کہ ٹھیک سے بول بھی نہیں رہی ہو مجھ سے۔''

''نہیں سندری ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے مجھے بہت پسند آئی اور میں تم سے کیا باتیں کروں۔''

سندری کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر بولی۔ ''اچھا رکو میں ابھی آتی ہوں۔ تم میری غیر موجودگی میں گھبراؤ گی تو نہیں۔''

''نہیں۔'' دیوالی نے جواب دیا اور سندری اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ دیوالی اسے [illegible]

دیکھتی رہی تھی۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو دیوالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رات کی دھندلاہٹیں پھیل گئی تھیں۔ پھولوں کے رنگ ماند پڑ گئے تھے۔ بڑا طلسمی ماحول تھا۔ ہر طرف ایک پُراسرار اداسی ماحول میں پھیل گئی تھی۔ یوں لگتا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ جیسے ابھی کچھ ہونے والا ہے۔ پھولوں کا سکوت اور اس میں کھڑے ہوئے خاموش مجسمے سب کے سب کسی انہونی بات کے منتظر تھے۔ یا اس ماحول نے یہ احساس دیوالی کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ کچھ عجیب سے حالات تھے۔ دیوالی کو وہ لڑکی یاد آئی جو املی کے درخت سے نیچے اتری تھی اور دیوالی کے دل پر ایک عجیب سا نقش چھوڑ گئی تھی۔ بڑی عجیب باتیں تھیں اس کی۔ ''ہوسکتا ہے پاگل ہو وہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے؟'' اس انداز میں دیوالی نے بالکل نہیں سوچا تھا۔

اچانک اسے ایک آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑی۔ کسی نے ''شی'' کی آواز منہ سے نکالی تھی۔ بالکل ایسی آواز جیسے کوئی کسی کو خفیہ طور پر مخاطب کرتا ہے۔ وہ آواز دیوالی نے صاف سنی تھی وہم نہیں تھا اس کا۔ دوسری مرتبہ وہ آواز دو مرتبہ سنائی دی۔ ''شی شی۔'' اور دیوالی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ یقیناً کوئی رازداری سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا مگر کون؟ دیوالی کی گردن چاروں طرف گھومنے لگی۔ مگر خاموشی...... پھولوں اور پتھروں کے مجسموں کے سوا کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اچانک کچھ فاصلے پر روشنی ابھری اور دیوالی کے حلق سے آواز نکل گئی۔ اس روشنی میں اس نے دو انسانی سائے دیکھے تھے۔ دیوالی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں گھورنے لگی۔ وہ روشنی کے پاس سے ہٹ گئے اور کچھ دیر بعد دیوالی کو ان سایوں کا راز معلوم ہو گیا۔ محل کے ملازم تھے جو جگہ جگہ لوہے کے پول میں لگے ہوئے کاربائیٹ کے شیشے والے لیمپ روشن کرتے پھر رہے تھے۔ یہ لیمپ رنگین شیشوں والے تھے اور ان کے روشن ہونے سے اس جگہ کا حسن بڑھنے لگا تھا۔ ملازم اپنا یہ کام کرتے ہوئے دیوالی کے پاس سے گزرے انہوں نے رک کر دیوالی کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئے۔

''اے بھگوان کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ محل یہ حویلی کوئی حقیقت ہے یا کوئی ویسے ہی طلسم۔'' جس کے بارے میں دیوالی نے بے شمار کہانیاں سن رکھی تھیں۔ [illegible] میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر رات کی تاریکیوں نے ماحول کو نگلنے کی کوشش [illegible] لیکن ان روشنیوں نے رات کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ بلکہ رنگین شیشوں نے [illegible] خوابناک بنا دیا تھا اور اب ہر چیز کو صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ [illegible] دیوالی [illegible] شی کی [illegible] ابھری۔

اور دیوالی کے اعصاب تن گئے ایک پھر سرگوشی ابھری۔ ''ادھر اس طرف، اس طرف بائیں سمت۔'' دیوالی بے اختیار بائیں طرف گھوم گئی۔ اس کے بائیں سمت پھولوں کے درمیان سنگ مرمر کا بے جان مجسمہ ایستادہ تھا۔ پتھریلا اور ساکت۔

''قریب آؤ میرے پاس آ جاؤ۔ ورنہ سندری آ جائے گی۔'' آواز مجسمے ہی سے ابھری تھی۔ دیوالی نے اپنے آپ کو لاکھ سنبھالنے کی کوشش کی لیکن پورے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ وہ وحشت بھری نظروں سے اس مجسمے کو دیکھنے لگی۔ اس کے پتھریلا ہونے میں کوئی شک نہیں تھا لیکن وہ بول رہا تھا۔ دیوالی حیرت اور تجسس میں ڈوبی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور اس مجسمے کے قریب پہنچ گئی۔ یہ ایک خوبصورت نوجوان کا بت تھا۔ پتھریلا اور بے جان، لیکن اس کے قریب پہنچ کر دیوالی کو مایوسی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے ہونٹوں سے ابھرنے والی آواز اس نے صاف سنی تھی۔

''بھاگ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ کال نگر ہے کایا جال پڑ گیا ہے تم پر۔ ایک بار جال اوڑھ لیا تو پھر کبھی نہ جا سکو گی۔ بھاگ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

''کون ہو تم۔'' دیوالی نے پوچھا۔

''بھاگ جاؤ جلدی بھاگ جاؤ۔ دیکھو وہ آ گئی۔'' مجسمہ خاموش ہو گیا۔ دیوالی نے گردن گھما کر دیکھا۔ سندری آ گئی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں۔ چھ سات لڑکیاں۔ مجسمہ پھر پتھریلے انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔ دیوالی نے کہا۔

''تم کون ہو مجھے بتاؤ۔ وہ ابھی دور ہیں ہماری آواز نہیں سن سکیں گی۔'' مگر مجسمے کی آواز دوبارہ سنائی نہ دی۔ دیوالی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اب نہیں بولے گا۔ سندری قریب آ گئی تھی۔ دوسری لڑکیاں کچھ فاصلے پر رک گئیں۔ وہ بہت خوبصورت جھلملاتے لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ان کے پیروں میں بجنے والے زیور تھے اور ہاتھوں میں...... پھولوں کے درمیان پھلوں کے تھال۔ دیوالی کو دیکھتے ہی انہوں نے پھولوں کے درمیان گھاس پہ چاندنی بچھا دی۔ تھال سجا دیئے، سندری بولی۔

''آؤ دیوالی بیٹھو کیسی لگی یہ جگہ تمہیں۔ کیا یہ سنسار کا سورگ نہیں ہے۔ تم نے کہیں ایسا دیکھا ہے۔''

''یہ مجسمے کس نے بنائے ہیں۔'' دیوالی نے پوچھا۔

''سنگ تراشوں نے جس طرح ہمارے مہاراج نے یہ پھول یہاں لگوائے ہیں۔ اسی طرح سنگ تراشوں نے مجسمے یہاں لگائے ہیں، کیسے لگے تمہیں۔'' سندری نے پوچھا۔

''بالکل جیتے جاگتے لگتے ہیں۔'' دیوالی بولی اور سندری ہنسنے لگی۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے یہ بالکل اصلی ہوں۔''

''اسی پر تو ہنس رہی ہوں اصلی ہی ہیں یہ۔''

''کیا مطلب۔'' دیوالی نے سوال کیا۔

''ماہر پتھر تراشوں نے انہیں اصلی جیسا ہی تو بنا دیا ہے۔ آؤ بیٹھو، ہوائیں کیسی پیاری لگ رہی ہیں۔'' سندری نے دیوالی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور دیوالی چاندنی پر جا بیٹھی۔ سامنے رکھے ہوئے میووں کے تھال دیکھے۔ بیچ کے ایک بڑے تھال میں سونے کے گلاس اور سونے ہی کی صراحی رکھی ہوئی تھی۔ سندری نے دیوالی کے سامنے بیٹھ کر گلاسوں میں کوئی رنگین مشروب انڈیلا اور مسکراتی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھنے لگی۔ وہ لڑکیاں جو دیوالی کے ساتھ آئی تھیں۔ قطار بنا کر بیٹھ گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے خوبصورت ساز دبے ہوئے تھے۔ کسی کے پاس ستار اور کسی کے پاس بربط، آخر کار ایک خوبصورت نغمے کی دھن چھیڑ دی گئی۔

ماحول ویسا ہی رنگین اور حسین تھا۔ خوشبوئیں بکھیرتے ہوئے پھول آسمانوں پر مدھم مدھم دھندلاہٹیں ستاروں کی ٹمٹماہٹ، نیچے رنگین شیشوں سے ابلتی روشنی کی شعاعیں جو مخصوص زاویوں سے لڑکیوں کو سحر انگیز بنا رہی تھیں۔ سامنے سندری اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ایک انسان پر قدرتی طور پر سحر طاری کرنے کے لئے کافی تھی۔ اپنے گاؤں میں دیوالی نے بڑے شرارت بھرے کھیل کھیلے تھے۔ اس کے بعد شہری زندگی میں بہت کچھ ملا تھا، لیکن اس وقت کا ماحول اس کے لئے بڑا عجیب و غریب تھا۔ سندری نے گلاس اٹھایا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ امرت جل ہے۔ میرے ہاتھوں سے پی لو اور امر ہو جاؤ۔'' دیوالی نے گردن ہلائی اور بولی۔

''نہیں میں امرت جل پی کر امر نہیں ہونا چاہتی۔''

''دیکھو کایا کے کھیل الگ الگ ہوتے ہیں۔ انسان ہو انسان ہی رہو بھگوان نے جب یہ سب تمہیں دیا ہے تو تم نجانے کس جال میں الجھی ہوئی ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے سنسار کی ہر بات کو بھول جاؤ۔ یہ نغمہ سنو اور اسے اپنے دل میں اتارو، یہ امرت جل پیو اور امر ہو جاؤ۔'' اس نے آگے بڑھ کر اپنا رخسار دیوالی کے رخسار پر رکھ دیا۔ ایک عجیب سی تمتماہٹ تھی اس کے اندر، لیکن ظاہر ہے دیوالی متاثر نہیں ہو سکی تھی اس نے آہستہ سے اس کے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت بہت شکریہ سندری! تم نے بہت اچھے طریقے سے میری خدمت اور میری پذیرائی کی ہے۔ رانی چندریکاوتی نے مجھے یہاں بلایا اس کی بھی بڑی مہربانی۔ بڑی اچھی مہمان نوازی کی اس نے میری، لیکن بس جو کام میں نہیں کر سکتی وہ میں نہیں کروں گی۔'' سندری ایک دم پیچھے ہٹ گئی اس نے عجیب سی نظروں سے دیوالی کی طرف دیکھا اور اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولی۔

''تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔'' اس کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بس تم میرے پاس بیٹھی رہو۔ باتیں کرتی رہو اتنا ہی کافی ہے۔ اگر ہو سکے تو مجھے یہ بتا دو کہ یہ سب کچھ تم کیوں کر رہی ہو؟'' سندری نے ہونٹ سکوڑ کر گلاس واپس تھال میں رکھ دیا اور بولی۔

''میں کیوں کرتی یہ سب کچھ۔ بس مجھے تو حکم دیا گیا تھا کہ مہمان کا جی خوش کروں اسے بہلاؤں۔ ذرا بھی اداس نہ ہونے دوں۔ میں تو یہی سوچ رہی تھی کہ امرت جل کے دو گلاس پی لو تم۔ میں تمہیں ناچ دکھاؤں گی۔''

''جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہے سندری میری طرف سے ان سب کا شکریہ ادا کر دو۔ میں اصلیت اور حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔ میں کون ہوں کیا ہوں۔ یہ تم بھی نہیں جانتیں آہ، کاش اگر میں وہی سب کچھ ہوتی جو میں تھی۔ تو میرے پاس تمہاری ان باتوں کا بہترین جواب ہوتا۔ میں کسی چیز سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔ سمجھیں، بس یوں سمجھ لو۔ سے بتانے آئی ہوں یہاں اگر کوئی مجھ سے کچھ چاہتا ہے تو اسے کامیابی نہیں ہو گی۔ پہلی بار میں تمہارے سامنے یہ زبان کھول رہی ہوں۔ کیونکہ صورتِ حال کسی حد تک میرے سامنے آ گئی ہے۔ آہ، کاش ذرا سی غلطی نہ کرتی ذرا سی غلطی نہ کرتی تو میں تم سب کو تمہاری حقیقت بتا دیتی۔'' دیوالی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی یہ ضد کوئی خطرناک کیفیت نہ بن جائے۔ بہرحال وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی اور مہمان خانے کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا، لیکن اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سب کی سب بری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہیں۔ کمبخت ایک کے بعد ایک مصیبت گلے پڑ رہی ہے۔ بھلا اس میں کوئی شک کی بات تھی کہ یہ سب کچھ ایک گہری چال تھی۔ کوئی گہرا جال تھا۔ اس کارروائی کے عقب میں رانی چندریکا...... ہو سکتا ہے کوئی بھیانک کھیل کھیلنا چاہتی ہو۔ کالی دیوی کے سامنے رقص کرتی ہوئی یہ عورت ایک لمحے کے اندر ہی اندر کافی پُراسرار لگی تھی۔ اب اس کا پس منظر کیا تھا وہ کیا تھی اور کیا چاہتی تھی۔ یہ تو بھگوان ہی جانتا۔ وہ کچھ

کمرے میں آ گئی۔ یہاں کا ماحول بدل گیا تھا۔ بستر پر نئی چادریں بچھائی گئی تھیں۔ کچھ اور چیزیں بھی لاکر رکھی گئی تھیں۔ ایک طرف ایک فریم دیوار میں ٹنگا ہوا تھا اور اس میں ایک تصویر آویزاں تھی۔ یہ تصویر ایک عجیب و غریب چہرے کی تھی۔ قدیم طرز کا کوئی راجپوت یا سورما جو جنگ و جدل میں حصہ لیتا رہا ہو۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خون کی سرخی بکھری تھی اور یہ آنکھیں درحقیقت بڑے جاندار رنگوں سے بنائی گئی تھیں۔ بالکل اصل اور گھورتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے ذہن اس تصور میں الجھ کر رہ گیا کہ یہ تبدیلیاں کیوں رونما ہوئی ہیں۔

بہرحال سب کچھ ہو سکتا ہے سب کچھ۔ اس نے دروازہ بند کر لیا یہ احساس اس کے دل میں تھا کہ ہو سکتا ہے کہ سندری پھر اندر آ جائے اور اسے پریشان کرنے کی کوشش کرے۔ حالانکہ اب اس نے کوئی راستہ تو نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اس کی طرف رخ کرے لیکن یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ اس کی ڈور بھی کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کافی وقت گزر گیا سندری نے دروازہ نہیں بجایا اور پھر دیوالی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مدھم روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ پوری طرح اندھیرا نہیں تھا۔ یونہی اتفاقیہ طور پر تصویر کی طرف نظر جا پڑی اور دیوالی لیٹی لیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ نظروں کا دھوکہ نہیں تھا آنکھوں میں کوئی خرابی بھی نہیں تھی۔ نہ ہی ذہن کا کوئی انتشار۔ فریم میں وہ تصویر بے شک بدل گئی تھی۔ یہ تصویر اسے اب کسی اور شکل میں ہی نظر آئی تھی۔ آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بیڈ پر سے کود کر نیچے آ گئی۔ یہ اب اس راجپوت سورما کی تصویر نہیں تھی۔ بلکہ چندریکاوتی کی تصویر تھی۔ وہ سورما فریم سے غائب ہو گیا تھا۔ جسے دیوالی نے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں کوئی اور تصویر بھی نہیں تھی۔

پھر وہ گہری سانس لے کر اپنے بستر کی طرف آ گئی اور بستر پر بیٹھ کر تصویر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ بھلا اب نیند کہاں آ سکتی تھی۔ کبھی کبھی پلکیں جھپک جاتیں اور پھر اس کے بعد اس کی نگاہیں اس تصویر کی طرف اٹھ جاتیں۔ اب اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ تبدیلیاں بلاوجہ رونما نہیں ہوئی ہیں۔ ایک بار پھر پلکوں میں جھپکی سی آئی اور اچانک ہی اس تصویر کا تصور ذہن میں آیا۔ تو چونک کر اس نے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے آواز نکل گئی۔

''اے بھگون، اے بھگون۔'' تصویر پھر بدل گئی تھی، اگر دیوالی کی آنکھیں دھوکہ نہیں دے رہی تھیں تو یہ تصویر پھولداس کی تھی۔ دیوان پھولداس۔ فریم میں بار بار تصویریں بدل رہی تھیں۔ اب یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی تھی کہ یہ تصویر نہیں تھی۔ بلکہ بدروحیں تھیں جو

تصویری شکل میں آ، آ کر دیوالی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے بارے میں اندازے لگا رہی تھیں۔ دیوالی کا دل چاہا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائے۔ کس طلسم خانے میں آ پھنسی ہے۔ بابا جے راج بھی ناراض ہو گئے تھے۔ غلطی اپنی تھی۔ مگر گیان دھیان کے بھید بھاؤ نہیں جانتی تھی۔ اپنے طور پر شوق ضرور تھا۔ بڑے لوگ راستے میں آتے رہے۔ بذات خود وہ کسی کے لئے اتنی بری ثابت نہیں ہوئی تھی کہ کسی کو کوئی نقصان پہنچائے، لیکن عمر کی شوخی فطرت کا حصہ تھی اور اسی شوخی کا شکار ہو گئی تھی۔

بہر حال اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے یا تو لاپرواہ ہو کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے۔ کیا بگاڑ سکتا ہے کوئی اس کا، لیکن انسانی فطرت بھی تو ایک چیز ہوتی ہے بھلا اس عالم میں نیند کیسے آ سکتی ہے اور رانی چندریکا آخر اس سے چاہتی کیا ہے۔ سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا چاہئے تھا۔ اسے مختلف باتیں یاد آتی ہیں۔ اندازہ تو اسی وقت ہو گیا تھا جب دیوان پھولداس نے اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور اس کے فوراً بعد اس کے یہاں قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ گویا اب یہ طے شدہ بات تھی کہ اس پر کوئی جال ڈالا جا رہا ہے۔ باغ میں سجے ہوئے مجسمے کے الفاظ یاد آئے۔ یہ کال نگر ہے۔ کال نگر کیا ہے۔ یہ کال نگر اور مجسمہ کیسے بول رہا تھا؟ رانی چندریکا کوئی معمولی کردار نہیں تھا۔ کالی دیوی کے مجسمے کے سامنے اس کا ہیجانی رقص اور پھر اس کا دیوالی کو ساتھ لے آنا ضرور کوئی گڑبڑ سی بات تھی۔ بستر پر بیٹھ کر نجانے کتنی دیر تک سوچتی رہی کہ اب کیا کرے۔ خاموشی سے بھاگ جائے۔ لیکن دل نے ڈھارس دی اور کہا۔

دیکھو تو سہی آگے کیا ہوتا ہے اب اتنا نرم چارہ بھی نہیں ثابت ہوں گی کسی کے لئے کہ کوئی مجھے حلوہ بنا کر کھا جائے۔ ذرا ان رانی جی کا کھیل بھی دیکھ لیا جائے۔ بے شک بابا جے راج ناراض ہو چکے ہیں مجھ سے گیان دھیان چھن گیا ہے، لیکن ایک چیز میرے پاس موجود ہے، وجے کپور کے دیئے گئے شعبدے۔ میں نمٹ لوں گی ان سب سے ایک بار پھر نظر اس فریم پر پڑی۔ یہاں ہر بار کوئی ایسا منظر نظر آ جاتا تھا جو دل کو ایک بار مٹھی میں جکڑ لیتا۔ اب بار تصویر کا فریم خالی تھا۔ سب جا چکے تھے۔ اچانک دیوالی ہنس پڑی۔ پھر اس نے تصویر کے خالی فریم کو دیکھ کر کہا۔

''اجازت ہے اب سو جاؤں۔'' اور اس کے بعد اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں مضبوطی سے بھینچ لیں اور تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی۔ نیند بھی اتنی پُرسکون کہ صبح کو سورج کی روشنی ہی نے جگایا۔ سورج کی کرنیں کمرے کے کونوں کھدروں سے رینگتی ہوئی اندر

نہیں اور اسی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ منتظر تھیں کہ دیوالی اپنی جگہ سے اٹھ جائے اور زندگی کے پُراسرار معاملات پھر سے جاری ہو جائیں۔ پہلی صورت سندری ہی کی نظر آئی تھی۔

''جاگ گئیں دیوالی جی۔''

''ہاں تم ٹھیک ہو۔''

''خاک ٹھیک ہوں۔ بڑی عجیب دوست ہو تم میری، میری بات مانتی ہی نہیں ہو۔''

''میں رانی چندریکا دیوی سے ملنا چاہتی ہوں۔'' دیوالی نے کہا اور سندری جیسے چونک سی پڑی پھر بولی۔

''کیوں۔''

''پوچھنا چاہتی ہوں ان سے کہ کب تک میں یہاں پر رہوں گی۔ میں جانا چاہتی ہوں یہاں سے۔''

''ہوں۔'' سندری نے گہری سانس لے کر کہا۔ جیسے وہ مطمئن ہو گئی ہو پھر وہ بولی۔

''کوئی جلدی ہے جانے کی۔''

''کیا فضول باتیں کر رہی ہو سندری۔ کیا میں یہاں رہنے آئی ہوں۔''

''مگر رانی چندریکا جی تو صبح ہی صبح کہیں گئی ہیں۔ دیوان جی بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ گئے ہیں۔ ان سے پوچھے بغیر تو کوئی تمہیں یہاں سے جانے نہیں دے گا۔''

''تمہیں پتہ ہے کب تک آ جائیں گے۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو دیوی جی۔ مالک نوکروں کو کہیں بتا کر جاتے ہیں ویسے میرا خیال ہے کہ شام تک ضرور آ جائیں گے۔''

''ہوں۔'' دیوالی نے کہا اور خاموش ہو گئی۔ وہاں جو وقت گزر رہا تھا۔ ابھی تک اس میں پریشانی کی کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی۔ جو دیوالی کو بے چین کر دیتی لیکن بے چینی تو ان دنوں اس کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ درحقیقت اگر کسی کو کوئی عظیم الشان خزانہ مل جائے اور اس کے بعد ایک معمولی سی غلطی سے وہ خزانہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو دکھ تو ہوتا ہی ہے۔ دیوالی کے من میں تو نجانے کیا کیا خیالات آنے لگے تھے۔ جو شکتی اسے مہاراج جے راج نے دی تھی۔ اس شکتی نے تو اسے بڑا مہان بنا دیا تھا، لیکن ایک ذرا سی غلطی، ایک ذرا سی بھول اور وہ بھی عمر کی دین تھی۔ جس نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ وہ کوئی احتجاج بھی نہیں کر سکی کیوں کہ جے راج مہاراج نے اسے صاف صاف سب کچھ بتا دیا تھا۔ ان خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ نہیں دے رہی تھی۔ ورنہ شاید بیمار ہی پڑ جاتی، لیکن من کی شانتی

مشکل ہوگئی تھی۔ سنسار حیران رہ جاتا۔ اپنی شکتی سے نجانے خود کو کیا سے کیا بنا لیتی، لیکن ایسا ہو نہیں سکا تھا۔

بہر حال سندری چلی گئی تھی۔ وہ یونہی اٹھ کر باہر نکل آئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ ماحول سنسان تھا۔ دن کی روشنی میں دیوالی نے ان مجسموں کو دیکھا۔ وہ انہیں چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ سب کے سب انسانی ہاتھوں کی تراش معلوم ہوتے تھے اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ مگر پچھلی رات کی بات بھی وہم نہیں تھی۔ دیوالی نے اس مجسمے کو بھی دیکھا۔ جس نے اس سے باتیں کی تھیں۔ مگر وہ صرف پتھر تھا۔ وہ ان کے درمیان بہت دور تک نکل آئی۔ محل کی عمارت بہت وسیع و عریض تھی۔ جگہ جگہ تعمیرات کی گئی تھیں۔ وہ سبز پتھروں سے بنی ہوئی ایک عمارت کے پاس سے گزر رہی تھی کہ ایک مخصوص جھروکے سے آواز ابھری۔

''سنو! سنو، اے لڑکی ادھر، ادھر۔'' دیوالی رک گئی وہ سوچ رہی تھی کہ کیا اس حویلی کے پتھر بھی بولتے ہیں۔ اِدھر اُدھر دیکھنے سے اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ آواز تو اس جھروکے سے آ رہی ہے مگر جھروکا اونچا تھا۔ وہ اس میں نہیں جھانک سکتی تھی۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔

''سیدھی چلتی رہو پھر وہاں سے بائیں سمت کو مڑ جاؤ وہاں ایک دروازہ ہے جسے کھول کر تم اندر آ سکتی ہو یہ باہر سے بند ہوتا ہے۔''

''کون ہو تم؟''

''ڈرو مت میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

''یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ساری باتیں باہر ہی سے کر لوگی۔ ہمت کر کے اندر آ جاؤ۔ ایک بار پھر کہتا ہوں ڈرو مت اس وقت کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آؤ جلدی کرو۔ آ جاؤ۔'' دیوالی ایک لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے آ رہی ہوں۔'' وہ آگے چل پڑی پھر یہ راستہ دائیں جانب مڑا تو دروازہ نظر آ گیا۔ جو اندر سے نہیں بلکہ باہر سے بند تھا۔ دیوالی نے لوہے کے اس دروازے کی موٹی کنڈی کھولی۔ دوسری طرف وسیع و عریض چبوترہ بنا ہوا تھا اور اس کے تین طرف کمرے تھے چبوترہ بھی سبز پتھر سے بنا ہوا تھا۔ اس کے بیچ و بیچ پیپل کا درخت تھا۔ جو باہر سے بھی نظر آتا تھا۔ ایک کونے میں پیپل کے سوکھے پتوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ جن کے قریب جھاڑو پڑی ہوئی تھی۔ وہ کمرہ بھی اس عمارت میں دائیں سمت کا ہو سکتا تھا۔ آخری

دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی وہ اس کمرے کے قریب پہنچ گئی۔ باہر سے لوہے کی مضبوط کنڈی لگی ہوئی تھی۔ دیوالی نے آہستہ سے اس کنڈی کو بھی کھول دیا اور پھر دروازہ دھکیلنے لگی۔ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا اندر تاریکی نہیں تھی اور روشن دان سے دھوپ پڑ رہی تھی اور اس دھوپ نے کمرے کو روشن کر دیا تھا۔ کمرہ چونکہ کسی قدر بلندی پر تھا اس لئے اس شخص نے دیوالی کو باہر سے دیکھ لیا تھا اور دیوالی اسے اندر سے نہیں دیکھ سکی تھی۔ وہ ایک توانا آدمی تھا۔ اچھے قد و قامت کا مالک۔ مگر اس کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک زنجیر کمر سے بھی بندھی ہوئی تھی اور یہ تمام زنجیریں موٹے آہنی کڑوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ دیوالی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''کون ہو تم؟''

''اگر تمہاری آنکھوں میں روشنی ہے تو دیکھ لو۔ غور سے دیکھو، پہچانو کہ کون ہوں میں۔'' اس نے کہا۔

''میں نہیں جانتی تمہیں۔''

''نہیں جانتی مجھے آہ، اب یہ وقت آنا تھا مجھ پر۔'' دیوالی نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ اس کا حلیہ بہت خراب تھا۔ کپڑے چیتھڑوں کی شکل میں جھول رہے تھے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر زخموں کے کھرنڈ تھے۔

''کون ہو تم مجھے بتاؤ گے نہیں اپنے بارے میں۔''

''بے وقوف۔ وقت انسان کا بہت کچھ بتدیل کر دیتا ہے مگر اگر تم غور سے دیکھو گی تو پہچان لو گی کہ [illegible] دھے چند ہوں۔ راجہ اودھے چند۔'' دیوالی نے اس نام پر غور کیا اور بری طرح اچھل پڑی۔ سندری نے ہی یہ نام اسے بتایا تھا۔ اکاس پور کا راجہ اودھے چند۔

''مگر...... مہاراج آپ۔''

''ہاں۔ شکار ہو گیا ہوں۔ اسی نے تو بیمار مشہور کر دیا ہے۔ میری بدقسمتی کہ لوگ مجھے بیمار سمجھتے ہیں۔ پر بھگوان کی سوگندھ میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی بیمار ہوں۔ مہاراج ہوں۔ میں تمہارا مہاراجا ہوں سمجھیں۔ میں تمہارا ان داتا ہوں۔ میں تمہارا ان داتا ہوں۔''

''تم رانی چندریکا وتی کے پتی ہو۔''

''ہاں میں وہی ہوں سنو۔ میری مدد کرو بس ایک بار میری مدد کرو۔ مجھے یہاں سے آزادی دلا دو جیون بھر تمہارا احسان مانوں گا۔ بس ایک بار مجھے اس کے چنگل سے نکال دو بس ایک بار۔'' اس کے لہجے میں بڑا درد تھا اور وہ امید بھری نگاہوں سے دیوالی کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ سمجھ میں آنے والی بات تو خیر کوئی تھی ہی نہیں۔ یہاں آنے کے بعد جو کچھ دیکھا تھا اس میں سے ایک دو باتیں ہی سمجھ میں آئی ہوں گی۔ ورنہ دیوالی کچھ بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ سارا کھیل ہی الٹا سیدھا نظر آتا تھا۔ رانی چندریکا کے ساتھ آجانا بھی بس ایسا ہی اپنی مرضی کے مطابق تھا ورنہ دیوالی کبھی اپنے آپ کو اتنا بے بس نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر غور سے اودھے چند کے پیروں میں پڑی زنجیروں اور اس کی کمر میں پڑی زنجیروں اور کڑوں کو دیکھا۔ موٹے موٹے لوہے کے کڑے تھے۔ جن میں زنجیریں باندھ کر انہیں دیوار سے لگے ہوئے کڑوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ دیوالی کو ان کڑوں کی مضبوطی کا اندازہ تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے ان کڑوں کو توڑنے کی کوشش کی جاسکتی اور پھر یہ سب کچھ یعنی اودھے چند یہاں پر قیدی تھا اور چندریکا وتی اس کے نام پر شاندار محل میں راج کررہی تھی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عورت دیوالی کو ایک ہی نظر میں پُر اسرار لگی تھی اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے تھے۔ اس نے کوئی شک نہیں چھوڑا تھا۔ یہ خونخوار عورت آخر دیوالی سے کیا چاہتی تھی۔

بہرحال دیوالی نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔ ''مگر مہاراج میرے پاس تمہاری ان زنجیروں کو توڑنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔''

''بھگوان کے لئے۔ بھگوان کے لئے کچھ بھی کرو جو تمہارا من......'' اودھے چند نے اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتاً اس کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔ اس کی نگاہیں دیوالی کے عقب میں کھلے ہوئے دروازے پر جم گئیں۔ دیوالی نے بھی روشنی میں ایک سایہ سا محسوس کیا پلٹ کر دیکھا تو حلق سے ایک وحشت بھری آواز نکل گئی۔ بڑے چوڑے چکلے بدن کا مالک تھا وہ، انسان نما جانور کہنا زیادہ مناسب تھا اسے۔ وہ کوئی غلام ہی تھا لمبی لمبی مونچھیں موٹے موٹے ہاتھ پاؤں، کھلے بازو پہلوانوں جیسے نظر آرہے تھے۔ باقی جسم پر بھی چست لباس ہی تھا۔ آنکھیں بہت خوفناک اور ضرورت سے زیادہ بڑی بڑی۔ بہرحال وہ خونخوار نگاہوں سے دیوالی کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ غراتا ہوا دو قدم آگے بڑھا اور دیوالی ایک دم پیچھے ہٹ گئی، لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ دیوالی کی نگاہوں سے ٹکرائی دفعتاً وہ اسی طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ آگے بڑھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئیں وہ عجیب سی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے حلق سے خونخوار غراہٹیں نکلنے لگیں۔ اس نے اپنی موٹی انگلی سے دیوالی کے سینے کی طرف اشارہ کیا اور پھر انگلی کو دروازے کی طرف لے گیا جیسے کہہ رہا ہو باہر نکل جاؤ۔ دیوالی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی اور اندازہ لگا رہی تھی کہ آخر یہ چیز ہے کیا۔

انسانوں جیسی تھی لیکن انداز جانوروں جیسا۔ اچانک ہی اس کے حلق سے ایک غراہٹ سی نکلی اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگا۔ سر کے بالوں کے گچھے کے گچھے اس نے اکھاڑ کر پھینک دیئے اس کے حلق سے بدستور غراہٹیں نکل رہی تھیں اور وہ ادھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ کبھی اس طرف کی دیوار سے ٹکراتا اور کبھی اس طرف کی دیوار سے۔ پھر وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ اس نے اپنا جسم جگہ جگہ سے کاٹنا شروع کردیا جہاں وہ اپنے آپ کو دانتوں سے کاٹتا وہاں اس کے جسم سے خون ابلتا ہوا نظر آتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس پر یہ کس قسم کا دورہ پڑ رہا ہے لیکن ایک اندازہ دیوالی نے لگالیا کہ وہ شدید غصے کے عالم میں اس کے باہر نکل جانے کے بارے میں کہہ رہا ہے اور اپنی بوٹیاں چبا رہا ہے۔ البتہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل پایا تھا۔ شاید وہ گونگا ہی تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اودھے چند نے کہا۔

''دیر ہوگئی۔ دیر ہوگئی اب ساری بلا اس پر ہی آئے گی۔ تم سے یہ کچھ نہیں کہہ رہا۔ مگر اب یہ مجھ سے بدلہ لے گا۔ جاؤ باہر نکل جاؤ، پتہ نہیں اس نے تم پر حملہ کیوں نہیں کیا۔ اپنا غصہ کیوں ضبط کررہا ہے یہ۔''

''کیا یہ گونگا ہے۔''

''ہاں۔''

''کون ہے یہ۔'' اودھے چند کے انداز سے یہ محسوس ہوا کہ جیسے وہ اس بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہو لیکن اس کی ہمت نہ پڑی ہو۔ پھر درد بھرے لہجے میں بولا۔

''جاؤ۔ اب چلی جاؤ یہاں سے۔ ہوسکے تو دوبارہ مجھ مظلوم کی طرف رخ بھی کرلینا۔ یا کسی کو میرے بارے میں بتادینا۔ لوگوں سے کہہ دینا کہ اودھے چند، ان کا اودھے چند مہاراج......'' دفعتاً نیچے لیٹا ہوا آدمی چیخا اور اچھل کر کھڑا ہوگیا اور اس کے بعد اس نے اودھے چند کی طرف دوڑ لگائی، لیکن اس نے اودھے چند پر بھی حملہ نہیں کیا تھا۔ ایک بار پھر وہ دیوالی کی طرف بڑھا اور اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

چنانچہ دیوالی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چل پڑی۔ کیا کرسکتی تھی بے چاری۔ کچھ بھی تو معلوم نہیں تھا اسے۔ اس محل میں تو طلسمات ہی طلسمات تھے۔ کس کس کو حیرت سے دیکھتی۔ وہ اس دروازے سے باہر نکل آئی۔ باہر کا منظر وہی تھا۔ چلچلاتی دھوپ سنسان اور ویران راستے وہ دیوالی...... کے پیچھے پیچھے آیا تھا اور اس نے دیوالی کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کردیا تھا۔ جب کہ اودھے چند کا دروازہ وہ پہلے ہی بند کرآیا تھا۔ دیوالی ایک لمحے کھڑے ہوکر اس بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ لعنت ہے اس

جیون پر اس محل میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے ایسا ہی نظر آتا ہے جس کا سر پاؤں سمجھ میں نہ آئے۔ وہاں سے واپس پلٹ پڑی اور اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ آخر کار اس نے اپنی رہائش گاہ کا رخ کیا باہر اس چلچلاتی دھوپ میں گھومنا اپنی شکل خراب کرنا تھا۔ دیر تک اس سارے قصے کے بارے میں سوچتی رہی اور اس کے سوا کوئی اندازہ نہیں لگا سکی کہ چندریکا وتی ایک پُراسرار اور خطرناک عورت ہے۔ وہ کیا ہے اور کیا کر رہی ہے۔ ظاہر ہے اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا اور نہ ہی وہ ان سارے گورکھ دھندوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب کچھ کر لینا زیادہ بہتر رہے گا۔ کیونکہ اس سے آگے یہاں قیام کرنا بے وقوفی ہی ہے۔ چندریکا بے شک ایک ساحرہ تھی اور وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو کر یہاں تک آ گئی تھی، لیکن دیوالی کو اس محل میں روکے رکھنا بھی اتنا آسان نہیں تھا۔ دو ہی باتیں ہیں، یا تو خاموشی سے یہاں سے نکل جائے یا پھر چندریکا سے ملاقات کرے اور اس سے معلومات کرے کہ آخر اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ چندریکا اس سے کیا چاہتی ہے۔ بہت سی باتیں مشکوک تھیں۔ مثلاً وہ تصویر جو چہرے بدلتی تھی۔ پھولداس کا اسے اس پُراسرار انداز میں دیکھنا، خود چندریکا کے چہرے کے تاثرات، مسئلہ کیا ہے۔ کیا چاہتی ہے وہ مجھ سے۔ دیوالی میں اتنی ہمت تھی کہ ان ساری خوفناک باتوں کو دیکھنے کے باوجود وہ چندریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے سوالات کر سکتی تھی۔ شام ہو گئی تھی سورج کی قہر سامانیاں ختم ہو گئیں اور جب سورج چھپا تو بند ہوائیں چل پڑیں اور ماحول پر ایک سحر خیز کیفیت طاری ہو گئی۔ سندری اس دوران دوبارہ نہیں آئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ روٹھ گئی ہو۔

بہرحال خود دیوالی کو بھی سندری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ شام کو اس کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں آ گئیں اور وہ کھانا کھانے میں مصروف ہوئی تو کھانا لانے والے ملازم نے کہا۔

''دیوالی جی آپ تیار رہیں پھولداس جی نے کہا ہے کہ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد رانی چندریکا وتی سے ملنا ہے۔''

''رانی جی آ گئیں۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے تم انہیں بھی میرا ایک پیغام دے دو کہ میں فوراً ہی ان سے ملنا چاہتی ہوں۔'' دیوالی نے جلدی جلدی کھانے سے فراغت حاصل کی اور انتظار کرنے لگی کہ رانی

چندریکا اسے بلائے۔ پھر پھولداس اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر وہی شیطانی کیفیتیں بکھری ہوئی تھیں اور حقیقت میں وہ انسان سے زیادہ شیطان نظر آتا تھا۔ خصوصاً اس وقت سے جب سے دیوالی نے اسے تصویر سے غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھولداس کے چہرے پر اس وقت بھی مسکراہٹ تھی۔

''آئیے دیوی جی، رانی چندریکا آپ کو طلب کر رہی ہے۔'' دیوالی خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ دیوالی سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ بہت سی لمبی راہداریوں اور غلام گردشوں سے گزر کر وہ محل کے اندرونی حصے میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے ایک بڑے سے چوبی دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ انتہائی وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں شاندار اور قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ چندریکا ایک چوڑی اور خوبصورت کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے جسم پر ایک قیمتی ساڑھی تھی اور چہرے پر وہی پُروقار کیفیت جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی رانی ہی کے سامنے ہے۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھا اور بولی۔

''آؤ، پھولداس۔ ہماری مہمان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہارے گھر میں۔''

''کوشش تو یہی کی ہے رانی جی کہ آپ کی مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔'' پھولداس کے لہجے میں ایک مذاق کی کیفیت چھپی ہوئی تھی۔

''خاطر مدارت کی ان کی۔''

''ہاں، کوشش تو کی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔''

''بدھو ہو میرے پھولداس۔ جس کے چرنوں میں اندر سبھا بچھی ہو اسے کسی دوسری سندرتا سے کیا لگاؤ۔ مگر ایسی بات ہونی نہیں چاہیئے۔ پورن بھگت ہمیں بھگتی کا سبھاؤ نہیں دے رہے تھے۔ پورن مہاراج۔'' چندریکا نے اوپر دیکھا اور پھر دیوالی کو دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہاں۔ دیوالی ہو نا تم دیوالی اندر سبھا کی دیوالی۔ مگر ہم نے تمہیں دوسرے ہی روپ میں دیکھا ہے، ہم کچھ کہیں گے تو مان لوگی ہماری بات۔''

''آپ حکم دیجئے رانی جی۔''

''ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ، یہ پاؤں پیچھے تو ہیں مگر کیوں، کوئی جاپ کیا تھا۔ کوئی عمل کیا تھا۔''

''نہیں، یہ قدرتی ہیں۔ رانی جی۔''

''مانتے نہیں ہیں ہم۔ ہوتے ہیں، ہاتھ پاؤں بگڑ جاتے ہیں پر تم وہ تو نہیں ہو جو

اپنے آپ کو بنائے ہوئے ہو۔''

''رانی جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہم تمہارا کھوج نکالنے گئے تھے سو نکال لائے۔مگر کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ پوچھیں گے تو بتا دیں گی۔''

''جی رانی جی۔''

''تم بڑے بڑے بھگتوں سے مل چکی ہو۔وہ جو دیوی دیوتاؤں کے پردھان ہیں پر دیوی دیوتاؤں کے پردھان تمہارے سامنے بے بس ہو گئے جبکہ تم ایک گندی آتما نہیں ہو۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں رانی جی۔آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مندر سے آپ کے گھر تک آ جاؤں۔رانی جی آپ بھی مجھے اچھی لگی تھیں میں نے بھی آپ کو عجیب انداز میں دیکھا تھا۔میرا من چاہا کہ آپ کے چرنوں میں تھوڑا سے گزاروں۔پر یہاں آنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ آپ تو بہت مصروف رہتی ہیں۔بس رانی جی اب جانا چاہتی ہوں میں۔''

''ہاں، ہاں، جانا تو تمہیں ہے پر کوئی بات نہیں ہے ہم آپ کو گھور چندی مہاراج سے ملانا چاہتے ہیں۔''

''گھور چندی؟'' دیوالی نے سوال کیا۔

''ہاں، برسوں سے کالے پڑے ہوئے ہیں۔ہم بھی چاہتے ہیں کہ ان کے من میں بھی دیوالی ہو۔کیا سمجھیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''گھور چندی مہاراج جی۔اب آپ ہی دیکھیں ہماری سمجھ میں تو یہ دیوالی جی نہیں آئیں۔'' رانی چندریکا وتی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور کمرے میں بنے ہوئے دوسرے دروازے سے انتہائی مکروہ قسم کا بوڑھا آدمی باہر نکلا۔دبلا پتلا بانس کی طرح سوکھا، سارے ہاتھ پاؤں بے ترتیب۔اوپری بدن سے ننگا نیچے دھوتی باندھے ہوئے۔وہ بھی نہایت مختصر، گردن میں باریک باریک سانپ مالاؤں کی طرح پڑے ہوئے کلبلا رہے تھے۔زبان نکال رہے تھے۔داڑھی، مونچھوں اور سر کے بال کیچڑ میں لپٹے ہوئے بدن سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

''جے مہا کالی۔'' اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔دیوالی اسے نفرت بھری نگاہوں

سے دیکھ رہی تھی۔

''وجے مہا کالی۔'' اس نے اس بار گرجتی آواز میں کہا اور دیوالی کو گھورنے لگا۔

''جے مہا کالی۔'' وہ کڑک کر بولا۔''سارے داس یہاں سے شروع ہوتے ہیں اور یہیں پر ختم ہو جاتے ہیں۔جے مہا کالی کیا تو کالی کی داس نہیں ہے۔''

''مجھے جانے دیں رانی جی۔'' دیوالی بولی۔

''گھور چندی مہاراج سے بات کرو۔''

''کیا بات کروں میں۔'' دیوالی کا لہجہ بھی بگڑ گیا۔

''کیا نام ہے تیرا۔''

''سب لوگ مجھے دیوالی کہہ رہے ہیں تمہارے کانوں میں میرا نام نہیں پہنچا۔''

''ہوں، ٹیڑھے پاؤں والی، تیرے اندر گیان کہاں سے آ گیا۔اوہو سمجھا، دیکھ یہ ایک۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اوپر کیا اور کالے رنگ کا ایک لکڑی کا ٹکڑا نیچے گر پڑا۔''دو......'' اس نے کہا اور دوسرا ٹکڑا، پھر وہ گنتا رہا اور چھ سات ٹکڑے زمین پر آ گئے۔اس نے ہاتھ اٹھایا لیکن کوئی اور ٹکڑا زمین پر نہ گرا۔

''ہوں سات، سات مگر ساتواں ٹکڑا زمین پر نہ گرا۔ارے ساتویں کہاں گئی، ساتویں کہاں گئی، رے...... ساتویں نہیں ہے۔'' اس نے آخری الفاظ رانی چندریکا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اور زمین پر بیٹھ گیا۔اس نے آسن جما کر آنکھیں بند کر لیں۔دیوالی نے اس کی گردن میں پڑے ہوئے باریک باریک سانپوں کے بل کھلتے ہوئے دیکھے۔ان میں سے دو، اس کی ناک کے دونوں نتھنوں میں گھسنے لگے۔دو کانوں کی طرف بڑھ گئے اور کانوں کے سوراخ تلاش کر کے اپنا وزن سمیٹنے لگے۔بہت خوفناک منظر تھا۔سانپوں کے چمکیلے بدن اس کے ناک، کانوں کے سوراخوں میں گم ہوتے جا رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے سانپ اس کے بدن میں اتر گئے۔دیوالی کو شدید گھن آ رہی تھی۔وہ اکتائی اکتائی سانسیں لے رہی تھی اور چندریکا اور پھولداس بدستور دیوالی کا جائزہ لے رہے تھے۔کچھ دیر بعد گھور چندی نے آنکھیں کھول دیں۔خوفناک سرخ آنکھیں۔پھر اس کا منہ کھلا اور بے چین سانپ بلبلاتے ہوئے اس کے منہ سے باہر آنے لگے۔پھر رینگتے ہوئے اس کی گردن تک پہنچ گئے۔کچھ اس کوشش میں نیچے گر پڑے تو گھور چندی نے انہیں اٹھا کر خود اپنی گردن میں ڈال لیا۔پھر وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

''پتہ نہیں چل رہا ساتواں کہاں ہے۔''

'' نہیں پتہ چل رہا مہاراج۔'' چندریکا بولی۔

'' ہاں نہیں پتہ چل رہا۔ یہ بگڑا ہوا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ یہ خود ہی بتائے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اسے کشٹ دینے پر مجبور ہوں''۔ اس کے بعد گھور چندی نے اپنے بدن پر لپٹے سانپوں کو اشارہ کیا تو وہ بڑی تیزی سے دیوالی کی طرف بڑھے اور اس کے بدن سے لپٹ کر اسے جکڑ کر بے بس کر دیا۔ دیوالی کو ان سانپوں سے خوف بھی آ رہا تھا اور گھن بھی آ رہی تھی۔ بے چینی سے پورے بدن کا زور لگایا تو دوسری طرف لڑھک گئی۔ تب ادھر کا منظر نظر آیا۔ دیوالی نے دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے قد کے عجیب بدشکل اور بدنما بونے جو بے لباس تھے گردن جھکائے گھٹنوں میں سر دیئے اداس بیٹھے ہوئے تھے۔ نجانے یہ کون تھے۔ ان سے کوئی دو گز کے فاصلے پر پتھر کے ایک کٹے ہوئے تنے پر گھور چندی پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ گھور چندی کے پیروں کے پاس ایک عورت کا بدن رسیوں سے بندھا پڑا ہوا تھا۔ اب صورتِ حال دیوالی کی ذہنی قوتوں سے اوپر اٹھ گئی تھی۔ اپنے الٹے پیروں سے فائدہ اٹھا کر اس نے بہت سے کھیل کھیلے تھے، لیکن یہ کھیل ایسے نہیں تھے۔ جو غیر مرئی ہوں۔ اس نے خود بہت سوں کو ڈرایا تھا، لیکن بس اپنے الٹے پیروں سے فائدہ اٹھا کر۔ مگر آج جو کچھ دیکھ رہی تھی یہ سب بڑا سنسنی خیز تھا۔ گھور چندی اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آ کر اس کے پاؤں چھوتا ہوا بولا۔

'' پائے لاگوں دیوی جی، بڑی دھرم دیوتا ہو تم تو، مان گئے ہم تو۔''

'' دیکھو دیکھو، گھور چندی دیکھو۔''

'' گھور چندی نہیں آپ کا غلام، آپ کا کتا، کیڑا ہوں آپ کے سامنے دیوی جی رینگنے والا۔''

'' گھور چندی تم لوگ میرے بارے میں کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔ دیکھو میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اپنے گیان سے معلوم کر لو کہ نہ تو میرے پاس کوئی شکتی ہے اور نہ ہی میں تم لوگوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں۔''

'' ایسی بات نہیں ہے۔ اگر میرے گیان دھیان کی بات کرتی ہو دیوی جی تو میرا گیان ہی تو کہتا ہے کہ تم میں کچھ چھپا ہوا ہے۔ چھ مل گئی ہیں ہمیں۔ ساتویں نہیں مل رہی۔ ہمیں شما کرنا دیوی۔ ساتویں تم ہو۔''

'' کون ساتویں۔''

'' کردیا، کردیا۔ سمجھ رہی ہو ناں۔ کردیا جو بہت بڑی دھرم ہوتا ہے دیوی جی ہمیں

ساتوں کی تلاش تھی۔ چھ پالیں مگر تم نکل بھاگیں۔ اب یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے اندر جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ خود ابھی تمہارے سامنے آیا ہے یا نہیں۔ پر ہے ضرور۔ چندریکا نے یہی بتایا تھا ہمیں کہ مندر میں جو ملی، وہ کردیا تھی۔''

'' تم یقین کرو کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ بھی نہیں جانتی۔''

'' جھوٹ بول رہی ہو دیوی۔ جھوٹ بول رہی ہو۔ بہر حال تمہیں بتانا ہوگا کہ تم کون ہو؟ دیکھو میں تمہیں بتائے دے رہا ہوں ستیاناس ہو جائے گا تمہارا۔ ہم سارا جیون دان کر چکے ہیں شکتی پانے کے لئے۔ ہم نے اتنی محنت کی تھی۔ سب خاک میں ملا دی ہے تم نے۔ خیر ہم تو خاک میں ملے ہی ہیں لیکن تمہارا کریا کرم بھی کر کے ہی چھوڑیں گے۔ سمجھیں۔ اب بھی مان لو ہماری بات دیوی جی اب بھی مان لو۔ ہماری سکھا میں آ جاؤ۔ ہماری سکھا میں آ جاؤ۔ ہمارا کام بنا دو۔ سارے بگڑے کام بن جائیں گے۔ اگر تم ہمارے رنگ میں رنگ گئیں تو خود بھی عیش کرو گی اور ہمیں ہماری منزل مل جائے گی۔ بتا رہے ہیں ہم تمہیں دیوی جی مان لو ہماری بات عقل سیکھ لو۔''

'' ارے پاگلو۔ پتہ نہیں کس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو تم دونوں یا میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ پتہ نہیں بہر حال تم جو کچھ بھی چاہو کر سکتے ہو۔ میں یہ کہتی ہوں کہ تم ان سانپوں کو جو میرے بدن سے لپٹے ہوئے ہیں حکم دو کہ یہ مجھے ڈس لیں۔ اپنا زہر میرے بدن میں اتار دیں۔ یا پھر میرے بدن میں آگ لگا دو۔ پانی بن کر بہہ جاؤں گی میں۔ خوشی سے تیار ہوں اس کے لئے، لیکن مروں گی بے قصور ہی مجھے کچھ نہیں معلوم گھور چندی میں بالکل بے قصور ہوں کچھ بھی نہیں جانتی میں۔ مانو چاہے نہ مانو۔'' گھور چندی کے چہرے ہی سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ اب بھی دیوالی کی بات پر یقین نہیں کر رہا۔ وہ چند منٹ کھڑا رہا پھر بولا۔

'' حرامزادی۔ حرامزادی مان لے ہماری بات بڑے پریشان ہیں ہم ساتویں کے لئے۔ ساتویں تو ہے۔ ہم تیرے اندر کی شکتی دیکھ رہے ہیں۔''

'' لعنت ہے ایسی شکتی پر۔ تم نہ دیکھ لو کہ تمہارے سانپوں سے بندھی پڑی ہوں، [illegible] لیا۔''

'' بک بک ہے [illegible] ہے۔'' وہ غصے میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کئی لاتیں اس نے دیوالی کے مختلف حصوں پر ماریں۔ وہ دیوانگی کے عالم میں دیوالی کو مارتا رہا اور دیوالی خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر وہ رکا اور بولا۔

'' اچھا چل چھوڑ تو ساتویں نہیں ہے ناں۔''

''اب تو صرف یہی کہوں گی کہ تم لوگ پاگل کے بچے ہو۔ رانی چندریکا بھی پھولداس بھی اور تم بھی۔ بلاوجہ پریشان کر رہے ہو۔ میں کہہ رہی ہوں تم سے جو تمہارا دل چاہے کرو۔ ارے واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اچھی خاصی چلی تھی اپنی جگہ سے مندر میں گھس گئی۔ جانا ہی نہیں چاہیئے تھا مجھے وہاں۔ شہری آبادی میں جاتی۔ کیا تم لوگوں نے یہ جادو ٹونوں کا چکر چلا رکھا ہے اور یہ کیا ہے اکاس پور مجھے تو شیطان نگری لگتی ہے۔''

''دیکھ، دیکھ، مان لے دیکھ مان لے۔ سندر ہے جوان ہے ایک جیون ہے تیرا، مان لے میری بات۔ ادھر دیکھ یہ کون ہے کون ہے یہ۔'' اس نے اس عورت کی طرف اشارہ کیا جو بندھی ہوئی پڑی تھی اور دیوالی ادھر گھومنے لگی لیکن پھر بولی۔

''مجھے نظر نہیں آ رہی۔ کون عورت ہے یہ۔''

''سندری، سندری چندریکا کی نوکرانی یاد آ گئی۔''

''ہاں سندری، لیکن تُو نے اس کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا ہے۔ اس بے چاری کا کیا قصور ہے۔''

''وہ دیکھ ادھر۔ دیکھ یہ چھری رکھی ہے اور ادھر برتن بھی رکھا ہے تجھے اس کی گردن کاٹنا ہو گی اور اس کا خون چاٹنا ہو گا۔ بس اتنا ہی کرنا ہے تجھے۔ اس کے بدن کا خون چاٹ لے۔ بات بن جائے گی۔ پتہ چل جائے گا کہ تو ساتویں ہے یا نہیں۔''

''کتے میں تیری ایک بھی خواہش پوری نہیں کروں گی۔''

''تت ..... تیرا بیڑا غرق۔ ستیاناس تیرا۔'' گھور چندی نے ایک لات دیوالی کے پیٹ پر رسید کی اور بولا۔

''اگر مان لیتی ہماری بات تو اتنا کچھ دیتے تجھے کہ جیون بھر دعائیں دیتی رہتی ہمیں۔ ٹھیک ہے دیکھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں۔ جا تُو پنکھ گھور پاتال میں، تیرے لئے وہی جگہ ٹھیک ہے۔''

''ہاں، ہاں۔ میں گھور پاتال میں جانے کو تیار ہوں۔ مگر تجھ پر لعنت بھیجتی ہوں بے وقوف کے بچے۔ جو کچھ میں نہیں ہوں تو مجھے وہ بنانے پر کیوں تلا ہوا ہے۔''

''واہ، واہ۔ ٹھیک ہے ارے۔ تو دیکھنا تو سہی ہم کیا کرتے ہیں۔ اب وہی ہو گا جو ہم چاہیں گے۔ مگر ایسے نہیں، ایسے نہیں۔ ہم تیرے ماتا پتا کو پکڑ کر یہاں بلاتے ہیں۔ انہیں تلاش کریں گے ہم اور اگر وہ مل گئے تو دیکھنا تماشہ۔ اب وہی تجھے ہماری بات ماننے پر مجبور کریں گے۔''

''تُو کتے کا بچہ ہے۔ میرے ماتا پتا کا ان معاملات سے کیا تعلق۔''

''سمے بتائے گا، سمے بتائے گا۔ اب جیون ان کے لئے نرک بن جائے گا۔ تیری وجہ سے، صرف تیری وجہ سے اور تجھے دکھائیں گے ہم۔ اب ہم دوسرا راستہ پکڑیں گے۔ چلتے ہیں، چل ری تُو یہاں کیا کرے گی مر کر، ارے بھاگ جاؤ۔ تم سب بھی کیوں چھوڑ رہے ہو اس لڑکی سے سر۔'' اس نے کہا اور وہ چھوٹے چھوٹے بونے اٹھ کر وہاں سے بھاگنے لگے۔ گھور چندی نے سندری کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ وہ شاید بے ہوش تھی۔ پھر اس نے دیوالی کی طرف رخ کر کے کچھ پھونکا اور سندری کو کندھے پر لادکر آگے بڑھ گیا۔ دیوالی کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ دماغ میں سنساہٹ ہو رہی تھی۔

''یہ کمبخت کیا کہہ کر گیا ہے۔ ہے بھگوان میں کیا کروں، کیا کرنا چاہیئے مجھے۔ یہ سب کچھ تو بہت زیادہ ہے۔ کتنی بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں مجھ سے، اچھی خاصی اپنے آپ میں جی رہی تھی۔ کوئی فکر پریشانی نہیں تھی۔ ساری مصیبتیں خود میں نے اپنے گلے لگائی ہیں۔ اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں ہوتا یہی ہمیشہ سے سنا ہے اور اب اس کا اندازہ بھی ہو رہا ہے۔ واقعی، اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ میں نے خود ہی ان مصیبتوں کو گلے لگایا ہے۔'' پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ عقب سے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور دیوالی گردن اٹھا کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن آہٹیں جس کے قدموں کی تھیں وہ خود ہی سامنے آ گیا۔ یہ پھولداس تھا جو اسے تعصب بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تو تو بھی عجیب ہی لگتی ہے۔ ارے اتنا کشٹ اٹھا رہی ہے بتا کیوں نہیں دیتی۔''

''پھولداس مجھ سے باتیں کرو گے۔''

''تو آیا کس لیے ہوں یہاں۔''

''کیا تمہیں چندریکا نے بھیجا ہے۔''

''اس وقت میں خود آیا ہوں۔''

''دیکھو! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ایک دیہات میں پیدا ہوئی۔ قدرتی طور پر پاؤں الٹے تھے۔ ماتا پتا غریب تھے۔ بھائیوں کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ میں لوگوں کے مذاق کا نشانہ بن گئی، لیکن میں نے اپنے الٹے پیروں سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچا۔ اس سمے جب میں کچھ بڑی ہو گئی تھی اور میری عقل میں بہت سی باتیں آنے لگی تھیں۔ پھولداس میں الٹے پیروں والی بن کر لوگوں کو ڈرانے لگی اور میں

نے شرارتیں بھی کیں اور ان سے فائدے بھی اٹھائے، لیکن وہ صرف بچپن کی حد تک تھا۔ میرے پتا کو فالج ہوا۔ تو بھائیوں نے انہیں گھر سے نکال دیا اور ہم لوگ شہر آ گئے، شہر میں ہمیں کچھ ایسے لوگ ملے جنہوں نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا بھگوان انہیں جیتا اور سلامت رکھے۔ بس ادھر مجھے تھوڑا سا آرام چین ملا تو میرے من میں کچھ اور شرارتیں ابھریں۔ ایسے ہی گھومنے پھرنے نکل گئی تھی اور اس طرح مندر پہنچ گئی۔ مہارانی کو میں نے کالی دیوی کے مجسمے کے سامنے ناچتے ہوئے دیکھا۔ میں ان سے بہت متاثر ہوئی تھی اور جب انہوں نے کہا کہ مجھے اکاس پور لے جایا جائے تو میں نے اعتراض نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ مہان ہستی کس کی ہے۔ بس اتنا دوش ہے میرا۔ بس تم لوگوں نے مجھے کیا سے کیا سمجھ لیا۔ دیکھو مجھے تنگ نہ کرو۔ تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔ بعد میں تمہیں خود ہی افسوس ہوگا کہ تم نے ایک بے گناہ کو تکلیفیں پہنچائیں۔'' دیوالی نے کہا۔ پھولداس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا ہو۔ پھولداس نے کئی بار نگاہیں اٹھا کر دیوالی کو دیکھا آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر نرمی کے تاثرات پھیلتے جا رہے تھے۔ کئی بار اس کی نظریں دیوالی کے پیروں پر پڑیں اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ بات تو مانی جا سکتی ہے۔ اگر تُو گندی آتما ہوتی تو خود بھی کچھ کرتی اپنے لئے۔ مگر بے وقوف لڑکی تھوڑی سی عقل تو ہونی چاہیئے تھی تجھ میں۔ تجھے اکاس پور آنے کی کیا ضرورت تھی اور اس سے جب تو اگر چاہتی تو نکل بھی سکتی تھی۔''

''بس پھولداس مہاراج اور تو کچھ نہیں کہوں گی آپ سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بھگوان نے جو مقدر میں لکھ دیا ہے۔ وہ ہوتا رہے گا۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی گھور چندی میرے ماتا پتا کے بارے میں کہہ کر گیا ہے۔ یہ تو بری بات ہوگی۔ وہ بیچارے تو کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''ہوں...... میرے من میں تیرے لئے دیا آ گئی ہے میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ تیری مدد کرنا چاہتا ہوں میں۔ بول کیا کروں؟ ویسے میں تجھے ایک بات بتا دوں چندریکا وتی بہت بڑی جادوگرنی ہے۔ اس نے جادو کے زور سے راجہ اودھے چند کو اپنے جال میں پھانسا۔ تھوڑے دن تک اسے لبھایا اور تھوڑے دنوں بعد بے چارے کو قید کر دیا۔ اسے راج دھانی مل گئی اور اب وہ اپنی راج دھانی کی پرماتما ہے۔ وہ کالے گیان حاصل کر رہی ہے۔ بہت کچھ مل گیا ہے اسے۔ کالی کتھا کرتی ہے وہ اور جب اس کی کالی کتھا پوری ہو جائے گی تو وہ کالی دھرتی کی پرماتما بن جائے گی۔ نجانے سنسار کو اس کے ہاتھوں کیا کیا نقصان پہنچیں گے مہ

ب تجھے من کی بات بتا رہا ہوں۔ سچ مانے گی میری بات؟''

''جی مہاراج۔''

''من سے میں، مہاراج اودھے چند کا داس ہوں۔ پر کیا کروں کچھ بھی نہیں کر سکتا ن کے لئے۔ آج تک اسی سوچ میں ڈوبا رہا ہوں کہ کیسے مہاراج کو اس کی قید سے ڑاؤں۔ کیسے اسے نقصان پہنچاؤں۔''

''آپ کے من میں اگر میرے لئے دیا آ گئی ہے تو پہلے تو مجھے آزادی دلائیں۔''

''نہیں کر سکتا نا یہ۔ افسوس کی بات ہے، گھور چندی نے تجھے اکال شردھا میں پھانس ہا ہے۔ پر ایک کام ہو سکتا ہے، مگر تو ٹھہر، میں ہی تیرے لئے کچھ کرتا ہوں۔'' وہ ایک لمحے ک دیوالی کو دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے واپس پلٹ گیا۔ کچھ دیر بعد وہاں سے واپس آیا۔ س کے ہاتھ میں ایک برتن تھا۔ اس برتن میں خون بھرا ہوا تھا۔''

''یہ کبوتر کا خون ہے اس کا کچھ حصہ میں تیرے منہ سے لگاتا ہوں۔ باقی زمین پر ڈال یتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد رانی چندریکا وتی تجھے دیکھنے آئے گی۔ گھور چندی چلا گیا ہے اس نے بتا دیا ہوگا کہ تو اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''ایک بات بتایئے مہاراج وہ ساتویں، ساتویں کیا کر رہا تھا۔''

''یہی تو بات ہوگئی ہے۔ رانی چندریکا گیان جاپ کر رہی ہے اسے سات لونا ناریوں کو اپنے قبضے میں کرنا تھا۔ سات پکڑی تھیں اس نے، ایک نکل بھاگی اور جو نکل اگی اس کی تلاش بہت ضروری ہے۔ وہ نہ ملی تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا رانی ندریکا وتی کو۔ وہ تجھے ساتویں سمجھ رہی ہے اور اسی کا گیان کر رہی ہے۔''

''مہاراج یہ کبوتر کا ہی خون ہے ناں۔''

''دیکھ سب تجھ پر ظلم کر رہے ہیں۔ میں بھی انہی میں شریک ہوں۔ چنانچہ مجھے بڑا طرہ مول لینا پڑے گا۔ پر ٹھیک ہے جو لیا سو لیا مجھ پر اگر تو شک کرے گی تو سمجھ لے کہ بات ہیں بنے گی۔''

''نہیں مہاراج۔ بھگوان بھی تو ہے اس سنسار کا مالک۔ جب انسان ایک دوسرے پر م کی انتہا کر دیتے ہیں تو پھر بھگوان کی لاٹھی چلتی ہے۔ وہی ٹھیک کرتا ہے ان سب کو۔ آپ بہت بہت دھنے واد کہ آپ نے مجھ پر دیا کھائی۔'' پھولداس نے دیوالی کے منہ سے خون یا باقی خون اس نے زمین پر پھینک دیا اور اس کے بعد اس پیالے کو یہاں سے دور آیا۔ جس میں خون لے کر آیا تھا۔ پھر وہ کوئی دو گھنٹے تک دیوالی سے باتیں کرتا رہا

تھا۔ دو گھنٹے کے بعد اس نے اچانک کہا۔

''اب سنبھل جا۔ کام کا سمے آ رہا ہے میں اپنا کھیل شروع کرتا ہوں تُو بھی کھیل شروع کر دے۔ تجھے اپنے آپ کو مردہ ظاہر کرنا ہوگا۔ اس کے لئے جب بھی کوئی تجھے دیکھے تجھے سانس روکنا پڑے گا۔''

''وہ میں کرلوں گی مہاراج۔'' دیوالی نے کہا۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ وجے کپور کے ایک شعبدے میں اسے سانس روکنے کی مشق ہوگئی تھی۔ وجے کپور کا شعبدہ یہ ہوتا تھا کہ وہ اسے لوہے کے ایک صندوق میں بند کر دیتا تھا اور پھر صندوق کو پانی میں اتار دیتا تھا۔ کئی کئی گھنٹے صندوق پانی میں رہتا اور اس کے بعد وہ اسے نکالتا تو وہ زندہ سلامت باہر نکلتی۔ کئی بار اس نے لوگوں کو حیران کر دیا تھا لیکن اس کے لئے اسے وجے کپور نے پہلے مشق کرائی تھی۔ اس وقت بھی یہی مشق اس کے کام آ سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد چندریکاوتی اور گھور چندی وہاں پہنچ گئے۔ پھولداس چہرہ افسردہ بنا کر کھڑا ہوگیا۔

''ہاں پھولداس اسے عقل آئی یا نہیں۔''

''عقل تو نہیں آئی رانی جی موت آ گئی بیچاری کو۔''

''کیا.....؟''

''ہاں، ان گھور چندی مہاراج نے بڑا اونچا کام کر ڈالا۔ رانی جی ایک عورت تھی وہ۔ آپ مجھے خود ہی بتائیے کہ اسے ٹھوکروں سے مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ٹھوکر انہوں نے اس کے پیٹ میں ماری اور شاید اندر سے اس کے بدن کی کوئی چیز پھٹ گئی۔ منہ سے خون نکلا اور مر گئی سسری۔''

''ہیں.....'' چندریکا نے حیرت بھری آواز میں کہا گھور چندی بھی کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ چندریکاوتی دیوالی کے پاس پہنچ گئی۔

''یہ کیا ہوا۔ یہ تو برا ہوگیا۔ پھولداس اسے تو مرے ہوئے بھی کافی دیر ہوگئی۔'' چندریکاوتی دیوالی کے پاس پہنچ گئی۔ دیوالی کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ بے نور نظر آ رہا تھا۔ سانس کا نام ونشان نہیں تھا۔ چندریکاوتی اس کے اندر زندگی تلاش کرتی رہی اور اس کے بعد افسوس بھرے انداز میں کھڑی ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے گھور چندی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''گھور چندی مہاراج عمر کے ساتھ ساتھ عقل بھی بوڑھی ہوگئی۔ یہ کہا تھا تم سے تم نے۔''

''وہ مان ہی نہیں رہی تھی تو میں کیا کرتا۔''

''اب میں بھی نہیں مان رہی اب بتاؤ کہ تم کیا کرو گے۔''

''تمہاری بات دوسری ہے چندریکاوتی۔''

''بڈھے کھوسٹ اپنے آپ کو بہت مہان سمجھتا ہے۔ بہت اونچے وچار ہوگئے ہیں۔ تجھے پتہ ہے نا میں کون ہوں۔ میں نے تجھ سے کیا کہا تھا اور تو نے کیا کیا۔ اگر یہ ساتویں ہوئی گھور چندی تو تجھے کالے کنویں میں اترنا پڑے گا۔ سمجھا۔ مجھے معلوم کرنا پڑے گا چتر بندھن سے۔ پورن ماشی کی رات کو میں چتر بندھن میں اکال گیان کروں گی اور اگر اس اکال گیان میں یہ پتہ چل گیا کہ یہ ساتویں تھی اور تیرے ہاتھوں ہلاک ہوگئی۔ تو پھر میں تجھے بتاؤں گی۔''

''چندریکاوتی اتفاق تھا کہ یہ ہوگیا اور تو مجھے اس طرح دھمکیاں نہ دے۔ اپنے آپ کو اتنا مہان مت سمجھ کہ گھور چندی کے مقابلے میں آئے۔ اس میں ابھی کافی سمے ہے۔''

''ٹھیک ہے پورن ماشی گزر جانے دے۔ اس کے بعد بتاؤں گی میں تجھے۔''

''بتا دینا، بتا دینا۔ میرے خلاف بات کر ہی ڈالی ہے تو ٹھیک ہے۔ میرا تیرے ساتھ رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔'' گھور چندی واپس پلٹا اور چلا گیا۔ چندریکاوتی اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''بے وقوف یہ نہیں جانتا کہ میں سوتنتر گیان حاصل کر چکی ہوں۔ اسے ابھی اس بات کا پتہ نہیں ہے گدھا کہیں کا۔ پھولداس جی تم ایک کام کرو مرکرودھ کریں گے اس کا۔ اسے محل میں لے آؤ اور اس کے بعد اس کے کریا کرم کا بندوبست کرو۔ میں اس کا کرم جات کروں گی۔''

''ٹھیک ہے مہارانی جی آپ چلیں میں اسے محل میں لانے کا بندوبست کرتا ہوں۔'' پھولداس نے کہا۔ اس کے باوجود چندریکاوتی تھوڑی دیر وہاں کھڑی رہی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے رتھ میں بیٹھ کر اپنے محل کی جانب چل پڑی تھی۔ پھولداس وہیں موجود تھا، اس نے کہا۔

''اب اتنا لمبا سانس مت روکنا کہ کہیں دم ہی نہ گھٹ جائے۔''

''مجھے کھول تو دیجئے مہاراج۔'' دیوالی نے کہا اور پھولداس نے جلدی سے اس کے سارے بندھن کھول دیئے۔ سانپ تو پہلے ہی اس کے جسم سے غائب ہو چکے تھے۔ گھور چندی نے اپنا گیان سمیٹ لیا تھا۔ دیوالی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جو سمے اس پر بیتا تھا اس نے

اسے بہت زیادہ بدحواس کر دیا تھا۔ اسے تو اپنی زندگی ہی مشکل نظر آ رہی تھی۔ پر بات وہی ہے، جو کرتا ہے بھگوان ہی کرتا ہے۔ بھگوان کی کتاب میں اس کا جیون ابھی باقی تھا۔ جو اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ پھولداس کے دل میں اگر دیا نہ آ جاتی تو وہ تو گئی تھی، پھولداس نے کہا۔

’’آؤ یہاں سے چلو۔ یہ سارا علاقہ چندریکاوتی کا ہے۔ یہاں اس کے بیر گھومتے رہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی بیر اسے ہماری خبر دے دے۔‘‘

’’مہاراج ایک بنتی کروں آپ سے۔‘‘ دیوالی نے کہا۔

’’آؤ تو سہی، یہاں سے نکلتے ہیں۔ بعد میں جو کہو گی تمہاری سن لوں گا۔‘‘ پھر پھولداس اسے لے کر وہاں سے کافی دور نکل آیا۔ سامنے ہی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت نظر آ رہی تھی۔

’’آؤ وہ جگہ محفوظ ہے۔ وہ دھرم پاٹ شالہ ہے۔ کسی زمانے میں اودھے چند مہاراج نے بنوائی تھی۔ پر اس کے بعد اس پر کوئی توجہ ہی نہیں دی گئی۔ بات یہ ہے کہ منش اپنی برائی کا پھل بھوگتا ہے۔ چھوڑو اب زیادہ باتیں کرنا بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔‘‘ وہ پاٹ شالہ پہنچ گئے۔ ایک سرخ پتھر کی عمارت تھی جو یقینی طور پر بڑی قدیم تھی۔ پتھروں میں کہیں سرخی جھلکتی تھی۔ ورنہ ہرے رنگ کی کائی نے سب کچھ خراب کر کے رکھا ہوا تھا۔

’’یہاں مہاراج چندر کھانچی نے، موم جاپ کیا تھا اور یہ جاپ اس جگہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالے جادو سے پاک کر دیتا ہے۔ جہاں وہ کیا جائے یہ اطمینان کی جگہ ہے اور یہاں کوئی بیر تک نہیں پہنچ سکتا۔ آؤ بیٹھو۔‘‘ دیوالی بیٹھ گئی۔

’’تم نے مجھے جو کچھ بتایا کیا وہ سب کچھ سچ ہے۔ دیکھو اب بات دوسری ہو چکی ہے میں تم سے جو پوچھ رہا ہوں۔ اس میں مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔‘‘

’’نہیں مہاراج۔ بالکل سچ کہا میں نے آپ سے۔ ایک اچھے خاصے گھر کی ہوں میں اور آپ یوں سمجھ لیں کہ بس تقدیر کی ماری ہوں۔ اچھا خاصا جیون بتا رہی تھی۔ پتہ نہیں کیسے کیسے پھیر میں پڑ گئی۔‘‘

’’مجھے بتاؤ کیسا پھیر۔‘‘

’’جنم، جنموں کا پھیر۔‘‘ دیوالی نے کہا اور مختصر الفاظ میں پھولداس کو اپنی رام کہانی سنا دی پھولداس بہت متاثر ہوا تھا اس نے کہا۔

’’سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ساری باتیں تو بھگوان ہی جانتا ہے۔ منش کو اپنے یگ یگ کا

کیسے معلوم ہو سکتا ہے خیر تم کچھ کہہ رہی تھیں مجھ سے۔‘‘

’’ہاں مہاراج میرے ساتھ بڑی عجیب و غریب باتیں ہوئی ہیں ابھی کچھ ہی عرصے
میرے پاس ایک بڑی شکتی بڑا گیان تھا۔ مہاراج جے راج نے مجھے جو کچھ دیا تھا۔ میں
پ کو بتا نہیں سکتی۔ بڑی آگے نکل چکی تھی۔ مجھے لوگوں کا جیون پتہ چل جاتا تھا۔ اے
لون! ذرا سی غلطی سے ماری گئی۔ بس ناتجربے کاری کی بات تھی۔ مجھے لوگوں کے گھروں
جانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ پھر کیا کرتی میں۔ عمر کی بھول نقصان پہنچا گئی۔‘‘

’’ہوں...... خیراب۔‘‘

’’مہاراج اگر آپ دیا کریں تو مجھے میری دنیا میں واپس جانے دیں۔ میں اب کسی
یر میں نہیں پڑنا چاہتی۔ نہ مجھے جنم جنموں سے کوئی دلچسپی رہ گئی ہے۔ نہ اب کسی کی تلاش
ہے مجھے۔ جو کام بھگوان کے ہیں وہ بھگوان ہی کرے۔ ہمیں اپنے جیون پر کوئی ادھیکار نہیں
دتا۔ تو پھر ہم اپنے من کی ساری باتیں پوری کرنے پر کیوں تل جاتے ہیں۔‘‘

’’بالکل ٹھیک کہتی ہو تم، ایسی ہی بات ہے مگر میں تمہیں بتاؤں، میں تمہیں جانے نہیں
ے سکتا۔ کیونکہ میری ذمہ داری لگائی گئی ہے اور پھر ایک بات اور بتاؤں تمہیں۔ اب جبکہ تم
نے میرا من بدل ہی دیا ہے تو تھوڑا سا کشٹ اور اٹھا لو۔‘‘

’’جی مہاراج بتلائیے۔‘‘

’’تمہیں نہیں معلوم وہیں ایک عمارت میں بیچارہ اودھے چند جیون کے برے دن
تا رہا ہے۔‘‘

’’مجھے پتا ہے مہاراج۔‘‘

’’کیا؟‘‘

’’ہاں مجھے پتہ ہے۔‘‘

’’کیسے پتہ ہے؟‘‘

’’مہاراج میں وہاں جا کر دیکھ چکی ہوں۔ نکلی تھی کسی کام سے اور پہنچ گئی وہاں پر اور
پھر مہاراج مجھے وہ جگہ نظر آ گئی۔‘‘

’’ہاں، وہ بھی چندریکاوتی کا بیر ہے اور وہیں پر ہوتا ہے۔ چندریکا نے اسے اودھے
چند کی نگرانی پر لگایا ہے۔‘‘

’’جی مہاراج۔‘‘

’’ہم اودھے چند مہاراج کو ان کا جیون واپس دلانا چاہتے ہیں۔‘‘

''وہ کیسے؟''

''چندریکا کے پھیر سے نکال کر۔''

''تو کیا......مہاراج......''

''ہاں اودھے چند مہاراج بے چارے بس یوں سمجھ لو پھنس گئے اس جال میں۔ چندریکا اپنے آپ کو کسی بھی سندر روپ میں لاسکتی ہے۔ ایک سترہ سالہ ناری کے روپ میں بھی اور ایک دوسو سالہ بڑھیا کے روپ میں بھی۔ وہ ڈائن بھی بن سکتی ہے اور بھگوتی بھی۔ سمجھو اسی طرح اس نے اودھے چند مہاراج کو اپنے حسن کے جال میں پھانسا۔ وہ کالی کرتو یہ بنا چاہتی ہے کیا سمجھیں۔''

''جی مہاراج، تھوڑا تھوڑا سمجھ رہی ہوں۔''

''اودھے چند مہاراج اسے یہاں لے آئے، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد انہیں پتہ چل گیا کہ وہ ایک جادوگرنی کے پھیر میں پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے چندریکا سے کہا کہ وہ ان کی راج دھانی چھوڑ دے۔ بس وہیں سے ان کا کھیل سماپت ہو گیا۔''

''کیا ہوا؟''

''چندریکا نے انہیں وہاں قید کر دیا اور...... اور مشہور کر دیا کہ وہ بیمار ہیں اور ان کا علاج ہو رہا ہے۔ دو تین بار وہ کسی سے انہیں لوگوں کے سامنے بھی لے آئی۔ جنتا نے انہیں دیکھا بے چارے شکل ہی سے بیمار لگنے لگے ہیں۔ جنتا نے یقین کر لیا کہ وہ بیمار ہیں اور بس اب وہیں قید ہیں۔''

''تو انہیں اب اس قید سے نکالا جاسکتا ہے۔''

''ہاں اب تو نکالنا ہی پڑے گا۔ پہلے میں چندریکا کا ساتھی تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مجھے سنسار کے سارے عیش دے دیئے ہیں۔ پر نجانے کیوں تُو نے میرا دل بدل دیا اور میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں نے ان سے غداری کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ اور تجھے اس سلسلے میں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ اگر تو یہاں سے نکل گئی۔ تو پہلی بات تو یہ کہ وہ سسری اپنے بیروں کے ذریعے ہی تجھے تلاش کرے گی مگر اسے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ میں ان کا مخالف ہو گیا ہوں۔ اگر میں تجھے اس کے کہنے کے مطابق محل لے جاؤں اور وہاں جا کر ہم دونوں وہ کریں جو ہمارے منصوبے کے مطابق ہو اور اس سے ہم مہاراج اودھے چند کی سہائتا کر سکیں تو یہ سب سے اچھی بات ہوگی۔'' دیوالی سوچ میں ڈوب گئی۔ مشکل تو ویسے بھی تھی۔ آرام سے نہیں نکل سکتی تھی۔ مسئلہ تو بن ہی جاتا۔

چنانچہ اس نے سوچا کہ اگر پھولداس اس کی مدد پر آمادہ ہے تو اس وقت اسے اس سے اٹھانا چاہیئے۔ وقت تو کسی بھی لمحے بدل سکتا ہے تقدیر سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ نے کہا۔

''پھولداس مہاراج آپ کا جو حکم ہو اب آپ نے جب میری اتنی مدد کی ہی ہے۔ تو اور بتا دیجئے کہ جب آپ مجھے محل لے جائیں گے تو میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

''وہ جادوگرنی تمہارا مرن کرودھ کرے گی۔''

''یہ مرن کرودھ کیا ہوتا ہے۔''

''تم نے راج محل کے باغ میں بہت سے مجسمے دیکھیں ہوں گے تمہارا کیا خیال ہے مجسمے کیا کسی بت بنانے والے نے بنائے ہوں گے۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم مہاراج۔''

''وہ مجسمے جیتے جاگتے انسانوں کے ہیں۔ وہ سب جیتے ہیں پر مرن کرودھ سے انہیں دیا گیا ہے۔ یہ سب وہ ہیں جنہوں نے کبھی نہ کبھی چندریکا کے سامنے سر اٹھایا ہے اور یکا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب اندر سے جیتے ہیں۔ اوپر اوپر سے اس جادو کا شکار ہیں اور یہ جادو ہی مرن کرودھ ہوتا ہے۔''

''ہوں......تو مجھے بھی مجسمہ ہی بنا دیا جائے گا۔''

''ہاں......''

''پھر میں کیا کروں گی مہاراج۔''

''تُو اب چنتا مت کر۔ بس اب یوں سمجھ لے ان سب کے بیچ میں جا کر ان سے صحیح میں باتیں کر۔ میں تجھے اپنا منصوبہ بتادوں گا اور یہ بتادوں گا کہ آگے تجھے کیا کرنا یوں سمجھ لے کہ میں نے بھی اپنی جان کی بازی لگادی ہے۔ یا تو اودھے چند مہاراج کو کے چنگل سے نکال لوں گا یا پھر خود بھی......'' دیوالی کو ایک لمحے کے لئے خوف سا محسوس بات وہی آجاتی تھی کوئی اور منصوبہ تو تھا نہیں کوئی بھی پروگرام نہیں تھا۔ جس پر عمل وہ اپنا جیون بچا سکتی۔ دل ہی دل میں اس نے کہا تھا۔

''واہ رے راج مہاراج۔ میری عمر دیکھیں غلطی تو انسان سے ہو ہی جاتی ہے آپ اگر سامنے رکھ کر کوئی ایسا اپائے بتا دیتے کہ مجھے میرا وہی جیون واپس مل جاتا جو آپ دیا تھا یا جو شکتی آپ نے مجھے دے دی تھی۔ اسے قائم ہی رہنے دیتے تو کیا

ہو جاتا۔ ٹھیک ہے بھگوان نے جو لکھ دیا ہے وہ تو پورا کرنا ہی ہوگا۔'' دیوالی تقدیر پر شاکر ہوگئی۔ پھولداس نے کہا۔

''تو کیا کہتی ہو دیوالی۔ تیار ہو اب راج محل چلنے کے لئے۔ ہمیں اب زیادہ دیر نہیں لگانا چاہئے، مجھ سے جواب طلبی کی جاسکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج جو آپ کی آ گیا۔'' پھولداس نے دیوالی کے ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیئے پیروں میں بھی رسی باندھ دی تھی اور اس کے بعد وہ اسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بیل گاڑی لے کر آ گیا۔ دیوالی کو اس میں ڈالا اور اسے لے کر چل پڑا۔ خاصا لمبا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ ویسے بھی بیلوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہوتی، لیکن بہرحال وہ اکاس پور پہنچ ہی گیا اور اس کے بعد محل کے اندر اس نے دیوالی کو جس جگہ پہنچایا وہاں ایک سنسان سی جگہ بنی ہوئی تھی۔ دیوالی یہاں ہاتھوں پیروں سے بندھی پڑی رہی۔ گھور چندی کے بارے میں بعد میں دیوالی کو پتہ چلا کہ اس کے اور چندریکاوتی کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے اور گھور چندی وہاں سے چلا گیا ہے۔ پھولداس ہی نے یہ خبر دی تھی اور کہا تھا۔

''یہ بہت اچھا ہوا ہے دیوالی۔ کیونکہ چندریکاوتی سے جہاں بھی کوئی بھول ہوتی ہے گھور چندی وہاں اس کی سہائتا کرتا ہے لیکن اب لگتا ہے بھگوان نے چندریکاوتی کا سے پورا کر دیا ہے۔ بات خود بخود بنتی جارہی ہے رات کو بارہ بجے کے بعد وہ آئے گی اور تجھے مرن کرودھ کرے گی۔''

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے مہاراج۔''

''نہیں کچھ نہیں۔ کچھ منتر وغیرہ پڑھے گی وہ اور بس۔'' دیوالی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی۔ پھولداس کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ گھور اندھیرا ہو رہا تھا۔ کیونکہ جس جگہ دیوالی کو لا کر ڈالا گیا تھا۔ وہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔ چندریکاوتی کے ساتھ شاید پھولداس بھی تھا۔ کیونکہ دیوالی نے دو سائے دیکھے تھے، لیکن چندریکا نے اپنے چہرے پر کوئی عجیب سی چیز ملی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا چہرہ بھیانک انداز میں چمک رہا تھا۔ وہ دیوالی کے پاس آ گئی۔ پھولداس نے اسے زمین پر سیدھا سیدھا لٹا دیا اور دیوالی خوفزدہ انداز میں چندریکاوتی کو دیکھنے لگی۔ جواب اس کے سرہانے کھڑی تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد اچانک ہی چندریکا نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ وہ بڑے بھیانک انداز میں اپنے منہ سے کچھ آوازیں نکال رہی تھی۔ پھولداس

ایک دیوار سے جا کر لگ گیا تھا۔ دیوالی سیدھی لیٹی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے بدن کی قوتیں زائل ہوتی جارہی ہوں۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا اسے بھی پتھریلے مجسمے میں تبدیل کیا جارہا ہے ایسی صورت میں پھولداس اس کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پھولداس نے بھی اسے بے وقوف بنایا ہو۔

آہ! اگر ایسا ہوا تو میری زندگی بھی ایک پتھریلے مجسمے کی شکل میں گزر جائے گی۔ یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں۔ بلاوجہ اپنے پریمی کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ حالانکہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہی ملتا ہے۔ بنی تھی بڑی پریم پجارن بلاوجہ اپنا جیون خراب کیا۔ مگر کیا کرتی ڈاکٹر نریشا بھی تو اسی پھیر میں پڑ گئی تھی۔ بلکہ وہی اسے لے کر گئی تھی۔ جبکہ وجے کپور کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وجے کپور وہ نہیں ہے جو اس کا پریمی ہے بے چارے نے کیا کچھ نہیں کیا تھا دیوالی کے لئے، لیکن دیوالی نے اس سے ایک دم کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ لازمی بات تھی کہ وجے کپور کے دل کو بھی دھچکا پہنچا ہوگا۔

بہرطور یہ ساری باتیں دیوالی سوچتی رہی تھی۔ ادھر چندریکاوتی بھیانک انداز میں اچھل کود کرتی رہی۔ دیوالی کا پورا جسم سن ہو گیا۔ وہ ہوش حواس میں تھی جاگ رہی تھی، لیکن اپنی پلکیں تک نہیں جھپک سکتی تھی۔ پھر یہ مرن کرودھ ختم ہو گیا۔ چندریکا نے کہا۔

''اسے اٹھا کر باغ میں کسی جگہ سجا دو۔''

''جو حکم مہارانی جی۔'' پھولداس نے کہا اور اس کے بعد جھک کر دیوالی کے ہاتھ پاؤں کھولنے لگا۔ چندریکا نے کہا۔

''اور اسے کوئی سندر سا لباس بھی پہنا دو۔''

''جو آ گیا مہارانی جی۔'' پھولداس نے پھر گردن خم کی۔ دیوالی اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ پھولداس چندریکاوتی کے ساتھ ہی باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کے پاس ایک خوبصورت لباس موجود تھا اور ساتھ میں ایک باندی بھی، اس نے لباس باندی کو دیتے ہوئے کہا۔

''لو اسے یہ کپڑے پہنا دو اور باہر نکل جاؤ۔'' یہ کہہ کر پھولداس خود بھی باہر نکل گیا تھا۔ دیوالی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ دل میں خوف بھی تھا اور تجسس بھی۔ جس عمر میں وہ تھی اس میں تجسس خوف پر غالب ہوتا ہے اور خوف سے زیادہ تجسس دلکشی رکھتا ہے وہ سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں مرن کرودھ کیا چیز ہے اور اس کے بعد اسے کون سا جیون بتانا ہوگا۔ کوئی خاص افسوس بھی نہیں تھا اسے۔ انوکھے واقعات جاننے کا موقع مل رہا تھا اسے۔ اب

یہ الگ بات ہے کہ اسے خود اتنا کچھ مل چکا تھا کہ اگر وہ اس کی حفاظت کر لیتی تو بڑی مہان ہوتی۔ بہر حال اس نے وہ لباس پہن لیا بڑا خوبصورت اور جگمگاتا لباس تھا۔ چندریکاوتی نے اسے خاص طور سے یہ لباس بھجوایا تھا۔ لباس پہننے کے بعد انتظار کرنے لگی کہ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد چھ عورتیں اندر داخل ہوئیں۔ یہ بڑے بڑے خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ان کے چہروں پر ایک عجیب سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ایک سے ایک حسین تھی۔ وہ چھ قطار بنائے اندر داخل ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے چندریکاوتی موجود تھی۔ وہ خود بھی اس وقت انتہائی خوبصورت لباس میں تھی۔ اور بڑے پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی اندر آئی تھی۔ چھ عورتیں دیوالی کے گرد دائرہ بنا کر کھڑی ہو گئیں۔

''ہائے ساتویں نہیں ہے اگر وہ بھی ہوتی تو آج چندریکاوتی کتنی مہان ہوتی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔'' کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پھولداس اندر آیا اور اس نے دیوالی کو پکڑ کر درمیان میں کھڑا کر دیا اور بولا۔

''مرن کرودھ ہونے جا رہا ہے تیرا۔ سیدھی کھڑی رہ کوئی حرکت کی کوشش کی تو جان سے جائے گی۔'' دیوالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھولداس کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چندریکاوتی کا وفادار ہے اور اسی کے اشارے پر سب کچھ کر رہا ہے لیکن اس سے پہلے وہ دیوالی کو سب کچھ سمجھا چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

بہر حال دیوالی وہی کرتی رہی جو وہ کہہ رہے تھے۔ دائرہ بنائے کھڑی ہوئی عورتوں نے رقص شروع کر دیا اور مدھم آواز میں کوئی گیت گنگنانے لگیں۔ جیسے جیسے وہ کوئی گیت گنگنا رہی تھیں دیوالی کے پورے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑتی جا رہی تھی۔ چندریکاوتی کھڑی ہوئی ایک طرف عجیب وغریب حرکتیں کر رہی تھی وہ کبھی ہاتھوں کو فضا میں گردش دیتی کبھی اپنے بدن کے گرد گھمانے لگتی۔ کبھی اس کے پیر تھرکنے لگتے۔ اس کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے جیسے وہ کوئی منتر پڑھ رہی ہو۔ دیوالی کو اپنا پورے کا پورا بدن سن ہوتا ہوا محسوس ہوا اور پھر اسے ایسا لگا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی مگر ہاتھ نہیں اٹھ سکا۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے کی کوشش کی لیکن ہونٹوں کو بھی جنبش نہ ہو سکی۔ البتہ آنکھیں بدستور کام کر رہی تھیں دماغ بدستور کام کر رہا تھا۔ وہ سوچ سمجھ سکتی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ چندریکا نے پھولداس سے کہا۔ ''پھولداس اسے کسی اچھی سی جگہ نصب کر دو۔''

''جو آ گیا مہارانی جی۔'' پھر یہ سب کی سب باہر نکل گئیں۔ دیوالی نے نظریں گھما کر ...داس کو دیکھا۔ صرف آنکھیں ہی گردش کر رہی تھیں اور دماغ سوچ رہا تھا۔ گردن تک کو ...نہیں دے سکتی تھی وہ۔ اس نے پھولداس سے کہنا چاہا کہ پھولداس تم نے تو کچھ اور کہا ... یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ میں تو واقعی پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گئی، لیکن یہ الفاظ وہ اپنی زبان ...ادا نہ کر سکی۔ زبان جنبش نہیں کر رہی تھی۔ البتہ اس نے دیکھا کہ پھولداس چوروں کی ...ح ادھر اُدھر دیکھتا ہوا باہر نکل گیا ہے۔ پھر اس بار وہ ایک پیتل کا برتن لے کر آیا۔ اس ...دھوتی سے ہاتھ صاف کیے اور پیتل کے برتن سے کوئی چیز نکال کر دیوالی کے بدن پر ...ڑکنے لگا جیسے ہی وہ پانی دیوالی کے چہرے پر پڑا دیوالی کے جسم میں ایک دم زندگی دوڑ ...۔ اس نے گردن کو جنبش دی تو گردن گھوم گئی۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔ ''پھولداس۔''

''ہاں، دیوالی۔''

''پھولداس مجھے کیا ہو گیا تھا۔''

''تم پتھرا گئی تھیں۔''

''لیکن اب۔''

''اب ٹھیک ہو۔''

''کیسے؟''

''یہ جو میں نے تمہارے اوپر چھڑکا ہے اسے امرت جل سمجھو۔''

''تو تم نے یہ ان مجسموں پر کیوں نہیں چھڑک دیا۔ جو بے چارے باغ میں کھڑے ...ئے ہیں۔''

''باولی ہوئی ہو کیا۔''

''کیوں......''

...یں کیوں چھڑکتا ان پر یہ امرت جل، اس سے میرے دل میں یہ ہمدردی اور ...یت تو نہیں تھی ناں۔''

''یہ امرت جل تم کہاں سے لائے۔''

''یہ مرن کرودھ کا توڑ ہے جو ایک جگہ چھپا کر رکھا گیا ہے۔ یہ بھی منتر پڑھا ہوا پانی ...مہارانی نے اس لئے رکھا ہوا ہے کہ اگر کسی کی سزا معاف کی جائے اور اسے اپنے کام ...ر بنایا جائے تو یہ جل اس پر چھڑک کر اسے ٹھیک کر لیا جائے۔''

''تو تم اسے وہاں سے لائے ہو۔''

''تو اور کیا۔''

''مگر اس سے تو کوئی کام اور بھی لیا جا سکتا ہے۔''

''کیا......''

''ان تمام مجسموں کو ٹھیک کر دیا جائے۔''

''ابھی بے کار باتیں مت کرو۔ تمہیں ان مجسموں کے درمیان کھڑے ہونا ہے اور انتظار کرنا ہے اس بات کا کہ اگلے سے کیا ہوتا ہے۔''

''لیکن پھولداس مہاراج میں ٹھیک رہ سکوں گی۔''

''اس کی ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

''جے ہو آپ کی۔''

''بس بھگوان کی کرپا ہے کہ تم نے مجھے صحیح راستہ دکھا دیا۔ ورنہ میرے من میں کبھی یہ بات نہ آتی۔ وفادار تو میں اودھے چند مہاراج کا تھا۔ مگر پھنس گیا اس کے پھیر میں چلو اب تو یدھ شروع ہو ہی چکا ہے دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ ویسے یہ بھگوان کی کرپا ہے کہ ابھی تک چندریکاوتی کو مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا ہے۔ آؤ اب میرے ساتھ، مجھے معاف کرنا میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اپنے پاؤں کھڑے رکھنا، بالکل اس طرح جیسے کوئی مجسمہ ہوتا ہے۔''

''آپ اٹھائیں گے مجھے۔''

''مجبوری ہے۔ ورنہ میں کسی اور کے حوالے کرتا تمہیں۔ مگر یہ مجبوری کہ مجھے ہی تمہیں اٹھا کر وہاں تک لے کر جانا ہے۔ تمہارے شریر کو کوئی اور چھوئے گا تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ تم پتھر کی نہیں ہو۔''

''اوہ......'' دیوالی نے ہونٹ سکوڑے۔

بہر حال پھولداس اس قدر طاقتور ضرور تھا کہ اس کے بدن کو اٹھا کر باغ تک لے جائے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اپنی جگہ پسند کر لو۔''

''وہ اس...... فوارے کے پاس، جس میں رنگین مچھلیاں تیر رہی ہیں۔'' پھولداس مسکرا دیا پھر اس نے وہاں لے جا کر دیوالی کو کھڑا کر دیا۔

''سورج چمکے تو سمجھ لو کہ تمہیں آزادی ہے باقی تو بے چارے سب پتھرائے ہوئے ہیں لیکن جاگ سب رہے ہوں گے۔ اصل میں یہ تو تمہیں پتہ ہی ہوگا کہ سورج مہاراج کی کرنیں جب آکاش سے زمین تک آجاتی ہیں تو کالا جادو کالی گھٹاؤں میں بند ہو جاتا ہے

اور اس کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تو کالی گھٹائیں رات کی کالی کرنیں ہی جاپتی ہیں۔ بہر حال اس سے تم گھوم پھر سکتی ہو کھا سکتی ہو اپنی جگہ کوئی تمہیں دیکھ نہیں سکے گا۔''

''اور وہ......''

''کون......''

''وہ مجسمے۔''

''نہیں میں نے کہا ناں وہ مرن کرودھ کا شکار ہیں وہ تمہاری طرح دیکھ سکتے تھے سن سکتے تھے سمجھ سکتے تھے بس اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔''

''تعجب کی بات ہے، تعجب کی بات ہے۔'' دیوالی نے کہا تھوڑی دیر تک پھولداس اس کے پاس رہا اور پھر وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ دیوالی نے محسوس کیا کہ جن مجسموں کی نگاہیں اس کی طرف ہیں وہ سب اسے دیکھ رہے ہیں۔ دیوالی کو کچھ وقت ایسے ہی گزارنا تھا۔ پتہ نہیں کب چندریکاوتی اس کی طرف آجائے۔ رات ہو گئی اور آسمان سے اندھیرے نیچے اتر آئے تمام مجسمے سہمے ہوئے اور خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ویسے بھی اسے ابھی تک کسی نے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ویسے بھی ابھی وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ نیا پنچھی کون ہے یا ممکن ہے کہ ان میں سے کسی نے اس کو پہچان بھی لیا ہو۔ کیونکہ وہ ان کے درمیان بھی تھوڑا سا وقت گزار چکی تھی۔ پھر اس کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ محل کے اندرونی حصہ سے چندریکاوتی باہر نکلی۔ اس کے ساتھ وہی داسیاں تھیں۔ وہ مجسموں کے درمیان گشت کرنے لگیں۔ انہیں دیکھتی رہی۔ مسکرا مسکرا کر ان سے کچھ کہتی رہی، یہاں تک کہ وہ دیوالی تک آگئی۔

''دیکھو کتنی سندر ہے یہ میرا تو من اب بھی یہی کہتا ہے کہ یہ وہی ساتویں ہے۔ پتہ نہیں کس خول میں چھپ گئی ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو آخر ساتویں کہاں گئی۔'' تھوڑی دیر تک وہ یہاں رہی اور اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئی۔ اسے دیوالی پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ دیوالی بھی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت ہی کھڑی رہی تھی۔ حالانکہ اس طرح کھڑے رہ کر اس کا بدن درد کرنے لگا تھا۔ ویسے بھی تقریباً پورا دن ہی گزر چکا تھا۔ اور وہ بیٹھی تک نہیں تھی۔

بہر حال بہت دیر تک یہ سب منظر رہا اور اس کے بعد چندریکاوتی چلی گئی۔ دیوالی خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ پھر رات آہستہ آہستہ بیت گئی۔ دوسری صبح اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں پتھرا گئے ہوں۔ جیسے ہی سورج نکلا وہ زمین پر بیٹھ گئی اور جیسے ہی وہ زمین

پر بیٹھی، چاروں طرف سے ہلکی ہلکی آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ آوازیں انہی مجسموں کے منہ سے آ رہی تھیں۔

غالباً وہ اس بات پر حیران تھے کہ ان جیسی کوئی بیٹھنے میں کیسے کامیاب ہو گئے۔ اس پر سے جادو کیسے اتر گیا۔ پاس ہی سے ایک آواز ابھری۔ ''سنو! بات سنو......'' دیوالی کا رخ اس طرف ہو گیا اس نے دیکھا کہ درمیانی عمر کی ایک عورت ہے۔ اچھی شکل وصورت کی مالک تھی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دیوالی نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں بولو کیا بات ہے۔''

''تم بیٹھ کیسے گئیں۔''

''اپنی مرضی سے۔''

''تمہاری مرضی وہ کیسے چلی۔''

''بس چل گئی تم کون ہو۔''

''کملیشو ہے میرا نام۔''

''کملیشو۔''

''ہاں باندی تھی چندریکاوتی کی۔ بڑی منہ لگی تھی اس کے ایک غلطی ہو گئی۔ معاف نہیں کرتی۔ وہ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ اس کے من کے مطابق کام کرتے رہو تو ٹھیک ہے۔ ذرا سی غلطی ہوئی تو وہ آنکھیں پھیر لیتی ہے۔ کالی جادوگرنی ہے نا۔ بس کوئی کیا کرے۔ ذرا سی بھول ہو گئی تھی مجھ سے۔ میرا مرن کرودھ کر دیا۔ بھگوان اس کا ناش کرے۔''

''اوہ...... بہت افسوس ہوا مجھے، لیکن چنتا مت کرو۔ جلد کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔''

''کیا ہونے والا ہے، ہمیں نہیں بتاؤ گی۔'' ایک مردانہ آواز سنائی دی اور دیوالی کی نگاہیں اس طرف گھوم گئیں۔ اچھی خاصی شخصیت کا مالک ایک شخص تھا۔

''بس کا کا بھگوان نے چاہا تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔''

''تجھے دیکھ کر تو یہی لگ رہا ہے بٹی کہ واقعی کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ تُو تو بالکل ہماری طرح ہی کھڑی ہوئی تھی۔ پر تُو بیٹھ کس طرح گئی۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ بھی سمجھ میں آ جائے گی کا کا۔ بس اس سے ہی اندازہ لگا لو کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔''

''اے بھگوان ہمیں بھی ہمارا گھر مل جائے۔''

''کا کا تم کیسے اس کے جال میں پھنس گئے۔''

''بیٹا! بس تقدیر کا پھیر تھا۔ ہم کسی کام سے آئے تھے اس کے پاس۔ جس کام سے آئے تھے وہ کسی اور کا تھا۔ اس نے ہمیں اس کام کے بارے میں جو ہدایت کی وہ ہم نہیں کر سکتے تھے۔ دھمکی دی اس نے ہمیں اور جب ہم نہ مانے تو اس نے ہمارا مرن کرودھ کر دیا۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ دوسروں سے بھی میں ان کے بارے میں پوچھوں گی۔''

کھڑے کھڑے جس طرح تھکن ہو گئی تھی۔ وہ بڑی عجیب بات تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھسک کھسک کر ان مجسموں کے پاس جاتی رہی اور سب اپنی اپنی کہانی سناتے رہے۔ ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی اسے، تو وہ اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے۔''

''سرودھنا۔''

''تمہیں کیا ہوا تھا سرودھنا۔''

''بس شکار ہو گئی چندریکاوتی کی میں۔ یہاں سے دور ایک گاؤں میں رہتی تھی۔ میرا ایک پریمی تھا، جس سے میری سگائی ہو گئی تھی۔ سال بعد ہماری شادی ہونے والی تھی۔ بڑا سندر شیر کا شیر تھا وہ نر، کسی کام سے چندریکاوتی کے پاس آیا اور چندریکاوتی کو پسند آ گیا، چندریکاوتی نے اسے اپنی ہوس کا شکار کرنا چاہا۔ پر اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مجھ سے پریم کرتا ہے۔ چندریکاوتی نے مجھے بلا بھیجا۔ پھر میرا اور اس کا مرن کرودھ کر دیا گیا۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''بڑی دور ہے یہاں سے۔ اس نے اس لئے مجھے اس سے دور رکھا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھ سکیں۔''

''تو چنتا مت کر سرودھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' دن کے کوئی گیارہ بجے کے قریب ٹھوندا اس آیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں چھپائی ہوئی تھیں۔ دیوالی کو وہ ایک درخت کی آڑ میں لے گیا اور وہاں اس نے چیزیں دیتے ہوئے کہا۔

''لو کھا لو اور یہ سمجھ لو کہ اب تمہیں کل اسی سمے کھانے پینے کو ملے گا اور اپنے آپ کو اسی طرح محفوظ رکھنا ہے تمہیں کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ میں اسی طرح تمہیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچاتا رہوں گا۔''

''آپ مجھ پر جو کرپا کر رہے ہیں مہاراج میں اس کا کیا صلہ دے سکوں گی آپ کو۔''

''چھوڑو، دیوالی چھوڑو۔ میرے من میں انسان جاگ اٹھا ہے۔ بس اس کے علاوہ

اور کچھ نہیں کہہ سکتا میں تجھ سے۔'' سارے مجسمے دیوالی کو دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

''بڑی خوش نصیب ہے ری تُو۔ ہمیں تو برسوں گزر گئے کھائے پیئے اور بھوک بھی نہیں لگتی۔ شریر پتھر کے ہیں۔ پتہ نہیں آتما پتھر کی کیوں نہیں ہوگئی۔'' دیوالی نے کوئی جواب نہیں دیا اسے ان سب پر افسوس ہو رہا تھا۔

سورج آسمان کی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا۔ دیوالی آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔ اسے کسی نے ابھی تک نہیں ٹوکا تھا۔ پھر اس نے ایک سادھو جیسی صورت کے آدمی کو دیکھا۔ تو وہ بولا۔

''میں بھگت رندھیر ہوں، میں بتاؤں تجھے میرا گیان کہتا ہے کہ کچھ ہوگا ضرور تو کہیں بھی گھوم لے رات کو جب تو کال کتھی بنے تو میرے قریب ہی کھڑی ہو جانا باتیں کریں گے۔''

''ٹھیک ہے رندھیر مہاراج۔''

''ادھر جا اُدھر، وہ دیکھ وہ مہاراج وکرم جیت ہیں۔ جا ان سے باتیں کر۔'' دیوالی اس شخص کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جو ایک قوی ہیکل عمر رسیدہ آدمی تھا۔ چہرے پر بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ دیوالی نے اسے دیکھا اور بولی۔

''آپ مہاراج وکرم جیت ہیں۔''

''ہاں۔''

''کون ہیں آپ؟''

''اودھے چند مہاراج کا یدھ منتری۔ ان کی فوجوں کا سالار۔''

''آپ کے ساتھ کیا ہوا۔''

''اودھے چند مہاراج کو بند کر دیا گیا۔ میں نے مہارانی جی سے کہا کہ انہیں چھوڑ دیں ورنہ میں فوجوں کو ان کے سامنے لے آؤں گا۔ بس میرے ان الفاظ کی سزا دی گئی مجھے۔ مگر آج بھی میرے من میں اودھے چند مہاراج کی وفاداری ہے اور تم دیکھ لینا لڑکی، ایک نہ ایک دن میں انہیں اس مشکل سے نکال لوں گا۔'' دیوالی ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ بہت سے لوگوں کا تعارف ہو چکا تھا ان سے اور اب صورتِ حال کافی حد تک اس کی سمجھ میں آ چکی تھی۔

بہرحال دیکھنا یہ تھا کہ آگے کا وقت کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ خاموشی سے

یہاں سے نکل جاتی اور اپنی منزل تلاش کرتی، لیکن نجانے کیوں اس کے لئے بھی اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ پھولداس نے اسے ایک خاص جذبے کے تحت مشکل سے نجات دلائی تھی۔ اس کا دل یہ نہیں کرتا تھا کہ وہ ان لوگوں کو اس مصیبت میں چھوڑ کر نکل جائے۔ بہرحال یہ بھی ایک اچھا جذبہ تھا اس کے دل میں۔ تین دن گزر گئے، تین دن اور تین راتیں۔ پھولداس سے اس نے کہا تھا کہ مہاراج میرے لئے کیا سوچا ہے آپ نے، اس نے کہا کہ سمے آنے دے میں ابھی تک الجھن میں ہوں۔ ویسے ایک بڑی اچھی بات ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ گھور چندی یہاں سے چلا گیا ہے وہ چندریکا وتی سے سخت ناراض ہو گیا ہے۔ ان دونوں کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک تھا۔ پہلی بار یہ جوڑی ٹوٹی ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ اسی دوپہر بھگت رندھیرو نے اسے اپنے پاس بلایا اور بولا۔

''میں نے ایک سپنا دیکھا ہے اور وہ بڑے کام کا سپنا تھا۔''

''ارے اس عالم میں بھی تم سپنے دیکھ لیتے ہو مہاراج۔'' دیوالی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پہلی بار مجھے یہ سپنا آیا ہے۔ دیکھ میں بتا سکتا ہوں کہ ہم اس کے خلاف کیسے کام کر سکتے ہیں۔ جب چاند پورے آکاش پر ہوتا ہے اور پورن ماشی ہوتی ہے تو اس کا جادو ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تو کالی راتوں کی کھلاڑی ہے۔ کالی کتھا کرتی رہتی ہے جب چندر آکاش پر ہوتا ہے تو چندریکا وتی چتر بندھن میں پہنچ جاتی ہے۔ ساری رات وہیں چھپی رہ کر جاپ کرتی ہے اور نیا گیان حاصل کر لیتی ہے۔ ہم اگر کسی طرح چتر بندھن تک پہنچ جائیں تو اسے وہیں گھیر سکتے ہیں۔ اس رات وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ پر معاملہ وہی ہے کہ ہم تو ٹھہرائے ہوئے ہیں ہم کیسے وہاں پہنچیں گے۔'' دیوالی ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی۔ پھر جب پھولداس اسے کھانا دینے کے لئے آیا تو اس نے پھولداس سے کہا۔

''مہاراج پورن ماشی کی رات کب ہوگی۔''

''آج سے تین دن کے بعد کیوں؟''

''مہاراج، وہ بھگت رندھیرو ہے اس نے مجھے بتایا ہے کہ پورن ماشی کی رات چندریکا وتی چتر بندھن میں چھپ جاتی ہے تاکہ اپنے جادو کو بچا سکے۔''

''ہے بھگوان۔ یہ بھگت رندھیرو نے بتایا ہے۔''

''ہاں مہاراج۔''

''واہ...... دیکھو میں کہتا تھا نا کہ بھگوان کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی راستے نکل ہی آئے گا اور دیکھو اُپائے نکل آیا۔ واہ، مزہ آ گیا سنو! اب تم ایک ایک کے کان

میں یہ بات کہہ دو کہ انہیں امرت جل سے نہلا دیا جائے گا اور وہ ٹھیک ہو جائیں گے اور پھر پورن ماشی کی رات چتر بندھن میں یدھ کیا جائے گا۔ سب کو تیار کر لینا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج۔''

''میں کل دوپہر کو یہ کام کر لوں گا۔ مگر اس کے باوجود انہیں اسی طرح مجسموں کی شکل میں کھڑے رہنا ہوگا۔ تاکہ چندریکاوتی کو شک نہ ہو سکے۔'' دیوالی نے جب ان لوگوں سے بات کی تو بھگت رندھیرو نے کہا۔

''پھولداس مہاراج سے کہو دیوی! کہ وہ یہ کام جلدی نہ کرے کہیں اسے شبہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ وہ ہمارا قتل عام ہی کر دے گی۔ یہ کام اس دن کیا جائے جس رات کو پورن ماشی ہو۔'' چنانچہ دیوالی کے کہنے پر پھولداس نے ایسا ہی کیا۔ اس دن اس نے وہ پانی لا کر دیوالی کو دے دیا اور دیوالی سارا دن سورج نکلنے تک مصروف رہی۔ وہ سب سے محفوظ وقت ہوا کرتا تھا۔ وہ سب لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے۔ خوش بھی تھے اور افسردہ بھی۔ افسردہ اس لئے کہ ان کے پیچھے پتہ نہیں ان کے خاندان والوں کا کیا حال ہوا ہوگا اور خوش اس لئے تھے کہ انہیں بہت جلد اس شکل سے آزادی مل رہی ہے۔ وکرم جیت سب سے زیادہ خوش تھا اس نے کہا۔

''قسم گرو دیو کی۔ میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا اور سنسار دیکھے گا کہ میں نے کیا کر دیا۔'' پھر رات ہوئی سرِشام ہی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ چندریکاوتی کچھ گھبرائی گھبرائی سی نظر آ رہی تھی۔ پھولداس نے اس سے بات کی تو وہ بولی۔

''بس پورن ماشی کی رات نجانے کیوں میرے من پر ایک بوجھ سا طاری رہتا ہے۔ چلو مجھے چتر بندھن پہنچا دو۔ وہاں میں جاپ کرتی ہوں اور بہت کچھ ملتا ہے مجھے۔'' رتھ اسے لے کر چتر بندھن چل پڑا تھا۔ اسے چتر بندھن پہنچا دیا گیا اور وہ پُر اسرار کھنڈر نما عمارت میں بند ہو گئی۔ پھولداس کو آزادی مل گئی تھی۔ اس نے سندری کو بھی اپنے ساتھ لگایا اور ایک دو باندیوں کو اور لے لیا۔ وہ مہاجل جو کسی مہایوگی کا پڑھا ہوا تھا، ان لوگوں پر چھڑکا گیا اور طویل عرصے کے بعد وہ اپنے جسموں میں حرارت محسوس کرنے لگے اور پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے اصل جیون میں واپس آ چکے ہیں تو سب جوش اور جذبے سے بھر گئے اور ان کا رخ چتر بندھن کی طرف ہو گیا۔ خود دیوالی بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک تھی۔ وہ آخر تک ان کا ساتھ دینا چاہتی تھی۔ ابھی پورا چاند نہیں نکلا تھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چتر بندھن کی بھیانک عمارت ایک عجیب سی پُر اسرار کیفیت میں

نظر آ رہی تھی۔ پھولداس نے کہا۔

''اس سے ہم سب سے بڑی جیت یہ پا رہے ہیں کہ گھور چندی یہاں موجود نہیں ہے۔ ورنہ وہ باہر پہرہ دیتا ہے۔''

''اندر کیا ہو رہا ہے مہاراج۔'' دیوالی نے سوال کیا اور پھولداس اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر اس نے کہا۔

''دیکھنا چاہتی ہے۔''

''ہاں مہاراج۔ من میں بڑی بے چینی ہے کہ دیکھوں تو سہی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔''

''آ میرے ساتھ۔'' پھولداس نے کہا۔ مگر وہ اسے عمارت کے اس حصے میں نہیں لے گیا تھا۔ جہاں چتر بندھن کا کرم ہال تھا بلکہ وہ اسے آہستہ قدموں سے چلنے کی ہدایت کر کے سیڑھیاں چڑھا کر چھت پر لے گیا۔ یہاں سے ایک جھروکا نیچے اسی ہال نما کمرے میں کھلتا تھا۔ جہاں چندریکاوتی موجود تھی، لیکن وہ جس عالم میں نظر آئی اسے دیکھ کر دیوالی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کے بدن پر لباس کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ پورا بدن پتھر کے کالے مجسمے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ گلے میں چھوٹے چھوٹے انسانی سروں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ منہ سرخ نظر آ رہا تھا اور سب سے زیادہ وحشت ناک منظر جو سامنے نظر آیا۔ اسے دیکھ کر دیوالی سے اندر سے کانپ گئی۔ وہ کوئی نوجوان انسان ہی تھا۔ جو پتھر کی ایک دیوار کے ساتھ زنجیروں سے کسا ہوا تھا۔ چندریکاوتی بلی کی طرح غرا رہی تھی۔ دفعتاً ہی وہ اس نوجوان پر جھپٹی اور اس نے اس کے سینے میں دانت گاڑ دیئے۔ نوجوان کے حلق سے دلدوز چیخیں ابھرنے لگیں۔ چندریکاوتی دانتوں سے اس کے سینے کا گوشت نوچ کر پیچھے ہٹ گئی اور پھر بلی ہی کی طرح چپڑ چپڑ کر کے اسے کھانے لگی۔ دیوالی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں۔ وہ خوف سے لرزنے لگی تو پھولداس نے کہا۔

''کیا بات ہے اندر کا منظر نہیں دیکھ پا رہیں۔''

''مم...... مم...... مہاراج چلیں یہاں سے چلیں۔''

''ابھی وہ انسانی گوشت کھا رہی ہے اس کے بعد رات بھر دیوانوں کی طرح رقص کرتی رہے گی۔ مگر آج کی رات اس کے جیون کی آخری رات ہے۔ بھگت رندھیرو نے اور وکرم جیت نے منصوبہ بنا لیا ہے آؤ ہم لوگ چھت پر ہی بیٹھتے ہیں۔'' دیوالی کو اندر کا منظر یاد آ رہا تھا اور وہ اب بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کوئی ساڑھے دس بجے کا وقت ہو گا یا ہو سکتا ہے اس سے زیادہ کا کوئی ٹائم ہو۔ چاند آکاش پر جھانک رہا تھا۔ چتر بندھن میں ایک ایک

سوراخ بند کر دیا گیا تھا۔ تا کہ وہاں سے چاندنی اندر نہ داخل ہو سکے لیکن بھگت رندھیر و نے
ان لوگوں کے ساتھ جنہیں پتھر کا بنا دیا گیا تھا۔ چتر بندھن پر حملہ کیا اور سب سے پہلے اس
کے سارے دروازے کھڑکیاں توڑ دی گئیں۔ اندر سے چندریکاوتی کی بھیانک چیخیں
ابھرنے لگیں۔ جہاں سے روشنی اندر داخل ہوتی وہیں وہ بھیانک انداز میں چیخنا شروع
کر دیتی۔ باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے۔ کیونکہ باہر تو پورا چاند پھیلا ہوا تھا۔ کالا
جادو سفید چاندنی میں ختم ہو چکا تھا۔ بھگت رندھیر و اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے وکرم جیت
اور پھر سب کے سب۔ چندریکاوتی اسی عالم میں تھی اور بھاگ بھاگ کر کونے کھدروں میں
چھپتی پھر رہی تھی۔ وکرم جیت نے کہا۔

''آخر کار چندریکاوتی تیرا کھیل ختم ہو گیا۔ یہ ہونا ہی تھا۔ تُو نے اپنے مظالم کی انتہا
کر دی تھی۔ اب میں تجھے تیرے کالے جادو سمیت ختم کر دوں گا۔'' وکرم جیت نے تلوار
نکالی اور چندریکاوتی بھیانک انداز میں چیخنے لگی۔ پھر وہ سارے اس پر حملہ آور ہو گئے۔
دیوالی اندر کی آوازیں سن رہی تھی۔ انہوں نے مار مار کر اس کا قیمہ بنا دیا اور اس کے بعد
بھگت رندھیر و اس کی لاش کو بالوں سے پکڑ کر چاندنی میں لے آیا۔ اس نے اسے ایک ایسی
جگہ ڈال دیا۔ جہاں چاندنی پورے آب و تاب کے ساتھ اس کے بدن کو چاٹ رہی تھی اور
دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بدن سکڑنے لگا۔ وہ چھوٹی ہوتی چلی گئی پھر اس کا قد صرف دو فٹ
کے قریب رہ گیا۔ پھر اس کے بعد اچانک وہ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئی۔ کالے خون
کی چھینٹیں چاروں طرف بکھر گئیں۔ وہ تڑپ رہی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے
اس کا پورا شریر ختم ہو گیا۔ البتہ آس پاس خون کی خالی چھینٹیں رہ گئی تھیں۔ وہ سب خوشی سے
چیخنے لگے۔ تب پھولداس نے کہا۔

''آؤ اب مہاراج اودھے چند کو آزاد کر دیں۔'' ایک بار پھر وہ لمبا فاصلہ طے کر کے
محل پہنچ گئے۔ چندریکاوتی کا سارا جادو ختم ہو گیا تھا۔ اودھے چند کو قید خانے سے نکالا گیا۔
وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ وکرم جیت نے اسے دیوالی کے بارے میں بتایا تو اودھے چند نے
شکر گزار آنکھوں سے دیوالی کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ہاں، یہ مہان لڑکی مجھ سے پہلے بھی مل چکی ہے اور بھگوان کی سوگندھ نجانے کیوں
میرے من میں یہ بات آئی تھی کہ یہ میرے کام آئے گی۔'' دوسرے دن پورے اکاس پور
میں یہ خبر پھیل گئی کہ مہاراج اودھے چند ٹھیک ہو گئے ہیں۔ چندریکاوتی کے بارے میں کسی کو
کچھ نہیں بتایا گیا تھا، لیکن اودھے چند کو دیکھنے کے لئے پورا شہر ہی امڈ آیا تھا۔ اودھے چند

نے ان لوگوں کو اس طرح آنے پر دھنے واد کیا۔ دیوالی کی ایک عجیب سی وقعت ہو گئی تھی
یہاں۔ اودھے چند نے اسے پیش کش کی کہ اگر وہ چاہے تو بقیہ جیون اکاس پور میں ہی گزار
سکتی ہے۔ اس کے لئے بھگوان کا دیا سب کچھ موجود ہے، لیکن دیوالی نے اس سے کہا۔

''مہاراج اگر آپ مجھے میری دنیا میں بھجوا دیں تو میں آپ کا بڑا شکر ادا کروں گی۔
میں نجانے کتنے سمے سے اپنی دنیا سے دور ہوں۔ ہر شخص کا من اس کے اپنے گھر میں ہی لگتا
ہے۔ مہاراج اگر آپ مجھے میرے گھر پہنچا دیں گے تو آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں
بھولوں گی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی۔ احسان تو تمہارا ہے مجھ پر۔'' بہر حال تھوڑے عرصے کے
بعد اودھے چند نے اسے واپس بھجوانے کا انتظام کرا دیا۔ دیوالی واقعی اس ماحول سے نکل
جانا چاہتی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زمانۂ قدیم کے کسی دور میں چلی گئی ہو اور ماضی
میں وقت گزار رہی ہو۔ اس دور میں رانیاں اور راج محل تو قصہ پارینہ بن گئے ہیں، لیکن کچھ
علاقے اب بھی ایسے ہیں اسے حیرت ہوئی۔

بہر حال اپنے گھر میں داخل ہونے کے بعد جو سکون حاصل ہوتا ہے اس کی بات ہی
کچھ اور ہوتی ہے۔ یہاں کا ماحول پُرسکون اور پُرسکوت تھا نوکر چاکر زیادہ نہیں تھے، لیکن جو
تھے وہ خوش باش زندگی گزار رہے تھے۔ دیوالی کو اپنے ماتا پتا یاد آئے اور اس کا دل
پھڑ پھڑانے لگا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جی چاہا کہ وہ اڑ کر اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ
جائے۔ انہیں واپس لے آئے۔ کاش پتا جی کی حالت ٹھیک ہو گئی ہو۔ یہاں آنے کے بعد
اسے یوں لگتا تھا جیسے گزرے ہوئے دن کوئی خواب ہوں۔ جو واقعات پیش آئے جو مناظر
نظروں کے سامنے سے گزرے وہ سب ایک کہانی ہو۔ پھر اس نے خود پر ہی لعنت بھیجنا
شروع کر دی۔ نجانے کیسے کیسے پھیر میں پڑ گئی میں۔ ڈاکٹر نریشا کی بات ماننی ہی نہیں چاہئے
تھی مجھے۔ بھلا جنم جنموں کا کھیل منش کے سامنے کہاں سے آتا ہے۔ میرا ذہن اس سحر میں
گرفتار ہو گیا۔ میں نے تصور کر لیا کہ میں ماضی کا کوئی کردار ہوں اور اس کے بعد مجھ پر جو
بیتی وہ سب کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ غلطی میری ہی ہے۔ وجے کپور بھی ہاتھ سے گیا۔ ایک
اچھا ساتھی تھا۔ دیوالی نے کتنی ہی بار اپنے دل کے اندر جھانکا تھا۔ وجے کپور کی کوئی ایسی
تصویر اس کے اندر چسپاں نہیں تھی۔ جسے وہ کہہ سکے کہ یہ پریم کہانی ہے۔ ایک اچھے دوست
کی حیثیت سے وہ اس کے ساتھ رہ رہا تھا۔ ساری کی ساری شعبدہ گری دھری کی دھری رہ
جائے گی۔ اس پُراسرار دنیا میں کوئی شعبدہ گری کام نہیں آئی تھی۔ ہے بھگوان بلا وجہ میں نے

اپنا وقت ضائع کیا۔ ایک معمولی سی طبی خرابی ہے کہ میرے پاؤں الٹے ہیں بس اس چیز نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لعنت ہے ان پر، سوچنا بھی نہیں چاہیئے اب ان کے بارے میں۔ انہیں جس طرح اب تک میں نے چھپائے رکھا ہے آئندہ بھی اسی طرح چھپائے رکھوں گی۔

آج تک ایسے ڈھیلے ڈھالے لباس پہنے رہتی تھی جو اس کے پاؤں تک کو چھپا لیں کیونکہ کسی خاص جگہ اس نے اپنے کردار کو چسپاں نہیں کیا تھا۔ اس لئے کوئی ان پیروں کو موضوع نہیں بنا سکا تھا۔ بس وجے کپور نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو سہم گیا تھا لیکن جب اسے اصلیت معلوم ہوئی تو وہ حیران رہ گیا تھا اور بس اس کے بعد نجانے کیسی کہر ذہن پر طاری ہوئی کہ سب کچھ اس میں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ اب مجھے اپنا جینے کا انداز بدل دینا چاہیئے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ سچ مچ یہ مناسب نہیں ہے۔ دوسرے دن اس نے وجے کپور کو تلاش کرنا شروع کر دیا وہ باہر نکلی اور اس نے ان تمام جگہوں پر وجے کپور کے لئے معلومات حاصل کیں جہاں وہ اپنے شو کیا کرتا تھا۔ ہر جگہ سے یہی اطلاع ملی کہ وہ ملک سے باہر ہے۔ پہلے پتہ چلا کہ وہ لندن میں ہے۔ پھر وہاں سے پتہ چلا کہ وہ لندن سے آگے نکل گیا ہے اور اس وقت یورپ کے کسی ملک میں اپنے شو کر رہا ہے۔ جگہ کے بارے میں کچھ نہیں پتہ چلا تھا۔ ڈاکٹر نریشا کی تلاش میں نکلی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی نہیں آئی ہے۔ دیوالی واپس آگئی۔ نجانے کیوں ایک عجیب سی بے کلی اور بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ کوئی ایسا کردار مل جائے جو اس کے دل سے قریب ہو۔ گزرے ہوئے واقعات کا ایک عکس بھی ذہن میں تھا۔ جے راج نے جو کچھ دیا تھا۔ اگر وہ ساتھ ہوتا تو شخصیت بھی بدل جاتی اور وہ ایک مہان دیوی بن جاتی۔ وہ اپنی دنیا میں واپس آنے کے بعد لوگوں کو ان کی مشکلوں کا حل بتاتی اور لوگ اس کی پوجا کرتے۔ اسے دور دور تک کی چیزیں نظر آجاتیں۔ وہ دیکھ لیتی کہ کون کس پھیر میں پڑا ہوا ہے، لیکن غلطی اسی طرح ہوتی ہے۔ وہ اس پائے کی ثابت نہیں ہو سکی تھی جس کی جے راج مہاراج نے اسے سمجھا تھا اور عمر کی ناتجربے کاری کا شکار ہو کر نقصان اٹھا گئی تھی۔ وہ سب چھن گیا تھا اس سے جو اسے حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی تقدیر کے کھیل ہی ہوتے ہیں۔ یہ شکتی یہ مان تقدیر والوں کو ہی ملتا ہے۔ ہائے رام! کس طرح میں نے اپنے ماتا پتا کو ایک لمحے میں دیکھ لیا تھا۔ وہ کتنا سندر سپنا تھا میرا اور اب کچھ نہیں ہے۔ دل کو بڑے دکھ کا احساس ہوا آخر کار اس نے سوچا کہ ٹیلی فون پر ہی سہی ماتا پتا سے باتیں کی جائیں۔ بہت زیادہ جدید نہیں تھی وہ۔ نجانے کس کس طرح اس نے یہاں تک رسائی حاصل

کی تھی۔ بہت کچھ دے دیا تھا جیون نے، پر اس کے بعد چھن گیا تھا سب کچھ اور اس کے بعد اس نے ماں باپ سے ٹیلی فون پر بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے لگی۔ کیونکہ خود کبھی اس طرح کے کام نہیں کیے تھے، لیکن بہرحال سب کچھ ہو ہی جاتا ہے اور پھر اب وہ پہلے جیسی دیہاتی لڑکی نہیں تھی۔ جو صرف اپنے پیروں کے الٹا ہونے سے فائدہ اٹھا کر اپنے سے زیادہ بے وقوف لوگوں کو بے وقوف بنا سکتی تھی۔ کوشش کرنے کے بعد آخر کار اس کا رابطہ ماں سے قائم ہو گیا اور اس نے بہت عرصے کے بعد اپنی ماں کی آواز سنی۔

''کون بول رہا ہے۔''

''میں دیوالی بول رہی ہوں ماتا جی۔''

''دیوالی! میں راج وتی بول رہی ہوں کیسی ہے میری بیٹی، تُو ٹھیک تو ہے۔''

''ہاں ماتا جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''ہائے رام کیسا سکون مل رہا ہے۔ اتنے عرصے کے بعد تیری آواز سن کر۔''

''ماتا جی میں بہت اداس ہوں۔ پہلے مجھے آپ یہ بتائیے کہ پتا جی کا کیا حال ہے۔''

''تیرے پتا جی بہت ٹھیک ہو گئے ہیں۔ اب یہاں نوکروں کے سہارے چل پھر لیتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد بغیر کسی سہارے کے چل پھر سکیں گے۔''

''بولتے ٹھیک ہیں۔''

''ہاں، زبان پر جو تھوڑا بہت اثر تھا وہ بھی ٹھیک ہو چکا ہے۔ بہت جلد تیرے پتا جی چلنے پھرنے لگیں گے، لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لوگ انہیں کافی عرصے تک ساتھ رکھیں گے۔''

''ڈاکٹر نریشا کہاں ہیں۔ ماتا جی۔''

''اوہو، نریشا بیٹی، وہ ہنی مون پر گئی ہوئی ہے۔''

''جی.....'' دیوالی اچھل پڑی۔

''ہاں اس نے ایک ڈاکٹر سے شادی کر لی ہے ڈاکٹر اس کے من کو بھا گیا تھا۔ یہیں اسی ہسپتال کا ڈاکٹر تھا۔ نریشا نے آخر کار اس سے شادی کر لی۔ ہم بھی شریک ہوئے تھے اس کی شادی میں۔ وہ بہت خوش تھی۔ ڈاکٹر اسے لے کر ہنی مون کو نکل گیا ہے۔''

''مجھے خبر نہیں کی نریشا دیدی نے۔''

''بس جو کچھ ہوا جلد بازی میں ہی ہوا اور اب تو وہ ڈاکٹر کی مرضی پر چل رہی ہے۔

شاید یہ لوگ سوئزرلینڈ گئے ہوئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ماتاجی، آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں بہت خوش ہوں۔ بس تُو بہت یاد آتی ہے۔ ایک کام نہیں کرسکتی تُو دیوالی۔''

''ہاں بولو ماتاجی۔''

''یہ بات رمانند جی کہہ رہے تھے کہ دیوالی کو بلالو۔''

''ارے ہاں میں آپ سے رمانند جی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔''

''دونوں پتی پتنی خوش ہیں لیکن یہاں نہیں رہتے۔ وہ یہاں سے بہت فاصلے پر ہیں۔ میں نام نہیں دہرا سکتی جہاں وہ لوگ موجود ہیں، لیکن پوری طرح ہماری خبرگیری کرتے ہیں۔ اسپتال آتے جاتے ہیں۔ تم آجاؤ دیوالی تمہیں دیکھنے کو بہت من کررہا ہے یہ بتاؤ تمہارے آنے میں کوئی مشکل ہے۔''

''نہیں ماتاجی کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''تو آجاؤ۔ جیسے بھی بن پڑے آجاؤ۔ ہم خود تو تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں۔ تم نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک ہماری ہی مدد کی ہے۔''

''تو کیوں نہیں کروں گی بیٹی جو ہوں آپ کی۔'' دیوالی نے کہا۔ راج وتی کچھ بول نہ سکی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''تم آجاؤ دیوالی، تم آجاؤ۔ یہاں ہم نے کرائے پر ایک فلیٹ لے رکھا ہے میں زیادہ تر اسپتال میں رہتی ہوں، لیکن یہاں کے کچھ قوانین ہیں۔ کوئی مریض کے ساتھ نہیں رہ سکتا ویسے تمہارے پتاجی بہت اچھے ہوگئے ہیں۔ تم دیکھو گی تو تمہیں خوشی ہوگی۔''

''میں خود بھی آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں۔ میں آرہی ہوں بس میں آج ہی سے کوشش کروں گی۔'' گفتگو ختم ہوگئی۔ دیوالی کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ اڑ کر ماتا پتا کے پاس پہنچ جائے۔ کیا کیا نہیں ہوگیا تھا اس کے ساتھ۔ نجانے کیسے کیسے پھیر میں پڑ گئی تھی۔ گاؤں میں پلی بڑھی تھی۔ گاؤں والوں کا رویہ جیسا بھی تھا۔ بچپن بھلا ان چیزوں کو کہاں خاطر میں لاتا ہے اور پھر اسے ایک راستہ مل گیا پیدائشی نقص نے اسے کیا سے کیا بنادیا۔ حالانکہ یہ بس ایک نقص تھا، لیکن اس سے کیا کیا چیزیں پیدا ہوئیں۔ بڑے بڑے دھوکہ کھا گئے۔ کالے علم والوں نے اسے اپنے مقصد کے تحت استعمال کرنا چاہا۔ وجے کپور نے اسے شبدے سکھا کر الگ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اگر وہ کوئی ایک راستہ اپنالیتی تو شاید کافی آگے بڑھ چکی ہوتی، لیکن خود بھی تبدیلی پسند کرتی تھی۔ چنانچہ یہ بھی ہوا اور پھر بات یہاں تک آگئی۔

چندریکا وتی سے جان بس تقدیر ہی کے ہاتھوں چھوٹ گئی تھی۔ ورنہ پتہ نہیں وہ کمبخت جادوگرنی کس کس طرح استعمال کرتی۔ اے بھگوان! میرے نصیب میں کتنے پھیر لکھے ہوئے ہیں۔ کیا دوسری میرے جیسی لڑکیاں بھی میرے جیسا ہی جیون گزارتی ہیں۔ کسم اور کانتا کو بھی دیکھ چکی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کی وجہ سے ایک بار پھر تنزلی کا شکار ہوگئی تھی۔ ورنہ جو مل گیا تھا وہ تو اتنا تھا کہ ایک مہان دیوی کی حیثیت سے جیون بتادیتی، لیکن یہ بھی بھگوان کی ایک لیلا تھی۔

منش کو وہ بس اتنا ہی دیتا ہے کہ منش، منش رہے بھگوان نہ بننے پائے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر وہ سب کچھ اس کے ساتھ رہتا تو وہ بھگوان ہی بن جاتی لوگوں کے لئے۔ بہرحال اب ان تمام باتوں کو نظرانداز کرکے یہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے ماتا پتا کے پاس پہنچ جائے اور اس کے لئے وہ تیاریاں کرنے لگی۔ روپے پیسے کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو اسے ولائت بھجوانے کا بندوبست کرسکتے تھے۔ پاسپورٹ وغیرہ بنا۔ دوسرے کاغذات بنے یہاں تک کہ ٹکٹ آگیا اور اس دن وہ خوشی خوشی ائیرپورٹ پہنچی تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے اپنی زندگی میں جہاز کا پہلا سفر کیا۔

سیڑھیاں طے کرکے اوپر پہنچی اور جہاز میں داخل ہوگئی۔ ہوسٹس نے اسے اس کی سیٹ بتائی اور وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ برابر والی سیٹ پر کوئی بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ جو بڑی عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا۔ دیوالی نے اسے دیکھا تو نہیں تھا، لیکن اسے محسوس ہوا جیسے ہلکی ہلکی ایک بدبو اس کے بدن سے اٹھ رہی ہو۔ وہ ایک لمحے کے لئے بدحواس سی ہوگئی، لیکن ماتا پتا کے مل جانے کے شوق نے سب کچھ بھلادیا۔ ابھی تک اس نے اپنے ہمسفر کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ وہ جہاز کے سفر سے لطف اندوز ہورہی تھی اور اس میں ہونے والی ہنگامہ آرائیوں کو دیکھ رہی تھی۔

بہرحال یہ سب کچھ چل رہا تھا یہاں تک کہ جہاز نے بلندی کے سفر کا آغاز کیا زمین سے اٹھ کر فضا کی طرف چلا تو کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا۔ دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھ کر اس نے اپنی کیفیت کو بگڑنے سے روکا تھا۔ تب ہی برابر سے ایک آواز آئی۔

''نہیں بے بی نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے ابھی یہ فضاء میں پہنچ کر سیدھا ہوجائے گا تو تمہاری طبیعت بھی ٹھیک ہوجائے گی۔'' یہ ایک غرغراتی ہوئی عجیب سی آواز تھی جو برابر ہی سے آئی تھی۔ پہلی بار دیوالی نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا اور اس کی کیفیت دوہری خراب ہوگئی۔ وہ ایک خوفناک وجود تھا۔ گہری سرخ آنکھیں، عجیب منحوس چہرہ، لمبا چوڑا

بدن، سفید کوٹ پہنے ہوئے سر پر ہیٹ لگائے ہوئے۔ وہ عجیب وغریب شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ اس کے داہنے ہاتھ پر ایک دستانہ سا چڑھا ہوا تھا۔ ایک عجیب وغریب دستانہ جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس کے داہنے ہاتھ کا پنجہ غائب ہے۔ وہ خوفزدہ ہوگئی۔ حالانکہ اس کی آواز بھیانک ضرور تھی لیکن نرم تھی اور اس میں ایک شفقت سی پنہاں تھی۔ جہاز سیدھا ہوگیا اور اس کی کیفیت بھی بحال ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نارمل ہوگئی۔ برابر بیٹھے ہوئے مسافر نے اس کے بعد اس سے کوئی بات نہیں کی تھی، لیکن اس کا خوفناک چہرہ دیوالی کے ذہن پر نقش تھا۔ دیوالی خود بھی جن حالات سے گزر چکی تھی اس میں ان خوفناک چہروں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، لیکن نجانے کیوں اس شخص سے اسے ایک خوف کا سا احساس ہوا۔ پھر اس نے اس شخص کو ایک عجیب وغریب حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے چمڑے کی ایک تھیلی اپنے کوٹ کی جیب سے نکالی اور اس میں عجیب وغریب قسم کی فولادی نلکیاں نکالیں جن کے ایک سرے پر نوکیلی چیزیں لگی ہوئی تھیں جیسے لمبے اور خونخوار ناخن ہوں۔ یہ فولادی نلکیاں اس طرح کی تھیں جیسے کسی انسان کی انگلیاں ہوتی ہیں۔ پھر اس نے اپنا دستانہ اتارا تو دیوالی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کا ایک حصہ کٹا ہوا ہے، پنجہ تو تھا لیکن انگلیاں آخری پوروں تک تھیں۔ اس نے یہ فولادی نلکیاں ان پوروں تک چڑھائیں اور اس کی پانچوں انگلیاں ایک خوفناک ہتھیار بن گئیں۔ یہ انگلیاں معمول سے زیادہ لمبی تھیں۔ جب اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ خوفناک انداز میں لپلپانے لگیں۔ اس کا ہاتھ سرخ اور گھناؤنا تھا اور انگلیاں اس طرح مضطرب سی جیسے کسی جاندار کو چیر پھاڑ دینا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے وہی دستانہ اپنے ہاتھ پر چڑھا لیا۔ اس عجیب وغریب منظر نے دیوالی کو اور زیادہ سہما دیا تھا۔ کون ہے یہ آدمی؟ کیا چیز ہے؟ کیا کرنے جا رہا ہے؟ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جہاز کا یہ پہلا ہی سفر اس کے لئے بڑا ہی بھیانک ثابت ہوا تھا۔ نجانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ خطرناک لمحات دوبارہ اس کی زندگی میں آنے والے ہیں۔

بہرحال وہ خاموش رہی بھلا کسی کو بتانے کا کیا سوال تھا اور پھر ڈر بھی گئی تھی کہ کہیں یہ شخص اسی پر حملہ نہ کردے۔ مجھے کیا ضرورت ہے زبان کھولنے کی۔ اگر یہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو کرتا ہے کم ازکم میرے ساتھ تو اس کا لہجہ مشفق ہے پھر وہی لہجہ اسے دوبارہ سنائی دیا۔

''تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں بے بی۔'' دیوالی نے ایک بار پھر اسے گردن گھما کر دیکھا۔ پہلے جیسا احساس اس کے دل میں پھر پیدا ہوگیا تو پھر وہ بولا۔

''نہیں...... ڈرو نہیں۔ میں نے تو ایک ہمسفر کی حیثیت سے یہ سوال کرلیا ہے۔ کیا نام ہے تمہارا۔''

''دو...... دو...... دیوالی۔''

''دیوالی۔''

''ہاں۔''

''بہت اچھا نام ہے۔ بہت پیارا نام ہے بالکل تمہاری طرح، تم بھی دیوالی کا ایک دیا ہی معلوم ہوتی ہو۔ تم نے مجھ سے میرے بارے میں نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں۔''

''آپ کون ہیں۔'' دیوالی کے منہ سے بے اختیار ہی یہ سوال نکل گیا۔

''نام تو میرا مختلف لوگوں نے مختلف رکھا ہے لیکن میں اپنے آپ کو خوابوں کا مہمان کہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے لوگوں کے خوابوں میں آنے کی عادت ہے اور پیاری سی بے بی۔ دیوالی کے پہلے دیئے اب میں تمہارے خوابوں میں آؤں گا۔ تم سے تمہارے خوابوں میں ہی ملوں گا۔ کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں کہ تم الٹے پیروں والی ہو۔ تم نہیں جانتیں کہ مجھے تمہاری کتنی ضرورت ہے۔ کیا سمجھیں؟'' دیوالی کی سمجھ میں ایک لفظ بھی نہیں آیا تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنے پیروں کو دیکھا۔ الٹے جوتے پہنے ہوئے تھی، لیکن پیروں کو اس نے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ کسی کو نظر نہ آئیں۔ پھر اس شخص نے انہیں کیسے دیکھ لیا۔ وہ کچھ بھی نہ بول سکی تو اس نے پھر کہا۔

''تو کیا خیال ہے کیسا لگے گا تمہیں جب میں تمہارے خوابوں میں آؤں گا۔'' دیوالی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا۔ اس شخص کی وجہ سے اس کا یہ سفر انتہائی کربناک رہا۔ نئی زندگی میں ہواؤں کے پہلے سفر کا تجربہ بے حد تلخ تھا۔ پھر جہاز کہر میں ڈوبے ہوئے ائیرپورٹ پر اتر گیا اور اس کی نگاہیں راج وتی کو تلاش کرنے لگیں۔ تمام معلومات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب وہ باہر نکلی تو اس نے راج وتی کی چیخ سن لی۔ راج وتی دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکی تھی اور لوگ چونک چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس نے دیوالی کو اپنے سینے میں بھر لیا اور بہت دیر تک اس سے چمٹی کھڑی رہی۔ دیوالی بھی جذباتی ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں جذبات کے اس طوفان سے نکلیں تو راج وتی نے کہا۔

''آؤ۔'' اور وہ راج وتی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

''یہ گوپال چاچا ہیں۔ رمانند جی کے آدمی ہیں۔ انہوں نے انہیں ہمارے ساتھ کر دیا

ہے۔ گاڑی بھی یہی چلاتے ہیں اور ہماری سرپرستی بھی یہی کرتے ہیں۔'' دیوالی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گوپال کو پرنام کیا اور پھر اچانک ہی اسے خوابوں کے اس مہمان کا خیال آ گیا۔ اس نے گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھا، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ کسٹم ہاؤس میں بھی وہ نہیں ملا تھا۔ جب کہ دیوالی نے اسے کئی بار تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ جہاز سے بھی اس کے ساتھ نیچے نہیں اترا تھا۔ راج وتی نے پوچھ لیا۔

''کوئی اور ہے تمہارے ساتھ۔''

''نہیں ماتا جی میرے ساتھ کون ہوتا۔''

''تو آؤ چلو۔'' پھر ایک خوبصورت سی کار انہیں لے کر چل پڑی۔ راج وتی بہت خوش تھی۔ دیوالی بھی بہت خوش تھی، لیکن اس پُراسرار کردار نے اسے تھوڑا سا پریشان کر رکھا تھا۔ جو یہاں تک اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ یہاں بھی اسے سکون نہیں ملا تھا۔ پُراسرار واقعات اس کی زندگی سے چمٹ گئے تھے۔ راج وتی اسے لیے ہوئے سیدھی اسپتال پہنچی۔ سامان کار میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ اسپتال میں وہ نند کشور سے ملی۔ نند کشور نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا تھا اور بچوں کی طرح رو پڑا تھا۔

''میں ٹھیک ہو گیا بیٹا۔ میں ٹھیک ہو گیا۔ تُو نے مجھے بیٹا بن کر دکھا دیا۔ میں تو بھگوان سے شکائتیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ بھگوان تو نے مجھے بیٹا کیوں نہ دیا۔ پر میں یہ بات جانتا ہوں کہ کوئی بیٹا بھی اپنے ماں باپ کی اتنی سہائتا نہیں کر سکتا ہوگا۔ جتنی تو نے کی۔''

''پتا جی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری جان بھی آپ کے کام آ جائے گی تو میں سمجھوں گی کہ میرا حق ادا ہو گیا۔'' وہ بولی۔

''بھگوان تجھے سکھی رکھے۔'' بہت دیر تک وہ اسپتال میں بیٹھی رہی اس کے بعد ایک ایشیائی ڈاکٹر جس کا نام رما سینا تھا اس سے ملا۔

''میں بھی اسی اسپتال میں کام کرتا ہوں دیوالی جی۔ آپ کے ماتا پتا بہت اچھے ہیں۔ میرے لئے بڑی اہمیت ہے ان کی کیونکہ وہ میرے ہموطن ہیں۔ آپ کو میں اطمینان دلاتا ہوں کہ بس تھوڑا سا عرصہ اور لگے گا۔ آپ کے پتا جی کے پیروں میں بھرپور طریقے سے جان آ جائے گی۔ تب ہم انہیں اسپتال سے فارغ کر دیں گے۔ اس وقت تک انہیں یہاں رہنا بڑا ضروری ہے۔ رما نند جی نے بھی مجھ سے یہی کہا ہے کہ جب تک ڈاکٹروں کا پینل پوری طرح مطمئن نہ ہو جائے انہیں یہاں سے ریلیز نہ کیا جائے۔ آپ کو تو اپنے پتا جی کو گھر لے جانے کی جلدی نہیں ہے۔''

''نہیں۔'' دیوالی نے ڈاکٹر سینا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

بہر حال وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ کافی دیر یہاں گزاری اور پھر راج وتی نے کہا۔ ''لمبا ر طے کر کے آئی ہو تھکی ہوئی ہو گی، میں جانتی ہوں۔ کیا کہتے ہیں نند کشور جی اسے فلیٹ پر لے جاؤں۔''

''ہاں اسے کہو آرام کرے۔ میرے پاس تو اب آتی ہی رہے گی۔'' اور پھر راج وتی یوالی کو لے کر چل پڑی۔ چھوٹا سا خوبصورت فلیٹ تھا۔ ہر قسم کی ضروریات زندگی سے راستہ۔

''ہم نے کوشش کی ہے کہ رما نند جی کو بہت زیادہ پریشان نہ کریں۔ انہوں نے رے بہت زیادہ اخراجات سنبھالے ہوئے ہیں، لیکن ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا چ کم سے کم ہو اس لئے ہم نے یہاں نوکر وغیرہ نہیں رکھے ہیں۔ پر رسوئی پوری کی پوری ری ہوئی ہے تو یہاں آرام سے رہ۔ اسپتال کے علاوہ گوپال چاچا تجھے یہاں کی پوری سیر رائیں گے۔ میری ان سے بات ہو گئی ہے۔''

''میرے لئے سب سے بڑی سیر یہی ہے ماتا جی کہ میں پتا جی کے پاس آ کر وں۔ آپ آرام کریں کیوں کہ آپ نے بہت عرصے پتا جی کی سیوا کی ہے۔'' راج وتی لگی تھی۔ بہر حال پھر وہ دیوالی کو فلیٹ میں چھوڑ کر چلی گئی۔ دیوالی کو بہت عجیب لگ رہا ۔ اس دیس کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ہر طرف ایک دھند ایک کہر، مانو جیسے خوابوں کی زمین ۔ پر ماتا پتا ساتھ تھے اس لئے اسے بہت اچھا لگ رہا تھا اور وہ یہاں آ کر بڑی خوشی س کر رہی تھی۔ بہر حال اس نے رات گزاری اور دوسرے دن صبح ہی صبح وہ اسپتال پہنچ ۔ نوجوان ڈاکٹر سینا اسے اسپتال کے باہر ہی مل گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے دیوالی کا قدم کیا تھا۔

''دیوالی جی پہلی بات تو یہ کہ آپ کا نام بڑا سندر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کے ماتا پتا پ کا چہرہ دیکھ کر آپ کا یہ نام رکھا ہو۔ اس کے علاوہ آپ کے ماتا پتا بہت اچھے ہیں۔ ند جی تو اس طرح سے مجھے پیار کرتی ہیں کہ جیسے میں ان کا اپنا ہی بیٹا ہوں۔ کتنی ہی بار نے مجھ سے آپ کے بارے میں بات چیت کی ہے۔ دیوالی جی آپ کو یہاں آ کر گا۔''

''بہت اچھا اور پھر مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ آپ جیسے محبت کرنے لے لوگ میرے ماتا پتا کے ساتھ ہیں۔'' نند کشور اور راج وتی نے دیوالی کو خوش آمدید

کہا۔ دیوالی نے مسکرا کر کہا۔

''سچ بھئی ماتا جی آپ تو بہت ہی ماڈرن ہوگئی ہیں۔''

''چل ہٹ نٹ کھٹ کہیں کی۔ مگر ہاں لگتا بہت اچھا ہے۔ نند کشور جی تو مجھ سے کئی بار کہہ چکے ہیں راج وتی جی یہیں پر سیٹ ہو جاؤ۔ بہر حال اپنا دیش اپنا دیش ہی ہوتا ہے۔''

''ڈاکٹر نریشا کے بارے میں مجھے بتاؤ۔''

''ہاں ڈاکٹر نریشا نے یہاں آ کر بڑے پر پرزے نکال لیے۔ بڑی محبت کی بلکہ ڈاکٹر سینا کو بھی اسی نے مجھ سے ملایا تھا۔ دونوں ڈاکٹر تھے نا۔ پھر اسے ایک ڈاکٹر بھا گیا اور اس نے اس سے شادی کر لی۔ اب دونوں پتہ نہیں کہاں کہاں کی سیر کو گئے ہوئے ہیں۔ بڑا ساتھ دیا ان لوگوں نے ہمارا۔ ڈاکٹر سینا تو بس میں تجھے کیا بتاؤں بڑا ہی اچھا لڑکا ہے۔ کتنی بار میرے من میں آئی کہ میں تجھ سے ٹیلی فون پر بات کروں اگر ڈاکٹر سینا سے تیری شادی کرا دی جائے تو؟''

''کہاں کی باتیں کرتی ہیں ماتا جی۔ میرے بارے میں آپ جانتی نہیں ہیں کہ میں ہوں کون؟''

''بے کار باتیں مت کر۔ اس بارے میں، میں کسی وقت ڈاکٹر سینا ہی سے بات کروں گی۔ یہ ولائت ہے یہاں تیرے پیروں کا آپریشن بھی ہو جائے گا۔''

''کراؤں گی تب نا۔'' دیوالی نے سنجیدہ ہو کر کہا اور پھر بولی۔ ''نہیں ماتا جی...... ایسے کسی چکر میں مت پڑو۔'' ادھر تو دیوالی اپنے ماتا پتا سے یہ بات کر رہی تھی۔ ادھر ڈاکٹر سینا دیوالی کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک عجیب و غریب صورت حال تھی۔ پھر دن خوشی خوشی گزر گیا۔ گوپال چاچا نے اس سے کہا۔

''بے بی اگر لندن کی سیر کرنا چاہو تو میں تمہیں ساتھ لے کر چلوں۔''

''کروں گی گوپال چاچا۔ ابھی کون سا واپس جا رہی ہوں۔ ذرا اپنے پتا جی کے ساتھ تو من بھر کے رہ لوں۔ مجھے تو رات کو سیر پر جانا ہی برا لگتا ہے۔ ماتا جی تم چلی جاؤ گھر۔''

''نہیں بیٹا میں نہیں جاؤں گی۔ میرا یہاں رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے معاملات ہیں جو تو اپنے پتا جی کو نہیں سنبھال سکتی۔ میں ہی سنبھال سکتی ہوں۔'' بات ٹھیک تھی دیوالی خاموش ہوگئی۔ بہر حال خاصی رات گئے وہ فلیٹ پر پہنچی تھی۔ گوپال چاچا اسے فلیٹ پر چھوڑ آیا تھا۔ یہاں اسے کسی طرح کی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی انتہائی خوبصورت جگہ پر یہ فلیٹ واقع تھا۔ پورا لندن ہی حسین و جمیل تھا اور دیوالی کو یہاں

کر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ کہیں وجے کپور، کہیں تلک راج، کہیں کون، کہیں کون جنم جنم کی باتیں، سب فضول باتیں ہیں۔ منش کے من کو جال میں جکڑنے والی۔ اصل جیون تو یہی ہے جو کچھ حال کے لئے سنسار میں ملتا ہے باقی ماضی میں کون کیا رہ چکا ہے کون کس کا اپنا تھا، سب بے کار باتیں ہیں۔ پتہ نہیں کیوں دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اگر انہی راستوں پر چلتی رہتی اور اپنے جنم جنم کے ساتھی کو تلاش کرتی رہتی تو جیون کے یہ چند روز بالکل بے کار جاتے ان میں کم از کم زندگی تو ہے اور پھر بے راج مہاراج جو ایک ایسی ناپائیدار چیز دے گئے جو ذرا سی غلطی سے چھن گئی۔ میں کون سی بوڑھی عورت تھی۔ جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر من ریجھ گیا اب مجھے تو نہیں معلوم تھا کہ یہ سب اتنا بڑا ہوگا۔ غلطی سے کوئی کام ہو جائے تو اس کی معافی نہ ملے ایسی شکتی سے کیا فائدہ۔ بس یہ ہی سب کچھ کافی ہے۔ پھر اسے خیال آ گیا اس خوابوں کے مہمان کا اور ایک دم اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ وہ تھا کیا چیز، ایک خوفناک وجود، جو کہتا تھا کہ اسے میری ضرورت ہے۔ اسے میری کیا ضرورت ہے۔ ہائے رام یہ الٹے پاؤں نجانے مجھے کہاں کہاں مصیبت میں ڈالیں گے۔ دیکھوں گی، اسے وہ عجیب و غریب منظر یاد آیا جب وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں فولادی خول پہن رہا تھا۔ نجانے کیا مقصد تھا اس کا۔ مجھے تو وہ بھی کوئی بری روح ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہیں وہ چندریکا وتی کا کوئی ہرکارہ نہ ہو لیکن بہر حال ہوگا کوئی۔ دیوالی نے اپنے لئے چائے بنائی اور دیر تک بیٹھی چائے کے سپ لیتی رہی۔ پھر کھڑکی سے اس نے باہر کا منظر دیکھا۔ کہر میں ڈوبا ہوا شہر کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔ دھندلائی دھندلائی شرمائی شرمائی سی روشنیاں جیسے آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں۔ دوڑتی ہوئی کاریں جن کی ہیڈ لائٹیں کہر کو دور کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔ وہ بہت دیر تک منظر دیکھتی رہی۔ پھر اس کی پلکیں جڑ گئی تھیں اور پھر سوئے ہوئے نجانے کتنی دیر گزری تھی کہ اچانک ہی اس کے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ وہ ایک طویل راہداری تھی۔ جس میں دائیں بائیں سے روشنی کی آڑھی ترچھی لکیریں بن رہی تھیں اور وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسی خوفناک جگہ آ جائے گی، لیکن وہ وہاں تک پہنچی کیسے؟ رات کو تو وہ اپنے بستر پر تھی۔ وہ ابھی انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک ہی ایک خوفناک سی آواز ابھری اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ پڑی۔ بڑی تیز رفتاری سے وہ اس طویل ترین راہداری میں دوڑ رہی تھی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا اور ایک خوفناک اور سرسراتی آواز اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے ادھر اُدھر بھی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس وقت اس کے آس پاس

کوئی نہیں تھا۔ وہ شب خوابی کے اسی لبادے میں ملبوس تھی جس لبادے کو پہن کر وہ سوئی تھی۔ بار بار اس کی نگاہیں پیچھے کی جانب مڑ جاتیں۔ اس کی آنکھوں میں شدید دہشت تھی۔

دفعتاً وہ ایک جگہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کچھ دوڑتے ہوئے قدم اس کا پیچھا کر رہے ہوں۔ ان قدموں کی آوازیں اسے صاف سنائی دی تھیں۔ پھر اچانک ہی دائیں طرف کی دیوار پھٹی اور اس میں سے ایک کالے رنگ کا مینڈک باہر نکلا۔ وہ اس کے سامنے سے دوڑتا ہوا بائیں جانب چلا گیا۔ اسے دیکھ کر دیوالی کے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ پھر دوڑنے لگی۔ اسے اب یہ سب بہت عجیب وغریب لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا سا بھینسوں کا باڑہ ہو۔ ہر طرف بھینسیں بندھی ہوئی تھیں۔ کالی کالی سیاہ بھینسیں، زمین پر غلاظت لتھڑی ہوئی تھی۔ دیوالی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے پاؤں اس غلاظت میں نہ پڑنے پائیں۔ وہ بھاگتی ہوئی ایک راستے پر آ گئی اور پھر اسے ایک ڈھلوان سا نظر آیا۔ وہ اس ڈھلوان پر اترتی چلی گئی۔ گوبر کی بو اور آنکھیں پھاڑے ہوئے بھینسیں تو نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں، لیکن سامنے اسے ایک کھڑکی سی دکھائی دی جس پر چھت سے فرش تک ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ پردہ ہوا سے ہل رہا تھا وہ وہاں کھڑے ہو کر اپنا سانس درست کرنے لگی لیکن اچانک ہی باریک پردے میں پانچ انگلیوں کا ایک ابھار سا دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی ہاتھ ہو اور اس ہاتھ کے ناخن بے حد لمبے اور نوکیلے ہوں۔ پھر اچانک ہی کپڑا پھٹنے کی آواز سنائی دی اور اس ہاتھ کے لمبے ناخن پردہ پھاڑ کر باہر آ گئے اور پھر نیچے تک ایک لمبا سا شگاف بنتا چلا گیا۔

ایک بار پھر دیوالی کے حلق سے دہشت زدہ چیخیں نکلنے لگیں۔ اس نے اس شخص کو صاف دیکھ لیا تھا۔ وہ انتہائی بدہیئت آدمی تھا اور اس پردے کو پھاڑتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ آہ...... یہ وہی تھا جہاز میں ملنے والا خوابوں کا مہمان۔ اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور اس پر ان گنت سرخ نشان پڑے ہوئے تھے۔ وہ کالے رنگ کے گردن سے نیچے تک کے لبادے میں ملبوس تھا اور پھر اچانک ہی اس نے دیوالی کو دیکھ کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور دیوالی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں۔ اس کی آنکھیں اس قدر خوفناک تھیں اور قہقہوں کی آوازیں اس قدر دہشت ناک کہ وہ وہاں نہ ٹھہر سکی اور پلٹ کر بھاگی۔ وہ ایک بار پھر اوپر پلٹ کر اسی گوبر والے راستے سے گزرنے لگی۔ بھینسوں کے اس باڑے کا اختتام ایک ایسی جگہ ہوا جہاں ایک جالی سی لگی ہوئی تھی اور اس جالی کے پیچھے آگ جل رہی تھی اور سرخ سرخ شعلے کافی بلند تھے اور دیوالی ان کی حدت محسوس کر رہی تھی۔ ہے بھگوان

کون سی جگہ ہے یہ۔ یہاں میں کیسے آ گئی۔ اچانک ہی ایک فولادی پنجہ آیا اور اس کی لپلپاتی انگلیوں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ کسی نے اسے بے رحمی سے پیچھے کھینچ لیا۔ دیوالی کے حلق سے ایک بھیانک چیخ پھر نکلی تھی لیکن اس بھیانک چیخ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں اس نے دیکھا کہ وہ اپنی خوابگاہ میں اپنے بستر پر ہے۔ وہ ماحول نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اس کا بدن کانپ رہا تھا اور وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لباس اس کے جسم سے چپک گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی اس کا دل دہشت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھے۔ شاید پھر اسے کچھ تسلی ہو۔ اس نے کھڑکی کھولی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر گھس آئے۔ شدید سردی تھی۔ اس کا پورا جسم سردی سے کپکپا گیا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر لی۔

''آہ...... کیا کروں، کیا نہ کروں۔'' اس نے سوچا اور پھر اس کا رخ کچن کی جانب ہو گیا۔ چائے کی گرم گرم پیالی ہو سکتا ہے اس کے حواس کو بہتر کر دے چنانچہ وہ کچن میں اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ چائے بناتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہے پُراسرار واقعات نے اس کا پیچھا یہاں تک نہیں چھوڑا کیا کروں، آہ کیا کروں، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

بہرحال گرم گرم چائے نے اس وقت اس کے حواس کی درستگی میں کافی مدد کی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنی ماں سے کہے گی کہ وہ تنہا اس فلیٹ میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے لئے کوئی بندوبست کیا جائے۔ یا پھر اسے اپنے ساتھ ہی رکھا جائے۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں تھا۔ بھلا کوئی ہسپتال میں بھی رہ سکتا ہے۔ وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے سوچتی رہی۔ اس کمبخت نے کہا تھا کہ وہ خوابوں کا مہمان ہے۔ کیا واقعی کوئی ایسی بات ہے۔ وہ اس کے خواب میں آ تو گیا اور اس نے اس کے بھیانک ہاتھ سے۔ پھر اچانک ہی اس کی نگاہ شب خوابی کے لبادے پر گئی اور اسے اچانک ہی ایک زبردست جھٹکا لگا۔ لبادہ سامنے سے تین چار جگہوں سے نچا ہوا تھا۔ جیسے کسی نے تیز دھار پنجے سے اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہو۔ وہ آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

☆======☆======☆

دوسرے دن گوپال چاچا اسے لے کر اسپتال پہنچ گیا۔ رات کے واقعات کے اثرات دیوالی کے چہرے پر منجمد تھے۔ کوئی معمولی خواب نہیں تھا اور اسے معمولی خواب کہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ماتا پتا کو اس بارے میں بتائے یا نہیں۔ اگر بتاتی ہے

تو وہ لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ ان کے دل میں کوئی غلط فہمی جنم لینے لگے۔ وہ سوچیں کہ دیوالی زیادہ عرصے یہاں رکنا نہیں چاہتی حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ راج وتی نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے دیوالی! تمہارے چہرے پر تازگی کے بجائے کچھ مرجھایا مرجھایا پن سا نظر آ رہا ہے۔ حالانکہ کل تم بہت بہتر حالت میں تھیں۔ شاید تنہائی میں نیند نہیں پوری ہوئی۔''

اتنی دیر میں ڈاکٹر سینا وہاں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر سینا کو بھی شاید کچھ ہو ہی گیا تھا۔ کیونکہ دیوالی کو دیکھنے کے بعد وہ اپنے دل میں کچھ عجیب سی کیفیتیں محسوس کر رہا تھا۔ ڈاکٹر سینا کی وجہ سے زیادہ باتیں نہ ہو سکیں، لیکن وہی سوال ڈاکٹر سینا نے بھی کر ڈالا۔

''کیا بات ہے دیوالی جی۔ کل کی نسبت آج آپ کچھ نڈھال سی نظر آ رہی ہیں۔ لگتا ہے لندن کا موسم آپ کو پسند نہیں آیا۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب ایسی بات نہیں ہے، بس رات کچھ بے خوابی سی رہی۔''

''اوہو کیا آپ کو نیند نہ آنے کی شکایت ہے۔''

''نہیں بالکل نہیں بس تنہا فلیٹ، حالانکہ میں ماتا پتا جی کے آنے کے بعد اپنے گھر میں تنہا ہی تھی۔ بس کچھ ملازم وغیرہ بھی ساتھ تھے۔''

''جی یہ تو واقعی مشکل مسئلہ ہے۔''

''یہاں میرے کہیں قیام کا بندوبست نہیں ہو سکتا ڈاکٹر صاحب۔'' دیوالی نے سوال کیا اور ڈاکٹر سینا سوچ میں ڈوب گیا۔

''آپ کی ماتا جی جانتی ہیں کہ یہاں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسپتال کے قوانین سخت ہیں لیکن ماتا جی میں نے آپ کو ہمیشہ ہی اپنوں میں سمجھا ہے۔ میرا گھر اس کے لئے حاضر ہے۔ اگر آپ پسند کریں اگر آپ چاہیں تو...... میرے گھر میں میری بہن بھی موجود ہے اور بھی کچھ لوگ ہیں۔ اگر دیوالی جی چاہیں تو ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں۔ جتنے بھی عرصے ان کا یہاں قیام ہو ہم انہیں مہمان بنانے میں خوشی محسوس کریں گے، کیوں دیوالی جی کیا کہتی ہیں آپ۔''

''ہاں بیٹی ڈاکٹر سینا بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر تم کسی قسم کی مشکل محسوس نہ کرو تو تم ان کے ساتھ قیام کر سکتی ہو۔ ان کی بہنوں سے بھی میری ملاقات ہو چکی ہے ایک کا نام درشنا ہے۔ بہت پیاری بچی ہے۔ مجھ سے اس طرح ملتی ہے جیسے میں اس کے بہت ہی قریب ہوں۔ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔''

''ہاں دیوالی جی۔ اس کا منگیتر چندر بھی ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے بس تھوڑے ہی دنوں میں ہم چندر سے اس کی شادی کر دیں گے بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہیں بہت اچھا ماحول مل جائے گا۔''

''اور بجائے گوپال چاچا کے تم ان لوگوں کے ساتھ لندن کی سیر کر سکتی ہو۔'' دیوالی نے ڈاکٹر سینا کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر سینا ایسی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جس میں درخواست تھی کہ وہ اس کی پیشکش قبول کرے۔

''ڈاکٹر صاحب کو تکلیف تو نہیں ہوگی، انوکھے ڈاکٹر نہیں ہیں یہ کہ مریض کو اپنے گھر کی پیشکش کر رہے ہیں۔''

''آپ مریض تو نہیں ہیں دیوالی جی۔'' ڈاکٹر سینا نے کہا۔

''دیکھئے ڈاکٹر صاحب اگر آپ صرف رواروی میں اور اچھے انداز میں یہ بات کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ کی بات سے انکار نہیں کروں گی لیکن اگر......''

''بالکل نہیں۔ بالکل نہیں اس سے آگے آپ کچھ نہیں کہیں گی دیوالی جی! آپ کو صرف میرے گھر قیام کرنا ہوگا اور آپ بالکل بے فکر رہیں میرا گھر بہت اچھا ہے اور میں آپ کو ایک تنہا بیڈروم دے سکتا ہوں۔''

''اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی تو پھر ٹھیک ہے۔''

''میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد ڈیوٹی آف کر رہا ہوں۔ آپ کو اپنے گھر بھی لے چلوں گا چندر اور درشنا سے بھی ملاؤں گا۔ ان دونوں سے مل کر آپ کو خوشی ہوگی اور پھر ہم سیر کو نکلیں گے۔''

چندر اور درشنا واقعی بڑے بے تکلف لوگ تھے۔ انہوں نے دیوالی سے چند ہی لمحوں میں بے تکلفی پیدا کر لی۔ ادھر ڈاکٹر سینا بھی بہت اچھا دوست ثابت ہوا اور سارا دن ہنگامہ خیزیوں میں گزر گیا۔ دیوالی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ کسی اجنبی جگہ آ گئی ہے۔ پھر وہ ڈاکٹر سینا کے ساتھ اسپتال واپس آ گئی۔ نند کشور اور راج وتی نے دیکھا کہ دیوالی کے چہرے کی رونق واپس آ گئی ہے۔

''یہ لوگ تو واقعی بہت اچھے ہیں ماتا جی! میرا خیال ہے میں ان کے ساتھ خوشی سے رہ سکوں گی۔''

''میں کہہ رہی تھی نا۔ بہت بہت شکریہ ڈاکٹر سینا! آپ نے ہماری بہت بڑی مشکل حل کر دی۔''

''جی نہیں۔ نہ وہ آپ کی مشکل تھی نا میری، مہمان کسے اچھے نہیں لگتے اور پھر وہ جو اپنے ہم وطن ہوں اور ہم زبان ہوں۔'' ڈاکٹر سینا نے جواب دیا۔ اس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ ان میں دیوالی کے لئے کوئی خاص بات پیدا ہو چکی ہے۔ بہرحال دیوالی ڈاکٹر سینا اس کی بہن اور بہنوئی کے ساتھ بہت خوش تھی۔ دوسرا اور تیسرا دن انتہائی پُرسکون گزرا۔ دیوالی کو ڈاکٹر سینا کے چھوٹے سے گھر میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سینا کو دیوالی کے ساتھ رہ کر بہت خوشی ہوتی تھی اور وہ خاصا مطمئن نظر آتا تھا۔ اس کا مکان خاصا کشادہ تھا۔ جس میں چار کمرے تھے اور ان چار کمروں میں سے دو بیڈ روم تھے اور دو ڈرائنگ روم، بیڈ روم اوپر تھے اور ڈرائنگ روم نیچے جبکہ سامنے ایک مختصر سا لان تھا۔ لان بہت اچھا بنا لیا گیا تھا اور خاصی دلچسپ زندگی تھی یہاں کی۔ خاص طور سے درشنا اور چندر کی وجہ سے بڑی رونق ہوگئی تھی۔ چندر کے والدین بھی یہیں لندن میں رہتے تھے، لیکن ایک بہت ہی دور دراز مقام پر۔ وہ بہت بے تکلف سا آدمی تھا۔ ادھر ڈاکٹر سینا دیوالی سے خاصا بے تکلف ہوگیا تھا۔ نند کشور کی بہت اچھی دیکھ بھال ہو رہی تھی اور اس میں ڈاکٹر سینا کا بھی خاصا ہاتھ تھا۔
ڈاکٹر سینا نے آخرکار دیوالی سے پوچھ ہی لیا۔

''دیوالی جی! ایک بات کہوں، آپ برا تو نہیں مانیں گی۔''

''نہیں۔ ڈاکٹر سینا! ہم لوگ اس قدر بے تکلف ہو چکے ہیں کہ اب میں بہت سی باتوں کا برا نہیں مان سکتی۔''

''دیوالی جی آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی بات محسوس کرتا ہوں میں جو ذرا انوکھی سی ہے۔ میں آپ کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''میرا ماضی بہت عجیب ہے ڈاکٹر سینا۔ بس یوں سمجھ لیجئے ایک دیہات میں پیدا ہوئی۔ ماں باپ درمیانہ درجے کے آدمی تھے۔ کوئی بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے میرے پتاجی کو بڑا دکھ تھا۔ میں نے بیٹا بن کر ان کی خدمت کی اور اپنی زندگی کے کچھ ایسے جھگڑوں میں الجھ گئی، جو غلط تھے۔ بس کچھ ایسے لوگ مل گئے۔ جنہوں نے ذہن کو بھٹکا دیا لیکن بھگوان کا شکر ہے کہ میں راستے پر آگئی۔''

''دیوالی جی! آپ کی زندگی سے کوئی ایسی بات متعلق ہے۔''

''ہاں ہے۔''

''کیا......؟''

''بس ایک خیال میرے ذہن سے چپک گیا ہے سینا جی! جو مجھے پریشان کرتا رہتا

ہے۔''

''آپ مجھے اس کے بارے میں نہیں بتائیں گی۔''

''بتا دوں گی۔ کسی مناسب وقت پر بتا دوں گی۔'' بہرحال اس نے ڈاکٹر سینا کو ٹال دیا۔ دو تین دن تک بہت اچھے حالات رہے تھے۔ خوابوں کا مہمان اب دیوالی کے خوابوں میں نہیں آیا تھا۔ چنانچہ دیوالی یہاں خوش تھی نند کشور اور راج وتی بھی خوش تھے۔ کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس دن بھی وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ چندر نے اپنی ماتا جی کو فون کیا۔ میز پر ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ جس سے موسیقی کی لہریں نشر ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف سے چندر کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کو درشنا کے بارے میں بتا رہا تھا اچانک ہی ٹیپ ریکارڈ سے ایسی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کوئی بھیڑیا غصے سے غرا رہا ہو۔

''شاید کیسٹ پھنس گیا ہے۔'' چندر نے کہا اور وہ ٹیپ ریکارڈ روک کر کیسٹ چیک کرنے لگا۔

''ایسی آوازیں تو نہیں ہیں۔ نہ یہ کیسٹ خراب ہے پتہ نہیں کیا قصہ ہے۔''

''بند کر دو ٹیپ ریکارڈ کیا فائدہ۔'' ڈاکٹر سینا نے کہا۔ اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی ناخنوں سے شیشے کو کھرچ رہا ہو اور یہ ناخن بہت طاقتور ہوں۔ وہ ٹھٹک کر خاموش ہوگئے۔ آوازیں کھڑکی کے پیچھے سے آ رہی تھیں۔

''ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔'' چندر نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ زینے سے نیچے گیا۔ دیوالی اور درشنا بھی اس کے پیچھے پیچھے نیچے اتر گئی تھیں۔ وہاں سے ایک دروازہ لان میں کھلتا تھا۔ جو اس وقت تاریک پڑا ہوا تھا۔ سڑک پر لگی ہوئی لائٹ درخت کے پتوں سے چھن چھن کر وہاں آ رہی تھی۔ مگر روشنی اتنی کم تھی کہ اس میں کسی چیز کو وضاحت کے ساتھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

''کون ہے۔'' اس نے آواز سنبھال کر کہا۔ جس میں خوف کا عنصر نمایاں ہوگیا تھا۔ دونوں لڑکیاں ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہوگئی تھیں اور دیوالی کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی پیلاہٹ تھی۔ جبکہ درشنا کو پہلی بار ایسے کسی واقعہ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ دونوں خوفزدہ نگاہوں سے چندر کو دیکھ رہی تھیں۔ چندر دو قدم آگے بڑھا۔ اچانک ہی کرچ کرچ کی آواز پھر ابھری۔

''کون ہے میں کہتا ہوں سامنے آؤ۔ کون ہے۔'' چندر نے آگے بڑھ کر کہا اور پھر ہمت کر کے لان میں اتر گیا اور دائیں جانب دیکھنے لگا۔ کیونکہ ادھر سے ہی کرچ کرچ کی

آواز آ رہی تھی۔ دفعتاً اسے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور سب ایک دم اچھل پڑے، لیکن آنے والا ڈاکٹر سینا تھا۔ جوان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر نیچے اتر آیا تھا۔

''کون ہے، کیا بات ہے؟''

''پپ...... پتہ نہیں۔ نظر تو کوئی بھی نہیں آ رہا۔''

''وہم ہے تمہارا۔ کیا دیکھنا چاہتے ہو۔'' ڈاکٹر سینا نے کہا اور وہ چندر کے ساتھ لان کا چکر لگانے لگا۔ پورے لان کو اور گھر کے ایک ایک حصے کو دیکھ لیا گیا، لیکن وہاں کسی کا وجود نہیں تھا۔

''وہم...... وہم اور صرف وہم اور کہا جاتا ہے کہ وہم کی دوا حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھی۔''

''یار! بس وہم تو نہیں کہہ سکتے ہم اسے، کچھ تھا ضرور لیکن جب انسان یہ نہ بتا سکے کہ کیا تھا تو پھر اسے بے وقوفی کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

''ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے او کے پھر آؤ آرام کریں۔ بلاوجہ وقت ضائع کر رہے ہو۔'' ڈاکٹر سینا نے کہا اور اوپر پہنچ گیا، لیکن روشنی میں دیوالی کا چہرہ دیکھ کر وہ ایک دم چونک سا پڑا۔

''ارے دیوالی جی! آپ کا تو رنگ پیلا پڑا ہوا ہے۔''

''نن...... نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس ایسے ہی۔''

''اوہ۔'' ڈاکٹر سینا نے کہا اور دیوالی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ تنہائی میں ڈاکٹر سینا نے اس سے کہا۔

''دیوالی جی! ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانیں گی آپ!''

''نہیں، نہیں ڈاکٹر سینا! آپ کی بات کا بھلا میں برا مان سکتی ہوں۔'' دیوالی نے کہا اور ڈاکٹر سینا اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''کیوں میری بات کا آپ برا کیوں نہیں مان سکتیں۔''

''میرا مطلب ہے آپ اتنے اچھے آدمی ہیں۔ میرا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر سینا ہنسنے لگا پھر بولا۔

''برا نہ ماننے والی بات یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن سے سارے وہم نکال دیجئے۔ کچھ نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان ایسے ہی خیالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ پسند کریں گی

تو میں آپ کو ایک ماہر نفسیات کو دکھاؤں گا۔ میرا دوست ہے۔''

''اوہ نہیں مسٹر سینا! آپ اس قدر پریشان نہ ہوں۔''

''تو پھر آرام کیجئے۔'' لیکن دیوالی آرام نہ کر سکی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر سینا بھی اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بس اس کے درمیان ایک شریفانہ فاصلہ تھا، لیکن دیوالی گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ ہر طرف گہری خاموشی طاری ہو گئی تھی دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی کھڑکی پر دستک دے رہا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آواز چونکہ کھڑکی کی طرف سے آئی تھی لہٰذا وہ اس طرف گئی تو اسے کھڑکی کے شیشے میں ایک سوراخ دکھائی دیا۔ اس سوراخ کے چاروں طرف بال پڑے ہوئے تھے۔ دیوالی اس سوراخ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ دفعتاً اس کے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔

''دیوالی! تم...... تم دیوالی نہیں ہو بلکہ پرنسس پرمیتا ہو۔ میں تمہاری تلاش میں نجانے کب سے عمر گرداں ہوں میری بچی۔ تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' دیوالی کا سینہ لرز گیا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ کافی پریشان تھی۔ کچھ دیر تک وہ اس آواز کا تجزیہ کرتی رہی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز اسی خوفناک آدمی کی تھی۔ بہرحال پھر اس نے ہمت کی۔ ڈاکٹر سینا کو بار بار جگانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے زینہ طے کیا نیچے اتری اور دروازہ کھول کر باہر لان کا تجزیہ کرنے لگی۔ بائیں جانب گھنے درخت کے پیچھے شاید کوئی کھڑا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

''کون ہے۔'' اس نے سہمی ہوئی سرگوشی میں پوچھا۔

''دیوالی! یہاں آؤ۔'' جواب بھی سرگوشی میں ہی ملا تھا۔ ابھی وہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ نجانے کہاں سے کسی ڈرم کا ڈھکن لڑھکتا ہوا اس کی طرف آیا اور ایک دائرے میں گھومنے کے بعد گھاس پر لڑھک گیا۔

''کک...... کون ہو۔ میں کہتی ہوں کون ہو تم؟'' وہ بولی...... اچانک سامنے والی دیوار پر ایک سایہ سا نظر آنے لگا۔ گردن سے لے کر پیروں تک سیاہ لبادے میں ملبوس سائے کی آواز پھر ابھری۔

''ادھر آؤ دیوالی! ادھر آؤ۔'' اور پھر وہ سایہ گھنے درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ دیوالی نے جھرجھری سی لی۔ اس کے جسم میں خوف و دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہی بے حد کریہہ الصورت اور منحوس شکل آدمی تھا۔ اس نے خوش آمدید کہنے والے انداز میں

دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ کے ناخن بے حد لمبے اور تیز دھار والے تھے۔ چہرہ خون میں ڈوبا اور الجھا سا تھا۔ دانت سیاہ اور بے حد غلیظ تھے۔

"آؤ دیوالی! ڈرو نہیں۔ میرے قریب آؤ۔ میں نے کہا تھا نا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" اچانک ہی دیوالی کو احساس ہوا کہ اس وقت وہ خطرے میں ہے۔ اسے اس کے قریب نہیں جانا چاہیئے۔ چنانچہ وہ پلٹ کر بھاگی۔ خوف سے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو رہی تھیں۔ وہ سیڑھیوں کے راستے پر جانے کے بجائے نجانے کدھر راستہ بھول گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح لان تک آ گئی تھی۔ سامنے ایک بند دروازہ تھا۔ وہ اس پر اضطراری انداز میں گھونسے مارنے لگی۔

"کھولو...... کھولو...... دروازہ کھولو...... بچالو، مجھے بچالو۔" پیچھے وہ شخص چلا آ رہا تھا۔ دیوالی کے ہیجان میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور لان اس کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ نجانے کیوں ابھی تک ڈاکٹر سینا، چندر اور درشنا اس کی مدد کے لئے نہیں آئے تھے۔ خوفناک آدمی اس کے بے حد قریب آ گیا۔ پھر اس نے اپنا نوکیلا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور دیوالی نے چیختے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے چہرے کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اس کے چہرے پر پنجہ مارا تو لجلجے گوشت کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ایک بار پھر دیوالی کے منہ سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی تھی اور یہ چیخ ڈاکٹر سینا نے بھی سن لی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر جب اس کے کانوں نے دوسری چیخ سنی تو وہ تیزی سے دیوالی کے کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دیوالی کو دیکھا، دیوالی کمبل اوڑھے لیٹی ہوئی تھی، لیکن وہ اس طرح جنبش کر رہی تھی جیسے کسی سے جنگ کر رہی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں اس انداز میں اٹھ رہے تھے جیسے کسی سے کشتی کر رہی ہو۔ یا خود کو کسی سے چھڑا رہی ہو وہ بری طرح سے اچھل رہی تھی اور اس کی ہولناک چیخوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر سینا پھرتی سے دیوالی کے قریب پہنچا۔ اس نے اس کا کمبل الٹ دیا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا جیسے کسی نے دیوالی کو پکڑا ہوا ہے، لیکن جب اس نے کمبل کے نیچے کا منظر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دیوالی بری طرح سے اچھل کود کر رہی تھی۔ بستر پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ڈاکٹر سینا نے زور سے آواز دی۔

"دیوالی...... دیوالی۔" پھر وہ اس کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک پُراسرار اور عجیب واقعہ رونما ہوا۔ دیوالی کے پیٹ پر پانچ چھ خراشیں اس طرح ابھریں جیسے کسی نے اپنے نوکیلے ناخن اس کے پیٹ میں گاڑھ دیئے ہوں۔ وہ اس کا پیٹ چیر کر رکھ دینا چاہتا

ہو۔ خراشیں کافی گہری ہوگئیں اور ان سے خون ابلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پیٹ لہولہان ہوگیا۔ ڈاکٹر سینا نے اس نادیدہ ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش کی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتا کسی نے دیوالی کی ٹانگیں پکڑ کر اسے بستر سے دیوار کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا اور پھر مزید حیرت ناک واقعات نگاہوں کے سامنے آئے۔

دیوالی دیوار پر رگڑ کھاتی ہوئی چھت کی طرف جانے لگی۔ اس کی ٹانگیں اوپر تھیں اور سر نیچے جبکہ جسم دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ جو کوئی بھی اسے اس انداز سے گھسیٹ رہا تھا وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ہولناک انداز میں چیخ رہی تھی اور ڈاکٹر سینا کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی جیسے کسی نادیدہ اور شیطانی قوت کے خلاف اس کی مدد چاہتی ہو۔ ڈاکٹر سینا نے ایک بار پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر اس کا ہاتھ دیوالی کو تھامنے میں کامیاب نہ ہو سکا اس لئے کہ وہ چھت تک پہنچ چکی تھی۔ پھر وہ چھت سے چپک گئی۔ چند لمحوں تک اسی طرح سپاٹ چھت سے چپکے رہنے کے بعد وہ ایک دھماکے سے بستر پر گری اور شفاف بستر خون میں ڈوب گیا۔ دیوالی سر سے پاؤں تک خون میں لت پت تھی۔ وہ ایک دو بار بستر سے اچھلی اور پھر اس کے حلق سے چند دلخراش چیخیں نکلیں اور وہ بستر سے فرش پر گر پڑی۔ اس کے بعد وہ ساکت ہوگئی اور اس کے ہاتھ پاؤں نامناسب زاویوں پر مڑ گئے۔ ڈاکٹر سینا حیرت اور رنج و غم سے اسے تکتا رہ گیا تھا۔ اس نے اپنی تمام زندگی میں اتنا ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ڈاکٹر سینا پریشان نظروں سے دیوالی کو دیکھتا رہا۔ حسن و جمال کی مورت، زخموں سے چور پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ دھلے لٹھے کی طرح سفید پڑا ہوا تھا۔ دوسرے کمروں میں درشنا اور چندر موجود تھے۔ کہیں کسی کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ان میں سے کسی کو اس ہنگامہ آرائی کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ خود ڈاکٹر سینا کی ہمت نہ پڑی کہ دیوالی کو بازوؤں میں اٹھا کر یہاں سے لے جائے۔ درشنا کو جگانا ضروری تھا۔ چنانچہ وہ برق رفتاری سے باہر دوڑا اور اس نے پہلے چندر اور درشنا کو جگایا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر! خیریت اتنے پریشان کیوں ہو۔" چندر نے حیرت سے پوچھا۔

"چندر۔ چندر۔"

"ہاں بولو۔" چندر نے کہا۔

"دیوالی۔"

"کیا ہوا دیوالی کو۔" درشنا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"اسے فوراً اسپتال لے جانا ہوگا۔"

"اسپتال...... کیوں۔" چندر نے متوحش لہجے میں کہا۔

"آؤ...... دیکھو تو سہی۔ آؤ۔" سینا نے کہا اور دیوالی کے کمرے کی طرف دوڑا۔ چندر اور درشنا بھی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ سینا دیوالی کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس کے منہ سے آواز نکلی۔ "دیکھو اسے کیا ہوا۔" یہ کہہ کر اس نے دیوالی کے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن پھر اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کی گردن چاروں طرف گھوم رہی تھی وہ پورے کمرے میں دیکھ رہا تھا لیکن دیوالی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"دیوالی کہاں ہے سینا؟"

"یہیں تھی اور...... اور......" ڈاکٹر سینا کے پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔

چندر اور درشنا عجیب سی نظروں سے ڈاکٹر سینا کو دیکھ رہے تھے۔ بمشکل تمام ڈاکٹر سینا نے کہا۔

"وہ یہیں تھی لیکن میں نے اسے جس حال میں دیکھا تھا، اوہ مائی گاڈ، وہ شدید زخمی تھی۔"

"زخمی......!"

"ہاں دیکھو، اس کے بستر کو دیکھو۔" ڈاکٹر سینا نے کہا اور پھر خود بھی اس طرف نگاہ ڈالی لیکن اسے حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا، بستر صاف شفاف پڑا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ درشنا اور چندر اس کے پاس پہنچ گئے۔ چندر نے اسے سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھا دیا پھر بولا۔ "آپ نے کوئی بھیانک سپنا دیکھا ہے ڈاکٹر۔"

"کیا تم مجھے خوابوں کا انسان سمجھتے ہو۔" ڈاکٹر سینا جھلا کر بولا۔

"پھر بتایئے تو سہی ہوا کیا۔" چندر نے کہا اور ڈاکٹر سینا ہکلا ہکلا کر انہیں پوری کہانی سنانے لگا۔ درشنا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"آپ یقین کریں بھیا۔ مجھے وہ لڑکی ویسے ہی بڑی پُراسرار لگی تھی۔"

"یہ بات نہیں ہے درشنا۔"

"ہے بھیا آپ یقین کریں یا نہ کریں۔"

"وہ بہت اچھی لڑکی تھی......" ڈاکٹر سینا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"لیکن پھر یہ سب کیا ہے؟"

"پتہ نہیں...... اب یہ بتاؤ کیا کروں۔ اس کے ماں باپ نے بڑے بھروسے کے اتھ اسے میرے پاس چھوڑا تھا وہ میری آنکھوں کے سامنے شدید زخمی ہوئی تھی اور اب آؤ راباہر دیکھیں۔"

ہر جگہ تلاش کر لیا گیا لیکن دیوالی کا کہیں پتہ نہیں چل سکا۔ وہ لوگ مایوس ہو کر واپس ک کمرے میں آ گئے تھے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" درشنا بولی۔

"کیا کہتے ہو چندر۔"

"کس بارے میں؟"

"کیا کرنا چاہیے؟"

"پولیس کو اطلاع دی جائے۔"

"پولیس......؟ وہ ہم غیر ملکیوں کو ویسے ہی احمق سمجھتی ہے۔ اس بے تکی رپورٹ پر رف ہمارا مذاق اڑائے گی۔" ڈاکٹر سینا نے کہا اور گہری خاموشی چھا گئی۔

☆======☆======☆

دیوالی کی آنکھ کھل گئی۔ بہت دیر تک تو یہی پتہ نہ چل سکا کہ وہ ہے کہاں۔ بڑا سا کمرہ تھا جس کی دیواریں سفید اور کسی بھی قسم کے نقش و نگار، تصاویر، ڈیزائن وغیرہ سے عاری تھیں۔ ایک ٹھنڈا ٹھنڈا سا ماحول، سفید سفید مدھم روشنی، بدن کے نیچے ایک بستر جو مکمل طور پر سفید تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ فرش پر بھی ایک سفید قالین بچھا ہوا تھا۔ دروازے بھی سفید تھے۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی برفانی غار میں ہو۔ سردی بے شک برفانی غاروں جیسی نہیں تھی لیکن ماحول بالکل ویسا ہی تھا۔ اس نے دو تین بار اِدھر اُدھر گردن پنچی اور اس کے بعد اسے واقعات یاد آ گئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ مدھم مدھم خواب اس کی آنکھوں میں تھا۔ جب اس نے اس بھیانک وجود کو خود پر حملہ آور ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے اپنی لمبی فولادی انگلیوں سے دیوالی کے بدن پر گھاؤ لگائے تھے اور دیوالی کو دیوار پر گھسیٹ لیا تھا۔ یہ تمام مناظر یاد کر کے اس کے چہرے پر شدید خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ بعد میں اسے پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کہاں گئی۔ اس نے اپنے جسم پر زخموں کے نشانات تلاش کیے لیکن ایک بھی زخم نہیں تھا۔ وہ بالکل ہلکی پھلکی اور سبک روتھی جبکہ وہ ڈاکٹر سینا کے گھر میں تھی وہاں چندر اور درشنا تھے۔ جن سے اس کی اچھی خاصی شناسائی ہو چکی تھی۔ اسپتال میں ماتا پتا بھی تھے۔ بڑے چین کا جیون گزار رہے تھے وہ، ڈاکٹر نریشا اور اس کا پتی جن کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ ہنی مون منانے گئے ہوئے ہیں۔ "مگر میں کہاں ہوں؟"

"کوئی ہے یہاں...... کوئی ہے؟" لیکن وہاں کوئی نہیں تھا وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سامنے کے سفید دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف گھسیٹا تو بڑے آرام سے کھل گیا۔ باہر سے ہوا کے سرد جھونکے اندر آئے۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ دروازہ بند کر دے۔ باہر تو بہت زیادہ سردی تھی۔ لیکن تجسس سردی پر غالب آ گیا۔ یہ پتہ تو چلے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ باہر ایک راہداری نظر آئی جو دائیں بائیں

ہی گئی تھی۔ ایک لمحے تک وہ اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہی کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے بائیں سمت کا رخ کیا۔ راہداری آگے جا کر بائیں جانب گھوم گئی تھی اور اس کے بعد ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک انتہائی عالیشان کچن تھا۔ کچن میں کھانے پینے کی تمام اشیاء موجود تھیں۔ وہ ایک لمحے تک کچن کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر وہاں سے واپس پلٹی اور پھر راہداری میں دائیں طرف گئی۔ یہاں کچھ کھڑکیاں باہر کی سمت کھلتی تھیں۔ اس نے باہر کا جائزہ لیا تو اسے کہر میں ڈوبی ہوئی ایک عجیب وغریب وادی نظر آئی۔ کہیں کہیں سبز درختوں سے سبزہ جھانک رہا تھا لق و دق ویرانہ۔ اس راہداری کا اختتام بھی ایک دروازے پر ہوا لیکن یہ دروازہ باہر سے بند تھا۔ بہت اونچا شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا دروازہ تھا۔ اتنا مضبوط کہ اسے ہلانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ باقی اور کوئی کمرہ وغیرہ بھی نہیں تھا۔ یہ عجیب و غریب قید خانہ اسے بہت عجیب لگا۔ قید خانہ ہی تھا۔ اس کی رسائی صرف کچن تک تھی۔ پھر اچانک ہی اسے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں کب سے بھوکی تھی۔ ایک چھوٹی سی بستی کی الہڑ دوشیزہ تھی۔ وقت نے نجانے کیسے کیسے کھیل کھیلے تھے اس کے ساتھ۔ لیکن فطرت کی معصومیت اپنی جگہ تھی۔ بھوک کے آگے سب کچھ بھول گئی۔ کچن میں کیا نہیں تھا۔ اس نے اپنے لیے ناشتہ بنایا اور پھر وہیں ایک جگہ بیٹھ کر شکم سیری کی۔ پھر وہاں سے واپس پلٹی۔ اس قید تنہائی کا مقصد کیا تھا اور یہاں اسے کس نے قید کر رکھا تھا اس بات کا تو اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ جہاز میں ملنے والا پُراسرار وجود اس کی زندگی کا گاہک بن چکا ہے۔ وہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور وہاں سے باہر کا نظارہ کرنے لگی۔ بہت زبردست اور موٹی گرل والی کھڑکی تھی۔ جس میں خاص قسم کے شیشے لگے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے باریک سوراخ ہوا آنے کے لیے بھی تھے اور انہی سے سردی کی لہریں اندر آ رہی تھیں۔ وہ زیادہ دیر تک وہاں نہ رک سکی۔ بدن کے کھلے ہوئے حصے یخ ہو گئے تھے۔ وہ واپس پلٹی اور کمرے میں آ گئی۔ یہی امن کی جگہ تھی جہاں سردی سے نجات حاصل ہو سکتی تھی۔ سامنے آتشدان تھا۔ اس کے برابر ہی آتش دان روشن کرنے والی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ دیوالی نے آتشدان روشن کر دیا اور کمرے کی فضا مزید گرم ہو گئی۔ وہ بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی پھر اس نے سوچا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ دل میں نجانے کیا کیا خیالات آنے لگے۔ ماضی ایک بہترین دوست ہوتا ہے جب کوئی پاس نہ ہو تو ماضی سے دوستی کر لی جائے۔ ماضی سے رشتہ جوڑ لیا جائے۔ دل بہل جاتا ہے۔ آغاز ہوا تھا کہاں سے......

ماتا پتا دکھوں کے مارے تھے راج وتی کے دل میں کسی بیٹے کی کتنی آرزو تھی۔ مگر

بھگوان نے ایک بیٹی دے کر فل اسٹاپ لگا دیا۔ پھر جب بے کسی آخری حد تک پہنچ گئی تو ایک چھوٹے سے واقعہ نے اسے نجانے کون سے راستے پر لگا دیا۔ اسے ایک دم ہنسی آ گئی۔ نہ کسم اور کانتا ان لڑکوں کے ساتھ یہ مذاق کرتیں اور نہ اسے یہ احساس ہوتا کہ اس کے الٹے پاؤں اس قدر کارآمد ہو سکتے ہیں۔ وہ سوچتی رہی نجانے کیا کیا اور کتنے کردار اس کی زندگی میں آئے۔ پھر وہ جنم جنم کے پھیر میں پڑ گئی۔ کچے ذہن ہی کی بات تھی ہاں البتہ اسے وہ دور سب سے دکھ بھرا محسوس ہوا جب اپنی چھوٹی سی حماقت سے وہ اپنی بہت بڑی شکتی کھو بیٹھی۔ ورنہ پُراسرار وجود کیا معنی رکھتا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خوابوں کا مہمان آخر تھا کون؟

پُراسرار واقعات نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ نجانے کب تک وہ بیٹھی سوچتی رہی اور اس کے بعد جب بہت زیادہ بور ہو گئی تو پھر وہاں سے نکل آئی۔ راہداری کا دوسرا سرا جہاں وہ بڑا دروازہ لگا ہوا تھا، اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کی جائے۔ وہ عظیم الشان دروازہ اس وقت باہر سے بند نہیں تھا۔ دباؤ ڈالنے سے وہ کھل گیا اور اس نے سامنے کی سمت دیکھا وہ ایک لمبی راہداری تھی۔ جس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دروازے بنے ہوئے تھے۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے آگے بڑھی اور پھر بڑھتی رہی تقریباً پچیس گز دور گئی تھی کہ اچانک دائیں جانب سے کوئی اس راہداری میں داخل ہوا۔ اس کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ دیوالی اس سے ٹکرا گئی۔ اس کی ٹکر سے وہ فرش پر گر گئی۔ وہ ایک لڑکی تھی جس کا چہرہ عجیب وغریب تھا اور جس کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ لڑکی نے اپنی سرخ سرخ زبان نکال کر ہونٹوں کو تر کیا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر انگلیاں لہرائیں۔ اس کی انگلیاں معمول سے زیادہ لمبی اور پتلی تھیں اور ان کے ناخن لمبے اور تیز دھار والے تھے۔ پنجہ بے حد سرخ تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ خون میں ڈوبا ہوا ہو۔

دیوالی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ بمشکل تمام اس نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ''کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟'' لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''لڑکی تم کہاں ہو۔'' اس نے آواز دی۔ راہداری کے پیچھے سے دائیں جانب ایک راستہ زینے کی طرف جاتا تھا۔ نجانے کیوں دیوالی کو یہ اندازہ ہوا کہ لڑکی اسی طرف گئی ہے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ لڑکی کے بدن کے کسی حصے سے خون بہہ رہا تھا کیونکہ خون کی ایک موٹی لکیر زینے سے نیچے چلی گئی تھی۔ دیوالی سہمے ہوئے انداز میں نیچے دیکھتی ہوئی

آگے چلی گئی۔ یہاں بہت سے تابوت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں باریک باریک سوراخ تھے اور ان سوراخوں سے دھوئیں کی لکیریں اوپر اٹھ رہی تھیں۔ یہ بھی ایک ناقابل یقین چیز تھی وہ ان لکیروں کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک تابوتوں کے پیچھے سے ایک شخص باہر نکل آیا۔ اس نے گردن سے لے کر پیروں تک سیاہ رنگ کا لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ عام آدمیوں کے مقابلے میں لمبے تھے اور ہاتھوں کے ناخن دھاری دار اور نوکیلے تھے۔ اس نے کڑی نگاہوں سے دیوالی کو دیکھا اور پھر نجانے منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑانے لگا۔ پھر اس نے اپنی زبان باہر نکالی اور دیوالی کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ یہ زبان کوئی ایک فٹ لمبی اور آگے سے دوشاخہ تھی۔ وہ بری طرح پلٹ کر بھاگی لیکن اس نے اپنے پیچھے اس شخص کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ دیوالی کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اپنے کمرے ہی کی طرف بھاگ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی اور اس نے اندر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس کا پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا اور وہ انتہائی دہشت زدہ انداز میں کانپتی ہوئی بستر تک پہنچی۔ پھر اس طرح بستر پر گر گئی جیسے اس کے پورے بدن کی جان نکل گئی ہو۔

''آہ...... کیا ہے یہ سب کچھ...... کیا ہو رہا ہے یہ۔ کیا کروں میں کیا کروں۔''

☆======☆======☆

ڈاکٹر سینا سخت پریشانی کے دن گزار رہا تھا۔ چندر بھی اپنے طور پر مصروف تھا۔ کتنی بار یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پولیس کو اس بارے میں اطلاع دے دی جائے۔ لیکن ڈاکٹر سینا اس بات کا خواہش مند تھا کہ جیسے بھی بن پڑے دیوالی کو خود ہی برآمد کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے چند دوستوں سے بھی رجوع کیا تھا اور انہیں اس بات پر مامور کر دیا تھا کہ وہ دیوالی کا پتہ لگائیں۔ اصل میں پولیس کا معاملہ بھی بہت سنگین ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد لازمی بات تھی کہ پولیس والے نند کشور اور راج وتی سے بھی رابطہ قائم کرتے اور انہیں علم ہو جاتا کہ دیوالی اس طرح غائب ہو گئی ہے۔ اس انکشاف کے اثرات نند کشور پر بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ جو صحت کی منزلیں طے کر رہا تھا اور ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے خود ڈاکٹر سینا کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ اس وقت نند کشور کے ذہن پر کوئی برا اثر نہیں پڑنا چاہیے ورنہ اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پہلا دن تو گزر گیا وہ نند کشور اور راج وتی کے سامنے ہی نہیں گیا تھا۔ رات کو تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ چندر نے کہا۔

''آپ یقین کریں سینا بھیا! جتنے میرے وسائل ہو سکتے تھے میں نے ان سے کام

لے کر کوششیں جاری کر دی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ پُراسرار شخصیت آخر کس کی تھی اور دیوالی سے اس کا کیا واسطہ ہے۔ اگر یہ پتہ چل جائے تو شاید ہم قدم آگے بڑھا سکیں۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پتہ کس سے چلے۔''

''یہی سب سے مشکل کام ہے کاش! ہم اس کی مدد کر سکیں۔''

''اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اس کے ماتا پتا سے ہی اس کے بارے میں معلوم کیا جائے۔''

''مگر بات وہی ہے کہ انہیں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔''

''میرا خیال ہے تم لوگ بھی ساتھ چلو۔ سب کے سامنے جو گفتگو ہوگی۔ وہ بڑی کارآمد رہے گی۔'' اور پھر وہ تینوں اسپتال پہنچ گئے۔ راج وتی اور اس کے شوہر نے ان کے پیچھے دیکھا تھا ان کا خیال تھا کہ دیوالی بھی آئی ہوگی۔ تینوں نے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھالا ہوا تھا اور آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ کس طرح نند کشور اور راج وتی کے سامنے دیوالی کے بارے میں بات کرنی ہے۔ جب دیوالی نظر نہ آئی تو نند کشور ہی نے پوچھا۔

''دیوالی کہاں ہے؟''

''بس نند کشور جی، بڑی زندہ دل ہیں آپ کی دیوالی جی، انہوں نے یہاں آتے ہی دو تین سہیلیاں بھی بنا لیں جن کا تعلق آپ ہی کے وطن سے ہے۔ سہیلیوں کے ساتھ وہ لندن گھومنے نکل گئی ہیں۔ آپ کے لیے ایک پیغام بھی ہے۔''

''اکیلی نکل گئی ہے۔''

''اکیلی نہیں بلکہ ان کی جو سہیلیاں ہیں وہ بھی اعلیٰ خاندان والی ہیں۔ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ ان کے خاندان کو جانتا ہوں پورا گروہ گھومنے کے لیے نکلا ہے اور مجھے تو لگتا ہے کہ یہ لوگ اس گھومنے پھرنے میں کئی دن لگا دیں گے۔''

''دیوالی نے بتایا نہیں ہمیں۔''

''مجھے جو بھیجا ہے آپ کے پاس۔ اصل میں ان کی سہیلیوں نے بھی انہیں بہت زیادہ مجبور کر دیا۔ ویسے آپ بالکل فکر نہ کریں وہ سب ہمارے جانے پہچانے لوگ ہیں۔''

''تب ٹھیک ہے۔ ہم تو تمہی لوگوں کے سہارے پر یہاں جیون بتا رہے ہیں۔''

''ویسے آنٹی! دیوالی اپنی فطرت میں بے حد عجیب ہے۔ میں درشنا سے یہی کہہ رہا تھا کہ اتنی خود اعتمادی بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔''

''بس کیا بتائیں۔ بڑا کنبہ تھا ہمارا۔ پر سنسار بڑی بری جگہ ہے۔ یہ دولت جو ہے نا یہ سگے بھائیوں کو بھی آپس میں دور کر دیتی ہے۔ ایسا ہی ہوا ہمارے ساتھ۔ بھائی اپنی اپنی بستیوں میں لگ گئے۔ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا ہمارا جہاں ہم لوگ رہتے تھے دیوالی نے بھی یہیں ہوش سنبھالا۔ ایک کمی تھی اس کے اندر جس نے ہم لوگوں کو اور پسماندہ کر دیا۔ بہرحال بھگوان کی مرضی کوئی کیا کر سکتا ہے۔ پھر یہی ہوا کہ دیوالی کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑا اور بھگوان نے اسے وہ عقل دی کہ اس نے ہمارے دن ہی پھیر دیئے۔''

''ایک سوال کروں آپ سے؟ کیا دیوالی جی کو پُراسرار علوم سے بھی دلچسپی رہی ہے۔''

''پُراسرار علوم۔''

''مطلب یہ کہ جنتر منتر۔''

''بھائی سچی بات ہے ایک بات بتاؤں تمہیں۔ میں تو معذور ہو چکا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم لیکن ایک بات میں جانتا ہوں کہ میری بیٹی کردار کی بہت اچھی ہے۔ اس نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ اس کے کردار میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور وہ اپنا دفاع کرنا جانتی ہے۔ پھر بھگوان سے بھی ہم نے یہی پرارتھنا کی تھی کہ بھگوان ہم تو اس قابل نہیں ہیں کہ ایک جوان بیٹی کی نگرانی کر سکیں۔ اب یہ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' یہ لوگ نجانے کب تک باتیں کرتے رہے تھے لیکن ایسے کسی کردار کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ بہرحال یہ یقین دلا دیا تھا انہوں نے راج وتی اور نند کشور کو کہ دیوالی ابھی کئی دن تک واپس نہیں آئے گی اور وہ جہاں بھی ہے ٹھیک ہے۔

☆======☆======☆

ایک عجیب و غریب زندگی گزر رہی تھی اور دیوالی سوچ رہی تھی کہ آخر اب ہوگا کیا؟ کوئی بات سمجھ میں تو آئے۔ وہ بری طرح پریشان ہوگئی تھی۔ جانتی تھی کہ ماں باپ کا کیا حال ہوگا۔ بڑی خوفناک جگہ تھی یہ۔ بظاہر انتہائی آرام دہ لیکن بے حد خوفناک۔ کچن تھا جس میں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار تھے اور بڑا کمرہ جو ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ تھا۔ باتھ روم بے حد شاندار۔ اس وقت اس کا دل نہانے کو دل چاہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ کپڑے اتار کر وہ ٹب میں لیٹی تو اس کے دل میں عجیب و غریب خیالات آ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی وہ آنکھیں بند کر کے سر جھٹکنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس کا سر باتھ روم کے ٹب کے کنارے پر ٹک گیا اور ٹانگیں سکڑنے

لگیں۔اچانک اس کی دونوں ٹانگوں کے بیچ سے ایک سیاہ اور مکروہ ہاتھ ابھرا۔ہاتھ کی انگلیاں بے حد پتلی پتلی تھیں اور اتنی سرخ تھیں جیسے خون میں ڈوبی ہوئی ہوں۔انگلیوں کے ناخن نوکیلے اور دھاردار تھے۔وہ ہاتھ بتدریج پانی کی سطح سے بلند ہو رہا تھا۔ایسا لگا جیسے وہ اسے اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہو۔پھر ایک دم وہ چونک سی پڑی اور ہاتھ حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا۔وہ اپنے قرب و جوار کا جائزہ لیتی رہی اور ایک بار پھر اس پر پُراسرار نیند طاری ہونے لگی۔

اچانک دو ہیبت ناک ہاتھوں نے اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچیں تو وہ ٹب کی تہہ میں چلی گئی۔پھر اس کے حلق سے ایک لمبی اور لرزہ خیز چیخ نکلی۔ٹب کی تہہ میں بالکل تاریکی تھی اور اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس کے منہ اور ناک سے بلبلے اٹھ رہے تھے۔وہ اپنی ٹانگوں کا زور لگا کر اوپر کو اچھلی اور اس نے ٹب کے کناروں کو گرفت میں لے لیا۔ایک بار پھر اس کے حلق سے ایک ہیبت ناک دہاڑ نکلی۔دونوکیلے اور ہیبت ناک ہاتھوں نے اس کی ٹانگیں پکڑ رکھی تھیں۔وہ اپنی ٹانگوں کو ان ہاتھوں کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی اور اس کی پنڈلیوں پر ناخنوں کے نشانات بن گئے۔دفعتاً ہی اسے ایسا لگا جیسے وہ جاگ گئی ہو۔اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔اس وقت وہ اپنے بستر پر تھی۔

وہ سفید کمرہ۔وہی سفید بستر،اوہ میرے خدا،میرے خدا،تو کیا میں پھر وہی خواب دیکھ رہی تھی۔آہ! یہ خواب میری زندگی لے لیں گے۔لیکن یہ کیسے خواب ہیں۔کیسے خواب ہیں یہ۔وہ منحوس وجود کون تھا۔اچانک اس کی گردن مڑی وہ کہنی کے بل تکیے سے ٹکی ہوئی تھی۔کمرے میں حبس سا محسوس ہو رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کھڑکی کے قریب چلی گئی۔تازہ ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو اس نے فرحت محسوس کی۔دفعتاً ہی اسے کوئی سرگوشی سنائی دی۔

''دیوالی......دیوالی۔''وہ راہداری کی اس کھڑکی کی طرف چاروں طرف دیکھنے لگی۔دونوں طرف خاموشی تھی۔وہ آہستہ آہستہ اس دروازے کی طرف بڑھی جو بہت بڑا اور وزنی تھا لیکن اس وقت بھی وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ دروازے سے آگے بڑھ کر راہداری میں چلی گئی۔راہداری کے بالکل آخری سرے پر پہلی بار اسے ایک اور دروازہ کھلا نظر آیا۔جس کے دوسری طرف لان پھیلا ہوا تھا ہر چند کہ یہ لان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔لیکن تاروں کی چھاؤں موجود تھی اور اس لان کے مناظر نظر آ رہے تھے۔گھنے درخت تاریکی میں لہلہا رہے تھے اور ان سے عجیب و غریب آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔دیوالی نے

لان پار کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف پہنچ گئی۔اچانک ہی اسے ایک سرسراہٹ سی سنائی دی اور اس کا دل دھڑک اٹھا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہیں آیا۔البتہ لان کے دوسرے سرے پر اسے پھر ایک عمارت کا سر نظر آیا جس میں آٹھ سیڑھیاں تھیں وہ اس زینے پر پہنچ گئی۔ایک بار پھر اسے ایک سرگوشی سنائی دی۔

''دیوالی۔''

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے بلانے والا کون ہے۔آٹھ سیڑھیاں طے کر کے وہ دروازے پر پہنچی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔اسے یوں لگا جیسے وہ کسی پنجرے میں آ گئی ہو۔اس عمارت کو دیکھ کر پنجرے کا تصور ہی ذہن میں ابھرتا تھا۔کمروں میں اوپر سے لے کر نیچے تک سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور بہت سا سامان چاروں طرف بکھرا پڑا ہوا تھا۔سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے لیکن پھر اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہو گیا۔اسے دیکھ کر دیوالی کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔یہ وہی ہیبت ناک انسان تھا۔جو اسے جہاز میں ملا تھا اور جس کے ملنے کے بعد زندگی کے بدترین دور کا آغاز ہو گیا تھا۔دیوالی سے نگاہیں ملیں تو وہ ہنسنے لگا۔اس کے دانت بالکل سرخ تھے۔ہونٹوں پر بھی جیسے خون لگا ہوا ہو۔دیوالی خوف و دہشت کے عالم میں پیچھے ہٹنے لگی۔تو وہ خوفناک انداز میں ہنسا پھر بولا۔

''مجھ سے بھاگنا بے کار ہے میں تمہارے خوابوں کا مہمان ہوں۔''دیوالی نے نجانے کس طرح پیچھے کی سمت چھلانگ لگائی تھی۔پھر وہ گرتی پڑتی اس عمارت سے باہر نکل آئی۔باہر بدستور تاریکی کی حکمرانی تھی۔دائیں جانب پودوں کی باڑ تھی۔جب وہ اس کے قریب پہنچی تو وہ خوفناک صورت والا آدمی اچانک باڑ ہٹا کر نمودار ہو گیا۔ایک بار پھر دیوالی کے منہ سے ایک لرزہ خیز چیخ نکلی اور وہ وہاں سے بھی بھاگی۔کوڑے کا ڈرم دائیں جانب پڑا ہوا تھا اس نے اسے راستے میں کر دیا تا کہ اس کے پیچھے دوڑنے والا اس سے ٹکرا کر گر پڑے۔لیکن وہ خوفناک چہرے والا لجلجا سا آدمی ہر قسم کی رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر رفتار سُست رکھی ہو۔وہ صرف اسے دوڑا رہا ہو پکڑنا نہ چاہتا ہو۔یہاں تک کہ دیوالی واپس اسی راہداری میں پہنچ گئی۔دروازہ کھول کر وہ اندر آئی اور اس نے دروازہ بند کرنے کے بعد تیزی سے دوڑنا شروع کیا لیکن اچانک ہی زمین یوں محسوس ہوا جیسے نرم ہو گئی ہو۔وہ پاؤں اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن جیسے پاؤں گیلی کیچڑ میں پھنس گئے ہوں۔وہ پوری جسمانی قوت صرف کر رہی

تھی۔اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور کہیں لگے ہوئے شیشے چھناکے سے ٹوٹ گئے۔شیشوں کی کرچیاں راہداری میں بکھر گئی تھیں۔وہ آگے بڑھتی رہی اور بمشکل تمام کمرے کے دروازے تک پہنچ گئی۔اس کے حلق سے لرزہ خیز چیخیں نکل رہی تھیں۔بمشکل تمام اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔اس کا چہرہ خوف و دہشت سے بگڑ گیا تھا آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔لیکن پھر اس کی نگاہ اپنے بستر پر پہنچی اور اب اسے اپنا جسم تھکا تھکا سا محسوس ہونے لگا۔یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے بدن کی جان نکل گئی ہو۔اب کہاں جائے۔بستر پر وہی موجود تھا۔پھر پیچھے کا دروازہ بھی ایک زبردست آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا دیوالی کے پاس پہنچ گیا۔

''آہ۔اب میں...... اب میں تم سے کوئی مقابلہ نہیں کرسکتی۔میں ہار گئی ہوں...... میں تھک گئی ہوں...... میں...... میں...... میں اب کچھ بھی نہیں کرسکتی۔میری زندگی لے لو۔ختم کردو مجھے۔''

''نہیں...... میں تمہیں ختم نہیں کرسکتا بیلا! میں تمہیں ختم نہیں کرسکتا۔مجھے تمہاری ضرورت ہے۔مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''میں کہہ چکی ہوں کہ اب میں کوئی مزاحمت نہیں کرسکتی۔تم آخر ہو کون؟''

''آؤ بیٹھو۔میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔کون ہوں؟ کیا ہوں؟ شاید تمہیں میری باتیں سن کر اندازہ ہو جائے۔بیلا! میں کہاں سے اپنی داستان کا آغاز کروں۔چلو وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے پہلی بار مجھے سزائے موت دی گئی تھی۔یہ سزائے موت مجھے حکومت ایران نے تین افراد کے قتل پر دی تھی اور فیصلہ سننے کے چار گھنٹے بعد ہی مزید تین افراد کو قتل کرکے میں ایران سے افغانستان اور پھر وہاں سے ہندوستان آگیا تھا۔ایک سال تک میں نے کوئی واردات نہیں کی۔لیکن ایک سال کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں شریف آدمی بنتا جارہا ہوں۔اس سے زیادہ خوف کی بات اور کیا ہوسکتی تھی۔میں شریف آدمی نہیں بننا چاہتا تھا۔یہ نام میرے لیے گالی تھا۔بہت شریف آدمی تھا میں کسی زمانے میں۔آٹھ سال تک کوئلے کی کان میں کام کرتا رہا تھا۔ڈبل ڈیوٹی کرکے زیادہ پیسے کماتا تھا تاکہ اپنی ماں کی بیماری کا علاج کراؤں۔ٹی بی کی مریضہ تھی وہ اور جینا چاہتی تھی۔لیکن میری دن رات کی محنت بھی اسے زندگی نہ دے سکی۔میں اس مہنگے علاج کا متحمل نہیں ہوسکا۔چار چار دن تک فاقے کرتا پانچویں دن ایک آدھ ڈبل روٹی پانی کے ذریعے معدے میں اتار

لیتا تاکہ زندہ رہوں اور میری کمائی میری ماں کو زندگی دے دے۔لیکن دواؤں کی قیمت آسمان سے باتیں کررہی تھی۔ڈاکٹر منہ لگانے کو تیار نہیں تھے۔شیشانت ناتھ ٹی بی کے علاج کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ایک صبح میں ہاتھ جوڑ کر ان کے گھر کے عظیم الشان پھاٹک پر کھڑا ہوگیا۔اندر جانے کی اجازت نہیں تھی اسی لیے ان کی کار کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا اور جب وہ فرعون بے ساماں باہر نکلا تو میں اس کی کار کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔میں نے رو رو کر اس سے ماں کی زندگی کی بھیک مانگی اور اس نے کہا۔

''اسپتال کی باتیں میں صرف اسپتال میں کرتا ہوں۔''اور اسپتال میں وہ صرف ان لوگوں سے ملتا تھا جو اس کی فیس ادا کرکے اندر داخل ہوتے تھے چنانچہ ماں مرگئی۔جب ایک وارڈ بوائے نے مجھے اس لاوارث لاش کو لے جانے کی ہدایت کی تو میں نے مردہ خانے میں جاکر ماں کو دیکھا اس کی آنکھیں مجھ سے زمانے کی شکایت کررہی تھیں۔میں نے ماں سے کہا۔

''میں اس زمانے کو بدل دوں گا ماں۔''وہاں سے میں سیدھا ڈاکٹر شیشانت کے دفتر پہنچا اور اسے اطلاع دی۔''ڈاکٹر میری ماں مرگئی۔''

ڈاکٹر نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا۔''کون ہو تم بغیر اجازت اندر کیسے آ گئے۔چپڑاسی کہاں مرگیا۔''

''کہیں نہیں ڈاکٹر! اس کی لاش دروازے پر پڑی ہے۔''میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر کے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے ڈاکٹر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن میرے آہنی پنجے نے اسے اس کی جگہ بٹھا دیا۔

''مجھے اندر آنے سے روک رہا تھا۔مگر تم سے ملنا ضروری تھا اس لیے میں نے اسے اس کے فرض سے سبکدوش کردیا۔''میں نے بات پوری کی۔

''کک...... کیا بکواس کررہے ہو۔کیا واقعی تم نے اسے ہلاک کردیا۔''ڈاکٹر شیشانت نے متوحش لہجے میں کہا۔

''ہاں ڈاکٹر یقین کرو۔''

''کیسے۔کیسے؟''

''بالکل ایسے۔''میں نے تیسری بار اپنی جگہ سے اٹھنے والے ڈاکٹر کے ساتھی ڈاکٹر کی گردن دبوچ لی۔دوسرا ہاتھ بھی استعمال نہیں کیا تھا میں نے، کیونکہ لوگوں کے خیال کے مطابق میں چھ ہارس پاور کا تھا۔ممکن ہے کچھ کم ہو، کیونکہ میں نے کبھی گھوڑوں سے طاقت

آزمائی نہیں کی۔ اگر میں یہ بات ڈاکٹر شیشانت سے کہتا تو وہ ضرور تسلیم کر لیتا، کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے شکنجے کی گرفت نے اس کے ساتھی کی زبان باہر نکال دی اور اس کی آنکھیں آدھ انچ باہر لٹک گئیں۔

''سنا ڈاکٹر! ماں مرگئی۔ تم نے اس کا علاج نہیں کیا۔ اور اب ساری دنیا کو مر جانا چاہیے پوچھو کیسے؟'' میں نے کہا اور ڈاکٹر کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

''کیسے؟'' حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ کچھ اور بولنا چاہتا تھا لیکن اس وقت میرے ٹرانس میں تھا اس لیے بھی اس نے وہی کیا جو میں نے پوچھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

''ایسے۔'' لوگ میرے بدن پر جو کچھ ان کے ہاتھوں میں تھا مار رہے تھے۔ کرسیاں، گلدان، لکڑیاں، آرائشی سامان لیکن ڈاکٹر کو اب کون بچا سکتا تھا۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے ماں کے پاس بھیج دیا تھا۔ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔ مجسٹریٹ نے سزائے موت سنادی لیکن اتنی جلدی مرنے سے فائدہ۔ چنانچہ جب وہ لوگ فیصلہ سن کر مجھے جیل لے جانے لگے تو میں نے ان میں سے تین کو قتل کر دیا اور اس کے بعد وہاں سے فرار ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد میں وہاں نہیں رکا تھا کہ پولیس میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ میری دوسری منزل افغانستان تھی لیکن یہ جگہ مجھے پسند نہیں آئی اور افغانستان سے ہندوستان آگیا اور وہاں ایک سال گزار دیا۔ پھر جب خیال آیا کہ میں نے اس دوران ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے سوا کچھ نہیں کیا تو میں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس بار بھی ایک فرعون میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا نام نانا راؤ تھا۔ ایک جاگیردار تھا اور اپنی جاگیر میں رہنے والوں کو کھیت کھلیان سمجھتا تھا میں نے اسے کھیت کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ساتھ ہی اس کے ایک بیٹے کو بھی جو اس کا دست راست تھا۔ لیکن اس کم بخت کا ایک ''دست'' نہیں تھا الٹے سیدھے بے شمار ہاتھ تھے۔ گولی نہ چلتی اور میری ٹانگ میں نہ لگتی تو میں صاف نکل گیا تھا۔ لیکن ایک ٹانگ سے مجھے بھاگنے کا تجربہ نہ تھا اس لیے پکڑا گیا اور شریمان مجسٹریٹ صاحب نے یہاں بھی وہی موت کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ میری دوسری سزائے موت تھی۔ لیکن اصل موت ان پانچ سنتریوں کی آئی جو میری کال کوٹھری کے نگران تھے۔ قیدیوں کے ایک گروہ نے جس کا سرغنہ راٹھور ناتھ تھا۔ فرار کے منصوبے میں مجھے بھی شریک کر لیا۔ کیونکہ میں آہنی سلاخوں والی کھڑکیوں کو چوکھٹ سمیت دیوار سے نکال لینے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرتا تھا اور بس فرار کا سب سے قیمتی مددگار میں ہی تھا۔ پانچ

سنتریوں کو میں نے اس طرح ہلاک کر دیا جیسے لکڑیاں کاٹی جاتی ہیں۔

راٹھور نے خوش ہو کر مجھے ہندوستان سے نکال کر یورپ پہنچا دیا۔ تیسری سزائے موت مجھے ایک یورپی ملک میں ملی تھی لیکن پھر اسے سزائے قید میں تبدیل کر دیا گیا اور تین سال میں نے یورپین جیل میں گزارے۔ یہ کوئی جیل تھی۔ نہ مار نہ پیٹ نہ ڈھول دھپا ایک سے ایک شریف قاتل ایک سے ایک معصوم ڈاکو۔ یوں لگتا تھا یہاں جرم بھی شرافت سے ہوتا ہے۔ نہ دل لگا تو بھاگ نکلا اور لندن پہنچ گیا۔ لیکن لندن کی پولیس تیز تھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مجھے پہچان لیا گیا۔ انہوں نے چالاکی سے مجھے گرفتار کر لیا اور اس کے بعد نجانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑی۔ شاید یہ لوگ ایک مجبور قیدی کو دنیا دکھا رہے تھے۔

اصل کہانی اس سفر سے شروع ہوتی ہے لیکن یہ میری موت کی کہانی ہے۔ اس کیس میں میں مر گیا تھا۔ اور کیا، جب کسی انسان کا عہد مر جائے۔ جب اس کی زندگی کا مقصد مر جائے تو پھر وہ اپنے آپ کو زندہ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس لڑکی نے مجھے قتل کر دیا جس کا نام بیلا تھا آپ یقین کریں کہ تیرہ سال کی یہ معصوم لڑکی ایک وحشی انسان کی قاتل تھی۔

میں سمندری جہاز سے لمبے سفر کرتا تھا۔ وہ ایک یورپی کمپنی کا جہاز تھا۔ مجھے بھی جیٹی پر پہنچا دیا گیا، وہاں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ سینکڑوں مسافر جو جہاز پر سوار ہونے والے تھے میری طرح قیدی نہ تھے۔ اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتے داروں سے رخصتی سلام کر رہے تھے۔ قلیوں کی بھاگ دوڑ، موٹروں کے بجتے ہوئے ہارن، سامان کی ریل پیل اور ایک دوسرے کو پکارنے کی مسلسل آوازیں، بڑا دلچسپ منظر تھا۔ انہی میں بیلا کے والد مسٹر پیکٹر کا خاندان بھی تھا۔ جو اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔

جہاز بے حد خوبصورت تھا لیکن قیدیوں کو اس کے سب سے بدصورت حصے میں جگہ دی گئی تھی۔ میرے ساتھ اور بھی قیدی تھے جو سفر کر رہے تھے صرف میں تھا جو حالات سے بے پرواہ اپنی دھن میں مست تھا۔ لیکن جہاز جوں جوں آگے بڑھتا گیا موسم خراب ہوتا گیا اور اس وقت جہاز کے سفر کے چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ اسے طوفان نے آلیا۔ آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھا گئیں اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ مسافروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ ہر شخص بارش سے پناہ حاصل کرنے کے لیے بھاگتا پھر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں اور جہاز ان کے نرغے میں آکر ہچکولے کھانے لگا۔ ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بارش کے تھپیڑے پوری قوت سے بند لکڑیوں اور آہنی دروازوں سے ٹکرا رہے تھے۔ طوفان بڑھتا گیا۔ ہر چیز ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھی۔ دفعتاً ایک شور

کی آواز ابھری اور پھر آوازیں بلند ہوتی گئیں ان میں آگ آگ کی آوازیں نمایاں تھیں۔تمام قیدی گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔ان کے چہرے بدحواس ہوگئے تھے۔زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قیدیوں کا ایک محافظ اندر گھس آیا اور چابیوں کا گچھا قیدیوں کی طرف پھینکتے ہوئے بولا۔

''جہاز میں آگ لگ گئی ہے۔تم لوگ اپنی جان بچانے کے لیے آزاد ہو جس طرح بھی......'' وہ بات پوری کیے بغیر باہر بھاگ گیا اور قیدیوں میں افراتفری پھیل گئی۔باہر نکلنے والا آخری قیدی میں تھا۔لیکن باہر نکلتے ہی یوں لگا جیسے جہنم میں آ گیا ہوں۔سمندر کے سینے پر جہاز ایک مشعل کی طرح روشن تھا۔مسافروں میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔بڑے انوکھے مناظر دیکھنے میں آرہے تھے۔عورتیں بچوں کو سینے سے لگائے رو رہی تھیں۔میں ان تمام مناظر کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔تب ہی میری نگاہ ایک بچی پر پڑی۔بارہ تیرہ سال عمر تھی بے حد خوبصورت۔اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میں مر گیا۔ہاں میں اسی وقت مر گیا۔ان آنسوؤں نے میری زندگی بدل دی۔نجانے کیوں، نجانے کیوں مجھے ان آنسوؤں پر پیار آ گیا۔میرے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھ گئے۔میں نے بچی کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔

''انکل! میری ممی، میرے ڈیڈی۔'' اس نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہیں وہ۔'' میں نے بے اختیار پوچھا۔

''مر گئے وہ۔'' اس نے دو لاشوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جو ایک بڑے ستون کے نیچے دبی پڑی تھیں۔میں انہیں زندگی نہیں دے سکتا تھا لیکن بیلا کی زندگی بچانا اب میری ذمہ داری تھی اور میں اس کے لیے سرگرداں ہوگیا۔میں نے اپنی قوت بازو سے ایک چھوٹی کشتی حاصل کی اور سترہ دن سمندر کے سینے پر گزارے تب ہمیں زمین نظر آئی۔ایک انوکھی سرزمین جس پر قدم رکھتے ہی احساس ہوگیا کہ ہم افریقہ میں ہیں۔اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا کہ ہم یہاں سے آگے بڑھیں لیکن بیلا یہاں آ کر خوش تھی۔اس کی آنکھوں میں میری محبت نے نئی زندگی جگا دی تھی۔وہ بڑے پیار سے مجھے انکل کہتی تھی اور میں اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچ کر ضرور رہ جاتا تھا کہ میں وہ نہ رہا تھا جو تھا۔راستے بے حد دشوار گزار تھے۔ہمیں ایک خوفناک پل طے کرنا پڑا۔جسے عبور کرنا انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔لیکن میری ہمت نہ ٹوٹی۔میں بیلا کے لیے مہذب دنیا میں واپسی چاہتا تھا ایک نئے انسان کی حیثیت سے اور اسی لیے میں آگے بڑھ رہا تھا تاکہ نکلنے کا کوئی راستہ ملے۔ہم آگے

بڑھتے رہے۔خوفناک مناظر ہمارے اطراف بکھرے پڑے تھے۔سرزمین افریقہ بے حد حسین تھی لیکن اس حسن میں وحشت تھی۔درندے، زہریلے جانور اور نہ جانے کیا کیا۔ایک دلدلی خطے کو عبور کر کے ہم ایک حسین وادی میں آگئے۔جس کے سرے پر ایک ندی بہتی نظر آ رہی تھی۔

''انکل پانی۔'' بیلا بے اختیار چیخ اٹھی۔

''میں نے دیکھ لیا ہے بیلا! آؤ۔'' میں نے کہا اور ہم ندی کے قریب پہنچ گئے۔ندی شفاف تھی۔پانی میں اس کی تہہ نظر آرہی تھی۔جس میں رنگین پتھر چمک رہے تھے۔بیلا ندی کے کنارے بیٹھ گئی۔اس نے پانی پیا میں نے بھی پیاس بجھائی تھی۔

''بہت خوبصورت جگہ ہے انکل۔''

''ہاں۔''

''کیا میں پانی سے نہا لوں۔'' اس نے پوچھا۔

''ضرور نہاؤ میں اس طرف بیٹھا ہوا ہوں۔'' میں نے کنارے کے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا اور بیلا پانی کی طرف بڑھ گئی۔میرے دل میں بیلا کے لیے بے پناہ پیار تھا۔اس معصوم بچی نے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا اور اب میں اس کے مستقبل کے لیے فکرمند تھا۔میری خواہش تھی کہ اسے مہذب دنیا میں لے جا کر ایک نئی زندگی دوں۔بیلا کسی سنہری مچھلی کی طرح ندی کے شفاف پانی میں مچلتی پھر رہی تھی۔وہ بے پناہ خوش تھی اور خوشی کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا تھا اس کے حسین بال کھل گئے تھے اور پانی میں لہرا رہے تھے۔اس دوران کنارے کی طرف ایک دفعہ بھی ذہن نہیں گیا تھا۔کوئی احساس ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت پیش آئی تھی لیکن یونہی بے مقصد میں نے پانی میں نگاہیں ڈالیں تو اچانک مجھے احساس ہوا کہ کچھ سائے پانی کی لہروں پر رقصاں ہیں۔میں بے اختیار چونک پڑا تھا تب میں نے ندی کے کنارے کی طرف دیکھا اور میری نگاہیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔بے شمار افراد تھے جن کے جسم قوت توانائی سے بھرپور سیاہ اور چمکدار تھے اور ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے دبے ہوئے تھے۔سیاہ چہروں پر سفید آنکھیں بڑی خونخوار لگ رہی تھیں۔جسم پر برائے نام لباس تھا اور ان کی تعداد بے پناہ تھی۔

ندی کے کنارے وہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے میں نے بے اختیار پلٹ کر ندی کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھا اور پھر مجھے ہنسی آگئی۔یہ کنارہ بھی انہی سیاہ فاموں سے اسی طرح بھرا ہوا تھا گویا انہوں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔بیلا کی نگاہ ابھی تک

ان پر نہیں پڑی تھی وہ اب ندی کی شفاف تہہ میں سے خوبصورت پتھر تلاش کر رہی تھی۔ کئی پتھر اس کی مٹھی میں دبے ہوئے تھے۔ پانی اتنا پُرسکون اور آہستہ آہستہ بہنے والا تھا کہ بدن کو کوئی قوت نہیں صرف کرنا پڑتی تھی جس کی بناء پر بیلا کا دل شاید ندی سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے بیلا کو آواز دی اور بیلا مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے انکل۔''

''کنارے کی طرف دیکھو۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا اور بیلا نے کنارے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں کی ہنسی کافور ہوگئی اور چہرے پر کسی قدر دہشت کے آثار نظر آنے لگے۔

''آہ۔ انکل! یہ کالے کالے لوگ کیا...... کیا یہ بھوت ہیں؟'' اس نے خوفزدہ انداز میں سوال کیا اور جلدی سے میرے نزدیک پہنچ گئی۔

''نہیں انسان ہی ہیں۔ لیکن افریقہ کے اس علاقے کے باشندے ہیں اور ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔''

''ہاں یہ تو میں جانتی ہوں۔ یہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہم نے اپنے وطن میں دیکھے تھے۔''

''لیکن یہ انوکھے ہیں بیلا۔''

''ہاں انکل! بڑے خوفناک لگ رہے ہیں لیکن یہ یہاں پر کیوں کھڑے ہیں انکل۔''

''بیلا ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ یہاں رکو پہلے میں تمہارا لباس لے کر آتا ہوں۔''

''ارے ہاں انکل! میرے کپڑے، میرے کپڑے۔'' بیلا نے دہشت زدہ لہجے میں کہا اور میں اس کے شانے تھپک کر آگے بڑھ گیا۔ جوں جوں میں کنارے کے نزدیک پہنچتا جارہا تھا وہ لوگ ایک قدم پیچھے ہٹتے جارہے تھے۔ لباس کنارے کے نزدیک ہی رکھا ہوا تھا۔ وہ لباس میں نے اٹھایا اور پلٹ پڑا۔ ان لوگوں نے کوئی تعرض نہیں کیا تب میں بیلا کے نزدیک پہنچ گیا۔

''لیکن، لیکن میں انکل یہاں پانی میں کپڑے کیسے پہنوں۔''

''جس طرح بھی ممکن ہو سکے بیلا! یہ لوگ کسی نیک ارادے سے نہیں آئے۔'' میں نے کہا۔

''کک...... کیا مطلب انکل۔'' بیلا ہکلائی۔

''تم لباس پہنو بیلا۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں نے کہا اور بیلا نے

بمشکل تمام پانی کے اندر ہی لباس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ تب میں اس کا بازو پکڑ کر دوبارہ کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ لوگ بالکل ساکت و جامد کھڑے تھے ان کی نگاہیں ہم دونوں پر جمی ہوئی تھیں لیکن انداز بڑا عجیب تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی وحشیانہ کارروائی نہ کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا ورنہ ان کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔ میں کنارے پر پہنچ گیا اور بیلا کو میں نے اپنی پشت پر کر لیا۔ ان میں سے ایک آدمی جو کسی قدر چھوٹے قد کا تھا لیکن چوڑے بدن کا مالک تھا آگے بڑھ آیا۔ وہ اپنا نیزہ ہلا رہا تھا۔ میرے نزدیک پہنچ کر اس نے نیزہ دونوں ہاتھوں میں پکڑا، سینے پر رکھا اور ہلکی سی گردن جھکائی اور پھر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ گویا ان لوگوں کا انداز جارحانہ نہیں تھا بلکہ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

چند لمحات وہ میری جانب دیکھتا رہا اس کے چہرے پر احترام کا تاثر تھا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''ناقابل عبور راستوں سے آنے والے۔ ہمارے سردار نے اپنے علم و عقل سے تجھے وہ ناقابل عبور پل طے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جس پر سے گزرنے کا تصور صرف دیوی اور دیوتا کر سکتے ہیں اور عام لوگ اس کے پاس جانے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ سردار نے ہم سے کہا ہے کہ جاؤ اور اس جوان کو لے آؤ لیکن اس کی عزت و احترام میں فرق نہ ہو ہم تجھے لینے آئے ہیں۔''

''میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو میرے بارے میں اطلاع دی اور وہ سب میرے گرد جمع ہونے لگے۔ جو ندی کے دوسرے کنارے پر تھے۔ وہ پانی سے گزر کر اس کنارے پر پہنچنے لگے۔ جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ ہم ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ آگے بڑھنے والا راستہ بلاشبہ دلکش ترین راستہ تھا۔ ایک پگڈنڈی تھی جو نجانے کس جانب جاتی تھی۔ ہم اس پر آگے بڑھتے رہے۔ سیاہ فاموں کی ٹولیاں ہمارے اردگرد بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ہر طرف سے سفر کر رہے تھے اور بالآخر ہم اس بڑے پہاڑی ٹیلے تک پہنچ گئے جس کے عقب میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیا تھا۔ لیکن جب میں نے اس سے گزر کر دیکھا تو مجھے وحشیوں کی ایک عظیم الشان بستی نظر آئی جو تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھی۔

چھوٹے چھوٹے گھاس کے بنے ہوئے جھونپڑے میں ہم دونوں کو پہنچا دیا گیا اور اسی شخص نے جس نے پہلی بار مجھ سے گفتگو کی تھی جھک کر مجھ سے درخواست کی کہ میں یہاں آرام کروں۔ بیلا ان لوگوں کے ساتھ آتے ہوئے خوفزدہ تھی اور جھونپڑے میں پہنچ کر بھی

اس کے چہرے پر دہشت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تب میں نے مسکرا کر بیلا کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے بیلا! کیا تم خوف محسوس کر رہی ہو۔"

"انکل! یہ لوگ تو بڑے ہی وحشی معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو لوگ ہیں ان کے رنگ ان جیسے ضرور ہیں لیکن حلیہ ان جیسا نہیں ہے۔ یہ لوگ کون ہیں اور ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"ان کا مقصد کچھ بھی ہو بیلا! تمہیں ان سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔ یہ لوگ میری موجودگی میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" میں نے اسے دلاسہ دیا۔

"نہیں انکل میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں تو کافی بہادر ہوں۔ لیکن یہ لوگ انوکھے ہیں اس وجہ سے مجھے تشویش ہے۔" بیلا نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیاہ نسل کے ان لوگوں کے بارے میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکا تھا کہ انہوں نے ہمیں گرفتار کیوں کیا ہے۔ ویسے ان کا رویہ کسی طور تکلیف دہ نہیں تھا۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر بیلا کو بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

بیلا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کافی دیر خاموشی سے گزر گئی تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ "کیا سوچنے لگیں بیلا۔"

"کوئی خاص بات نہیں انکل! بس میں سوچ رہی ہوں کہ ہم اب کیا کریں گے؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آ رہی، میں آپ کے ساتھ خوش ہوں۔ آپ اتنے اچھے ہیں کہ میں سوچتی ہوں کہ آپ اتنے اچھے کیوں ہیں؟ بس مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ اس کے بجائے ہم کسی شہر میں ہوتے تو بہت مزہ آتا۔"

"ہم یہاں سے شہر جانے کی کوشش کریں گے بیلا! تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے کہا اور اسی وقت چند حبشی ہماری رہائش گاہ میں آ گئے لیکن ان کے ہاتھوں میں ہمارے لیے کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر میں ان لوگوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سورج ڈھلے چند وحشی میرے پاس آ گئے ان میں سے ایک نے اپنے سردار کا پیغام مجھے دیا۔

"سردار تم سے ملاقات کا خواہش مند ہے اور اس نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"لڑکی بھی میرے ساتھ جائے گی۔" میں نے پوچھا۔

"اس نے اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" اس نے جواب دیا۔ بہرحال میں نے بیلا کو ساتھ لیا اور جھونپڑوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم سردار کے جھونپڑے کے پاس پہنچ گئے۔ جس کے سامنے ایک وسیع و عریض احاطہ موجود تھا اس احاطے میں ایک پتھر پر ایک قوی ہیکل سیاہ فام موجود تھا جو بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا لیکن اس کی بدنما آنکھوں سے تجربہ جھانکتا تھا۔

اس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا پھر گردن جھکائی۔ "تم اس ناقابل عبور راستے سے آئے ہو جو موت کا راستہ ہے اور جسے عبور کرنے کی ہر کوشش موت ثابت ہوتی ہے۔"

"تم یہاں کے سردار ہو۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہیں دوسروں نے بتایا ہوگا۔"

"اپنی بستی میں آ جانے والے اجنبیوں کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو۔"

"ہم انہیں قبول نہیں کرتے۔ اول تو اس راستے سے اس سے قبل کوئی نہیں آیا۔ دوسرے راستوں سے لوگ کبھی کبھی آ جاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی سنہری دھات یا چمک دار پتھروں کے پجاری ہوتے ہیں۔ ان کے حصول کے لیے وہ زندگی کی پرواہ نہیں کرتے لیکن وہ لوگ گندے خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔ بہت پہلے ہمیں ان کی آمد پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ہم ان سے تعاون کرتے تھے۔ لیکن پھر ان کی چند باتوں نے ہمیں تکلیف پہنچائی۔ وہ ہم میں شامل ہو جاتے۔ ہماری لڑکیوں کو بہکاتے اور پھر انہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔ مقصد صرف سنہری دھات اور چمکدار پتھروں کا حصول ہوتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ان کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ تب یشوتہ نے ان کے داخلے کی ممانعت کر دی۔ اس نے کہا کہ سنہری دھات کے لیے آنے والوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ تب سے ہم اسی اصول پر کاربند ہیں۔ سو یہی سوال ہم تم سے کریں گے؟"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"کیا تم بھی سنہری دھات کی تلاش میں آئے ہو؟"

"نہیں۔"

"کیا تم سچ بول رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اگر یہ بات سچ ہے تو تمہیں صبح کی عبادت کے وقت یشوتہ کے بت کے سامنے اقرار کرنا ہوگا۔ سنو! یشوتہ کے بت کے سامنے جھوٹ اور نمایاں ہو جاتا ہے اگر تم نے جھوٹ

بولا تو جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر تمہاری بات سچ نکلی تو ہم تمہیں احترام دیں گے۔ ہاں اس کے سوا کوئی بات ہو تو تم ہمیں بتا دو تاکہ ہم مطمئن ہو جائیں۔''

''اگر میں سچا نکلا تو کیا تم میری مدد کرو گے؟''

''کیا مدد چاہتے ہو؟''

''دوسرے راستے سے مجھے مہذب دنیا تک پہنچا دینا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو سنہری دھات کا ٹکڑا اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور نہ ہی تمہاری کسی عورت کو نقصان پہنچاؤں گا۔'' میں نے کہا اور اس نے مہربان انداز میں گردن ہلا دی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم سچے نکلے تو میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔''

''شکریہ سردار۔'' میں نے ممنونیت سے کہا۔

''اس وقت تک تمہیں کوئی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جس جگہ تمہیں ٹھہرایا گیا ہے وہاں تمہیں تکلیف تو نہیں ہے؟''

''قطعی نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ کسی بھی ضرورت کو بیان کر سکتے ہو۔'' سردار نے کہا۔

''میں تم سے مزید معلومات کرنا چاہتا ہوں سردار۔''

''پوچھو؟''

''خود تمہارا طرز زندگی کیا ہے۔ تمہارے قبیلے کا کیا نام ہے؟ یہاں ان اطراف میں دوسرے قبائل بھی آباد ہوں گے۔''

''ہم سب یشوتہ کہلاتے ہیں اور یہی ہمارے قبیلے کا نام ہے۔ دیوی یشوتہ ہماری نگران و محافظ ہے۔ اس کا جادو سب سے عظیم ہے ہاں وہ لوگ جو اپنے جادو آزماتے ہیں یشوتہ کے مجرم ہوتے ہیں ایسے مجرموں کو دیوی چھوٹ دیتی ہے اور انہیں ہزار راتیں دی جاتی ہیں ان ہزار راتوں میں وہ اپنے جادو آزمانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے خاتمے کے بعد انہیں پتھر بنا دیا جاتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ پتھر کے بنے رہتے ہیں۔ دیکھ سکتے ہیں، سوچ سکتے ہیں، بھوک پیاس لگتی ہے انہیں، لیکن نہ وہ مر سکتے ہیں اور نہ جنبش کر سکتے ہیں اس لیے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا جادو دیوی پر حاوی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی ایسا سرپھرا نکل آتا ہے اور پھر بستیوں کے لیے مصیبت بن جاتا ہے جیسے شنگریلا۔''

''شنگریلا کون ہے؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ قبیلہ صدیوں سے آباد ہے۔ ہم برے لوگ نہیں ہیں۔ ہمیشہ امن پسند رہتے ہیں

ر دوسرے قبائل کی طرح جنگ و جدل ہمارا وطیرہ نہیں رہا۔ دیوی یشوتہ ہماری مدد کرتی ہے ر ہماری طرف بری نگاہ ڈالنے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں لیکن جمبولا کی چھوٹ ہم میں ے بدنصیب کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی رہی ہے۔''

''جمبولا کی چھوٹ؟'' میں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں! میں تمہیں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں یعنی وہ سرپھرا انسان جو ہزار راتوں کا جادو مانگے اور پھر ساری زندگی پتھر بن کر گزار دے لیکن ان ہزار راتوں میں وہ آزاد ہوتا ہے ایسا کوئی بھی شخص جس دور میں بھی ہو دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنا رہا اور بدقسمتی سے میرا دور جمبولا کا دور ہے اور اس دور میں شنگریلا موجود ہے۔''

''وہ جس نے ہزار راتیں مانگ لی ہیں۔''

''ہاں۔''

''خوب شنگریلا کہاں رہتا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟''

''وہ شیطان ہے اور ہم اس کے سامنے بےبس اور مجبور ہیں، قبیلے کی ہر عورت اس کی بیوی ہے وہ جسے چاہے اپنے پاس بلا لے۔ ہم سب اس کے غلام بن کر زندہ رہتے ہیں۔ وہ جس سے نفرت کرے اس کا جینا حرام کر دے۔ چنانچہ اس کی خوشنودی کے لیے ہمیں وہ کرنا ہوتا ہے جو ہم میں سے کسی کا دل نہیں چاہتا۔ ہر سات دن کے بعد وہ کسی ایک انسان کا خون پیتا ہے اور اس کے لیے یہ قربانی بھی ہم میں سے کسی کو دینا پڑتی ہے۔'' سردار کی آواز میں غم کے آثار تھے۔

''تم اسے ہلاک نہیں کر سکتے؟''

''نہیں اس کے جادو کے سامنے ہماری ایک نہیں چلتی۔''

''یعنی اگر تم اسے ہلاک کرنا چاہو تو کوشش کر سکتے ہو دیوی کی طرح اس کی ممانعت نہیں۔''

''نہیں وہ شیطان ہوتا ہے۔ شیطان کو ہلاک کرنے کی ممانعت کس طرح ہو سکتی ہے لیکن اس پر قابو کون پائے؟'' سردار نے اداسی سے کہا۔

''کیا ماضی میں کبھی کسی نے ایسے شخص کو ہلاک کیا ہے؟''

''وہ جن پر ظلم کرتا ہے ایسی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ ناکام رہتے ہیں۔'' سردار نے جواب دیا۔

''وہ کہاں رہتا ہے، کیا تمہارے درمیان؟''

"نہیں وہ سیاہ پہاڑیوں کے ایک غار میں رہتا ہے۔ جب اس کا دل چاہتا ہے آتا ہے اور ہم سب اس کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔" سردار نے بتایا۔

"تم نے صبح کی عبادت کے بارے میں کہا تھا؟"

"ہاں ہم نکلتے سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ کل تم بھی صبح کو اس عبادت میں شریک ہوگے۔"

"صبح کس وقت؟"

"سورج نکلنے سے قبل۔"

"کیا شنگریلا بھی اس عبادت میں شریک ہوتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"شیطان کو عبادت سے کیا کام وہ تو ہر رسم سے بے نیاز ہوتا ہے۔"

"شکریہ سردار۔ میں تمہارے اس تعاون کے لیے بے حد مشکور ہوں میں کل صبح کی عبادت میں شریک ہوں گا اور اس وقت تمہیں میری سچائی کا یقین ہوگا۔" پھر میں سردار کے پاس سے اٹھ گیا۔ بیلا اس دوران خاموش رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے ظاہر ہے وہ اس گفتگو کو سمجھ بھی نہیں رہی ہوگی۔ پھر جب ہم باہر نکل آئے تو اس نے میرا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ دونوں کو کیا ہوگیا تھا انکل؟"

"کب، بیلا۔"

"آپ لوگ نہ جانے کیا بول رہے تھے۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

"ان لوگوں کی زبان تھی۔ میں ان سے ان کی زبان میں بات کر رہا تھا۔"

"مجھے تو بڑی عجیب سی لگ رہی تھی کیا کہہ رہا تھا؟"

"کہہ رہا تھا کہ ہمیں تہذیب کی وادیوں تک پہنچانے میں ہماری مدد کرے گا لیکن اس نے پیش کش کی ہے کہ ابھی چند روز ان کے ساتھ قیام کریں اور یہاں کی سیر کریں۔"

"ویسے یہ جگہ بہت خوبصورت ہے انکل۔"

"ہاں اور ان کا رہن سہن بھی انوکھا ہے جب یہ لوگ جشن مناتے ہیں تو وحشیانہ رقص کرتے ہیں۔"

"اوہ تو کیا یہ لوگ جشن منائیں گے۔"

"شاید ابھی نہیں ہاں اگر تمہیں کچھ دن یہاں گزارنے میں اعتراض نہ ہو تو پھر ہم ان کا جشن دیکھ کر ہی چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے ان کا رہن سہن بہت پسند ہے۔" بیلا نے خوش ہو کر کہا اور خاموش ہوگئی۔ میں سردار کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ شنگریلا میرے لیے ایک دلچسپ شخصیت تھی۔ میں نے دوسرے دن کی عبادت میں شریک ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ ان کی عبادت میں تنہا جاؤں گا لیکن بیلا کو اس جھونپڑے میں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں تھا اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی اس انوکھی بات سے لطف اندوز ہو۔ لیکن میں نے سورج نکلنے سے قبل بیلا کو جگانے کی بھی کوشش کی تو وہ جاگی نہیں وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تب میں خود ہی باہر نکل آیا۔ عبادت گاہ کے بارے میں میں نے تفصیل نہیں پوچھی۔ لیکن مجھے اس کے بارے میں جاننے کی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ایک سیاہ فام کو میں نے شانے سے پکڑ کر روک لیا وہ چونک کر رک گیا۔

"کیا تم صبح کی عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔" میں نے پوچھا۔

"میں جا رہا ہوں لیکن تم؟"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"تم؟" وہ حیرت انگیز دلچسپی سے بولا۔

"ہاں، تمہیں حیرت کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تمہارا عبادت کرنا ہمارے لیے حیرت انگیز ہوگا۔"

"بہر حال مجھے اپنی عبادت گاہ میں لے چلو۔"

"آؤ میرے ساتھ آجاؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس کا رخ جھونپڑیوں کے عقبی جانب تھا میں اس میدان کے دوسری سمت سے یہاں آیا تھا۔ اس لیے یہ عقبی حصہ ابھی تک میری نگاہ سے پوشیدہ تھا۔ نیم تاریکی میں یہ ماحول بے حد دلکش اور پُراسرار لگ رہا تھا۔ عقب میں ایک وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا۔ جس کے اختتام پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ تاحد نگاہ تھا۔ یہ پہاڑیاں اس طرح کے ماحول کی ضد تھیں۔ حسین مرغزاروں میں ان کی بدنمائی عجیب سی لگ رہی تھی۔ میں نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا ان کے درمیان آگ جل رہی تھی میرا رہبر ایک جگہ کھڑا ہوگیا اور میں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"یہی عبادت کا میدان ہے۔ درمیان میں سلگتی ہوئی آگ سورج کے عکس کا پرتو ہے۔ یہ آگ سورج کی آگ کی نشاندہی کرتی ہے اور ہم اس کی عبادت کریں گے۔" میرے رہبر نے مجھ سے کہا۔

''لیکن میرے دوست ابھی تو یہاں زیادہ لوگ نہیں آئے ہیں۔کیا پوری بستی کے لوگ عبادت نہیں کرتے۔''میں نے سوال کیا۔

''مجال ہے کسی کی، ہر شخص صبح کو سورج کی آمد کا انتظار اس میدان میں کرتا ہے چند ساعت دیکھتے جاؤ ابھی وقت نہیں آیا۔''اس نے کہا اور میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔یہ ساری چیزیں میرے لیے بے حد دلکش تھیں۔

میں اس سوچ میں گم تھا کہ آگ میں سفید دھوئیں کے بادل نمودار ہوتے دیکھے۔ایک عجیب سی انوکھی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی تھی۔غالباً آگ کے الاؤ میں کوئی خوشبودار چیز ڈال دی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اچانک چاروں طرف سے چیخوں کی آوازیں ابھرنے لگیں اور تیزی کے ساتھ میدان لوگوں سے بھرنے لگا۔پہلی صف دوسری صف اور تیزی سے صفیں بھرنے لگیں۔صفوں کے درمیان بے ہنگم انداز میں وحشی رقص کرتے پھر رہے تھے۔یوں لگ رہا تھا جیسے زمین سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی اگل رہی ہے۔تب مجھے ایک آواز سنائی دی اور یہ آواز سردار کی تھی۔سردار چیخ رہا تھا۔

''باہر سے آنے والے اجنبی تم جہاں بھی ہو میرے پاس آجاؤ۔میں اس تیز الاؤ کے نزدیک موجود ہوں۔''اور یہ آواز میرے لیے تھی۔چنانچہ میں لوگوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔میرا ساتھی ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا تھا۔چند ساعت کے بعد میں سردار کے نزدیک پہنچ گیا۔سردار الاؤ کے نزدیک ہی تھا اور اسے تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کیونکہ شعاعوں کی روشنی اس کا چہرہ نمایاں کر رہی تھی۔سردار کے نزدیک ہی چار آدمی بھی موجود تھے جو خاصے عمر رسیدہ تھے اور جن کے بال جٹاؤں کی شکل میں نیچے تک پھیلے ہوئے تھے۔بدن ان کے بھی ننگ دھڑنگ تھے اور ان کے بدن پر عجیب وغریب قسم کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ایسے نقش ونگار جو میں اس سے پہلے بھی لوگوں کو آرائش بدن کے لیے بناتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

سردار نے مجھے اپنے قریب بلا لیا اور تب میں نے پہلی بار اس عجیب وغریب مجسمے کو دیکھا جو خاصا طویل وعریض تھا۔سیاہ رنگ کے پتھر سے تراشی ہوئی دیوی عجیب وغریب خدوخال کی مالک تھی۔انتہائی بھونڈے سے خدوخال تھے اور باقی بدن کو نسوانی حسن دینے کی ناکام کوشش کی گئی تھی بہرصورت یہ دیوی یشوتہ تھی جس کے سامنے مجھے مقدس قسم کھانی تھی۔میں سردار کے نزدیک ہی کھڑا ہو گیا۔

عبادت شروع ہو گئی۔آہستہ آہستہ سورج بلند ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان

لوگوں کے جوش وخروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔اتنا شور مچا رہے تھے یہ لوگ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔مرد عورتیں بوڑھے بچے سب ہی موجود تھے اور سب کے سب دیوانہ وار چیخ رہے تھے۔ویسے یہ ایک انوکھی عبادت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یقینی طور پر جھونپڑے میں بیلا جاگ اٹھی ہو گی اور اس تصور کے ساتھ ہی میں تھوڑا پریشان ہو گیا تھا۔بہرصورت لوگوں کے ہجوم سے نکلنا آسان بات نہیں تھی۔یوں بھی میں نے سردار کو مطمئن کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔چنانچہ میں خاموشی سے ان کی عبادت دیکھتا رہا۔پھر جونہی سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی وہ سب اچانک خاموش ہو گئے۔اتنی تیز چیخوں کے بعد یہ خاموشی بڑی عجیب اور انوکھی لگ رہی تھی۔میں دم سادھے ہوئے ان لوگوں کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔چند سیکنڈ وہ لوگ خاموش رہے اور سورج بلند ہوتا رہا۔پھر جب سورج نے سر ابھارا تو وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔گویا اب عبادت ختم ہو گئی تھی۔تب سردار مسکراتے ہوئے بولا۔

''میرے دوست نجانے کیوں تمہاری بات پر مجھے یقین ہے۔حالانکہ ہمارے مذہب میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے شخص پر بھروسہ کریں جو ہمارا ہم مذہب نہ ہو اور مسافر یا اجنبی ہو یا پھر یہ کہ اس نے دیوی یشوتہ کے سامنے اپنا سچا ہونے کا ثبوت نہ پیش کر دیا ہو۔تاہم میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی سچائی کا ثبوت دو۔''

''کیا چاہتے ہو؟''میں نے پوچھا۔

''سامنے آؤ۔''سردار بولا اور میں دیوی یشوتہ کے بت کے سامنے پہنچ گیا۔تب سردار نے ایک بوڑھے کو اشارہ کیا اور وہ بوڑھا ہمارے نزدیک پہنچ گیا۔سردار نے بوڑھے سے مخاطب ہو کر بولا۔''عظیم مرونا! ناقابل عبور راستوں سے آنے والا شخص کہتا ہے کہ وہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہے اور سمندر کے راستے یہاں تک پہنچ گیا ہے۔یہاں آنا اس کا مقصد نہیں تھا اور نہ ہی وہ چمکدار پتھروں اور سنہری دھات کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔یہ اس جگہ سے نکل جانے کا خواہش مند ہے اور اس سلسلے میں اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے دیوی یشوتہ کے سامنے آیا ہے۔میں نے کہا ہے کہ وہ یشوتہ کے سامنے قسم کھا لے اور یہ بات ثابت کر دے کہ وہ چمکدار پتھروں کی تلاش میں آنے والا شخص نہیں ہے۔تو میں اس کی مدد کروں گا۔قبیلے کے قانون کے مطابق اگر یہ شخص بھی چمکدار پتھر اور سنہری دھات کی تلاش میں یہاں آیا ہے تو ہم اس کی کوئی اعانت نہیں کر سکیں گے اور پھر اسے یشوتہ کے قدموں میں قربان کر دیا جائے گا اور اگر یہ ہمارا دشمن نہیں ہے تو ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اور

اسے ان علاقوں میں پہنچا دیں گے جہاں سے یہ اپنی دنیا میں واپس جا سکے گا۔ چنانچہ عظیم مرد ناتم اس سے یہ مقدس قسم لے لو۔'' بوڑھے نے سر جھکایا اور لکڑی کے اس بڑے برتن کی جانب متوجہ ہو گیا جس میں کسی خاص لکڑی کا برادہ موجود تھا اور اس برادے کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

''میرے نزدیک آؤ'' بوڑھے کی لرزتی ہوئی آواز ابھری اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''دیوی یشوتہ کے سامنے جھوٹی قسم کھانے والے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ چلو اس خوشبو سے ایک مٹھی بھر کر الاؤ میں ڈال دو۔'' اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ آگ سے سفید دھوئیں کے ساتھ خوشبوئیں اٹھیں اور فضا میں پھیل گئیں۔ سردار کھسک کر میرے قریب آ گیا تب بوڑھے نے کہا۔

''ہاں بولو۔ تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟''

''جیسا کہ میں سردار کو بتا چکا ہوں کہ میں ایک تباہ شدہ جہاز سے یہاں تک آ گیا ہوں اور اس طرف آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تہذیب یافتہ دنیا میں نکل جاؤں اور اس میں جھوٹ ہو تو تمہارے عقیدے کے مطابق مجھے ضرور نقصان پہنچے۔''

سردار کی آنکھیں دیوی کی طرف نگراں ہو گئیں لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور سردار نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا۔ ''ہاں میں نے تجھے سچا تسلیم کیا اور مجھے تجھ پر کوئی شک نہیں ہے۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔'' میں نے سردار کی پیٹھ تھپتھپائی اور سردار مجھے لیے ہوئے چل پڑا۔ عبادت ختم ہونے کے بعد بستی کے دوسرے لوگ بھی واپس چل پڑے تھے اور میدان خالی ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے تم نے اس بات کا برا نہیں مانا ہو گا اجنبی۔''

''نہیں اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں تھی۔ سردار تمہیں مطمئن کرنا بھی ضروری تھا اور میں مطمئن تھا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔''

''تب مجھے دو دن کی مہلت دے دو۔ میں تیرے لیے سفر کا بندوبست کروں تاکہ تجھے راستے میں تکلیف نہ ہو۔ مہذب دنیا میں جانے کے لیے راستہ طویل ہے اور اس میں کچھ ایسے دشوار گزار مراحل آتے ہیں کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے۔''

''مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے سردار، لیکن وہ میری بچی میری ذمہ داری ہے۔ اگر بات صرف میری ہوتی تو میں ایک طویل وقت گزار کر بھی تیرے لیے کچھ کرنے کی کوشش کرتا۔''

''تیرا شکریہ۔ بہرحال مطمئن رہ، میں دو دن کے اندر تیری واپسی کا بندوبست کر دوں گا۔ تیری سچائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے اب مجھے اجازت دو۔'' سردار میرے جھونپڑے کے نزدیک سے آگے چلا گیا اور میں جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ بیلا ضرور جاگ گئی ہو گی۔ آوازوں سے خوفزدہ بھی ہوئی ہو گی اور میرا خیال درست نکلا وہ اس جگہ نہیں تھی۔ جہاں میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا لیکن بیلا جھونپڑی میں نہیں تھی۔

بے چاری لڑکی خوف کے عالم میں روتی ہوئی مجھے تلاش کرنے نکل گئی ہو گی۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا اور پھر میں جھونپڑے کے اطراف میں ان ساری جگہوں تک جہاں بیلا کے جانے کا امکان ہو سکتا تھا تلاش کرتا پھرا۔ لیکن وہ موجود نہ تھی۔ کیا وہ کافی دور نکل گئی؟ ممکن ہے اس میدان کی طرف لیکن میدان اب سنسان پڑا تھا۔ سوائے آگ کے جو اب بھی تیزی سے جل رہی تھی۔ تب میں نے اسے زور سے پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔ وہاں سے واپس آ کر میں نے ایک سیاہ فام کو پکڑا اور اس سے کہا۔ ''میرے ساتھ ایک لڑکی تھی کیا تم نے اسے دیکھا؟'' سیاہ فام نے حیرانی سے مجھے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''وہ کھو گئی کیا وہ اس جگہ نہیں ہے۔ جہاں تمہارا قیام ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں وہ وہاں موجود نہیں ہے۔''

''کس وقت چھوڑا تھا تم نے اسے وہاں؟''

''اس وقت جب ہم سب عبادت کے لیے گئے تھے۔'' میں نے جواب دیا اور سیاہ فام تعجب سے گردن ہلانے لگا۔

''اس وقت تو بستی میں کسی فرد کا وجود بھی نہیں ہوتا، پوری بستی خالی ہو جاتی ہے تمہیں اسے یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔''

میں نے اس سیاہ فام کی نصیحتیں سننے کے بجائے آگے بڑھ کر بیلا کو تلاش کرنا مناسب سمجھا اور پھر کافی دیر تک اس کی تلاش میں بستی کے کونے کونے میں مارا مارا پھرتا رہا۔ میں نے بے شمار لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات کیں اور بیلا کو نہ پا کر میں سردار کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا۔ قیام گاہ کے باہر سیاہ فام پہرے دار موجود تھے۔ انہوں نے سردار کو میری آمد کی اطلاع دی اور سردار اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ تب اس نے سادگی سے پوچھا۔

’’کیا میں کسی خاص کام سے اس کے پاس آیا ہوں۔‘‘

’’ہاں سردار میری جھونپڑی سے وہ بچی غائب ہے جو میرے ساتھ تھی۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ سردار کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

’’وہ میرے جھونپڑے میں موجود نہیں ہے۔‘‘

’’کہاں گئی اور کب؟‘‘

’’اس وقت جب میں عبادت کے لیے گیا تھا تو وہ جھونپڑے ہی میں سو رہی تھی لیکن جب میں وہاں سے واپس آیا تو وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے بستی کے اطراف میں، میدان میں، ہر جگہ کونے کونے میں اسے تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملی۔‘‘

’’کیا؟‘‘ سردار نے کہا۔

’’ہاں سردار وہ موجود نہیں ہے۔ براہ کرم سردار اس کی تلاش میں میری مدد کرو۔‘‘

’’یقیناً یقیناً۔ یہ تمہارے کہنے کی بات نہیں ہے۔‘‘ سردار نے جواب دیا اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ سردار نے چند افراد کو جمع کیا اور انہیں مختلف ہدایات دیں۔ اس نے ان سے کہا کہ بستی کا ہر فرد بچی کی تلاش کرے بلکہ ہر جھونپڑے ہر جگہ اس بستی کے اطراف میں دور دور تک نکل جائے اور بچی کی تلاش کرے۔ بچی ہر حال میں چند گھنٹوں کے اندر اندر مل جانی چاہیے۔ لوگوں نے سردار زمبا کی ہدایات سنیں اور چاروں طرف دوڑ گئے میرے انداز میں کچھ پریشانی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ بھی تھا کہ بیلا کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا خوفزدہ ہو کر کہیں چھپ گئی ہے، بہرصورت یہ لوگ اسے تلاش کرنے کے لیے گئے تھے۔ سردار زمبا نے مجھے اپنے ساتھ ہی رہنے کے لیے کہا اور پھر اس نے مجھے اپنے جھونپڑے میں بیٹھنے کی دعوت دی اور ہم دونوں اندر چلے آئے۔ اندر آ کر ہم دونوں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

’’پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے دوست، ظاہر ہے وہ بچی زیادہ دور تک نہیں جائے گی اب اتنی ناسمجھ بھی نہیں ہے کہ جنگلوں میں بہت دور تک نکل جائے۔ میرے تیز دوڑنے والے اسے تلاش کر لیں گے، تم اس سلسلے میں بےفکر ہو جاؤ۔‘‘ سردار زمبا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

’’اسے ہر قیمت پر ملنا چاہیے سردار۔ اسے ہر قیمت پر ملنا چاہیے، تم یقین کرو اس کی وجہ سے میری زندگی کا رخ بدلا ہوا ہے ورنہ میں نہ جانے کہاں ہوتا؟‘‘

’’یقیناً وہ ہماری مہمان ہے اور تم بھی میری پناہ میں ہو اس لیے تم بےفکر ہو جاؤ۔ اسے

تلاش کر کے تمہارے حوالے کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔‘‘ سردار زمبا نے بڑے اعتماد سے کہا اور میں کافی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ سردار تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی گفتگو کرنے لگتا تھا۔ دفعتاً کسی خیال کے تحت وہ چونک کر متوحش لہجے میں بولا۔ ’’کیا اس کا پورا لباس اس کے بدن پر تھا۔ کوئی ایسی چیز تو جھونپڑے میں نہیں رہ گئی جس سے اندازہ ہو کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف کسی نے جھونپڑے سے اٹھایا ہے؟‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ میں نے چونک کر پوچھا۔

’’میرے ساتھ چلو، میرے ساتھ آؤ۔‘‘ سردار اٹھ گیا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیال تھا۔ بہرصورت وہ میرے ساتھ میرے جھونپڑے کی جانب چل پڑا۔ تب اس نے جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر دیکھا اور ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔

’’آہ۔ آہ یہ کیا ہوا؟‘‘ اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔

’’کیا ہوا سردار؟ کیا کوئی خاص بات تمہارے ذہن میں آئی ہے۔‘‘

’’بُو! ایک مکروہ اور شیطانی بُو۔ میں اس کو اس جھونپڑے میں بھی محسوس کر رہا ہوں اور یہ اس منحوس انسان کے بدن کی بُو ہے جو ہماری پیشانی کا داغ ہے۔‘‘

’’سردار براہ کرم مجھے صاف الفاظ میں بتاؤ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟‘‘

’’شنگریلا۔ وہ جہاں جاتا ہے اس کے بدن کی بُو وہاں رہ جاتی ہے اور دیر تک یہ بُو فضا میں پھیلی رہتی ہے بڑا ہی ناپاک انسان ہے وہ۔‘‘

’’تو تمہارا مطلب ہے وہ اس جھونپڑے میں آیا تھا؟‘‘ میں نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔

’’میرے دوست اگرچہ میرا تجربہ غلط نہیں ہے، لیکن ٹھہرو میں ایک شخص کو بلاتا ہوں وہ اس بات کی صحیح نشاندہی کر سکے گا۔‘‘ سردار نے کہا اور باہر نکل گیا۔ پھر اس نے کسی کو بلانے کے لیے کہا اور چند ساعت کے بعد وہی بوڑھا جسے مرونا کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا جھونپڑے میں موجود تھا۔ بوڑھے نے جھونپڑے میں قدم رکھا اور ٹھٹک گیا۔

’’سردار! شنگریلا کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔‘‘ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور سردار نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ میں خاموشی سے ان دونوں کی شکل دیکھ چکا تھا پھر میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’تم دونوں کا کیا خیال ہے، براہ کرم مجھے بھی تو بتاؤ۔‘‘

"یہ قطعی اتفاق ہے کہ میں نے تمہیں شیطان صفت شنگریلا کے بارے میں بتایا تھا میرا خیال ہے کہ لڑکی کو شنگریلا لے گیا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے اس شیطان کے بارے میں لیکن اس منحوس نے بہت بری حرکت کی ہے۔ مرونا بتاؤ اب کیا کیا جائے؟"

"ہم سب اس کے سامنے بے بس ہیں۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔" بوڑھے نے لاچاری کا مظاہرہ کیا۔

"وہ کہاں ملے گا سردار؟"

"شنگریلا کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اس منحوس کا ٹھکانہ انہی سیاہ پہاڑیوں میں ہے۔ جنہیں تم نے عبادت گاہ کے آخری سرے پر دیکھا ہوگا لیکن اس کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔"

"سردار اس ناممکن کو ممکن بنانا ہوگا، ویسے بھی یہ اصول مہمان نوازی کے خلاف ہے۔"

"یقین کرو میرے دوست، میں سخت شرمندہ ہوں۔ ہم نے یہاں شنگریلا کی بُو محسوس کی ہے۔ اس لیے ہمارا خیال اس طرف گیا ہے۔ لیکن تنگریلا۔ اگر اس موذی سے ہمیں نجات دلا سکتے ہو تو ہم تمہیں نجات دہندہ کہیں گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بیلا کو ایسے مصائب سے بچا کر لایا تھا جن میں موت یقینی تھی۔ یہاں آ کر میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا اور اگر بیلا نہیں ملتی تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا کیا رویہ ہو۔ سردار ایک سچا انسان تھا۔ اس کی نیت صاف تھی۔ بہرحال میں بیلا کے لیے سخت پریشان تھا۔ پھر میں نے سردار سے کہا۔ "مجھے ہتھیار چاہیے سردار۔"

"ہاں ضرور، آؤ میرے ساتھ آؤ۔" سردار مجھے اپنے جھونپڑے میں لے گیا اور پھر اس نے مجھے ہتھیاروں کے ذخیرے کے سامنے کھڑا کر دیا اور بولا۔

"اس میں سے جو پسند آئے لے لو۔" میں نے اپنی پسند کا ہتھیار لے لیا اور باہر نکل آیا۔ دوپہر کے بعد میں نے سیاہ پہاڑیوں کا رخ کیا۔ ایسا عجیب وغریب پہاڑی سلسلہ میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ پوری پوری چٹانیں اس قدر چکنی اور سپاٹ تھیں کہ قدم جمانا

مشکل تھا۔ میں اس غار کی تلاش میں بھٹکتا پھرا، لیکن سورج ڈھل گیا اور مجھے کوئی غار نظر نہیں آیا۔ میرے دل میں انتہائی غصہ تھا۔ اگر شنگریلا مجھے مل جاتا تو میں اس کا خون پی جاتا۔ میں نے سوچا اور اچانک ہی سردار کے کچھ الفاظ میرے ذہن میں گونج اٹھے۔ میں خاموشی سے واپس چل پڑا تھا۔ سردار بے چارہ اپنے طور پر کوشش میں مصروف تھا اس نے میری صورت دیکھی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکا لی پھر بولا۔

"تم اس غار کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہو گے۔"

"ہاں لیکن میں ناکامی نہیں چاہتا سردار؟"

"میرے دوست میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

"تم نے کہا تھا سردار کہ وہ قبیلے کے کسی شخص کا خون پیتا ہے۔"

"ہاں۔" سردار چونک پڑا۔

"اس کا کیا طریقہ ہوتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس ڈوبتے چاند کی رات کو ایک نوجوان کو خوشبوؤں میں بسا کر سیاہ پہاڑیوں میں ایک مخصوص مقام پر بھیج دیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس کی خون میں نچڑی ہوئی لاش وہاں سے اٹھا لی جاتی ہے۔"

"کتنے دن باقی ہیں اس رات میں؟"

"صرف چند روز، لیکن کیوں؟"

"اس بار تم مجھے بھیجو گے سردار۔" میں نے کہا اور سردار کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ اس کے چہرے پر حزن وملال کے آثار نظر آ رہے تھے۔ جب میں واپس اپنے جھونپڑے میں پہنچا تو ایک دم اچھل پڑا۔ بیلا جھونپڑے میں موجود تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ "بیلا۔" میں بے اختیار اس کی جانب لپکا اور میری آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔

لیکن۔ لیکن یہ بیلا تھی؟ میں اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ بیلا کی آنکھیں معمول سے کئی گنا بڑی ہو چکی تھیں۔ اس کے جبڑے لٹکے ہوئے تھے اور سرخ سرخ دانت ایسے نظر آ رہے تھے جیسے اس نے کسی کا خون پیا ہو۔ خون کے قطرے اس کے ہونٹوں کے نیچے ٹھوڑی پر جمے ہوئے تھے۔

میں ششدر رہ گیا۔ بیلا کی یہ بھیانک شکل میرے لیے اجنبی تھی۔ بیلا مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی لیکن ان نگاہوں میں بچپنا اور وہ معصومیت نہیں تھی جو بیلا کی عمر کے ساتھ ساتھ تھی۔ ان نگاہوں میں ایسی کیفیت تھی جیسے وہ کوئی بھوکی بلی ہو۔ تب وہ چند قدم آگے بڑھی

اور میرے نزدیک پہنچ گئی۔ میں نے اس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ لیے اور وہ ایک دم اچھل پڑی۔

''بیلا یہ تمہیں کیا ہوگیا؟''

''انکل۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ انداز سسکی لینے کا سا تھا۔

''اوہ! بیلا تم ٹھیک تو ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے انکل۔ لوگ کتنی زور زور سے چیخ رہے تھے، مجھے ڈر لگ رہا تھا انکل! بتائیے آپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟''

''تمہاری طبیعت کیسی ہے بیلا۔'' میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں انکل، اب تو آپ آگئے ہیں۔''

''ہاں بیلا لیکن تمہیں ڈر لگ رہا تھا؟''

''ہاں زور زور سے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔''

''پھر کیا ہوا بیلا؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔

''کچھ نہیں انکل۔ پھر آپ آگئے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ میں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر میں سردار کے جھونپڑے کی طرف چل پڑا۔ بیلا میرے ساتھ تھی۔

سردار بیلا کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ ''ارے یہ کہاں ملی؟'' وہ خوش ہو کر بولا لیکن دوسرے لمحے اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس کے انداز میں ایک پُراسرار کیفیت نظر آنے لگی۔ پھر اس نے مایوسی سے گردن ہلائی۔

''اوہ! یہ شنگریلا کا شکار ہوگئی۔''

''کیا مطلب؟''

''یقیناً اسے لے جانے والا شنگریلا تھا اور اب یہ اس کی ملکیت ہے۔ وہ جب اور جہاں چاہے اسے حاصل کرسکتا ہے۔''

''مگر کیسے؟'' میں نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''آہ یہ اس کی رفاقت کے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔ اب یہ اس کے سحر میں گرفتار ہے۔'' سردار نے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''مجھے حکم دو میرے دوست میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔''

''میں اسے لے کر یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''میری اس اطلاع کے باوجود۔''

''ہاں۔''

''تب تم یہاں رکو۔ میں بندوبست کیے دیتا ہوں۔ کاش تم اس طرح اس منحوس کے بھیانک جال سے نکل سکو۔'' سردار نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ میں نے پریشان نگاہوں سے بیلا کو دیکھا وہ اب پھر اتنی معصوم نظر آرہی تھی۔

''بیلا۔'' میں نے اسے مخاطب کیا۔

''ہاں انکل۔''

''آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں انکل۔''

''اوہ نہیں بیلا بیٹی۔ میں اگر پریشان تھا تو صرف تمہارے لیے۔ تم ٹھیک ہو تو اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

''انکل میں، میں کچھ بیمار ہوگئی تھی کیا؟ مجھے یاد نہیں آتا کہ صبح کو اس وقت جب لوگ چیخ رہے تھے اور میں سوتے سے جاگ پڑی تھی۔ آپ موجود نہیں تھے۔ اس کے بعد یہ شام کیسے ہوگئی انکل؟ مجھے نہیں معلوم انکل کہ کس طرح ہوگئی۔ مجھے دن بھر کے واقعات یاد کیوں نہیں آرہے۔ کیا میں سوگئی تھی؟'' اس نے پوچھا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''ہاں بیلا بیٹی تم سوگئی تھیں۔ لیکن اب یہ بتاؤ کیا تم سفر کے لیے تیار ہو؟''

''سفر؟'' بیلا نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں سفر۔''

''لیکن کیوں انکل، کیا ہم یہاں سے جارہے ہیں لیکن اتنی جلدی کیوں انکل؟''

''بس بیلا، سردار گھوڑوں کا بندوبست کرنے گیا ہے ہم لوگ آج ہی ابھی اور اسی وقت یہ بستی چھوڑ دیں گے اور کہیں اور چلے جائیں گے۔'' میں نے کہا اور بیلا میری طرف دیکھنے لگی۔

''رات میں انکل؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں بیٹی رات میں۔''

''لیکن ہم کہاں جائیں گے؟''

''ان لوگوں کے رہنما سوار ہمیں کسی مخصوص مقام پر لے جائیں گے۔ وہاں سے ہم اپنی دنیا کی طرف نکل جائیں گے۔''

"آہ انکل! یہ تو میری دلی خواہش ہے انکل کتنی دیر میں یہ لوگ ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

"میرا خیال ہے تھوڑی دیر کے بعد۔" میں نے کہا اور بیلا مسرور نظر آنے لگی۔ اس کے چہرے پر وہی معصومیت تھی جو میں اس سے پہلے بھی دیکھتا رہا تھا لیکن میرے ذہن میں سردار کے کہے ہوئے الفاظ کا خوف بھی باقی تھا کہیں سردار کی بات سچ ہی نہ ثابت ہو۔

بے چارہ سردار میرے ساتھ بھرپور تعاون کر رہا تھا وہ مجھ سے کم پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ چھ گھڑ سوار ہماری رہنمائی کے لیے تیار تھے۔ ان کے علاوہ تین گھوڑے اور تھے جن میں سے دو ہماری سواری کے لیے اور ایک گھوڑے پر ضرورت کا سامان بار کیا گیا تھا۔ سردار مجھے بستی کی سرحد تک چھوڑنے آیا۔ وہ اب بھی پریشان تھا۔ "میری بستی میں تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں ہو سکا نوجوان جس کے لیے میں طویل عرصہ تک شرمندہ رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ یشوتہ کی مدد سے تم اس شیطان کے جال سے نکل جاؤ۔ لیکن اگر تمہیں کوئی دقت محسوس ہو تو میرے دوست سردار کو اپنا دوست سمجھ کر اس کے پاس آ جانا۔"

"میں تمہاری اس دوستی کو یاد رکھوں گا سردار۔" میں نے جواب دیا اور پھر رخصت ہو کر ہم چل پڑے۔ افریقہ کے خطرناک علاقے میں رات کا سفر بے حد بھیانک سمجھا جاتا تھا۔ وحشی اور خونخوار درندے چاروں طرف بھٹکتے پھرتے تھے اور تاریک راتوں میں ان کا خطرہ اور بڑھ جاتا تھا۔ جن لوگوں کو سردار نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔ وہ بے حد نڈر اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ساری رات وہ بے تکان ہمارے ساتھ سفر کرتے رہے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ صبح کو ہم نے خود کو ایک سرسبز و شاداب جنگل میں پایا۔ جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا اور درختوں کے نیچے سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ ایک انتہائی گھنے سایہ دار درخت کے نیچے میں نے گھوڑا روک لیا۔ بیلا کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔ "تھک گئیں بیلا؟"

"بے حد انکل۔" بیلا نے جواب دیا۔

"تو اب آرام کرو عمدہ جگہ ہے۔" میں نے کہا اور پھر میں اپنے رہنما سیاہ فاموں سے بات کرنے لگا۔ میں نے پروگرام بنایا تھا کہ دوپہر تک ہم آرام کریں گے۔ دوپہر کے بعد سفر کریں گے تاکہ ہم رات کو کسی مناسب جگہ قیام کر سکیں سیاہ فاموں نے سعادت مندی سے گردن ہلائی۔ ان بے چاروں نے ہمارے لیے آرام کا بندوبست کیا اور پھر خوراک کا سامان اتارنے لگے۔ سردار نے انہیں خاص طور سے ہمارے آرام کا خیال رکھنے کی ہدایت

کی تھی۔ اس لیے ہمارے سارے کام انہوں نے کیے اور کھانے پینے کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔

بیلا اب متوازن تھی۔ اس کے انداز میں پہلے جیسی معصومیت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن میں اس کی طرف سے غیر مطمئن تھا۔ دوپہر ڈھل گئی اور پھر ہم نے دوبارہ سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس جنگل کو عبور کر رہے تھے۔ چونکہ آرام کر چکے تھے اور تھکن دور ہو چکی تھی اس لیے ہم اس وقت تک سفر کرتے رہے جب تک تاریکی کافی گہری نہ ہو گئی۔ پھر ہم نے دوبارہ آرام کے لیے جگہ کا انتخاب کر لیا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اونچے اونچے ٹیلے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں درخت وغیرہ بھی تھے۔ ایک خوبصورت جگہ منتخب کر کے ہم وہاں رک گئے ابھی تک سفر پرسکون رہا تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو تشویش ناک ہوتی۔ رات کے کھانے کے بعد دیر تک بیلا مجھ سے گفتگو کرتی رہی خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پرصعوبت سفر کس طرح ختم ہو گا۔ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

پھر وہ حسب معمول سونے کے لیے لیٹ گئی میں بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر لیٹ گیا تھا۔ ہم سے کچھ دور سیاہ فام محافظ آرام کر رہے تھے۔ وہ بیچارے دو، دو کر کے جاگ رہے تھے۔ سردار نے ہماری بے لوث خدمت کی تھی۔ میں اس سے بہت متاثر تھا۔ لیکن اس بے چارے کے لیے میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ آخری رات کا چاند تھا۔ پہلے تو تاریکی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی میری آنکھیں نیم غنودہ ہوئی تھیں کہ میں نے کسی کو اپنے قریب محسوس کیا اور چونک پڑا بیلا میرے سرہانے موجود تھی۔

"نیند نہیں آ رہی۔" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ بھی مسکرا دی لیکن اس کے اندر کسی قدر تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ یہ تبدیلی صرف میرا احساس تھا۔ کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا، لیکن چند ساعت کے بعد میرے اس احساس کی تصدیق ہو گئی، وہ کھسک کر میرے نزدیک آ گئی۔ "میں عورت بننا چاہتی ہوں، میں جوان ہو گئی ہوں۔" اس کی آواز ابھری اور میں اچھل پڑا۔

"بیلا!" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہوش میں آؤ۔"

"میں، میں تمہاری آغوش میں سمانا چاہتی ہوں مجھے مایوس نہ کرو ورنہ......"

اور میرا بھرپور ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ کئی فٹ دور جا گری تھی۔ "ٹھیک ہے تم مجھے قبول نہ کرو میں جا رہی ہوں۔" بات حد سے گزر گئی تھی۔ میں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ

سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے لپک کر اسے پکڑا اور میرا ہاتھ اس کی گردن کی پشت پر پڑا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر لٹا دیا۔ دیر تک میں اس کے نزدیک بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ دن رات سفر کرنا ہوگا تا کہ اس طلسمی ماحول سے جتنی جلدی ہو سکے دور نکل جاؤں۔ کچھ بھی ہو جائے میں بیلا کو بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔

سیاہ فام اطمینان سے اپنی جگہ موجود تھے۔ ان بے چاروں کو صورت حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ دیر تک میں اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر اس کے نزدیک ہی دوبارہ لیٹ گیا۔ چاند سفر کرتا رہا۔ ہوا اتنی خوشگوار چل رہی تھی کہ آنکھوں میں شراب اتر رہی تھی اور پھر یہ شراب میرے حواس پر چھا گئی اور میں دوبارہ سو گیا۔ اس بار سیاہ فاموں نے مجھے جگایا تھا۔ دور پہاڑیوں کی اوٹ سے اجالا ابھر رہا تھا۔ سیاہ فام مجھے جھنجھوڑ رہے تھے میں چونک کر اٹھ گیا۔ ''آپ کی ساتھی لڑکی گھوڑے پر بیٹھ کر اس طرف گئی ہے۔ ہم نے دو آدمی اس کے پیچھے دوڑا دیئے ہیں۔'' ایک سیاہ فام نے بتایا اور میں نے ایک گہری سانس لی میں اور الجھ گیا تھا۔ بہرحال ہم نے بھی اپنے گھوڑے سنبھال لیے اور پھر ہم بھی اسی طرف دوڑ گئے۔ سورج ابھر آیا تھا لیکن ان لوگوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ یہ وہی رخ تھا جس سے ہم آئے تھے اور اب ہم دوبارہ بستی کی طرف جا رہے تھے۔ میرے دل میں بھنور اٹھ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ بیلا کو جہنم میں جھونک کر آگے بڑھ جاؤں لیکن پھر خیال آتا کہ وہ بے قصور ہے۔ یہ سب شنگریلا کا ہی شیطانی چکر ہے میں اس شیطان کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ کچھ بھی ہو جائے میں شنگریلا کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ میرے دانت بھنچ گئے اور ہم بغیر رکے سفر کرتے رہے۔

شام کو سورج چھپتے ہی ہم بستی پہنچ گئے۔ جہاں ہماری ملاقات سردار اور ان دونوں سیاہ فاموں سے ہوئی تھی۔ سیاہ فاموں کی حالت خراب تھی۔ ان کے بدن جھلسے ہوئے تھے اور جگہ جگہ سے گوشت نکل آیا تھا۔ شاید وہ ابھی سردار کے پاس پہنچے تھے۔ سردار کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور مایوسی سے بولا۔

''ان لوگوں کو کیا ہوا؟'' میں نے افسردہ نگاہوں سے ان دونوں سیاہ فاموں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''[illegible]'' سردار نے کہا۔

''[illegible] تم دونوں کو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے سیاہ پہاڑوں تک گئے تھے۔ وہ گھوڑے سمیت پہاڑوں میں غائب ہو گئی۔ ہم پہاڑوں میں بھٹک رہے تھے کہ اچانک پہاڑوں سے شعلے نکلے اور ہم شعلوں میں گھر گئے۔ ہمارے گھوڑے جل گئے اور ہلاک ہو گئے ہم بمشکل نکل آنے میں کامیاب ہو سکے۔''

''اوہ۔ یہ حرکت اس شیطان کے علاوہ کسی کی نہیں۔'' سردار نے کہا۔

''لڑکی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا؟'' میں نے شعلہ بار نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں اس کا نام ونشان تک نہیں مل سکا۔''

''ہوں سرداران کے علاج کا بندوبست کرو مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے سخت پریشانی ہوئی میں دیکھوں گا کہ وہ کتنا بڑا جادوگر ہے۔'' رات کو سردار دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا تھا وہ بہت مایوس تھا اور مجھ سے بھی مایوسی کی گفتگو کر رہا تھا۔

''یقین کرو میرے دوست۔ تمہاری خواہش پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ایک مہمان کی حیثیت سے میں تمہیں اس خطرے سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہارے خلوص کو دل سے قبول کرتا ہوں لیکن اب میرے لیے یہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا ہوں۔'' دوسرے دن میری درخواست پر سردار مجھے وہاں لے گیا، جہاں ہزار راتوں کے شکار پتھر کی زندگی گزار رہے تھے۔ پُراسرار علاقہ تھا۔ سردار مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جو بظاہر سیاہ پتھر کے مجسمے نظر آ رہے تھے۔ یہ سن کر حیرت ہوتی تھی کہ وہ کبھی انسان تھے۔ اس نے ان شیطانوں کی روایات بتا کر مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی لیکن خوف کا میرے نزدیک گزر نہیں تھا۔

''یہ تمام وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنی قوتوں سے بستی کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ انہوں نے وہ سب کیا جو کر سکتے تھے اور جس کی جتنی زندگی تھی اس نے اتنے ہی انسانوں کا خون پی لیا۔ گو بے شمار افراد لقمۂ اجل بنے اور ان کی زندگیاں اس طرح ختم ہو گئیں سو میرے دوست، میرے معزز مہمان یہ مناسب نہیں ہے کہ تم خود کو اس نوجوان کی حیثیت سے پیش کرو جسے شنگریلا کی خدمت میں اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ اس سے اپنے خون کی پیاس بجھائے۔ ہم لوگ تو اس کے عادی ہیں اور ہماری تقدیریں یہی ہیں۔ گناہ کا پودا ہماری زمین سے اگا ہے اور ہمارے ہی خون سے سیراب ہونا چاہیے۔ تم چند روز کے لیے یہاں آئے ہو۔ تمہاری زندگی خطرے میں کیوں ڈالی جائے۔''

”نہیں سردار یہ تو ممکن نہیں کہ میں اس لڑکی کو یہاں چھوڑ کر اپنی زندگی بچانے کے لیے آگے بڑھ جاؤں۔ چنانچہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے اس پر اٹل رہنے دو اور میری مدد کرو۔“ سردار نے گردن جھکا لی پھر وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

”ٹھیک ہے اگر تم اس حد تک بضد ہو تو میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔“

چاند آخری راتوں کا سفر طے کر رہا تھا پھر ایک رات وہ ڈوب گیا۔ گویا وہ ڈوبتے چاند کی آخری رات تھی اور اس رات کے آخری پہر اس نوجوان کو سیاہ پہاڑیوں میں بھیجا جانے والا تھا جو اس بار شنگریلا کا نشانہ بننے کے لیے تیار تھا۔ ان چند دنوں میں بیلا کا کوئی پتا نہیں چل سکا تھا اور میرا دل اس کے لیے خون کے آنسو روتا تھا۔ مجھے بیلا کی وہ کیفیت یاد آئی جس کا اظہار اس رات ہوا تھا۔ معصوم بیلا کے چہرے پر ایک جوان عورت کے جذبات تھے اور میرا دل کسی طور یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سردار خاصا مایوس تھا۔ بہرصورت وہ میری راہ میں آنا بھی نہیں چاہتا تھا چنانچہ تاریک رات کے آخری پہر میں اس نے مجھے الوداع کہا اور میں سیاہ پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔

سردار نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔ میرا ذہن عجیب خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان خیالات میں خوف کا عنصر تو نہیں تھا البتہ ایک الجھن ضرور تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان شیطانی قوتوں کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ تب میں نے رک کر ان سچے جذبوں کو آواز دی۔ میں نے سوچا کہ میں نے سچائی کی راہ میں قدم رکھا ہے۔ مجھے آسمانوں سے امداد درکار ہے اور میں نے ایک روشنی کوندتے ہوئے دیکھی۔ ایک مرمریں مجسمہ میرے سامنے نمودار ہوا اور اس کی نقرئی آواز ابھری۔ ”آسمان کے رہنے والے سچائی کے ساتھی ہوتے ہیں میں دیوی یشوتہ ہوں اور یہ سرخ پتھر میری ملکیت ہے جو بالآخر شنگریلا کی موت بن جائے گا۔“ اس نے ایک چمکدار سرخ پتھر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ نقرئی آواز پھر سنائی دی۔ ”اس کے جادو کی ہزار راتیں پوری ہو چکی ہیں اور وہ غافل ہے وہ ان دنوں کا حساب بھول گیا ہے۔ جا آسمان والا تیری حفاظت کرے گا اور اسے موت دے گا۔“ اس کا مرمریں پیکر فضاؤں میں تحلیل ہو گیا۔ میں اس سرخ پتھر کو ہاتھ میں لیے حیران کھڑا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنے وجود سے ایک بے خوفی کا احساس ہوا یوں لگا جیسے اب میرے لیے کامیابی ہی کامیابی ہو۔

تاریکی میں، میں ان پہاڑوں کی جانب تیزی سے سفر کر رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس ہیبت ناک اندھیرے میں داخل ہو گیا۔ وہ چشمہ جس کے بارے میں سردار نے

مجھے بتایا تھا سامنے ہی موجود تھا اور وہاں ایک تنہا درخت کے نیچے مشعل روشن تھی۔ جس کا علم مجھے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ میں درخت کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ پھر اچانک مجھے عقب سے آواز سنائی دی۔

”آہ میں پیاسا ہوں۔ میں کس قدر پیاسا ہوں کون میری پیاس بجھائے گا کیا تم؟“ وہ اچانک میرے سامنے آ گیا۔ مشعل کی روشنی میں، میں نے اس کی مکروہ شکل دیکھی بڑی ہیبت ناک شکل تھی۔ سیاہ فام تو تھا ہی، نچلا ہونٹ ٹھوڑی تک لٹکا ہوا تھا۔ اس کے لمبے لمبے دانت نظر آنے لگے۔ ناک طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ بدن اچھا خاصا توانا تھا۔

”کیا تُو میری پیاس بجھائے گا؟“ اس نے پوچھا پھر خود ہی بڑبڑایا۔

”تُو کون ہے۔ اس بستی سے تو نہیں ہے۔ اوہ سمجھ گیا میں، اس لڑکی کا ساتھی۔ ہاں وہی تو ہے میں نے عبادت کی صبح تجھے دیکھا تھا لیکن یہ سردار بڑا عیار ہے۔ اس نے تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ سوچا۔ خوب کوئی ہرج نہیں ہے مگر تو کیا پیے گا۔“

”تیرا خون؟“ میں نے جواب دیا۔

”اوہو۔ اوہو۔ کیا واقعی۔ پی لے۔ پی لے۔ یہ خنجر لے لے اور جہاں تیرا دل چاہے بھونک دے۔“ اس نے ایک لمبا خنجر نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے بغور اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گیا تھا۔

”بجھا لے اپنی پیاس بجھا لے۔ یا پھر میری پیاس بجھا دینا۔“ میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ شنگریلا سینہ کھول کر میرے سامنے آ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس پیشکش میں کوئی خاص بات ضرور ہے۔ تاہم میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے خنجر پوری قوت سے اس کے سینے میں بھونک دیا یوں لگا جیسے میں نے وہ خنجر کسی کائی میں اتار دیا ہو پھر میں نے اسے نکالا اور اسے کئی بار شنگریلا کے بدن میں جگہ جگہ بھونکا لیکن کہیں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ شنگریلا مکروہ انداز میں ہنس پڑا۔

”اب میں کیا کروں۔ میرے بدن میں تو خون ہی نہیں ہے اب تو اجازت ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور خنجر شنگریلا کو واپس کر دیا۔ اس نے خنجر میرے ہاتھ سے لے لیا اور پھر اچانک وحشیانہ انداز میں اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ اور پھر انتہائی سفاکی سے وہ خنجر میری گردن میں اتارنے کی کوشش کی لیکن خنجر کی دھار مڑ گئی۔ جس قوت سے وہ میری گردن میں پیوست کیا گیا تھا اس کے تحت اس کا وہ پہلا اور آخری وار ہونا چاہیے تھا۔ لیکن

اس نے حیرانی سے مڑے ہوئے خنجر کو دیکھا اور پھر اسے چٹکیوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ اس بار اس نے خنجر میرے سینے میں بھونکا تھا لیکن اس بار خنجر دوبارہ سیدھا ہونے کے قابل نہ رہا۔

''کیا تیرا بدن پتھر کا ہے؟'' اس نے وحشیانہ انداز میں کہا۔

''نہیں شنگر یلا بلکہ تیری طاقت ختم ہو گئی ہے۔ شنگر یلا تو ان دنوں کا حساب نہیں رکھ سکا۔ ہزار راتیں پوری ہو چکی ہیں شنگر یلا اور یہ رات میری ہے۔'' میں نے کہا اور شنگر یلا ساکت رہ گیا۔ شاید وہ ان دنوں کا حساب لگا رہا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے ایک سمت چھلانگ لگا دی اور ایک غار میں داخل ہو گیا لیکن اب میں اس کا پیچھا کیا چھوڑتا۔ میں بھی اس غار میں داخل ہو گیا تھا۔ بدبو کا ایک شدید بھبکا میری ناک سے ٹکرایا تھا۔ میں نے شنگر یلا کو تلاش کیا لیکن اس کشادہ غار میں وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ البتہ سامنے ہی ایک دیوار میں سرنگ موجود تھی۔ کشادہ غار میں دیواروں پر مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور ان کی روشنی نہایت بھیانک منظر پیش کر رہی تھی۔

پورے غار میں مردہ جانوروں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں انسانی ڈھانچے بھی موجود تھے۔ جن میں سڑا ہوا گوشت چپکا ہوا تھا، اس کے علاوہ بھی ایسی ہی مکروہ چیزیں۔ میں اس سرنگ کی طرف بڑھ گیا اور سرنگ کے دوسرے دہانے پر مجھے ایک روشن غار نظر آیا۔ اس غار کی روشنی بہت تیز تھی۔ میں بے تکان اندر داخل ہو گیا۔ یہ غار زیادہ کشادہ نہیں تھا سامنے ہی سفید رنگ کا تخت بچھا ہوا تھا۔ جس میں اعلیٰ درجے کے جواہرات نصب تھے اور انہی ہیروں کی وجہ سے غار منور تھا۔ مکروہ شنگر یلا اس تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پاؤں بھی اوپر اٹھا رکھے تھے اور اس کے عقب میں ایک کرسی پر بیلا بھی بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس خوفناک اور وحشت زدہ شکل میں، جس میں، میں نے اس رات اسے دیکھا تھا جس دن وہ اغوا ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ شنگر یلا کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

''تم کون ہو۔ کون ہو تم؟'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''تم خوف زدہ ہو شنگر یلا؟''

''نہیں ہرگز نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بگاڑ کے دیکھ لو میں تم سے اتنا دور ہوں کہ تم، تم مجھ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ میں تم سے ہزاروں میل دور ہوں سمجھے ہزاروں میل۔'' اس نے کہا۔

''تم شاید پاگل بھی ہو گئے ہو۔ مجھے ہلاک کرو آؤ، میرا خون پیو تم پیاسے ہونا۔'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''دھوکہ ہو گیا ہے۔ دیکھ لوں گا سردار کو۔ دیکھ لوں گا بستی والوں کو، پوری بستی کا خون نہ پی جاؤں تو نام نہیں۔ اس نے تمہیں کیوں بھیجا اب ان کے لیے مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔'' شنگر یلا نے کہا۔ میں بدستور آگے بڑھا اور ایک لمحے میں مجھے انوکھا احساس ہوا۔ میرے اور شنگر یلا کے درمیان جتنا فاصلہ تھا وہ تو چند قدموں میں طے ہو جانا چاہیے تھا۔ میں مسلسل آگے بڑھتا رہا تھا لیکن فاصلہ جوں کا توں تھا۔ ایک لمحے کے لیے میں ٹھٹک گیا اور اسی وقت بدبخت شنگر یلا نے قہقہہ لگایا۔

''آؤ، آؤ، رک کیوں گئے۔ مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تم یہ فاصلہ ساری زندگی نہیں طے کر سکو گے آؤ۔ بڑھتے رہو۔'' لیکن میں وہیں رک گیا۔ یہ صورتِ حال تعجب خیز تھی اور شنگر یلا کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہاں میں ناکام رہوں گا۔ چنانچہ اس کا خوف آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس نے پاؤں زمین پر نہیں رکھے تھے اور اسی طرح بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔

''یہ تخت میری آخری پناہ گاہ ہے۔ جب تک میرے پاؤں اوپر رہیں گے تُو مجھ تک نہ پہنچ سکے گا۔''

''ممکن ہے ایسا ہو لیکن تمہاری دیوی یشوتہ نے یہ سرخ پتھر مجھے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسی میں تیری موت پوشیدہ ہے۔ اگر یہ بے کار ہے تو مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔'' میں نے پتھر اس کے تخت پر اچھال دیا۔ ایک بجلی سی کوند گئی۔ تخت شعلوں میں گھر گیا تھا اور شنگر یلا کی دردناک چیخیں ابھرنے لگیں۔ چند لمحات میں اس کا وجود خاکستر ہو گیا۔ میں نے بیلا کی طرف دیکھا جو اس طرح کھڑی ہوئی تھی جیسے خواب سے جاگی ہو۔

''کیا بات ہے انکل۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں آؤ۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا۔ اب میں آزاد تھا۔ یوں لگا جیسے دیوی یشوتہ مسلسل میری رہنمائی کر رہی ہو۔ میرا مذہب ان باتوں کو قبول نہیں کرتا تھا۔ لیکن سرزمین افریقہ کے جادو کی کہانیاں اجنبی نہیں ہیں۔ چند روز کے بعد میں ایک مہذب آبادی میں داخل ہو گیا اور پھر نہ جانے کہاں کہاں سفر کرتا ہوا لندن آ گیا۔ مہذب آبادیوں کے مرکز میں لندن کی پُر رومان فضا میں زندگی رقصاں تھی۔ اگر اپنی اصلی زندگی میں یہاں آیا ہوتا تو اپنے بارے میں سوچتا، لیکن اب تو میرا جذبہ میری یہ سوچ بیلا کے لیے تھی۔ یہ لڑکی

اس سرکش کو تو بہت پہلے ہلاک کر چکی تھی۔ جو دنیا کا دشمن تھا۔ جہاز میں اس کے آنسوؤں نے مجھے قتل کر دیا تھا۔ اب تو میرے سینے کے سچے جذبات زندہ تھے۔ لیکن بیلا کو ایک حسین زندگی دینے کے لیے میں کیا کروں؟ عالیشان عمارتوں کے درمیان بھٹکتا رہا۔ ہمارے لیے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ گزارنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بیلا کے بے ترتیب لباس اور خشک ہونٹ دیکھ کر میرا کلیجہ کٹتا تھا۔ پھر ایک دن وہ فاقہ کشی سے نڈھال ہو گئی تو میں نے خود سے خود کو ادھار مانگ لیا۔ میں نے صرف چند لمحات کے لیے صرف کچھ عرصہ کے لیے اپنی قدیم زندگی اپنالی۔ اپنے لیے نہیں بیلا کے لیے۔

لندن کی اس خوفناک بینک ڈکیتی کی کہانیاں کافی دن تک اخبارات کی زینت بنی رہیں۔ جن میں صرف ایک ڈاکو نے پانچ افراد کو ہلاک کر کے بینک لوٹ لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد میرا لندن میں رکنا موت کو دعوت دینا تھا کیونکہ جدید ملک کی جدید پولیس کافی ہوشیار تھی۔ یہاں سے ایک طویل سفر کر کے میں طویل عرصہ بعد ایک بار پھر اسی سرزمین پر آ گیا جہاں کی مٹی سے میرا خمیر اٹھا تھا۔ بیلا میرے ساتھ تھی اسے مجھ پر مکمل اعتماد تھا۔ میرے علاوہ دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ میں نے تہران کے نواح میں ایک قطعہ زمین خریدا اور ایک خوبصورت مکان بنایا۔ بدنام ڈاکو مفرور مجرم ایک نیک نام انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگا۔

کوئی مجھے نہیں پہچان سکا تھا کیونکہ زندگی کے ساتھ ساتھ میں نے اپنا حلیہ بھی بدل لیا تھا۔ میری فطرت اور میری عادت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی اور اب پچھلی زندگی کے سائے بھی میرے ذہن پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے۔ لیکن تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ بیلا عمر کی انیسویں منزل میں قدم رکھ چکی تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویہ بہت پیار بھرا تھا اور میں بھی اس پر زندگی نچھاور کرتا تھا۔ اپنے لیے تو اب کچھ سوچنا حماقت کی بات ہی تھی کیونکہ میں سوچ کی منزل سے بہت آگے نکل گیا تھا۔ لیکن بیلا کے بہتر مستقبل کا خیال ہمیشہ میرے ذہن پر سوار رہتا تھا۔ میری آرزو تھی کہ کسی شریف انسان سے اس کی زندگی وابستہ کر دوں اور اپنے اس آخری فرض سے سبکدوش ہو جاؤں بلاشبہ میری زندگی میں جو تبدیلی بیلا نے پیدا کی تھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میری سوچ کے دھارے ہی بدل گئے تھے۔

میں نے ایک چھوٹا سا کاروبار کر رکھا تھا اور میرا معاون جبار فرندی ایک نوجوان آدمی تھا۔ مجھے بیلا پر اتنا اعتبار تھا کہ میں نے کبھی اس کے بارے میں کسی غلط انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ جبار فرندی اکثر میرے گھر آتا جاتا رہتا تھا۔ بیلا سے اس کی دو چار ملاقاتیں بھی

ہوئی تھیں۔ اگر بیوقوف لڑکی خود مجھ سے اس بات کا اظہار کر دیتی کہ وہ جبار فرندی کی طرف متوجہ ہے تو شاید میں اس کی راہ میں آنے کی کوشش نہ کرتا۔ لیکن ایک انسان کی زندگی کے بارے میں آپ خود سوچئے جس کی فطرت کچھ بھی ہو لیکن اس نے اپنے آپ کو بالکل تبدیل کر لیا تھا۔ صرف ایک شخصیت کے لیے اور میری زندگی کا وہ ایک ہی لمحہ میرے لیے قیامت بن گیا۔ جب میں نے جبار فرندی کو بیلا کے ساتھ ایک خوبصورت ہوٹل میں دیکھا۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ ان دونوں کو میں نے جس حال میں دیکھا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی قربت میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

بات کچھ بھی نہیں تھی۔ لیکن بس میرے اندر کا حیوان جاگ اٹھا۔ نفرت اور حقارت کے اس ابھرتے ہوئے شدید تر جذبے نے مجھے مجبور کر دیا کہ ایک بار پھر میں اپنی زندگی میں واپس لوٹ جاؤں۔ ہاں میں نے جو تاج محل بنایا تھا اسے اس طرح مسمار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بیلا نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی اور میں اس کی اس کوشش کو ناکام بنانے پر تل گیا تھا۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو کسی طرح معتدل کر لوں لیکن بیلا کی اس حرکت نے مجھے چراغ پا کر دیا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے منصوبے جنم لینے لگے تھے۔ میں نے جبار فرندی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہ جان کر میری نفرت اور حقارت میں مزید اضافہ ہو گیا کہ جبار ایک اوباش نوجوان تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی نوجوان لڑکیوں کو جھانسے میں لا کر انہیں تباہ و برباد کر چکا تھا اور اب اس کا مرکز نگاہ یہ دولت مند لڑکی بیلا تھی۔ میں نے بہت غور و خوض کیا اور پھر ایک بار بیلا سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بیلا کو میں نے اس وقت روکا جب وہ کہیں جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ ''کہاں جا رہی ہو؟'' میں نے پوچھا تو وہ سہم گئی اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔

''تم سمجھدار ہو چکی ہو بیلا۔ اپنا اچھا برا اچھی طرح جانتی ہو۔ اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے آخری مرحلے تک تمہیں صحیح راستوں کی جانب گامزن کر سکوں میں تمہارے لیے صحیح راستوں کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں۔''

''انکل۔'' بیلا کی پھنسی پھنسی آواز ابھری۔

''ہاں بیلا۔ میری تجربہ کار نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ تم تیز رفتاری سے غلط راستوں کی جانب بڑھ رہی ہو۔''

''غلط راستے؟'' اس نے سوال کرنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں۔ میں تم سے حصوں میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا بیلا۔ جبار فرندی میرے وطن کا باشندہ ہے اس کے بارے میں میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ میں تمہیں اس کے ساتھ گھومنے پھرنے کی آزادی نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں تمہاری اور اس کی قربت پسند کرتا ہوں۔''

''انکل!'' بیلا کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج پیدا ہو گیا۔

''ہاں بیلا۔ تم جانتی ہو تم میری زندگی کی آرزوؤں کا مرکز ہو۔ میری پرانی زندگی کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں معلوم بیلا، لیکن یوں سمجھ لو کہ میں نے تمہارے لیے ایک نیا جنم لیا ہے۔''

''یہ سب فرسودہ باتیں ہیں انکل۔'' بیلا کی اجنبی آواز ابھری اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب ہے؟''

''مطلب یہ انکل کہ میں بالغ ہوں اور مجھے اب اپنی زندگی گزارنے کے لیے آزادی ملنی چاہیے۔ جبار فرندی کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا جبار فرندی اس سے پہلے ہی مجھے اس سے آگاہ کر چکا تھا۔''

''ایک بار پھر میں وہی سوال دہراؤں گا کہ کیا مطلب؟''

''ہاں انکل۔ اس نے کہا تھا کہ آپ زیرک انسان ہیں اور نہایت چالاکی سے مجھے اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے چنانچہ میں آپ سے محتاط رہوں۔''

''یہ بات تم سے جبار فرندی نے کہی تھی۔''

''ہاں انکل۔''

''تمہارا اپنا نظریہ کیا ہے اس بارے میں؟''

''کچھ نہیں انکل۔ میں صرف اپنی آزادی چاہتی ہوں۔''

''کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہیں کس طرح پروان چڑھایا ہے۔''

''نہیں انکل! آپ غلط کہہ رہے ہیں یہ بات۔ میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔''

''کیوں؟''

''آپ نے مجھے پروان نہیں چڑھایا۔ میں ہوش و حواس میں تھی اپنے بارے میں سب کچھ جانتی تھی ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے میری جان بچائی تھی اور اس کے

بعد......'' بیلا کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میرے اندر غم و غصہ کھول رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ ضائع کر کے، بہتر نہ کیا ہو۔ جیسے میں نے جو کچھ سوچا وہ غلط سوچا ہو۔ بیلا درحقیقت مجھ سے نہیں تھی۔ وہ ایک غیر لڑکی تھی۔ میرا اس سے کیا تعلق تھا لیکن میں اپنی زندگی کے ان لمحات کی قیمت کہاں سے وصول کرتا جو میں نے اس کے لیے ضائع کیے تھے۔

''گویا تم میری اس حیثیت کو سرے سے نظر انداز کر رہی ہو بیلا میری تمام کاوشوں کو ٹھکرا رہی ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''آپ مجھے اس کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔''

''میں تم سے عیش کی یہ زندگی چھین بھی سکتا ہوں۔''

''یہ سب کچھ آپ کا ہے انکل۔ آپ اس کا حق رکھتے ہیں۔ میں جبار فرندی کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کروں گی۔''

یہ بدل تھا۔ یہ معاوضہ تھا اور اب کچھ کہنے کی گنجائش کہاں تھی۔ میں نے اسے جانے دیا لیکن اس کے بعد میں اپنے اندر جاگنے والے قدیم انسان کو نہیں سلا سکا۔ وہ وقتاً فوقتاً چیخ رہا تھا۔ جبار فرندی میرا ملازم تھا۔ میں نے اسے اپنی کوٹھی پر طلب کیا تو وہ میرے سامنے حاضر ہو گیا اس کے آنے سے پہلے میں نے بیلا کو بھی بلا لیا تھا۔ بیلا بھی موجود تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا آپس میں اشارے کیے۔ میں نے کہا۔

''آج میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لیے بلایا ہے فرندی۔''

''جی سر۔''

''تمہاری سابقہ زندگی میرے سامنے ہے۔ تم ایک برے انسان ہو۔ اس کے باوجود تم بیلا کو فریب دے رہے ہو تمہارے پاس واپسی کا کوئی راستہ ہے؟''

''میں واپسی کا عادی نہیں ہوں۔'' اس نے بے خوفی سے کہا۔

''افسوس تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے جبار اگر جانتے تو شاید اس لہجے میں بات نہ کرتے۔''

''یہی تو میری خوش بختی ہے کہ میں آپ کے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں۔ ڈاکٹر شیشانت کے قاتل کی فائل آج تک بند نہیں ہوئی۔ اور اس میں آج تک آپ کی تصویر موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ تصویر پرانی ہے، لیکن پولیس کی نگاہ بہت تیز ہوتی ہے۔''

میرے بدن کو شدید جھٹکا لگا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا اور مسکرا کر بولا۔ ''اس کے علاوہ بھی بہت سے قتل کیے ہیں میں نے۔''

''ہاں بیلا مجھے بتا چکی ہے آپ لندن پولیس کو بھی درکار ہیں۔ اب آپ کو یہ دنیا ہم نوجوانوں کے لیے چھوڑ دینی چاہیے؟''

''کیوں بیلا تم بھی اس سے متفق ہو؟'' میں نے بیلا سے پوچھا۔

''میں صرف فرندی کا ساتھ چاہتی ہوں انکل۔''

''گویا تم دونوں کے بارے میں میرا فیصلہ درست تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے ہمارے بارے میں۔''

''یہ۔'' میں نے پستول نکال کر ان کا نشانہ لیا اور ایک ایک گولی ان کے سینے میں اتار دی۔ میرے نزدیک دو قتل کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ لیکن ابھی وہ تڑپ ہی رہے تھے کہ پولیس کے بے شمار افراد اندر گھس آئے۔ اور میں...... میں ان میں سے صرف تین کو ہلاک کر سکا چوتھا نشانہ چوک گیا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جبار فرندی پولیس کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کر کے یہاں آیا تھا۔ اور بس اس کے بعد میں نے موت کو قبول کر لیا۔ جس کوٹھڑی میں، میں قید تھا اس سے نکلنا میرے لیے مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ دوسرا رخ بھی دیکھوں۔ چنانچہ میں نے موت کا مزہ چکھ لیا۔ موت جس کے بعد بھی بہت کچھ ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

''لیکن مجھے تم نے کیوں قید کر رکھا ہے۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''ایک منصوبہ ہے میرے پاس میری بچی۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ تُو دیوالی نہیں بلکہ پرنس، خیر چھوڑ، اب صورتِ حال یہ ہے کہ میں...... میں......'' وہ پھر خاموش ہو گیا اور اس کے بعد ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ دیوالی اس بھیانک انسان کی کہانی یاد کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اسے سزائے موت ہو چکی ہے تو پھر کیا یہ...... کیا...... یہ......

دوسرے دن وہ معمول کے مطابق راہداری میں سیر کے لیے نکل آئی۔ اس بار اتفاق سے ایک اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کھلے دروازے سے اندر جھانکا تو ایک روح فرسا منظر دیکھنے میں آیا۔ ایک وسیع و عریض بستر بچھا ہوا تھا اور بستر میں پڑے ہوئے گڑھے سے خوفناک انداز میں انسانی خون کی ایک لکیر بلند ہو رہی تھی۔ چھت کا وسطی حصہ سرخ ہوتا گیا اور خون اچھل اچھل کر کسی فوارے کی صورت میں فرش پر دوبارہ گرنا شروع ہو

گیا۔ دیوالی کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی۔ اور وہ دروازہ بند کر کے الٹے قدموں وہاں سے بھاگ نکلی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے قدموں کی جان نکل رہی ہو۔ یہ سب کچھ انتہائی بھیانک تھا۔ اور وہ شدید بے چینی کے عالم میں تھی۔

آہ! وہ اس بار سب سے خوفناک آسیبی چکر میں پھنسی ہے۔ پتہ نہیں اس بدروح کا ٹھکانہ کون سا ہے اور آگے کیا ہو گا۔ اس کے دل میں ایک ہی خواہش تھی کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلے۔ بڑی بے چین اور پریشان کن صورت حال تھی اور اب وہ اس ماحول سے اکتا گئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اب کچھ کر ڈالنا چاہیے۔ ماں باپ کے پاس آئی تھی لیکن زندگی عذاب بن گئی تھی۔ پھر وہ اسی چکر میں مصروف ہو گئی۔

عمارت کے ایک ایک گوشے پر اس کی نگاہ پڑنے لگی اس کے بعد وہ اس تہہ خانے میں پہنچی جو عمارت کے نیچے تھا۔ یہاں بے شمار کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ اسے بہت سی چیزیں نظر آئیں۔ عمارت کے احاطے میں ایک کار بھی کھڑی ہوئی تھی اور پھر وہ اس گول زینے کے پاس پہنچ گئی جو بل کھاتا ہوا اوپر چلا گیا تھا۔ زینہ ختم ہوا تو ایک راستہ کھڑکی کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ یہ قد آدم کھڑکی تھی جس میں اوپر سے لے کر نیچے تک شیشہ لگا ہوا تھا۔ دیوالی نے وحشت کے عالم میں یہ شیشہ توڑ ڈالا۔ بڑی چھوٹی کرچیاں اڑیں اور وہ ان کے ساتھ مکان سے باہر جھاڑیوں میں جا پڑی۔ وہاں گھاس کا ایک انبار پڑا ہوا تھا اس لیے اسے چوٹ نہیں لگی۔ اس نے کانپتے دل سے سوچا کہ اگر وہ اس گھاس پر نہ گری ہوتی تو اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ بمشکل تمام اس نے اپنا سانس درست کیا اور گھاس کے ڈھیر پر سے اٹھی۔ پھر وہ مکان کے دروازے کی طرف بڑھی مگر اس کا ارادہ اندر جانے کا نہیں تھا۔ وہ اس بات پر تل گئی تھی کہ اس بدروح سے آخری مقابلہ کرے۔

باہر تاریکی تھی بس کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے چبوترے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا پھر ہاتھ پھیلا کر غضب ناک آواز میں بولی۔ ''کتے کے بچے، میں جانتی ہوں کہ تُو ایک گندی روح ہے لیکن اب آ جا میرے سامنے آ جا۔ میں دیکھوں تو کتنی پُراسرار قوتوں کا مالک ہے۔'' جواب میں ایک گوشے میں پڑے ہوئے تختے میں جنبش ہوئی اور دیوالی نے اس بھیانک وجود کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی لمبی سرخ زبان نکال کر اسے منہ چڑایا تو دیوالی بولی۔ ''میں تمہارے ٹکڑے اڑا دوں گی۔'' وہ اڑتی ہوئی اس پر جا پڑی۔ اس وقت اس کے اندر نجانے کون سی قوتیں حلول کر گئی تھیں وہ اسے دبوچ کر زمین پر رگڑ رہی تھی کہ اچانک ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور دوسرے

لمحے وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔
’’آہ...... یہ بھی ایک خواب تھا...... یہ بھی ایک خواب تھا۔کیا کروں۔‘‘ لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس وقت اس کی خواب گاہ میں کوئی اور بھی ہے اور اس کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔دائیں جانب ایک میز پڑی ہوئی تھی۔جس کے اوپر ایک ٹیبل لیمپ رکھا ہوا تھا۔اور وہ اس ٹیبل لیمپ کے برابر ہی کھڑا ہوا تھا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’تُو...... تو مجھے قتل کردینا چاہتی ہے آ مار دے مجھے۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اس کی جانب بڑھا۔تو دیوالی نے پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے ٹیبل لیمپ اٹھالیا اور پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا۔زبردست آواز آئی اور لیمپ ایک طرف جا پڑا۔اس کا بیچ کا راڈ ٹیڑھا ہوگیا تھا۔تب دیوالی نے اس کے حلق سے کربناک آوازیں نکلتی ہوئی دیکھیں۔وہ تیزی سے واپس مڑا تھا۔دیوالی، دیوانوں کے سے انداز میں اس کی طرف لپکی۔وہ عجیب سے انداز میں آگے دوڑ رہا تھا۔

’’رک جاؤ...... کتے رک جاؤ۔‘‘ دیوالی پر جیسے دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔وہ آگے بڑھی تو اچانک ہی سامنے سے ایک تار ٹوٹ کر اس پر گرا اور اس میں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔دیوالی رک گئی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے سینکڑوں آوارہ بدروحیں بری طرح چیخ رہی ہوں۔وہ بری طرح بجلی کی تاروں کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور دردناک آواز میں چیخ رہا تھا۔لیکن اس وقت کوئی ان چیخوں کو سننے والا نہیں تھا۔وہ سلگ رہا تھا اور اس کا جسم اتنی تیزی سے سکڑ رہا تھا جیسے کاغذ کا بنا ہوا ہو۔چند لمحوں کے بعد بالکل ہی خاک ہوگیا۔پھر یہ خاک زمین میں جذب ہونے لگی اور زمین سے دھواں بلند ہونے لگا۔روشنی کے مسلسل جھماکے ہوئے اور چند لمحوں کے بعد وہ نگاہوں سے غائب ہوگیا۔

دیوالی کو محسوس ہوا جیسے اس بدروح سے اسے نجات حاصل ہوگئی ہو اور اب اس کے بعد اس عمارت میں رکنا سب سے بڑی بے وقوفی کی بات تھی۔عمارت کے احاطے میں کھڑی ہوئی کار کے قریب پہنچ کر اس نے اگنیشن میں لگی ہوئی چابی کو دیکھا۔سوئی گھما کر فیول چیک کیا اور اس کے بعد کار اسٹارٹ کر کے چل پڑی۔راستے کا کوئی تعین نہیں تھا۔بس چلی جارہی تھی۔اس پر ایک عجیب سی دیوانگی سوار تھی دل کو خوف کا ایک ہی احساس تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی خواب ہی نہ ہو۔جس میں اس نے اس بدروح کو ہلاک کردیا ہے۔کار دوڑتی رہی اور پھر اس نے اسے سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے دیکھا۔کار کی رفتار بے پناہ تیز تھی۔اس نے بریک لگانے کی کوشش کی اور کار الٹ گئی۔وہ قلابازیاں کھاتی ہوئی نشیب

میں جا پڑی تھی۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر سدھا نے اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹر وکٹر پول کو دیکھا اور وکٹر پول نے ان کی مطلوبہ اشیاء اس کی جانب بڑھا دیں۔سدھا شرما کا تعلق مشرق سے تھا۔لندن کے ایک بہت بڑے اور بہت نامور اسپتال میں وہ سرجن تھی۔اعضاء کی سرجری میں اس نے کمال حاصل کیا تھا اور گورنمنٹ لیول پر اسے ایک ماہر سرجن تسلیم کیا جاتا تھا۔یہ لڑکی جو کافی خوبصورت تھی۔اس کے پاس پہنچائی گئی تھی اس کی کار کا حادثہ ہوا تھا اور اس کے دونوں پاؤں ٹخنوں کے پاس سے کٹ کر دور جا گرے تھے۔ایک ڈاکٹر ہی نے اس کی کار کو الٹے ہوئے دیکھا تھا۔اگر وہ ڈاکٹر نہ ہوتا تو اس کے کٹے ہوئے پاؤں پر غور نہ کرتا لیکن وہ اس کے دونوں کٹے ہوئے پاؤں بھی اپنے ساتھ ہی اٹھالایا تھا۔

’’آہ! بے چاری لڑکی لیکن تم لوگ بے فکر رہو۔میں ان کے پاؤں اس طرح جوڑ دوں گی کہ زندگی بھر کسی کو احساس نہ ہو سکے کہ کبھی اس کے دونوں پاؤں اس طرح کٹ گئے تھے۔‘‘ سدھا شرما کو یہ بھی احساس ہوگیا تھا کہ یہ لڑکی بھی مشرقی ہی ہے۔بہرحال اس نے اس کے دونوں پاؤں بڑے ماہرانہ انداز میں جوڑے اور پاؤں جوڑتے ہوئے اسے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔پنڈلیوں کی بناوٹ کچھ عجیب سی تھی۔ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ پاؤں اس لڑکی کے نہ ہوں بلکہ کسی اور کے ہوں۔چونکہ ان کے سرے پیچھے کی طرف جاتے تھے۔ڈاکٹر سدھا شرما کے فرشتوں کو بھی احساس نہیں تھا کہ یہ واقعی کوئی الٹے پاؤں والی لڑکی ہوگی۔بہرحال اس نے ہڈیوں میں تبدیلی پیدا کی اور اپنے فن سے کام لیتے ہوئے ان پیروں کو سامنے کی سمت ہی جوڑا۔بھلا کہیں کسی انسان کے پاؤں الٹے بھی جوڑے جا سکتے ہیں۔بہرحال اسے اپنے ماہرانہ آپریشن پر مکمل یقین تھا اور ڈاکٹر وکٹر پول اسسٹنٹ تھا۔وہ بھی مطمئن تھا کہ آپریشن انتہائی کامیاب رہا ہے پھر ڈاکٹر سدھا شرما کا بیٹا اپنے وطن سے اس سے ملنے آیا۔سدھا شرما پانچ سال کے کنٹریکٹ پر یہاں تھی اور اب اس کا یہ کنٹریکٹ آخری مراحل میں تھا۔اس کے بیٹے کی خواہش تھی کہ اس کے بعد اس کی ماں وطن واپس چلے اور سدھا شرما بھی اس کے لیے تیار تھی۔ڈاکٹر سدھا شرما کا بیٹا ونیش جب ماں کے آخری آپریشن کو دیکھنے کے لیے اس کے پاس آیا تو اس نے اس لڑکی کو دیکھا اور اس کے بعد سکتے کی سی کیفیت میں کھڑا ہوگیا۔ماں کو بیٹے کی کیفیت کا اندازہ ہوا تو اس نے حیرت سے بیٹے سے پوچھا۔

"کیا بات ہے ونیش۔"

"ماما یہ وہی لڑکی ہے جس کے لیے میں دیوانہ ہو گیا تھا اور جو مجھے دوبارہ پھر نہیں ملی۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم ونیش۔"

"ماما اس کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے میں نے نجانے کتنی دعائیں مانگی ہیں اس کے لیے ماما۔ مگر یہ......" ڈاکٹر سدھا شرما تشویش زدہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگی تھی۔

ونیش کی دیوانگی کا اسے علم تھا۔ عجیب وغریب باتیں کرتا تھا۔ کہتا تھا وہ الٹے پیروں والی ہے وہ میری زندگی کا سب سے قیمتی سہایہ ہے۔ بہت دنوں تک ونیش دیوانگی کا شکار رہا تھا اور اس کے بعد بمشکل تمام اسے ہوش آیا تھا۔ بہر حال یہ مشکل ڈاکٹر نریشا اور اس کے شوہر ڈاکٹر گوند نے دور کی۔ ڈاکٹر نریشا اور ڈاکٹر گوند ہنی مون سے واپس ہوئے جب وہ راج وتی، نند کشور اور رمانند سے ملے تو وہاں انہوں نے ایک اور ہی کہانی سنی۔ "دیوالی آئی تھی اور اس کے بعد گم ہو گئی۔" ڈاکٹر نریشا خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

بہر حال سدھا شرما سے ان لوگوں کے گہرے تعلقات تھے۔ سدھا شرما ڈاکٹر گوند کی کزن تھی۔ بس ایسے ہی وہ یہاں آ پہنچے تھے اور یہاں انہوں نے دیوالی کو دیکھا۔ ڈاکٹر نریشا اسے ایک لمحے میں پہچان گئی اور اس نے حیران لہجے میں سدھا شرما سے کہا۔

"یہ تمہیں کہاں سے مل گئی۔" جواب میں سدھا شرما نے لڑکی کا ملنا اور اس کے آپریشن کی داستان سنائی تو ڈاکٹر نریشا حیران رہ گئی۔

"تو......تو......تو کیا......تو کیا۔ تم نے پاؤں سیدھے کر دیئے ہیں اس کے۔"

"ہاں یہ دیکھو۔"

"اور تمہارے خیال میں یہ ایک کامیاب آپریشن ہے۔"

"میں غرور کی کوئی بات نہیں کروں گی۔ یہ آپریشن میری زندگی کا ایک اہم کارنامہ ہے اور پھر میں نے پوری ذمہ داری اور احساس کے ساتھ یہ آپریشن کیا ہے۔"

"آہ! دیکھو تقدیر جب کچھ راستے ہموار کرنا چاہتی ہے تو کیسے کیسے سب بنتے چلے جاتے ہیں۔" بہر حال ڈاکٹر نریشا نے یہ خوشخبری دوسرے لوگوں کو سنائی اور پھر سب کے سب دیوالی کے پاس پہنچ گئے۔ ڈاکٹر سینا بھی تھا۔ ادھر دیوالی ونیش کو پہچان چکی تھی اور اس سے معافی وغیرہ بھی مانگ چکی تھی۔ ڈاکٹر سینا کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ دیوالی اور ونیش ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو اس نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے راستے الگ

کر لیے۔

آواگون اور جنم جنم کا کھیل کیا ہوتا ہے کم از کم اس سلسلے میں تو یہ ساری کہانیاں جھوٹا قصہ بن کر رہ گئی تھیں۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی راج تلک تھا اور نہ کوئی اور۔ ڈاکٹر ونیش دیوالی کی تقدیر کا مالک بن گیا۔ سب وطن واپس آ گئے اور اس طرح اس کہانی کا اختتام ہو گیا۔

☆====== ختم شد ======☆